26

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم
وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

سیرت کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور انبیا سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

جسمیں ہاشمیوں کا عام مقاطعہ، حبشہ کیطرف دوسری ہجرت، آپکو زن، زر اور حکومت کا پیشکش
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا قبول اسلام، ابو طالب اور ام المومنین خدیجہؓ کا سفر آخرت
مجلس ایذا رسانی کا قیام، معراج، تبلیغی دورے، اہل یثرب کی بیعت اسلام، معجزہ شق القمر،
صحابہ کرام کی ہجرت، آپ کی ہجرت مقدسہ، قبا میں ورود، مدینہ منورہ میں داخلہ، مہاجرین
و انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام، حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام، مسجد نبوی
کی تعمیر، منافقوں کا ظہور، یہود سے معاہدہ صلح، یہودی قوم کے اعراض و انکار کے اسباب
سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شادی، تحویل قبلہ، فرضیت رمضان، مسلمانوں کو تلوار اٹھانے
کی اجازت، غزوہ بدر، سیدہ رقیہؓ کی رحلت، ہزیمت بدر کی انتقام جوئی، اور دوسرے اہم واقعات درج ہیں

مرتبہ
مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مدظلہ مصنف ائمہ تلبیس، سیرت ذوالنورین، سیدہ فاطمہ، شمائل کبریٰ
رئیس قادیان وغیرہ

ناشر مکتبہ صدیقیہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر
بار اول
تعداد ۱۲۵۰
قیمت

RS. 4/8/-

DATA ENTERED
۲۹۷۷۹۹۲۱
2977 9921
رف 28
4863

فصل ۱۷۰ ۔ قریش کی طرف سے ہاشمیوں کا عام مقاطعہ

معاہدہ کا سقفِ کعبہ سے آویزاں کیا جانا

جب اکابر قریش کو معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت و حمایت کا عہد کیا ہے تو نبوت کے ساتویں سال پہلی محرم کو تمام قبائل قریش نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں گے کوئی شخص ان سے ملاقات اور بات چیت نہ کرے گا، ان کے ہاتھ نہ بیچے گا، ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ پہنچنے دے گا۔ کسی قسم کی کوئی رواداری نہ برتے گا۔ ان کے ساتھ رشتہ بیاہ نہ کرے گا۔" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نام ایک شخص کے ہاتھ سے لکھا گیا۔ اس پر قبائل قریش کے قریب قریب تمام سربر آوردہ افراد نے دستخط یا نشان کیے اور جب مرتب ہو چکا تو کعبہ معلی کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔

ہاشمیوں کے ہاتھ سودا بیچنے کی قسم

اس معاہدہ کے بعد ہاشمیوں اور بنو عبد المطلب کا عام مقاطعہ شروع ہو گیا۔ ابو لہب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے کے باعث پہلے ہی اپنے خاندان سے کشیدہ خاطر تھا لیکن اب وہ علانیہ ہمیشہ کے لیے بنو ہاشم سے کٹ کر قریش کے دوسرے قبائل میں جا ملا۔ اعدا نے ہاشم اور مطلب کی اولاد سے میل ملاقات، سلام و پیام یک قلم موقوف کر دیا۔ دکانداروں نے ان کے ہاتھ سودا فروخت کرنے کی قسم کھا لی۔ ہر قسم کا تعاون اٹھ گیا۔ قریش ان تمام اشیاء خوردنی کو جن کی نسبت کوئی ادنیٰ احتمال ہوتا تھا کہ ہاشمیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی ہر قیمت پر فی الفور خرید لیتے تھے۔ جب ان کے کانوں میں بھنک پڑتی کہ کہیں سے سوداگر غلہ لا رہے ہیں تو شہر سے نکل کر راستہ میں جا ملتے اور تمام اناج جس قیمت پر بھی مل سکتا خرید لیتے۔

ان حالات سے مجبور ہو کر ابو طالب ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لے کر پہاڑ کے ایک درہ میں جو ہاشمیوں کا موروثی تھا جا پناہ گزیں ہوئے اور ان کے سکونتی مکان مقفل ہو گئے۔ لیکن درہ میں کوئی چیز میسر نہ تھی کیونکہ دشمنوں نے درہ کو ہر طرف سے محصور

کر لیا تھا اور کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچنے دیتے تھے۔ جب ہاشمیوں کے ننھے ننھے بچے بھوک سے بلکتے تھے تو سیاہ دل بت پرست خوش ہوتے اور ان کے پتھر دل کسی طرح نہ پسیجتے۔ (ابن جریر طبری)

ہاشمیوں کو بھوکوں مارنے کی ان تھک کوششیں

کوئی کوشش ایسی نہ تھی جو ہاشمیوں کو بھوکوں مارنے کے لیے مکہ کے بت پرست عمل میں نہ لائے ہوں۔ ان اشقیار نے ایسا زبردست پہرہ لگا رکھا تھا کہ رات کے وقت بھی کوئی چیز درہ میں نہ پہنچ سکتی تھی۔ طلح نام ایک خاردار درخت ریگستان عرب میں ہوتا ہے۔ بنو ہاشم اس کے پتے کھا کھا کر دن کاٹتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک فاقہ کش ہاشمی کو رات کے وقت سوکھا ہوا چمڑا کہیں سے ہاتھ آ گیا۔ اس نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ اس کو اچھی طرح دھو کر آگ پر بھونا۔ پھر کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پیا (الروض الانف)

حضرت خدیجہؓ کے پاس گیہوں لے جانے میں مزاحمت

بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال کی مدت اس طرح گزاری کہ ان کو علانیہ کوئی چیز دستیاب نہ ہوتی تھی اور اگر کسی چیز پر دسترس پاتے تھے تو وہ وہی ہوتی تھی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ یا دوسرے جان نثاروں کی طرف سے کسی طرح چوری چھپے پہنچا دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ہنوز شرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہوئے تھے کسی قدر گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس درہ میں بھیجا۔ ابوجہل کو پتہ چل گیا۔ جھٹ اونٹ پر سوار ہو کر پہنچا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا میں تجھے ہاشمیوں کے پاس گیہوں نہ لے جانے دوں گا اور سارے مکہ میں تجھے ذلیل کروں گا۔”

اتفاق سے ابوالبختری بن ہشام بن حارث نام ایک غیر مسلم رئیس وہاں آ پہنچا اور ابوجہل سے پوچھنے لگا کیا قصہ ہے؟

ابوجہل نے کہا یہ حکیم بن حزام کا غلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے گیہوں لیے جاتا ہے اور میں مانع ہوں۔

ابوالبختری کے ہاتھوں ابوجہل کی سرکوبی

ابوالبختری نے کہا حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانۃً رکھا تھا وہ

اس نے منگوایا ہوگا۔ جانے دو اس میں کچھ مضائقہ نہیں"۔ ابوجہل بولا میں ہرگز نہ جانے دوں گا"۔ ابوالبختری نے کہا ایک شخص اپنی فاقہ کش پھوپھی کی امانت واپس کرتا ہے مگر تیری شقاوت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی"۔ ابوجہل اور ابوالبختری میں سخت کلامی ہونے لگی اور پھر بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھا لیا۔ پھر ابوجہل کو ٹنڈی سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا اور سر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سر پھوٹ گیا۔ ابوجہل کے سر سے خون کا فوارہ جاری تھا لیکن ابوالبختری نے اسے اب بھی نہ چھوڑا۔ خوب ٹھوکریں لگائیں اور بری طرح ذلیل و پامال کیا۔

اتفاق سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابتدائے آویزش ہی میں وہاں پہنچ کر یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل کو اپنے پٹنے اور زخمی ہونے کا اتنا رنج نہیں تھا جتنا اس بات کا صدمہ تھا کہ حمزہؓ نے اس کی ذلت و رسوائی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور وہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو یہ خبر سنائیں گے اور وہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ (ابن ہشام و ابن جریر طبری)

ایامِ مقاطعہ میں فریضہ تبلیغ کا انہماک

باوجودیکہ محصوری اور مقاطعہ اور فاقہ کشی کی مشکلات نے نہایت خوفناک شدت اختیار کر رکھی تھی اور ابوطالب کو ہر وقت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے لالے پڑے رہتے تھے تاہم اس مدت میں بھی داعیٔ توحید علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فریضہ تبلیغ و اشاعت سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہ تھی۔ آپ اس نازک دور میں بھی بدستور اپنی قوم قریش کو علانیہ یا مخفی شب و روز اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اس زمانہ میں وحیٔ الٰہی بھی لگاتار نازل ہوتی رہی اور اوامر و نواہی حسب معتاد آتے رہے۔ خدائے مہیمن ان ایام میں برابر خلیفۃ اللہ علی الارض کی مخالفت کرنے والوں کی نسبت مختلف وعیدیں نازل فرماتا اور اپنے رسول کو ہر قسم کی ہدایات سے قوی پشت کرتا رہا (ابن جریر طبری)

فصل ۱۷، حبشہ کی طرف صحابہ کرامؓ کی دوسری ہجرت

حبشہ سے صحابہؓ کے مراجعت فرمانے کے بعد قریش کی ظلم آرائیاں حد برداشت سے

بڑھ گئی تھیں اس لیے ہاشمیوں کا مقاطعہ شروع ہونے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیفتگان حق و صدق کی درخواست پر انہیں دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اب کی مرتبہ ہجرت کرنا پہلے کی طرح کوئی آسان کام نہ تھا، تاہم جس طرح بن پڑا سو سے زیادہ مرد و زن نہایت اخفاء کے ساتھ تھوڑے تھوڑے کر کے حبشہ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ذیل میں ہر خاندان کے مہاجرین و مہاجرات کے اسمائے گرامی سیرت ابن ہشام سے نقل کیے جاتے ہیں۔ صرف ایک نام (دعد بنت جحدم) کا اضافہ تاریخ ابن کثیر سے کیا گیا ہے۔

بنو ہاشم (۱) جعفر بن ابی طالب (۲) ان کی اہلیہ اسماء بنت عُمَیس۔ عبداللہ بن جعفرؓ حبشہ میں متولد ہوئے۔

بنو اُمیّہ (۱) حضرت عثمان بن عفّان بن ابوالعاص بن اُمیّہ (۲) ان کی اہلیہ سیدہ رُقیّہؓ بنت رسول اللہؐ (۳) عَمرو بن سعید بن ابوالعاص بن اُمیّہ (۴) ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان (۵) ان کے بھائی خالد بن سعید بن ابوالعاص بن اُمیّہ (۶) ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسعد خزاعی۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکا سعید بن خالد اور ایک لڑکی اُمّہ بنت خالدؓ متولد ہوئی۔ کچھ زمانہ کے بعد اُمّہ سے حضرت زُبیر بن عوّام رضؓ نے نکاح کیا جن سے عَمرو بن زُبیرؓ اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔

بنو اَسَد بن خزیمہ (۱) عبداللہ بن جحش بن رِیاب (۲) ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش (۳) عبیداللہ کی بیوی اُمّ حبیبہ رَملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن اُمیّہ (۴) قیس بن عبداللہ (۵) قیس کی بیوی برکۃ بنت یسار (۶) معیقیب بن ابی فاطمہ۔

بنو عبد شمس بن عبد مناف ابوحُذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس جو امیر معاویہؓ کے حقیقی ماموں تھے۔

بنو نوفل بن عبد مناف عُتبہ بن غزوان جو عہد فاروقی میں بصرہ کے حاکم تھے۔

بنو اَسَد بن عبد العُزّیٰ (۱) زُبیر بن عوّام بن خُوَیلد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے برادر زادہ تھے (۲) اسود بن نوفل بن خویلد بن اَسَد (۳) یزید بن زمعہ بن اسود بن مُطّلب بن اسد (۴) عَمرو بن اُمیّہ بن حرث بن اَسَد۔

بنو عبد بن قصیّ طُلَیب بن عُمَیر

بنو عبدالدار بن قصیٰ (۱) مُصعب بن عُمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار (۲) ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر (۳) سویبط بن سعد بن حریملہ (۴) جہم بن قیس (۵) جہم کی بیوی اُمِّ حرملہ بنت عبدالاسود۔ ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی (۶) عمرو بن جہم اور (۷) خزیمہ بنت جہم (۸) فراس بن نضر بن حرث۔

بنو زہرہ بن کلاب (۱) عبدالرحمٰن بن عوف (۲) عامر بن ابی وقّاص (۳) ابو وقاص مالک بن اُہیب بن عبد مناف بن زُہرہ (۴) مُطّلب بن ازہر بن عبد عوف۔ (۵) ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف۔ حبشہ میں ان کے فرزند عبداللہ بن مُطّلب پیدا ہوئے۔

بنو ہُذیل (۱) عبداللہ بن مسعود (۲) ان کے بھائی عُتبہ بن مسعود۔

بنو بہراء مقداد بن عمرو

بنو تمیم (۱) حرث بن خالد بن صخر (۲) ان کی بیوی ریطہ بنت حرث۔ حبشہ میں ان کے یہ اولادیں ہوئیں: موسیٰ بن حرث، عائشہ بنت حرث، زینب بنت حرث، فاطمہ بنت حرث (۳) عمرو بن عثمان۔

بنو مخزوم یعنی ابوجہل کا خاندان (۱) عبداللہ معروف بہ ابوسَلَمہ بن عبدالاسد (۲) ان کی بیوی ہند اُمِّ سَلَمہ بنت ابی اُمیّہ بن مغیرہ۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکی زینب بنت ابی سلمہ پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ کی رحلت کے بعد ان کی بیوہ اُمِّ سَلَمہ کو اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا (۳) عثمان بن عثمان بن شرید معروف بہ شمّاس جو غیر معمولی حسین وجمیل ہونے کے باعث شمّاس کے لقب سے مشہور تھے (۴) ہبار بن سفیان (۵) ان کے بھائی عبداللہ بن سفیان (۶) ہشام بن ابی حُذیفہ (۷) سَلَمہ بن ہشام جو ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے (۸) عیاش بن ابی ربیعہ (۹) معتب بن عوف۔

بنو جمح (۱) عثمان بن مظعون (۲) ان کے فرزند سائب بن عثمان (۳) ان کے بھائی قدامہ بن مظعون (۴) عبداللہ بن مظعون (۵) حاطب بن حرث بن معمر (۶) ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے دو بیٹے (۷) محمد بن حاطب اور (۸) حرث بن حاطب (۹) ان کے بھائی خطاب بن حرث (۱۰) خطاب کی بیوی فکیہہ بنت یسار (۱۱) سفیان بن معمر اور ان کے دو بیٹے۔ (۱۲) جابر بن سفیان اور (۱۳) جنادہ بن سفیان (۱۴) سفیان بن معمر کی بیوی حسنہ (۱۵) حسنہ کے پہلے شوہر کے پسر شرحبیل بن حسنہ (۱۶) عثمان بن ربیعہ۔

بنو سہم بن عمرو (۱) خنیس بن حذافہ (۲) عبداللہ بن حرث (۳) ہشام بن عاص (۴) قیس

بن حذافہ (۵) ابو قیس بن حرث (۶) عبداللہ بن حذافہ بن قیس (۷) حرث بن حرث بن قیس (۸) معمر بن حرث بن قیس (۹) بشر بن حرث (۱۰) سعید بن عمرو (۱۱) سعید بن حرث بن قیس (۱۲) سائب بن حرث بن قیس (۱۳) عُمیر بن ریاب (۱۴) محمیہ بن جزء۔

بنو عدی بن کعب

معمر بن عبداللہ بن نضلہ (۲) عُروہ بن عبدالعزیٰ (۳) عدی بن نضلہ بن عبدالعزیٰ (۴) نعمان بن عدی (۵) عامر بن ربیعہ (۶) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ۔

بنو عامر بن لوی

(۱) ابو سبرہ بن ابی رہم (۲) ان کی بیوی اُم کلثوم بنت سُہیل بن عمرو بن عبد شمس (۳) عبداللہ بن سُہیل بن عمرو بن عبد شمس (۴) سلیط بن عمرو بن عبد شمس (۵) ان کے بھائی سکران بن عمرو بن عبد شمس جو کہ کے مشہور غیر مسلم رئیس سُہیل بن عمرو کے بھائی تھے (۶) ان کی بیوی سودہ بنت زمعہ بن قیس جو بعد میں ازواج طاہرات میں شمول سے سعادت اندوز ہوئیں (۷) عبداللہ بن مخرمہ (۸) مالک بن ربیعہ بن قیس (۹) ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی (۱۰) ابو حاطب بن عمرو (۱۱) سعد بن خولہ۔

بنو حرث بن فہر

(۱) عامر بن عبداللہ معروف بہ ابو عُبیدہ بن الجراح (۲) سُہیل بن بیضاء (۳) ان کی والدہ دعد بنت جحدم بن اُمیّہ بن ظرب (۴) عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ (۵) عیاض بن زُہیر (۶) عمرو بن حرث بن زُہیر (۷) عمرو بن عبد غنم بن زہیر (۸) سعد بن عبد قیس (۹) حرث بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت عثمانؓ کی دو ہجرتیں

حضرت عثمان بن عفانؓ ان نفوس قدسیہ میں داخل ہیں جنہوں نے مکہ سے حبشہ کو دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ دونوں دفعہ سیدہ رقیہؓ ان کے ہمراہ تھیں۔ جب دوسری مرتبہ عازم حبشہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پیش گاہ نبویؐ میں گزارش کی یارسول اللہ! ہم نے پہلے بھی حبشہ کو ہجرت کی اور اب پھر جا رہے ہیں لیکن آپ اس مرتبہ بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں؟! آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جس طرح مہاجرین الی اللہ ہو اسی طرح تم نے میری طرف بھی ہجرت کی ہے"۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے کہا تو پھر یہ ہمیں بس ہے (ابن سعد)

فصل ۱۷۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عزمِ حبشہ

جس حد تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعدائے ملّت کے جور و ستم کا نشانہ بن کر اپنے ایمان اور ملّی شغف کا عملی ثبوت پیش کیا، جریدۂ عالم میں اس کے نظائر بہت کم مل سکتے ہیں۔ یوں تو ہر مومن قانت اعداء کے قہر و ستم کا آماج گاہ بنا ہوا تھا لیکن اس لحاظ سے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ راست اور سب سے بڑے معاون و صلاح کار تھے، ان کی طرف مخالفوں کی "نظرِ التفات" بھی سب سے زیادہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا خاندان بڑا معزز اور طاقت ور تھا اور ان کے اعوان و انصار کی بھی کمی نہ تھی۔ تاہم اعداء کی پیہم جفاکاریوں اور یورشوں سے تنگ آ کر صدیق اکبرؓ نے بھی ارشادِ نبوی کے ماتحت حبشہ جانے کے قصد سے مکہ معظمہ کو الوداع کہہ دیا۔

ابن دُغنہ کا برک الغماد سے واپس لانا

جب موضع برک الغماد میں جو مکہ سے یمن کی جانب چار منزل ہے پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن دُغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی۔ مکہ معظمہ کی سرزمین فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کر دی گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر یادِ مولیٰ میں مصروف رہوں"۔ ابن دُغنہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا معزز اور نیک کردار آدمی کہ مہمان نوازی، صلہ رحمی، بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و دستگیری اور مصیبت زدوں کی امداد جس کا شیوہ ہے، یوں شہر بدر ہو جائے۔ تم واپس چل کر اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اپنی حمایت و جوار میں لیتا ہوں"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اپنے محبوب و مقتدا حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا ایک ایک لمحہ سخت شاق تھا اس لیے ابن دُغنہ کی درخواستِ مراجعت پہ دل میں خوش ہوئے اور اس کے ساتھ واپس آ گئے۔ ابن دغنہ مکہ مکرمہ پہنچ کر فرداً فرداً تمام سردارانِ قریش سے ملا اور کہا افسوس۔ ہے کہ تم لوگ ایک ایسے معزز رئیس کو جلا وطن کرتے ہو جو انتہا درجہ کا مہمان نواز اور بے کسوں کا ملجا و ماویٰ ہے، قبیلہ پرور ہے، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتا ہے۔

عہد کے احترام کی شرط

عمایدِ قریش نے کہا ہم تمہارے قول و قرار اور عہد کا احترام کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ قرآن اور اپنی عبادتیں اپنے گھر میں چپکے سے پڑھا کریں۔ وہ آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ابن دغنہ کے اصرار پر چند روز تو آہستہ پڑھنے کا التزام کیا لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد بنوا لی اور اس میں خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے لگے۔ دل نہایت رقیق اور نرم پایا تھا، قرآن پڑھتے یا نماز ادا کرتے تو اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ یہ دیکھ کر غیر مسلمہ عورتیں اور قریش کے لڑکے اور لونڈی غلام جمع ہو جاتے۔ جناب صدیق اکبرؓ ادائے نماز یا قرآن خوانی میں مصروفِ بکا ہوتے تو یہ لوگ ان کو مرغِ بسمل کی حالت میں دیکھ کر محوِ حیرت رہ جاتے۔

اسلام میں سب سے پہلی مسجد

جب قریش کو پتہ چلا کہ (حضرت) ابوبکرؓ کی عبادت گزاری اور ان کا گریہ و بکا قوم کی عورتوں اور بچوں کو اسلام کی طرف مائل کر رہا ہے تو ابن دغنہ سے اس کی شکایت کی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ تمہاری عبادت گزاری سے اثر پذیر ہوتے ہیں اس لیے اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتا۔" حضرت صدیقؓ نے فرمایا مجھے حافظِ حقیقی کی حفاظت و صیانت کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ اس لیے میں خود تمہاری جوار سے دست بردار ہوتا ہوں (بخاری)

علامہ عینیؒ نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے مکہ معظمہ میں تعمیر کرایا۔

فصل ۱۷۳ ۔ شاہِ حبشہ کے پاس قریش کی سفارت

فرمانرواؤں کے القاب

عہدِ سابق میں شام، جزیرہ اور بلادِ روم کے فرماں رواؤں کو قیصر، شاہِ ایران کو کسریٰ، شاہانِ مصر کو فرعون، والیٔ اسکندریہ کو مقوقس، والیٔ یمن کو تُبّع، شاہانِ حبشہ کو نجاشی، شاہانِ یونان کو بطلیموس، شاہانِ ترک کو خاقان اور شاہِ چین کو فغفور کہتے تھے۔

نجاشی کے پاس سفارت بھیجنے کا فیصلہ

حضرات مہاجرین ترکِ وطن کے بعد اہلِ مکہ کے دستِ تعدی سے بچ کر حبشہ میں امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگے اور نجاشی اُن سے مربیانہ سلوک کرنے لگا۔ جب یہ خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو قریش سخت پیچ و تاب کھانے لگے۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس جو عیسوی المذہب ہے ایک سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مفرور مجرم ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر جو اس وقت معاندینِ اسلام کے زمرہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کو سفارت کی خدمت سپرد کی گئی۔ قریش کے جس رئیس سے بھی ہدایا فراہم کرنے کی درخواست کی گئی اُس نے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیا۔ بادشاہ اور عمائدِ سلطنت کے لیے الگ الگ گراں قدر تحائف مہیا کیے گئے۔ بادشاہ کے لیے مکہ کا نفیس ترین چمڑا، ایک عربی گھوڑا اور دیباج کا جُبّہ لے گئے تھے (تاریخ ابن کثیر)

بطارقہ کو تحائف سے ممنون کر[illegible]

یہ دونوں حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے مسیحی علمائے دربار سے ملے جو بطریق کہلاتے تھے اور فرداً فرداً تحفے اور نذرانے دیے اور کوئی بطریق ایسا نہ رہا جس کو بادشاہ کے سامنے عرضداشت پیش کرنے سے پہلے کوئی نہ کوئی ہدیہ نہ پہنچا دیا ہو۔

اہلِ مکہ کے نمائندے تحفے اور نذرانے پیش کرنے کے بعد ہر ایک سے کہتے تھے کہ مکہ کے ایک شخص نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور بہت سے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ان میں سے چند گم کردگانِ راہ مکہ سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں اور ہم ان کو پکڑنے اور واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ کل ہم ان کی نسبت دربارِ شاہی میں ایک معروضہ پیش کریں گے اس لیے التماس ہے، کہ آپ حضرات ہماری تائید فرمائیں اور بادشاہ کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔" بطارقہ نے تائید کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد تمام اعیانِ سلطنت کو بھی انواع و اقسام کے تحائف سے ممنون کر کے اپنا مؤید بنانے کی کوشش کی۔

بادشاہ سے مہاجروں کی حوالگی کی درخواست

جب سب کو ہموار کر چکے تو نجاشی شاہِ حبشہ کی خدمت میں باریاب ہو کر سربسجود ہوئے اور ہدایا پیش کر کے التماس کی کہ جہاں پناہ! ہماری قوم قریش کے بعض جہلاء اپنا قومی دین ترک

کر کے مکہ سے یہاں چلے آئے ہیں اور حضور کا دین بھی اختیار نہیں کیا بلکہ بالکل ایک نیا مذہب جس سے دنیا بالکل ناآشنا تھی اختراع کر کے ایک جداگانہ راہ اختیار کی ہے۔ اس لیے قبیلۂ قریش کے بزرگوں نے ہمیں جہاں پناہ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ روانہ کیا ہے کہ حضور انہیں وطن جانے کا حکم دیں"۔ بادشاہ نے اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور کہا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں ان مہمانوں کو جنہوں نے میری سلطنت میں پناہ لی ہے خارج کر دوں؟ آخر جب اعیان سلطنت اور پیشوایانِ مذہب نے ان کی ہر طرح تائید کی تو بادشاہ نے کہا اچھا میں ذرا ان پناہ گزینوں کا بیان بھی تو سُن لوں"۔ چنانچہ بادشاہ نے مہاجروں کو بلا بھیجا۔

مہاجروں سے نجاشی کا استفسار

ان حضرات نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بھائی جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو جو بڑے خوش بیان مقرر تھے منتخب کیا۔ حضرت جعفرؓ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور اس وقت ان کی عمر کم و بیش چھبیس سال کے قریب تھی۔ قریش کے دونوں نمائندے تو بادشاہ کو دیکھتے ہی سربسجود ہو گئے تھے لیکن مہاجروں میں سے کسی نے سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا تم لوگوں نے مسیحیت اور بُت پرستی سے الگ یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے آبائی مذہب سے دست بردار ہو گئے ہو؟

دربارِ شاہی میں حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر

حضرت جعفرؓ نے اس سوال کے جواب میں جو تقریر کی اس کا ضروری خلاصہ یہ ہے۔ "اے بادشاہ! ہم اہلِ عرب دنیا کی جاہل ترین قوم تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بُت پرستی ہمارا دین تھا۔ فواحش و عصیان میں ہر وقت غرق تھے۔ محارم کو حلال کر رکھا تھا۔ حرام کاری معیوب نہ تھی۔ حقوقِ انسانیت کا پاس نہ تھا۔ قطع رحم، ہمسایہ کی حق تلفی، خونریزی اور ظلم و ستم ہمارا عام شیوہ تھا۔ زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا۔ ملک کے اندر کوئی آئین، کوئی اصول، کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا اور دنیا کی کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جس کے ہم خوگر نہ تھے۔ ایسی حالت میں رحمتِ خداوندی نے ہم میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا جس کا حسب و نسب، فضل و شرف، صدق و امانت، دیانت و عفاف، تقویٰ و طہارت دوست دشمن سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اس رسولؐ نے ہم کو توحیدِ الٰہی اور معرفتِ خداوندی کی طرف بلایا۔ پتھروں کی پُوجا سے جو آبا و اجداد سے چلی آتی تھی روک دیا اور ہدایت کی کہ ہمیشہ سچ بولیں۔ غیبت اور عیب جوئی سے بچیں۔ وعدہ پورا کریں

۸۶۳ م

ہمیں اکلِ حلال، ادائے امانت، صلۂ رحم، حقوقِ ہمسایہ کا پابند بنایا۔ گناہوں سے بچنے، خون ریزی اور دختر کشی سے باز رہنے اور فواحش کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب خواتین پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور ہمسایوں کو سکھ پہنچانے کا حکم دیا۔ خدائے واحد کی عبادت ہم پر فرض کی۔ ہم لوگ اس یگانۂ دہر ہستی پر خلوصِ دل سے ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی۔ ہم نے کفر و شرک کو چھوڑ دیا۔ بدعملیوں سے دست بردار ہو گئے اور پاکیزگی و طہارت کو اپنا شعار بنایا۔ جس چیز کو ہمارے رسولِ مختار نے حلال بتایا ہم نے اسے حلال سمجھا اور جس کو حرام فرمایا اس سے باز رہے۔

اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے فرمایا اے بادشاہ! ہماری قوم اس دینِ حق کے اختیار کرنے پر ہماری دشمن ہو گئی۔ بڑی بڑی تکلیفیں دیں اور جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تاکہ ہم اس آسمانی دین و آئین کو ترک کر کے دوبارہ کیشِ بت پرستی اختیار کر لیں۔ خدائے واحد کی عبادت چھوڑ کر از سرِ نو پتھر کی مورتوں کو پوجنا شروع کر دیں۔ اے بادشاہ! ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ آخر جب ان کے ظلم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ہم پر وطن کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو ہم بصد مجبوری حضور کی عملداری میں چلے آئے۔"

بادشاہ کا قرآن سُن کر رونا

اس تقریر کے اختتام پر بادشاہ کہنے لگا تمہارے پیغمبر پر خدا کی طرف سے کوئی کلام بھی نازل ہوا ہو گا؟ حضرت جعفرؓ نے فرمایا ہاں برابر نازل ہو رہا ہے۔" بادشاہ نے کہا اس کلام میں سے کچھ پڑھ کر سناؤ۔"

حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم پڑھنی شروع کی۔ اس وقت تمام اساقف موجود تھے اور انہوں نے اپنے اپنے مصاحف اپنے اردگرد پھیلا رکھے تھے۔ بادشاہ نے سورۂ کہٰیعص کی ابھی چند ہی آیتیں سنی تھیں کہ متاثر ہو کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔ اسقف بھی اتنا روئے کہ ان کے مصاحف تر ہو گئے۔ بادشاہ کہنے لگا خدا کی قسم! یہ کلام جو تم نے پڑھ کر سنایا اور انجیل جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی دونوں ایک ہی شمعِ فیض کے دو پرتو ہیں۔

اب نجاشی نے حکم دیا کہ مکی سفیروں کے ہدیے واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان مظلوموں کو ہرگز ان کے حوالے نہ کروں گا (سیرۃ ابن ہشام و تاریخ ابن کثیر)

یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے تقریر کی تھی لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت جعفرؓ نے مہاجروں کی ترجمانی فرمائی تھی۔

(تاریخ ابن کثیر)

دربار شاہی میں صحابہ کرامؓ کی مکرر طلبی۔

دوسرے دن حضرت عمرو بن عاصؓ نے جو اس وقت اسلام کی مخالفت میں اہلِ شرک کی نمایندگی کر رہے تھے اپنی کامیابی کی ایک اور تدبیر نکالی۔ انہوں نے از سرِ نو دربار شاہی میں باریابی حاصل کر کے گزارش کی کہ جہاں پناہ! ذرا یہ بھی تو دریافت فرمایا ہوتا کہ حضرت یسوع مسیحؑ کے متعلق ان لوگوں کا کیا عقیدہ ہے، میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ حضرت مسیحؑ کا درجہ گھٹاتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ آپ ان کو دوبارہ بلا کر اس بیان کی تصدیق فرما سکتے ہیں۔ جناب ابن عاصؓ نے سوچا تھا کہ عیسائی لوگ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ یقین کرتے ہیں، اور جب مسلمان یہ کہیں گے کہ حضرت مسیحؑ اللہ کے بندہ ہیں تو بادشاہ ضرور برآشفتہ ہوگا"۔ بادشاہ نے مسلمانوں کو مکرر بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں"۔

یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ جب ہم حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکار کریں گے تو وہ ضرور کبیدہ خاطر ہوگا، تاہم فیصلہ ہوا کہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہمیں صدق شعاری اور راست بیانی سے کام لینا چاہیئے۔ غرض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از سرِ نو حاضر دربار ہوئے۔

حضرت مسیحؑ کے متعلق اسلامی عقیدہ

بادشاہ نے سوال کیا کہ تم لوگ یسوع مسیحؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبرؐ نے بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے پیغمبر اور کلمۃ اللہ اور اس کے برگزیدہ بندہ ہیں"۔ بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا تم نے عیسیٰ علیہ السلام کی جو تعریف کی واللہ! حضرت مسیحؑ تنکا بھر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ یہ سن کر بطارقہ چیں بجبیں ہوئے لیکن کیا کر سکتے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ دونوں آدمی جس قدر ہدایا و تحائف لائے ہیں سب واپس کر دیئے جائیں۔ اس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ غرض قریش کی سفارت ناکام رہی اور ان کے نمایندوں کو خائب و خاسر واپس آنا پڑا (مسند احمد و سیرت ابن ہشام)

عمروؓ بن عاص کی خانہ نشینی

مکہ کی جو سفارت حبشہ سے نامراد واپس آئی اس کے قائد عمرو بن عاصؓ تھے۔ ان کے ساتھی کے نام میں

اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور تو عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ہیں جو سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ان کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز کسی آیندہ فصل میں آئے گا۔ بعض نے عُمارہ بن ولید کا نام لکھا ہے جو حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ عَمرو بن عاصؓ حبشہ سے ناکام واپس آ کر ایسے خانہ نشین ہوئے کہ باہر نکلنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سرداران قریش نے آدمی بھیج کر گھر سے باہر نہ نکلنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اصحمہ شاہ حبشہ کا گمان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اللہ ہیں (البدایۃ النہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر)

حبشہ پر غنیم کی چڑھائی اور صحابہؓ کی دُعائیں

سفارت کی نامرادواپسی کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ شاہ حبشہ پر غنیم چڑھ آیا۔ بادشاہ مسلمانوں کا محسن تھا اور مسلمان احسان شناس ہوتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ اس خبر کو سُن کر مغموم ہوئے اور بادشاہ کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر خدانخواستہ غنیم غالب آیا تو معلوم نہیں ہم بلاکشوں کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ الغرض نجاشی لاؤ لشکر لے کر غنیم کے مقابلہ پر گیا۔ دریائے نیل کے اُس پار لڑائی شروع ہوئی۔

صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی جا کر جنگ کی خبر لائے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی حضرت زُبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ جانے پر آمادہ ہوئے۔ صحابہؓ نے ایک مشک میں ہوا بھر کر ان کے حوالے کی اور وہ اس کو سینہ کے نیچے رکھ کر پیرتے ہوئے دریا سے پار ہو گئے اور وہاں کے حالاتِ معلوم کر کے مراجعت کی۔ یہاں فلکِ ملت کے درخشاں ستارے نہایت تضرع و ابتہال کے ساتھ مصروف دعا تھے۔ حضرت زبیرؓ نے آ کر کہا اے اصحاب رسول اللہؐ! مبارک ہو کہ خدا نے شاہ نجاشی کو مظفر و منصور فرمایا اور اس کے دشمن کو ہلاک کیا (سیرت ابن ہشام)

شاہِ حبشہ آغوشِ اسلام میں

نجاشی شاہان حبشہ کا لقب تھا۔ وہ نجاشی جن کے عہد سلطنت میں صحابۂ کرامؓ نے حبشہ میں پناہ لی تھی اصحمہؓ تھے۔ اصحاب رسول اللہؐ کی چند ہی ملاقاتوں میں شاہ اصحمہؓ کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے جس رسول کی بعثت کا مژدہ اسرائیلیوں کو سنایا تھا وہ رسول یقیناً یہی ہیں جنھوں نے مکہ میں ظہور فرمایا ہے چنانچہ وہ اعتقاداً انہی ایام سے ملت موحدین کے زمرہ

میں داخل ہو چکے تھے۔

۳۳ مہاجروں کا عزمِ مدینہ

جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمائے یثرب ہونے کی خبر حبشہ پہنچی تو حضرات مہاجرین کے دل میں مدینہ منورہ پہنچنے کا میلان ایک قدرتی امر تھا لیکن ناداری اور تہی دستی اس طویل بحری سفر کی راہ میں حایل تھی۔ یہ دیکھ کر ۳۳ مردوں اور آٹھ خواتین نے مکہ معظمہ کے راستہ سے مدینہ جانے کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ یہ حضرات بعافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے لیکن جب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تو ان میں سے سات آدمی مکہ میں روک لیے گئے اور باقی مدینۃ الرسول پہنچ گئے۔ جو مقدسین مرکز نبوت میں پہنچے ان میں سے حسب بیان ابن سعد چ[illegible] حضرات غزوۂ بدر کی سعادت شرکت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی تین ہجرتیں

حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ جب حبشہ سے عازم مدینہ منورہ ہوئے تو اپنے رفقا کے ہمراہ پہلے مکہ معظمہ آئے اور یہاں سے مدینۃ الرسول کی راہ لی۔ سیدہ رقیہؓ ساتھ تھیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت حسان بن ثابت کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا (ابن سعد)

مورخین نے حضرت عثمان رضؓ کو ذوہجرتین لکھا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دو ہجرتیں کیسے ہوئیں۔ انہوں نے بلاریب تین مرتبہ ہجرت الی اللہ کا شرف حاصل کیا۔ دو مرتبہ حبشہ کو تشریف لے گئے اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ کو۔

شاہ اصحمہؓ کی خاک نشینی

حبشہ کی ہجرت ثانیہ کے قریباً سات سال بعد غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ فتح بدر کی خبر شاہ اصحمہ رضؓ ہی کی وساطت سے مہاجرین حبشہ کے گوش زد ہوئی تھی چنانچہ بیہقی نے دلائل میں روایت کی ہے کہ ایک دن شاہ اصحمہؓ نے حضرت جعفر رضؓ اور دوسرے مہاجروں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آکر بادشاہ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ دو پرانے کپڑے پہنے زمین پر بیٹھے ہیں۔ صحابہ کرام رضؓ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر خوف زدہ ہوئے۔ بادشاہ نے ان کا خوف و ہراس محسوس کرکے کہا کہ تمہیں مبارک ہو۔

صحابہؓ نے پوچھا کوئی خوش خبری ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں! تمہارے ملک سے میرے پاس خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان جنگ میں اپنے نبی کو فتح دی ہے۔ دشمن بالکل برباد ہو گیا ہے۔ فلاں فلاں اعدائے دین قتل ہوئے ہیں اور فلاں فلاں قید کیے گئے

ہیں۔ قاصد کی آمد سے پیشتر میں نے خواب دیکھا تھا کہ بدر نام کی وادی میں جہاں پیلو کے درختوں کی بڑی کثرت ہے میں بنو ضمرہ کے ایک شخص کے جو میرا آقا ہے اُونٹ چرا رہا ہوں۔

خاک نشینی کا منشأ

حضرت جعفرؓ نے پوچھا کہ آپ زمین پر کیوں بیٹھے ہیں اور کہنہ و بوسیدہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ کہا عیسیٰ نبی علیہ السلام پر جو کلام نازل ہوا اس میں ہم یہ ارشاد بھی پاتے ہیں کہ بندگانِ خدا کا ایک حق یہ ہے کہ جب مُنعِم تعالیٰ ان کو کسی نئی نعمت سے نوازے تو وہ اللہ کے سامنے کسی نئی تواضع کا ہدیہ پیش کریں۔ اب موجودہ وقت میں حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا ہے تو میں نے تواضع و انکسار کا یہ رنگ اختیار کیا ہے (البدایہ والنہایہ)

قاصد نبوی شاہ حبشہ کے دربار میں

جب خواجۂ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں کچھ امن ملا تو آپ نے ان مفلوک الحال مہاجروں کی طرف توجہ فرمائی جو سالہا سال سے حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے چنانچہ ماہ ربیع الاول ۶؁ ہجری میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمری رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبشہ کے نام دعوتِ اسلام کا ایک مکتوب لے جانے پر مامور فرمایا اور یہ بھی لکھا کہ ان تارکانِ وطن کو مدینہ روانہ کر دیں۔ گو شاہِ حبشہ صحابہ کرامؓ کی دو ہی ملاقاتوں کے بعد بلحاظ عقیدہ مسلمان ہو چکے تھے اور انہیں اطمینان ہو چکا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے جس رسول کی آمد کی پیش گوئی کی تھی وہ رسول یقیناً یہی ہیں جنہوں نے مکہ میں ظہور فرمایا ہے لیکن کسی کے سامنے علی الاعلان دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس دعوت نامہ کے بعد وہ باقاعدہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ روانہ کیا جس میں توحید و رسالت کی تصدیق اپنے اسلام کا اقرار اور قدم بوسی کی تمنا کا اظہار تھا (ابن جریر طبری)

عُبیداللہ کی ہجرت

حضرت امیر معاویہؓ کی علاتی بہن محترمہ رملہ بنت ابو سفیان صخر ابن حرب بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف) بھی جو اُمِّ حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں ان مہاجرات میں داخل تھیں جو حبشہ کی دوسری ہجرت میں شرف اندوزِ سعادت ہوئیں۔ محترمہ اُمِّ حبیبہؓ کی ماں صفیہ بنت ابوالعاص بن اُمیّہ بن عبد شمس حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عُبیداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر سے ہوا۔

اس عقد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اسی لڑکی کی نسبت سے محترمہ رملہ بنت ابی سفیان اُم حبیبہ کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔

قُریشی بھیڑیوں کی نظر میں قبولِ اسلام کا گناہ کوئی ایسا خفیف جُرم نہ تھا جو قابلِ معافی سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا۔ اس لیے اُن کا معمول تھا کہ جس نومسلم کے بھی مسلمان ہونے کی خبر سنتے اس کو بے دریغ پیٹتے اور قبولِ حق کے جُرم کی بزعم خود پوری پوری سزا دیتے۔ عبیداللہ حبشہ کی دوسری ہجرت سے چند روز پیشتر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ قبولِ اسلام کے بعد مجلس نبوی میں حاضری کا کوئی موقع نہ ملا اس لیے اسلام دل میں ہنوز راسخ نہ ہونے پایا تھا کہ مسلمانوں کی مظلومی و مقہوری دیکھ کر یہ بھی مہاجرین کی دیکھا دیکھی حبشہ کو چل دیا۔ محترمہ اُم حبیبہ ساتھ تھیں۔

ارتداد

سوءِ اتفاق سے حبشہ میں کسی عیسائی کے پاس عبیداللہ کی نشست و برخاست شروع ہو گئی اور اسی کے اثرِ صحبت سے اس کو شراب خواری کا لپکا پڑ گیا۔ ایک رات محترمہ اُم حبیبہؓ نے خواب میں عبیداللہ کو کسی بُری شکل میں دیکھا اور اس بگڑی ہوئی شکل کو دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوئیں۔ جب دن نکلا تو وہ گرجے میں جا کر عیسائی ہو گیا۔ حضرت اُم حبیبہؓ نے اس کو اپنے خواب کا ماجریٰ سنایا لیکن اس کو کچھ عبرت نہ ہوئی۔ وہ اس سے قطع تعلق کر کے علیحدہ ہو گئیں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔ (تاریخ ابن کثیر، طبقات ابن سعد، اصابہ)

قبولِ مسیحیت کی علتِ غائی

مرتد ہونے کے بعد عبیداللہ کو مے خواری، خنزیر خواری اور دوسرے منہیات کی پوری آزادی تھی اور یہی مطلق العنانی اس کے قبولِ مسیحیت کی علتِ غائی تھی کیونکہ موجودہ مسخ شدہ مسیحیت اپنے پیرووں کے اعمال و افعال سے کچھ تعرض نہیں کرتی۔ عبیداللہ ہر قسم کے فسق و فجور کا مرتکب تھا لیکن "حیاداری" کا کمال دیکھو کہ نصرانی ہو جانے کے بعد وہ جب کبھی صحابہ کرامؓ کے پاس سے گزرتا تو کہتا کہ میں نے تو بصارت حاصل کر لی ہے لیکن تم لوگ ہنوز بصارت کی تلاش میں سرگرداں ہو" یاد رہے کہ عبیداللہ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ اس کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں (سیرت ابن ہشام)

عبیداللہ کے اس قول کا مطلب کہ میں نے بصارت حاصل کر لی ہے یہ تھا کہ مجھے تو عیسائی مذہب کی رُو سے فسق و فجور کی پوری آزادی حاصل ہو چکی ہے لیکن تم لوگ بے بس ہو

کیونکہ دین اسلام فواحش سے باز رہنے اور تقویٰ و طہارت اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

محترمہ اُمّ حبیبہؓ کا دُوسرا خواب

محترمہ اُمّ حبیبہؓ نے کئی سال کا طویل زمانہ اس طرح غریب الوطنی میں گزار دیا کہ پردیس میں دو رشتہ داروں (حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ) کے سوا کوئی مربّی و سرپرست نہ تھا۔ کئی سال کی غربت وانزوا کے بعد ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص انہیں اُمّ المومنین کہہ کر خطاب کر رہا ہے۔ اس سے انہیں امید ہوئی کہ شاید مربّیٔ دارین صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شرف زوجیت سے سرفراز فرما کر اُمّہات المومنین کے مقدس زمرہ میں داخل فرمالیں۔

عقد کا منشأ و مقصد

آپ کی ایک عادت مبارک یہ تھی کہ مومنات میں سے جس کسی کے ایام بیوگی دراز و ممتد ہو جاتے تو اس کو چارہ الم اور ورطہ بیکسی سے نکالنے کے لیے اپنے سلک میں منسلک کرنے کا عزم فرماتے۔ اُمّ المومنین سودہؓ اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ اور ام المومنین حفصہؓ اب تک اسی جذبۂ صادقہ کے ماتحت حریم نبوی میں داخل ہو چکی تھیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ مشہور عدوے اسلام اور سردار قریش ابوسفیان بن حرب کی مومنہ بیٹی اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا پردیس میں غریب الوطنی و بےکسی کی زندگی بسر کر رہی ہیں تو آپ نے ان کو بھی اپنے دامن رحمت میں ڈھانپنے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ شاہ حبشہ کے نام جو دعوتی مکتوب روانہ فرمایا وہ حضرت اُمّ حبیبہ کے پیام نکاح پر بھی مشتمل تھا۔

لونڈی کی پیام بری

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ کے ورود کے بعد شاہ حبشہ کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا حضرت اُمّ حبیبہؓ کے دروازے پر آکر اندر آنے کی اجازت مانگنے لگی۔ جب اسے اجازت ملی تو آکر عرض پیرا ہوئی کہ اے خاتون قریش! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو لکھ بھیجا ہے کہ اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان کو میری طرف سے پیام نکاح دو۔ اگر وہ منظور کریں تو اپنی وکالت میں ان سے میرا نکاح کر دو۔" اور بادشاہ نے مجھے آپ کے پاس یہ دریافت کرنے کو بھیجا ہے کہ اگر آپ کو منظور ہو تو آپ کا عقد کر دیا جائے"۔

یہ مژدہ سن کر محترمہ اُمّ حبیبہؓ نے لونڈی کو دعا دی کہ خدا تم کو خیر و برکت کی بشارت دے اور چاندی کے دو کنگن اور ہاتھ کی انگوٹھیاں اتار کر لونڈی کے حوالے کر دیں۔ ابرہہ بولی کہ بادشاہ نے آپ کو یہ بھی پیغام دیا ہے کہ آپ کسی صاحب کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیں۔ انہوں نے حضرت خالد بن سعید بن عاص اُموی مہاجر رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں اپنے نکاح

کا وکیل مقرر کر دیا۔

خطبۂ نکاح

مغرب کے بعد بادشاہ نے حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجروں کو بلا بھیجا۔ جب سب حضرات جمع ہو گئے تو بادشاہ نے یہ خطبۂ نکاح پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّهُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَیَّ اَنْ اُزَوِّجَهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِیْ سُفْيَانَ فَاَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ۔

اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے مہر کے چار سو دینار کی تھیلی صحابہ کرامؓ کے آگے رکھ دی۔

اب حضرت اُم حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِیْ سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ۔

سُنتِ انبیاء

اس کے بعد شاہ نجاشیؓ نے دینار اُٹھا کر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے۔ فراغتِ نکاح کے بعد تمام حضرات اُٹھنے لگے تو بادشاہ نے کہا کہ تمام بزرگوار بیٹھے رہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی یہ بھی ایک سنت ہے کہ جب نکاح کرتے تو لوگوں کو کھانا کھلاتے۔ اس کے بعد کھانا طلب فرمایا اور تمام حضرات کھانا تناول فرما کر رخصت ہوئے۔ حضرت خالدؓ اُمّ المومنینؓ کے پاس پہنچے اور چار سو دینار کی تھیلی ان کے حوالے کی (مستدرک حاکم، طبقات ابن سعد)

مژدہ سنانے والی لونڈی کو ۱۹ تولے سونا انعام

اُمّ المومنینؓ پہلے تو تہی دست تھیں جب اُن کو یہ رقم ملی تو انہوں نے

بادشاہ کی لونڈی ابرہہ کو جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کا مژدہ سنایا تھا بلا بھیجا۔ جب وہ آئی تو فرمایا کہ جب تم نے آ کر مجھے خوش خبری سنائی تھی تو اس وقت میرے پاس زر نقد کچھ نہ تھا ورنہ میں تم کو اسی وقت دیتی۔ لو یہ پچاس مثقال (پونے اُنیس تولے سونا) ان کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔" یہ سن کر لونڈی نے ایک ڈبہ نکالا جس میں حضرت اُم حبیبہؓ کے عطا کردہ زیور تھے اور کہا کہ یہ بھی واپس لے لیجیے کیونکہ بادشاہ میری ضروریات زندگی کا کفیل ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کا عطیہ واپس دے دوں۔ اس کے بعد لونڈی کہنے لگی کہ میں نے بحمد اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بطیب خاطر اختیار کیا ہے اور اللہ کے لیے مسلمان ہوئی ہوں۔"

بیگمات کی طرف سے عطریات کا نذرانہ

بادشاہ نے اپنی بیگمات کو حکم دیا کہ جس کسی کے پاس جتنے عطریات ہوں وہ اُم المومنین ام حبیبہؓ کے پاس بھیج دے۔ دوسرے دن وہی لونڈی بہت سا عنبر، کستوری، ورس، عود وغیرہ لے کر حضرت اُم حبیبہؓ کے پاس آئی اور آپ کو دے کر کہنے لگی میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ جب آپ بارگاہ رسالت میں پہنچیں تو میری طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہیئے گا اور اطلاع دیجیئے گا کہ اس کنیز نے بھی آپ کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ اس کے بعد وہ لونڈی متعدد مرتبہ آ کر اُم المومنین ام حبیبہؓ کو سامان زیبائش دے جاتی رہی لیکن ہر مرتبہ کہ ان کے پاس آتی یہ ضرور کہتی کہ آپ مدینہ پہنچ کر میرا کام نہ بھول جانا۔ (مستدرک حاکم)

مہاجرین کرامؓ کی مدینہ منورہ کو روانگی

اب بادشاہ نے مہاجرین کرامؓ کی مقدس جماعت کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ یہ سب ساٹھ مرد و زن تھے (ابن سعد) ابو داؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ شاہ حبشہ نے ام المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کو شرجیل بن حسنہ مہاجر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ و زیر نگرانی مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔

ان ساٹھ کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے پچاس سے زائد ساتھی بھی تھے جو یمن سے آئے تھے۔ ان کے حبشہ پہنچنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو معلوم ہوا کہ مخدوم انام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرمائے مدینہ

ہو چکے ہیں تو وہ بھی اپنے پچاس سے زائد نومسلم رفقاء کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر عازم مدینہ ہوئے۔ اتفاق سے ان کی کشتی شاہی کشتیوں کے ساتھ حبشہ پہنچ گئی۔ یہاں مکہ کے مہاجرین کرام سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت جعفرؓ نے جناب ابو موسیٰؓ کو مشورہ دیا کہ آپ حضرات بھی بالفعل یہیں قیام فرمائیں۔ جب مدینہ میں حالات سازگار ہو جائیں گے تو ایک ساتھ مدینۃ الرسول چلے چلیں گے۔ چنانچہ اشعری مہاجرین بھی حبشہ ہی میں ٹھہر گئے اور اُس وقت تک وہیں رہے جب تک مکہ کے مہاجرین کرام حبشہ سے عازم مدینہ نہ ہوئے (تاریخ ابن کثیر)

حضرات مہاجرین کے اسماء مبارکہ

وہ مہاجرین کرام رضوان اللہ علیہم جو حبشہ سے قدوم فرمائے مدینہ ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ اس فہرست میں ان حضرات کے نام بھی شامل ہیں جو شاہِ حبشہ کے پاس حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی آمد پر عازم مدینہ ہوئے یا اس سے پہلے ہی مدینہ منورہ کو جا چکے تھے۔

(۱) اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان بن حرب (۲) ان کی بیٹی حبیبہ بنت عُبیداللہ (۳) حضرت شرحبیل بن حَسنہ (۴) حضرت جعفر بن ابو طالب (۵) ان کی بیوی اَسماء بنت عُمیس (۶) ان کے فرزند عبداللہ بن جعفر جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۷) حضرت خالد بن سعید بن عاص اُمَوی (۸) ان کی بیوی اُمَینہ بنت خلف (۹) ان کا فرزند سعید بن خالد (۱۰) ان کی بیٹی اَمَتہ بنت خالد۔ یہ دونوں حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۱۱) حضرت خالد بن سعید کے بھائی عَمرو بن سعید۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان کنانی حبشہ ہی میں انتقال کر گئیں (۱۲) حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ (۱۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری جو اپنے چند عم زاد بھائیوں اور دوسرے نومسلموں سمیت یمن سے حبشہ آئے ہوئے تھے۔ (۱۴) حضرت اسود بن نوفل (۱۵) حضرت جہم بن قیس (۱۶) ان کے فرزند عَمرو بن جہم (۱۷) ان کی صاحبزادی خزیمہ بنت جہم۔ حضرت جہم بن قیس کی بیوی حرملہ بنت عبدالاسود حبشہ ہی میں قضا کر گئیں۔ (۱۸) حضرت عامر بن ابی وقّاص (۱۹) حضرت عتبہ بن مسعود (۲۰) حضرت حارث بن خالد۔ ان کی بیوی ریطہ بنت حرث حبشہ ہی میں انتقال کر گئیں (۲۱) حضرت عثمان بن ربیعہ (۲۲) حضرت محمیہ بن جزران (۲۳) حضرت معمر بن عبداللہ (۲۴) حضرت ابو حاطب بن عَمرو (۲۵) حضرت مالک بن ربیعہ (۲۶) ان کی بیوی عَمرہ بنت سعدیٰ (۲۷) حضرت حرث بن عبد قیس (۲۸) قیس بن عبداللہ (۲۹) قیس کی بیوی برکۃ بنت یسار (۳۰) حضرت یزید بن زمعہ بن اسود۔ ان کے

ایک قرابت دار حضرت عمرو بن اُمیّہ حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے تھے (۳۱) حضرت ابو الروم بن عُمیر (۳۲) حضرت فراس بن نضر (۳۳) حضرت رملہ بنت ابی عوف۔ ان کے شوہر حضرت مطّلب بن ازہر حبشہ ہی میں انتقال فرما ہوئے (۳۴) حضرت مطّلب بن ازہر کے فرزند عبداللہ جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۳۵) حضرت عمرو بن عثمان تیمی (۳۶) حضرت ہبّار بن سفیان (۳۷) ان کے بھائی عبداللہ بن سفیان (۳۸) حضرت ہشام بن ابو حُذیفہ (۳۹) حضرت فاطمہ بنت مجلل۔ ان کے شوہر حضرت حاطب بن حرث حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے (۴۰) حارث بن حاطب (۴۱) محمد بن حاطب۔ حضرت حاطب بن حرث کے بھائی خطّاب بن حرث نے بھی حبشہ ہی میں جام قضا پی لیا تھا (۴۲) ان کی بیوی فُکیہہ بنت یسار (۴۳) حضرت سفیان بن معمر (۴۴) حضرت سفیان کی بیوی حَسَنہ۔ حضرت سفیان کے دو بیٹے (۴۵) جنادہ بن سفیان اور (۴۶) جابر بن سفیان (۴۷) حضرت ابو قیس بن حارث۔ ان کے بھائی عبداللہ بن حارث حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے (۴۸) حضرت قیس بن حذافہ (۴۹) حضرت عبداللہ بن حُذافہ رض جن کو بعد میں افضل الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ ایران کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا تھا (۵۰) حضرت حارث بن حرث (۵۱) حضرت بشر بن قیس (۵۲) حضرت سعید بن عمرو (۵۳) حضرت سعد بن حرث (۵۴) حضرت سائب بن حارث (۵۵) حضرت نعمان بن عدی۔ ان کے والد حضرت عدی بن نضلہ اور والد کے عم محترم حضرت عروہ بن عبد العزیٰ حبشہ ہی میں انتقال فرما ہوگئے (۵۶) حضرت سلیط بن عمرو (۵۷) حضرت عثمان بن عبد غنم (۵۸) حضرت سعد بن عبد قیس (۵۹) حضرت عیاش بن زہیر رضی اللہ عنہم (سیرت ابن ہشام)

مہاجرین حبشہ کو مال غنیمت کا حصہ

جب یہ فدائیان اسلام مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم با فوج وحشم خیبر میں تشریف فرما ہیں۔ آپ اسی روز خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے۔ ان حضرات کو اپنے محبوب آقا سے ملے بغیر کہاں چین تھا۔ تمام مرد آپ کے شوقِ لقا میں خیبر پہنچے اور آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال کے ان بچھڑے ہوئے جان نثاروں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ استقبال کر کے معانقہ فرمایا اور سب کی پیشانی چومی۔ آپ کے عم زاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی جو جناب علیٔ مرتضیٰ رض کے بڑے بھائی تھے انہی حضرات میں داخل تھے۔ آپ نے ان سے مخاطب کر کے فرمایا میں نہیں بیان کر سکتا کہ مجھے جعفر رض کے آنے کی زیادہ خوشی

ہے یا فتح خیبر کی۔ آپ نے ازراہِ کرم مہاجرینِ حبشہ کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں شریک کر کے دوسروں کے برابر حصہ دیا (ابن ہشام، ابن سعد و اخرجہ البخاری مختصراً)

اُمّ المومنین رَملہؓ کاشانۂ نبوی میں

جب حضرت سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے مراجعت فرما ہوئے تو اُمّ المومنین حضرت رَملہ معروف بام حبیبہؓ کو حریم نبوت میں منسلک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُم المومنین فرماتی ہیں کہ جب میں کاشانۂ نبوی میں باریاب ہوئی تو سارے واقعات حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہنچائے اور ابرہہ کی باتیں بھی حضورِ انور کے گوش زد کیں۔ یہ واقعات سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور جب میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا تو آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ (مستدرک حاکم)

آنحضرتؐ کے بستر پر باپ کو بیٹھنے نہ دینا

حضرات! یہ رہی محترمہ اُم حبیبہؓ ہیں کہ جب اُن کے والد ابوسفیان حلقۂ توحید میں داخل ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مکہ سے مدینہ گئے تو بیٹی سے ملنے کے لیے بھی آستانِ نبوت میں پہنچے اور جب دخترِ فرخندہ اختر سے ملنے کے بعد بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہؓ نے جھٹ بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا بیٹی! بستر لپیٹنے کا کیا سبب ہے؟ آیا یہ بچھونا میرے بیٹھنے کے لائق نہیں ہے یا میں اس پر بیٹھنے کی قابلیت نہیں رکھتا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول خدا کا بستر ہے" (ابن سعد

اس سے ان کی یہ مراد تھی کہ تم شرک کی نجاست سے آلودہ ہو اس لیے اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ اس سے اُمہات المومنین کی حرارت ایمانی، غیرت ملی، حسن اعتقاد، شغفِ حق اور شیفتگیٔ رسولؐ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

نجاشی کا قاصد اور حبشہ کا وفد

مہاجرین حبشہ کے ساتھ نجاشی کا قاصد بھی آیا تھا۔ وہ بارگاہِ نبوت میں پہنچ کر عرض پیرا ہوا کہ حضرت والا! آپ جعفرؓ سے دریافت فرمایئے کہ ہمارے بادشاہ نے ان سے کیا سلوک کیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! نجاشی نے ہم سے یہ یہ سلوک کیا اور یہ یہ احسان کیے اور بادشاہ نے اس بات کی بھی شہادت دی تھی کہ خدائے عزیز کے سوا قابل پرستش ہستی کوئی نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ اس کے بعد قاصد نے کہا کہ بادشاہ نے حضورِ انور سے درخواست کی ہے کہ آپ اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ یہ سن کر آپ نے وضو کیا۔ پھر تین مرتبہ دعا کی الٰہی! نجاشی کو بخش دے۔

الٰہی! نجاشی کو بخش دے۔ الٰہی! نجاشی کو بخش دے۔ صحابہ ہر مرتبہ آمین کہتے رہے۔

بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب نجاشی کا وفد مدینہ منورہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس کی خدمت کرتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم ان کی خدمت کے لیے کافی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے اصحاب کا اکرام کرتے رہے ہیں اس لیے میری خوشی اس میں ہے کہ میں ہی ان کی خدمت کروں (تاریخ ابن کثیر)

مہاجرین حبشہ کی فضیلت

جب فراعنۂ قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آکر سو سے زیادہ صحابۂ کرامؓ نے حفاظت دین کی خاطر اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہا تو بارگاہِ رب العالمین کی طرف سے سورۂ نحل کی اکتالیسویں آیت یہ نوید لائی تھی (ترجمہ):-

> "اور جن (مسلمانوں) پر اعدائے دین کی طرف سے ظلم ہوئے اور انہوں نے حالت مظلومی میں اللہ کی خاطر وطن عزیز کو خیرباد کہا ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھے ٹھکانے سے بٹھائیں گے اور اجر آخرت (جو ان کو ملنے والا ہے، اس سے) کہیں بڑھ کر ہے۔"

گو آیت کے لفظ عام ہیں لیکن اس بشارت کے اولین مصداق مہاجرین حبشہ تھے جنہوں نے سب سے پہلے مہاجرت الی اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدۂ خداوندی کس حسن وخوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ شاہ حبشہ نے نہ صرف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں بلکہ خود بھی ہمیشہ قول وفعل سے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ مہاجروں کی بڑی تعداد قریباً تیرہ برس تک وہیں اقامت گزیں رہی لیکن انہیں اپنے محبوب ومطاع رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کے سوا وہاں کسی قسم کی تکلیف وپریشانی کا سامنا نہ ہوا اور نہ کسی نے ان سے کبھی تعرض کیا۔

مہاجرین حبشہ کی دوہری فضیلت

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قدوم مدینہ کے بعد ایک دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ (بنت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) سے ملنے گئیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی وہاں آگئے۔ دریافت کیا یہ بی بی کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے کہا یہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں تم ہی حبشہ والی سمندر والی ہیں؟ حضرت اسماءؓ نے

جواب دیا ہاں وہی"۔ جناب عمر فاروقؓ (شاید از راہ خوش طبعی) کہنے لگے ہم کو تم پر فضیلت ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ کی طرف تم سے پہلے ہجرت کی"۔ یہ سن کر حضرت اسماءؓ کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگیں "جی ہاں! آپ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آپ لوگ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آنحضرتؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن ہم لوگ محض خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی رضاجوئی کے لیے سالہا سال غریب الوطنی کی خاک چھانتے رہے۔ سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں۔ ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔ تاہم ہر مصیبت کا مقابلہ صبر و استقلال سے کرتے رہے"۔

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ اسماءؓ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہؐ! عمرؓ یوں کہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ اسماءؓ بولیں میں نے یوں کہا۔ آپ نے فرمایا انہوں (حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں) نے ایک ہجرت کی اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کیں (ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب) اس اعتبار سے تم کو زیادہ فضیلت حاصل ہے"۔ جب اس گفتگو کا چرچہ پھیلا تو مہاجرین حبشہ جوق جوق حضرت جعفرؓ کے گھر آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک حضرت اسماءؓ سے بار بار دوہرا کر سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ حبشہ کے مہاجروں کے لیے دنیا میں آپ کے ان الفاظ سے زیادہ حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی چیز نہ تھی (بخاری وغیرہ)

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفرؓ نے غزوۂ موتہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا تھا۔ ان کے واقعۂ شہادت کے بعد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب اسماء بنت عمیسؓ سے نکاح کر لیا۔ ان کے بطن سے محمد بن ابوبکرؓ متولد ہوئے اور جب جناب صدیق اکبرؓ رحلت گزین عالم جاوداں ہو گئے تو اسماءؓ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ کے حبالۂ نکاح میں آ گئیں۔

شاہ اصحمہؓ کی رحلت

کچھ دنوں کے بعد جب شاہ اصحمہ رضی اللہ عنہ نے داعیٔ حق کو لبیک کہا تو وحیٔ الٰہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی رحلت کا حال منکشف کیا چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو ان کی وفات کی خبر سنائی۔ اس کے بعد آپ صحابۂ کرامؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی عیدگاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی

نماز جنازہ پڑھائی جس میں چار تکبیریں کہیں (بخاری و مسلم)

نماز غائبانہ کی غیر مشروعیت

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ وہ اپنی قوم سے اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے اور حبشہ میں مسلمان موجود نہ تھے جو ان پر نماز پڑھتے، اس لیے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان پر نماز پڑھی۔ اور اُن علماء کا یہ بھی قول ہے کہ اگر غائب کی نماز جنازہ اس کے وطن میں پڑھی گئی ہو تو دوسرے شہر میں اُس کی غائبانہ نماز مشروع نہیں۔ اسی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے سوا کسی دوسرے کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کی نسبت بھی کوئی روایت نہیں کہ انہوں نے اُس شہر کے سوا جہاں کسی میت پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو، کسی دوسرے مقام پر اس کی غائبانہ نماز پڑھی ہو (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۷۸)

نجاشی کی قبر پر نور

حسب روایت عُروہ بن زبیر اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ جب شاہ نجاشیؓ نے رحلت فرمائی تو لوگ بیان کرتے تھے کہ اُن کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا رہا اور ابوداؤد نے روایت کی کہ جب نجاشی رضی اللہ عنہ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے تو ہم میں یہ تذکرہ رہتا تھا کہ ان کی قبر پر ہر وقت نور دکھائی دیتا ہے اور بخاری نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ جب شاہ اصحمہؓ نے انتقال کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج مرد صالح نے رحلت کی پس اپنے بھائی اصحمہ پر نماز پڑھو۔"

نجاشی کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے اصحمہ بن ابجر اور بعض نے مصحمہ لکھا ہے اور بیہقی کا بیان ہے کہ صحیح نام اصحم بن ابجر تھا (البدایہ والنہایہ)

فصل ۱۷۴ حضرت سید المرسلینؐ کو زن، زر اور حکومت کا پیشکش

جب قریش نے دیکھا کہ حبشہ تک کی خاک چھاننے سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایک جلسہ مشاورت منعقد کر کے از سر نو ترقی اسلام کے روکنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ لیکن اس بات پر سخت

حیرت زدہ تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پیرو اپنے نئے مذہب کی خاطر یہ سب سختیاں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آخر ان جاں بازیوں اور قربانیوں کا مقصد کیا ہے؟ کیا حکومت کی خواہش ہے یا جاہ و دولت کے طلب گار ہیں یا نام و نمود کے بھوکے ہیں؟ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ترغیب و تحریص کے تمام ہتھیار استعمال کیے جائیں ورنہ یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو پھر ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اس قصہ کو ختم کر دیں اور جس قیمت پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو سکیں انہیں راضی کر کے اس تحریک کا خاتمہ کر دیا جائے۔

ترکِ تبلیغ کا صلہ

اس قرار داد کے بموجب حضرت امیر معاویہ رض کا نانا عتبہ بن ربیعہ جو رؤسائے قریش میں سب سے زیادہ متین و سنجیدہ مزاج، سب سے زیادہ سخن ور اور سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا چند دوسرے عمائد کی رفاقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادہ! سنو۔ اگر مال و زر کی خواہش ہے تو ہم تمہارے پاس دولت کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیتے ہیں کہ عرب کے سب سے بڑے متمول بن جاؤ۔ اور اگر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر حسن و جمال کے دلدادہ ہو تو جس بڑے سے بڑے گھرانے میں چاہو شادی کرا دیں لیکن اپنی مذہبی تحریک کو روک دو اور حجاز میں شورش نہ پھیلاؤ۔

مخلص اور غرض مند داعی کا فرق

ظاہر ہے کہ مادی دنیا جو جو انعامات اور صلے پیش کر سکتی تھی وہ اس نے زیادہ سے زیادہ پیش کر دیے اور کسی حوصلہ مند انسان کی آرزوؤں کا جو معراجِ کمال ہو سکتا ہے اور جس حد تک انسانی تصور بلند پروازی کر سکتا ہے وہ سب آپ کے سامنے رکھ دیے۔ اگر کوئی غرض مند انسان یا خانہ ساز نبی ہوتا اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور حصول عز و جاہ کے لیے کوئی تحریک شروع کی ہوتی تو اس کے حدودِ عمل یہیں آ کر ختم ہو جاتے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو یا بیک وقت سب کو حاصل کر کے اپنی سرگرمیوں کے سررشتہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا مگر یہاں کسی نفسانی غرض و غایت کا کوئی ادنیٰ شائبہ تک نہ تھا اس وجہ سے اس قسم کی تحریکیں اس بارگاہ معلیٰ میں کبھی پروان نہ چڑھ سکتی تھیں

میں حکومت وغیرہ کسی چیز کا طالب نہیں

عتبہ کو اپنی درخواست کی کامیابی کا پورا وثوق تھا لیکن ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان ترغیبات کے جواب میں کہا کہ آپ نے جن باتوں کا ذکر کیا میں ان میں سے کسی چیز کا خواہشمند نہیں۔ میں اس غرض سے دین حق نہیں لایا کہ تم لوگوں سے مال مانگوں یا حکومت چاہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی رحمت کی بشارت دوں اور اس کے غضب سے ڈراؤں۔ سو میں نے اپنے پروردگار کے پیغام تمہارے پاس پہنچا دیے ہیں اور جن امور میں تمہاری بہتری تھی وہ گوش گزار کر دیے ہیں۔ جو کچھ میں منجانب اللہ لایا ہوں اگر اس کو مان لیا تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہوگے اور اگر رد کر دیا تو میں اُس وقت تک صبر کروں گا جب تک خدائے برتر میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ کر دے (سیرت ابن ہشام)

مُبَشِّر ہونے کی روشن دلیل

پیغمبر علیہ السلام کے اس جواب کا وقت کی نزاکت سے مقابلہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہے۔ عالم بے کسی و مظلومی میں رفقاء و معاونین کی سخت قلت ہے۔ ایک جابر و مغرور قوم سے جس نے شرف و مجد انسانی کو بالائے طاق رکھ دیا ہے مقابلہ ہے۔ بایں ہمہ آپ کو خدائے برتر پر ایسا توکل اور عزم ایسا راسخ ہے کہ آپ نے سچی بات لگی لپٹی رکھے بغیر برملا کہہ دی۔ نہ کسی سے کچھ خوف کھایا اور نہ آئندہ کے سبز باغ دکھا کر رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ نہ کوئی وعدے کیے اور نہ لیے۔ یہ استقلال اور عزم صمیم اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ الٰہ العٰلمین کی طرف سے مُبَشِّر اور اس کے سچے رسول تھے۔

عُتبہ پر کلام الٰہی کی ہیبت

اس کے بعد آپ نے سورہ حٰم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ کلام الٰہی کی ہیبت سے اتنا متاثر و مرعوب ہوا کہ اُٹھ کر آپ کے لب مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور بے ساختہ چلا اُٹھا محمدؐ! قرابت کا واسطہ! اب بس کرو! اس کے بعد اٹھ کر واپس چلا۔ جب اپنے ہم مشرب ساتھیوں میں پہنچا تو وہ اس کا متغیر چہرہ اور بدلا ہوا رنگ دیکھ کر باہم سرگوشیاں کرنے لگے اور سبب ماجرا پوچھا۔ عتبہ نے کہا آج میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے۔ واللہ! اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ کلام شاعری سے ممتاز ہے اور جادو یا کہانت بھی نہیں۔

آنحضرت کو آپ کے حال پر چھوڑ دینے کی تلقین

اس کے بعد عتبہ نے کہا میری رائے میں مناسب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر عرب کے بادشاہ بن جائیں گے تو اس میں ہماری ہی عزت ہے کیونکہ وہ ہمارے ہم قوم ہیں ورنہ خود بخود فنا ہو جائیں گے۔ پس بہتر ہے کہ تم لوگ آیندہ کے لیے ان سے تعرض کرنا بالکل چھوڑ دو۔"

عتبہ کی یہ باتیں سن کر اکابر قریش نے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے مسحور ہو گئے۔ عتبہ نے جواب دیا کچھ بھی ہو میری تو یہی رائے ہے۔ لیکن ابوجہل اور دوسرے حق فراموش صنادید نے عتبہ کی صائب رائے سے اتفاق نہ کیا (ابن ابی شیبہ، بیہقی، ابویعلیٰ، ابن ہشام)

فصل ۱۷۵۔ ہادیٔ عالم کا ارشاد کہ میں کسی سے تبلیغ کی اُجرت نہیں چاہتا

خالق کردگار سے رشتۂ عبودیت استوار کرنے کی تلقین

سطور ماسبق میں درج ہو چکا ہے کہ قریش کی طرف سے ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط پر زن، زر اور حکومت کی طمع دلائی گئی تھی کہ آپ تبلیغ رسالت سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ پیشکش آپ کے مقصدِ بعثت اور فرضِ منصبی کے سراسر خلاف تھا آپ نے اس کو مسترد فرما دیا تھا۔ آپ بادیۂ ضلالت کے راہ رووں کو سالہا سال تک مختلف پیرایوں میں حق و صدق کی دعوت دے کر فریضۂ تبلیغ بجا لاتے رہے۔ اس سلسلۂ ابلاغ میں آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ شرک اور بت پرستی سے دست بردار ہو کر اپنا رشتۂ عبودیت خالق کردگار سے استوار کر لو۔ چنانچہ ربِ متعال فرماتا ہے:۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۰
(۲۵ : ۴۵)

اے نبیؐ! آپ ان سے کہیے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ جس کسی کی خواہش ہو وہ اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

اس ارشاد کی مثال

ظاہر ہے کہ یہ ارشاد کس درجہ محبت، عطوفت اور شفقت سے

لبریز ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی محسن معلم نہایت محبت اور شفقت سے تعلیم دے کر کسی کو عالم فاضل بنائے اور جب شاگرد اس نوازش پر استاد کی کچھ خدمت کرنے کا قصد کرے تو استاد کہے کہ میں کسی اُجرت کا طلبگار نہیں۔ میری جد و جہد کا ثمرہ اور محنت کا پھل یہی ہے کہ تم اس علم پر عمل کرو اور دوسروں کو بھی اس سے فیضیاب کرو۔" یعنی علم پر عمل کرنا اور دوسروں کو اس سے منتفع کرنا خود تمہارے لیے سود بخش ہے اور اس لحاظ سے کہ تمہاری نفع رسانی ہی میرا منتہائے نظر ہے اس لیے اجرت لینے سے کہیں بڑھ کر مجھے اس بات پر مسرت ہوگی کہ اس علم سے خود بھی فائدہ اُٹھاؤ اور اوروں کو بھی فیض یاب کرو۔"

طرفہ کا ایک شعر

حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ کبھی کبھار شعرائے ماضی و حال کے بعض ایسے اشعار بھی پڑھ دیا کرتے تھے جن کا مضمون سبق آموز اور مصلح اخلاق ہوتا تھا۔ طرفہ بن عبد عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ادب کی مشہور کتاب "سبعہ معلقہ" میں دوسرا معلقہ اسی کا ہے۔ طرفہ بعثت سے پہلے ہی دنیا کی سرائے فانی سے کوچ کر گیا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طرفہ کا یہ شعر پڑھا:۔

ستبدی لك الایام ما كنت جاهلا
و یاتیك بالاخبار مَن لم تزود

آپ نے شعر کے دوسرے مصرع سے تمثل فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کبھی وہ شخص بھی تمہارے پاس خبریں لے آتا ہے جس کو تم نے کچھ معاوضہ نہیں دیا۔ یعنی کسی مقام کے حالات معلوم کرنے کے لیے کسی کو اُجرت اور مصارف سفر دے کر بھیجا جاتا ہے لیکن بعض اوقات گھر بیٹھے بٹھائے کوئی شخص خود ہی آ کر تمام حالات سے مطلع کر جاتا ہے۔ ان حالات کے لیے کسی قسم کا کوئی خرچ برداشت نہیں کرنا پڑتا۔

مصرع میں اپنی ذات گرامی مراد لینا

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مصرع میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ گرامی مراد لی ہے کہ کسی اجرت اور معاوضہ کے بغیر گھر بیٹھے بٹھائے انبیائے سلف اور ان کی قوموں کے واقعات، مستقبل کے حالات، قیامت اور جنت دوزخ کی کیفیات ہر بات مفت بتا رہا ہوں اور تمام آئندہ خطرات سے متنبہ کرتا ہوں اور اس تبلیغ کے لیے کسی مزدوری کا خواہاں نہیں۔ لیکن پھر بھی میری قوم کے لوگ اپنی بت پرستی میں ایسے مگن ہیں کہ رسالت خداوندی کو چشم بینا

سے نہیں دیکھتے اور گوشِ شنوا سے نہیں سنتے۔

فصل ۱۷۶ قریش کی طرف سے ایک دوسرے کے معبودوں کی پرستش کرنے کی تجویز

جس طرح حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ یہ کوشش تھی کہ سردارانِ قریش اور دوسرے لوگوں کو راہ راست پر لا کر مشرف بایمان کریں، اسی طرح اعیانِ قریش کی بھی یہ بڑی غرض خواہش تھی کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہوں نے اپنا قومی مذہب چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ) کیشِ بت پرستی کے پیرو بنائیں۔ چنانچہ وہ اس غرض کے حصول کے لیے نت نئی تجویزیں سوچتے اور آپ کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل، اسود بن مطلب اور امیہ بن خلف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے اور کہنے لگے اے محمدؐ! آؤ تم ان معبودوں کی پوجا کرو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور ہم بھی اس کی عبادت کرتے ہیں جس کے تم پرستار ہو۔ تم اور ہم اپنے تمام مذہبی امور میں اشتراک پیدا کر لیں۔ اگر ہمارا مذہبی مسلک تمہارے طریقہ سے زیادہ صحیح ہو گا تو تم نے بھی اس کا حصہ پا لیا اور اگر وہ طریقہ زیادہ صحیح ہے جس کی تم دعوت دیتے ہو تو ہم نے بھی اس سے حظِ وافر پا لیا۔ اس وقت سورۂ کافرون نازل ہوئی جس میں خدائے حکیم و برتر نے فرمایا۔ (ترجمہ):-

> "اے رسول! (ان سے) کہہ دیجیے کہ اے منکرو! میں (بحالتِ موجودہ) تمہارے ان معبودوں کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم پوجا کرتے ہو اور جس خدا کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی (موجودہ وقت میں) اس کی عبادت نہیں کرتے اور (آئندہ بھی) نہ تو میں تمہارے ان معبودوں کی پرستش کروں گا جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم ہی سے توقع ہے کہ اس خدا کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو میرا تمہارا میل و اتحاد ممکن نہیں) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

پس توحید اور شرک کسی حالت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تمہاری یہ درخواست بالکل بیہودہ خواہش ہے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو شرف قبول نہ بخشا تو انہوں نے کہا کہ اچھا ہماری ایک بات مان جاؤ تو اس میں ہماری اور تمہاری سب کی بھلائی ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال تم ہمارے معبودوں لات اور عزیٰ کو پوجا کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریا کریں گے"۔ آپ اس احمقانہ تجویز پر محو حیرت رہ گئے۔ اس وقت سورہ قُلْ يَآأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر طبری)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ (۳۹ : ۶۴)	آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فہمائش کرتے ہو؟

اس کے بعد حضرت نذیر و بشیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام تشریف لے گئے۔ اس وقت قریش کے سردار وہاں موجود تھے۔ آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور ان کو سورت کافرون پڑھ کر سنا دی۔ اس کو سن کر وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو گئے۔

بعض کے نزدیک سورۂ کافرون میں کلام کا اعادہ و تکرار ہوا ہے۔ فراء نحوی نے کہا کہ قرآن لغت عرب میں نازل ہوا تھا اور عربوں کی عادت تھی کہ وہ مخاطب کے اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے کلام کا تکرار (یعنی اعا[illegible]) کیا کرتے تھے اور مجیب مخاطب بَلٰى بَلٰى (ہاں ہاں) اور انکار کرنے والا لَا لَا (نہ نہ) کہا کرتا تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :- كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

لیکن جمہور کے نزدیک اس کلام میں کوئی بات مکرر نہیں کہی گئی۔ زمخشری نے اس سورت کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ اے نبی! ان کافروں سے کہہ دو لَآ اَعْبُدُ (میں عبادت نہیں کرتا) اس میں زمانہ مستقبل کی عبادت کی نفی کی گئی ہے کیونکہ لفظ لَا (نہیں) مضارع پر داخل ہو کر اسی طرح استقبال کے معنیٰ کی نفی کرتا ہے جس طرح لفظ مَا (نہیں) مضارع پر داخل ہو کر حال کے معنیٰ کی نفی کرتا ہے۔ پس آیت کے یہ معنیٰ ہوئے کہ میں مستقبل میں ہرگز وہ کام نہ کروں گا جس کے تم مجھ سے طالب ہو یعنی تمہارے بتوں کی ہرگز پرستش نہ کروں گا اور نہ تم

اس کام پر آمادہ ہو سکتے ہو جس کا میں عبادت الٰہی کے متعلق تم سے طلب گار ہوں۔ اسی طرح میں زمانہ ماضی میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کر سکتا تھا اور نہ تم نے کسی وقت میرے معبود برحق کی عبادت کی۔

فصل ۱۷۷۔ مسیحی وفد کی سعادت اندوزیٔ اسلام

حبشہ میں بہت دنوں سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا غلغلہ بلند تھا۔ انجام کار مسیحیت کی مجلس ملّی نے تحقیق حال کے لیے ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ چند سربرآوردہ پادریوں کا وفد جن میں بڑے بڑے جید علماء اور مناظر داخل تھے مکہ معظمہ پہنچا۔ جس وقت یہ لوگ سستا کر ملاقات کے لیے آئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے اور مسجد میں قریش کا بڑا جمگھٹا تھا۔ انہوں نے آکر مذہبی سوالات کرنے شروع کیے۔

اس وقت اعیان قریش اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے یہ دل کش نظارہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے سوال کرتے تھے اور آپ جواب باصواب سے ان کو مطمئن کرتے جاتے تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو اس وقت ان کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر چکی تھی۔ اب آپ نے کلام الٰہی کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ قرآن سن کر ان پر رقت طاری ہوئی اور سب کے سب زار و قطار رونے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ دلوں میں قبول حق کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے تو آپ نے انہیں قبول حق کی دعوت دی۔ دل نور ایمان سے چمک اٹھے تھے۔ معاً بادۂ ایمان سے سرشار ہوئے۔

ابوجہل کی طعن و تشنیع

جب صنادید قریش نے دیکھا کہ یہ تو باتوں ہی باتوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے تو بہت سٹ پٹائے۔ ابوجہل جیسے معاند رسالت پر بالخصوص ان کا قبول اسلام سخت شاق گزرا اور وہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ وہ بھلا اس حالت پر خاموش کہاں رہ سکتا تھا۔ چند دوسرے اشقیاء کو ساتھ لے کر ان کے پاس پہنچا اور عالم برافروختگی میں کہنے لگا خدا تمہیں نامراد کرے تم بڑے احمق ہو۔ تمہاری قوم نے تو محض خبر معلوم کرنے کو بھیجا تھا لیکن تم لوگوں نے

سوچے سمجھے بغیر اس شخص کی اطاعت کا جوا گردن میں ڈال لیا۔"

پادریوں کا جواب

وہ کہنے لگے کہ تم اس جوہر کی قدر نہیں جانتے۔ ہم نے اُن اوصاف کے بموجب ان کو پہچان لیا ہے جو نبیٔ آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت ہماری کتب سماوی میں مذکور ہیں۔" ابوجہل اب بھی ملامت اور زبان درازی سے باز نہ آیا۔ انہوں نے کہا تمہیں ہم سے کیا سروکار؟ تمہارے کام تمہارے لیے ہیں اور ہمارے اعمال و کردار ہمارے لیے (سیرت ابن ہشام)

گو میں نے ابن ہشام کی یہ روایت یہاں درج کر دی ہے لیکن اس کی صحت میرے نزدیک مشتبہ ہے کیونکہ اگر یہ وفد فی الحقیقت مکہ معظمہ آیا اور ارکان وفد مشرف بایمان ہوئے تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے بعد ان کا وجود کہیں نظر نہ آتا۔ اگر مسیحیت کے ان مذہبی مقتداؤں نے بھی بادشاہ کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے اسلام قبول کیا ہوتا تو حبشہ میں ہر جگہ دینِ حنیف کا ڈنکا بج جاتا حالانکہ عہدِ رسالت میں ہمیں حبشہ کے اندر بادشاہ اور مہاجروں کے سوا کوئی مسلمان دکھائی نہیں دیتا۔ اگر اس وفد کے ارکان میں سے کوئی شخص یا حبشہ کا کوئی دوسرا آدمی مشرف بایمان ہوتا، تو مہاجروں کے چلے آنے کے بعد بادشاہ کی رحلت پر ان کی نماز جنازہ ضرور پڑھی جاتی حالانکہ حسب بیان ابنِ کثیرؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں محض اس بنا پر شاہ نجاشی کی نماز جنازہ ادا کی کہ حبشہ میں کسی نے ان پر نماز نہ پڑھی تھی۔

فصل ۱۷۸ حضرت حمزہؓ آغوشِ اسلام میں

آنحضرتؐ سے سہ گانہ قرابت

نبوت کے چھٹے سال سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جو ابو عمارہ کی کنیت سے مشہور تھے، سعادتِ اسلام سے شرف اندوز ہوئے۔ وہ ایک حیثیت سے آپ کے خالہ زاد بھائی بھی لگتے تھے کیونکہ ان کی والدہ ہالہ بنت اُہیب یا وہیب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مادر محترمہ جناب آمنہ کی عم زاد بہن تھیں۔ جس مجلس میں عبدالمطلب بن ہاشم نے ہالہ بنت اُہیب سے نکاح کیا، اسی مجلس میں ان کے صاحبزادہ عبداللہ آمنہ خاتون بنت وہب

کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے علی اختلاف الروایات عمر میں دو یا تین یا چار سال بڑے تھے۔ وہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں نے ابولہب کی لونڈی ثُویبہ کا دودھ پیا تھا۔ لیکن حمزہؓ آپ سے تین چار سال بڑے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ دونوں نے بیک زمانہ ثُویبہ کا دودھ نہ پیا ہوگا۔

گو مکہ مکرمہ کی گھاٹیاں کئی سال سے دعوتِ توحید کی صدا سے گونج رہی تھیں اور حضرت حمزہؓ کو آپ سے شدید محبت تھی تاہم انہوں نے کبھی دعوتِ اسلامی کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ اپنے کفر پر جازم اور بت پرستی میں مگن تھے یا یہ کہ ان کا مذاقِ طبیعت سیر و شکار اور سپہ گری تھا اس لیے شاید ان کاموں کی شدتِ انہماک نے انہیں دعوتِ اسلامی پر غور کرنے کی کبھی مہلت نہ دی ہوگی۔ تاہم ہادیٔ ذوالمنن کے دستِ رحمت نے انجام کار عجیب طرح سے ان کے باطن کا فولادی دروازہ کھول دیا اور کشتِ زارِ دل میں محبتِ اسلام کی تخم ریزی اور آبیاری کر دی (الروض الانف و تاریخ ابن جریر طبری)

ابوجہل کی دست درازی اور دشنام دہی

ان کے قبولِ اسلام کی یہ تقریب پیدا ہوئی کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے حضرت امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہِ صفا کے پاس دیکھا۔ جس طرح کتا غیر مانوس آدمی کو دیکھ کر بھونکنے لگتا ہے اسی طرح ابوجہل آپ کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا اور سخت مشتعل ہو کر گالیوں کی غلاظت اُچھالنے لگتا تھا۔ اس نے آپ کو تنہا پا کر نہ صرف فحش گالیاں دیں بلکہ آپ پر مٹی اور گوبر پھینک کر آپ پر ہاتھ بھی اٹھایا لیکن آپ نے اپنے خلقِ عظیم کے اقتضائے صبر و سکون کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جُدعان کی لونڈی کوہِ صفا پر اپنے گھر میں بیٹھی یہ سب دیکھتی اور سن رہی تھی۔ ابوجہل یہاں سے کعبۂ معلیٰ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹ کر کوہِ صفا پر پہنچے تو وہ لونڈی ان سے کہنے لگی ابو عُمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے برادر زادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال دیکھتے کہ عَمرو بن ہشام نے انہیں کس طرح اپنے جور و ستم کا نشانہ بنایا ہے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور غصہ سے بے قابو ہو گئے۔

ابوجہل کی سرکوبی

حضرت حمزہؓ تمام قوم قریش میں بڑے غیور مشہور تھے۔ انہوں نے معاً مجلسِ قریش کا رُخ کیا اور اس تیزی سے گئے کہ کسی سے بات تک نہ کی،

حالانکہ ان کا معمول تھا کہ جب آتے تو راستہ میں کئی جگہ رُک رُک کر لوگوں سے باتیں کرتے جاتے۔ اس واقعہ نے ان کو سخت برافروختہ کر دیا تھا اور انتقام لینے کی تمنا نہایت بے قرار تھی۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ملت کفر کا سردار صنادیدِ قریش کے جمگھٹے میں بیٹھا ہے۔ انہوں نے سیدھا ابو جہل کا رُخ کیا۔ اس کے قریب پہنچ کر کمان اُٹھائی اور پوری قوت اور شدت کے ساتھ مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔ اس کے بعد کہنے لگے تو ہمیشہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درپئے ایذا رہتا ہے، اور تجھے کبھی شرم نہیں آئی کہ ناحق ایک بے گناہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے"۔

ابو جہل کو لہو لہان دیکھ کر اس کے قبیلہ بنو مخزوم کے چند آدمی اس کی حمایت میں حضرت حمزہ کی طرف بڑھے اور بولے حمزہ! ہم اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتے کہ تم صابی ہو گئے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے قبولِ اسلام سے کون امر مانع ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ مجھ پر امرِ حق واضح ہو چکا ہے، اور میں تمام عمایدِ قریش کے سامنے اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ ابو جہل نے یہ دیکھ کر کہ کہیں میری وجہ سے ہاشمیوں اور مخزومیوں میں سلسلۂ رزم و پیکار نہ شروع ہو جائے اپنے مخزومی اقربا سے کہا کہ ابو عمارہ سے کچھ تعرض نہ کرو کیونکہ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں۔ (مستدرک حاکم و تاریخ طبری)

یہ اسلام کا وہ ابتدائی دَور تھا کہ حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز جناب اَرقم رضؓ کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور اہلِ ایمان کا حلقہ قلیل التعداد ہستیوں تک محدود تھا۔

حاملِ نبوتؐ کی خوشی دینِ حق کی پیروی میں

اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے بعد حضرت حمزہ رضؓ واپس آئے اور آنحضرتؐ سے مل کر کہنے لگے برادر زادے! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آج میں نے عَمرو بن ہشام (ابو جہل) سے اس کی آتشگیر طبیعت کو سرد کر کے تمہارا بدلا لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا چچا جان! مجھے ایسی باتیں خوش نہیں کیا کرتیں میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم غیر اللہ سے منقطع ہو کر دینِ حق کی پیروی کرو"۔

آج یہ سب سے پہلا دن تھا کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطاب خاص سے مخاطب کر کے دینِ حق کی طرف بلایا تھا۔ گو حضرت حمزہ رضؓ اس سے پہلے مسجد میں عمایدِ قریش کے سامنے بھی حقیقتِ اسلام کا اقرار کر آئے تھے مگر وہ محض نمائشی اقرار تھا لیکن اب اس مخصوص خطاب اور برملا دعوت نے جس کا مسترد کرنا خاندانی وقار کے خلاف تھا۔ ان کو سخت ذہنی اُلجھن میں ڈال دیا اور وہ اسی کشمکش و پیچ کی حالت میں گھر واپس آ گئے۔

شرفِ ایمانی

حضرت حمزہؓ کا بیان ہے کہ اس وقت اپنے آباؤ اجداد اور اپنی قوم کا دین چھوڑنے کے خیالات نے مجھے سخت کبیدہ خاطر کر رکھا تھا اور میرا دماغ سخت کشمکش میں تھا کہ مجھے اپنے آبائی دین پر قائم رہنا چاہیئے یا دین اسلام قبول کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی ہجوم افکار میں میری ساری رات آنکھوں میں کٹی۔ میں دن کے وقت کعبۂ معلیٰ میں گیا اور نہایت تضرع و ابتہال کے ساتھ بارگاہِ ایزدِ متعال میں دعا گو ہوا کہ خدایا! میرے باطن کا غدغہ اور تشویش دور کر اور پیروئ حق کے لیے میرا سینہ کھول دے"۔ اس دعا و زاری کا یہ اثر ہوا کہ حق تعالیٰ نے تمام باطل توہمات میرے دل سے خارج کر کے مجھے اذعان و یقین کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت حمزہؓ نے اب بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنی تمام دلی کیفیت کا راز آشکارا کیا۔ توحید کے منادِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبولِ حق اور استقامت علی الایمان کے لیے دعا فرمائی۔ خدائے مہیمن نے معاً اسلام کی محبت کے نقش ان کے دل میں بٹھا دیے اور انہیں ایمان کی دولتِ جاوید سے مالا مال کر کے انسانی ترقی کے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ (الروض الانف)

عزّ و وقار میں اضافہ

حضرت حمزہؓ کے اسلام کی خبر کچھ ایسی نہ تھی جو ٹھنڈے دل سے سنی جاتی۔ شہر میں سناٹا چھا گیا۔ بت پرست حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چمن استبداد اُجڑ گیا ہے۔ نہ کوئی پھول باقی ہے نہ کلیاں۔ قریش نے محسوس کیا کہ نبوت کے سلطان عالی مرتبت کا عزّ و وقار بڑھ گیا ہے اور اب حمزہؓ ان کی طرف سے ضرور مدافعت کریں گے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ایذا رسانی سے بہت کچھ ہچکچانے لگے (تاریخ طبری)

ایک خصوصیت

حضرت حمزہؓ نے غزوۂ اُحد میں شربتِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ امتِ مرحومہ میں لاکھوں نفوسِ قدسیہ ایسے ہوئے اور قیامت تک ہوں گے جنھیں درجۂ شہادت کی سرفرازی نصیب ہوئی لیکن ان میں سے کوئی بزرگ سید الشہداء کے درجہ پر فائز نہ ہو سکا۔ اُمت میں یہ خصوصیت صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی کہ وہ سید الشہداء کے گرامی لقب سے ممتاز ہوئے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کے لیے سید الشہداء کا لقب حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ طبرانی نے

بطریق اصبغ بن بنانہ حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۵۷)

فصل ۱۷۹ حضرت عمرؓ کے نہاں خانۂ دل میں اسلام کی جلوہ گری

حضرت امیر المؤمنین ابوحفص عمر بن خطاب (بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی) رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنو عدی کے چشم و چراغ ہیں جو قریش کی ایک شاخ تھا۔ عدی کے دوسرے بھائی مُرّہ تھے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے جدِّ اعلیٰ عدی کو عہدۂ سفارت مفوّض تھا یعنی جب قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا یا کسی فرماں روا کے پاس سفارت بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو عدی اور عدی کے بعد حضرت عمرؓ کے دوسرے آباء اجداد سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل کے گیارہ سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے نا اُمیدی

مشرف باسلام ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے جو شدید نفرت تھی اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سے کینہ و عداوت کا جو جذبہ ان کے باطن میں موجزن تھا، اس کے دیکھتے ہوئے کسی کو اس بات کا وہم و گمان نہ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی کبھی اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کریں گے۔ چنانچہ حبشہ کی پہلی ہجرت میں حضرت عمرؓ کی ایک قرابت دار خاتون اُمِ عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ جب اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ جانے کے قصد سے اُونٹ پر سوار ہونے کو تھیں تو اتفاق سے حضرت عمرؓ وہاں آ گئے اور محترمہ لیلیٰؓ سے پوچھنے لگے کہ اُمِ عبداللہ! کہاں کی تیاری ہے؟ چونکہ حضرت عمرؓ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف اُدھار کھائے بیٹھے تھے، خصوصاً ان کے گھرانے پر تو حضرت عمرؓ کے قہر و غضب کی بجلیاں بڑی شدت سے

کرتی رہتی تھیں، انہوں نے کہا کہ آپ لوگ ہر وقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں اس لیے ہم ترک وطن پر مجبور ہوئے ہیں اور عزم صمیم کر لیا ہے کہ جب تک خدائے عزیز مسلمانوں کے لیے مخلصی کی کوئی صورت پیدا نہیں کرے گا ہم وطن سے دُور ہی رہیں گے"۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت مضطرب ہوئے اور کہا صَحِبَکُمُ اللّٰہُ (خدا تمہارے ساتھ ہو) اور ساتھ ہی ان پر ایسی رقت طاری ہوئی جو اس سے پیشتر کبھی مشاہدہ میں نہ آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کی رِقّت اور ان کے اِس دعائیہ کلمہ نے محترمہ لیلیٰ رضی اللہ عنہا کے نہال امید کو سرسبز کر دیا اور انہیں یقین ہوا کہ عمرؓ کبھی نہ کبھی ضرور دائرۂ اسلام میں داخل ہوں گے۔ اس وقت ان کے شوہر حضرت عامر بن ربیعہؓ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو محترمہ اُمّ عبداللہؓ نے عالمِ مسرت میں یہ واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ عامرؓ کہنے لگے بھلا یہ کہاں ممکن ہے کہ ایسا قاسی اور شدید العداوت انسان بھی کبھی اسلام کے سایۂ عاطفت میں آنا گوارا کرے۔ حضرت عامرؓ نے اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عمرؓ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطّاب کا گدھا ایمان نہ لائے گا (تاریخ ابن کثیر)

حضرت عامرؓ کا یہ قول تعلیق بالمحال تھا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ جس طرح گدھے کا قبولِ اسلام ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح عمرؓ کی سعادتِ ایمانی بھی محال ہے۔ لیکن اس قادرِ کارساز نے جو ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے آیندہ چل کر حضرت عمرؓ کو نہ صرف ایک مومن کامل، مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ بلکہ امیر المومنین اور فاروقِ اعظم بنا کر لوگوں کو دکھا دیا کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کے دائرۂ قدرت سے خارج ہو۔

دلائل و انتباہات کو بار بار پس پشت ڈالنا

امام ابن جوزیؒ نے سیرت عمر بن خطّاب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے سبب میں اختلاف ہے"۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کے مشرف بایمان ہونے کی روایتیں مختلف ہیں لیکن وہ سب روایتیں ایک واقعہ کے متعلق نہیں بلکہ مختلف حالات اور مختلف مواقع کی نسبت الگ الگ بیانات ہیں۔ اختلاف تب سمجھا جاتا جب ایک ہی واقعہ کی روایتیں باہم متخالف ہوتیں۔ قبل از بعثت سے لے کر حضرت عمرؓ کے قبول اسلام تک چھ سات سال کی مدّت میں یکے بعد دیگرے ایسے حالات رونما ہوئے جو حضرت عمرؓ کو بتدریج اسلام کے قریب لاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر کار ان کے دل پر عبرت و تنبہ کی ایسی کاری چوٹ لگی کہ انہیں دامن اسلام سے

وابستہ ہو کر ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے جام توحید پینا پڑا۔

سب سے پہلا واقعہ جو ۱۰ویں فصل میں قلمبند ہو چکا ہے یہ تھا کہ انہوں نے بچھڑے میں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز سنی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ اس واقعہ سے سبق آموز نہ ہوئے۔ یہ بعثت سے کچھ مدت پہلے کا واقعہ ہے۔ اس دلیل نبوت کے مشاہدہ پر چاہیئے تھا کہ جو نبیِ امّی توحید صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت کیا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح جھٹ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔ لیکن ان کے دل و دماغ پر جاہلی عصبیت کی ایسی موٹی تہیں چڑھی تھیں کہ ہر انتباہ و موعظہ کا کچھ ہلکا سا رنگ قبول کرنے کے بعد اسے ایک ہی دو روز میں نسیاً منسیّا کر دیتے۔

قبولِ اسلام

امام احمد نے مسند میں شُریح بن عُبَید حضرمی کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان اپنے قبولِ اسلام کے بارہ میں درج کیا ہے اور امام ابن جوزیؒ نے ابن عباسؓ، اسلم اور ابوالزبیر کی روایتوں سے حضرت عمرؓ کے بیانات قلمبند کیے ہیں۔ اسی طرح ابن جوزیؒ نے حضرتِ عمرؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت حوالۂ قرطاس کی ہے۔ مزید براں سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں حضرت جابرؓ کی روایت ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے۔ یہ کل چھ اقوال ہوئے۔ میں ان تمام روایتوں کا اقتباس ایسی ترتیب سے درج ذیل کرتا ہوں جس کو میں نے مرجح و موزون خیال کیا ہے۔

پہلا واقعہ

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ کعبۂ معلیٰ میں گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجر کی طرف تشریف لے گئے اور تضرع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سے فراغت پا کر گھر کو لوٹے۔ میں نے آپ کی زبان سے کچھ ایسے کلمات سنے جن سے میرے کان آشنا نہ تھے۔ میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے پوچھا کون ہو؟ میں نے کہا عمرؓ۔ آپ نے فرمایا عمر! تم دن رات کسی وقت میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں آپ کی بددعا سے ڈر گیا اور فوراً کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس واقعہ کو ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر انصاریؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ بے سوچے سمجھے دہشت کی حالت میں زبان سے کہہ دیا ورنہ دل پر اس کا کچھ اثر نہ تھا اور نہ اس واقعہ کے بعد اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا۔

دوسرا واقعہ

امام احمدؒ نے بطریق شُریح بن عُبَید حضرمی حضرت عمرؓ سے اور طبرانی نے کبیر میں ثوبانؓ سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

تعرض کرنے کو نکلا۔ آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ قراءت میں سورۂ حاقہ پڑھنے لگے۔ میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کی نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا واللہ! یہ شخص تو شاعر ہے جیسے قریش کہا کرتے ہیں۔ جب یہ خیال دل میں آیا تو آپ نے اس سورت کی یہ آیت پڑھی:۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ • قَلِيلًا
مَّا تُؤْمِنُونَ ٥ (۶۹: ۴۱)

یہ قرآن بلاشبہ کلام الٰہی ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا اور یہ کسی شاعر کی بنائی ہوئی بات نہیں ہے مگر تم لوگ بہت ہی کم یقین کرتے ہو۔

یہ سن کر میں نے دل میں کہا یہ شاعر نہیں تو کاہن ہے۔ اب آپ نے یہ پڑھا:۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا
تَذَكَّرُونَ • تَنزِيلٌ مِّن
رَّبِّ الْعَالَمِينَ ٥ (۶۹: ۴۲-۴۳)

اور نہ یہ کسی کاہن کے کہتے ہیں مگر تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔ یہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔

یہاں تک کہ آپ نے سورۂ حاقہ آخر تک پڑھی۔ اس کو سن کر اسلام میرے دل میں گھر کر گیا۔"

لیکن حضرت عمرؓ ان تاثرات کو بھی جلد صفحۂ دل سے محو کر بیٹھے اور مسموم فضا اور ناموافق ماحول نے ان کو تھوڑے ہی دنوں میں پھر ویسا ہی غالی شرک پسند اور عدوئے اسلام بنا دیا۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی دعا

دعوت اسلامی کے ابتدائی دور میں قریش کے غیر ہاشمی خاندانوں کے اندر عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام مخزومی (معروف بہ ابو جہل) کو خاص امتیازی قوت حاصل تھی۔ لیکن جس درجہ یہ دونوں رئیس صاحب اقتدار اور ذی اثر تھے، اسی قدر زیادہ انہیں اسلام اور پیروانِ اسلام سے عناد تھا۔ جن ایام میں قریش کی ظلم آرائیوں نے اسلام کو سخت مشکلات کے حصار میں گھیر رکھا تھا، شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ شفقت ان دونوں کی ہدایت کے پُر محبت ولولوں سے مملو تھا اور آپ کی دلی آرزو تھی کہ ان دونوں میں کوئی نہ کوئی دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر تقویتِ اسلام کا ذریعہ ثابت ہو۔ چنانچہ امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے، طبرانی نے عبداللہ بن مسعودؓ اور انسؓ سے، حاکم نے عبداللہ بن عباسؓ سے اور دارقطنی نے انسؓ سے روایت کی کہ ایک دن توحید کے داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی الٰہی! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب

میں سے جس کو تو چاہتا ہو حلقۂ اسلام میں داخل کرکے اپنے دین کو تقویت دے"۔ یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوگئی۔

ابوجہل کی طرف سے سیّدِ کون و مکانؐ کی جان لینے کا انعام

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سعادتِ ایمانی کے بعد ابوجہل ترقیٔ اسلام کو دیکھ کر ہر وقت مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے طیش میں آکر اعلان کیا کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرکے اس کا سر میرے پاس لائے اس کو سو اونٹ یا ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں گا۔ حضرت عمرؓ ابوجہل کی چچازاد بہن کے فرزند تھے۔ اس نے حضرت عمرؓ کو سخت برانگیختہ کرکے اقدامِ قتل پر آمادہ کیا۔ وہ مسلح ہوکر آپ کے قتل کے ارادہ سے چلے۔ اس وقت قضا و قدر کھڑی ہنس رہی تھی کہ شقاوت کے ساتھ جا رہا ہے لیکن سعید ہوکر لوٹے گا۔ کافر اور دشمن بن کر نکلا ہے، مومن پاک اور محبِّ صادق بن کر پھرے گا۔

نعمت ایمان سے خواہر عمرؓ کی حلاوت اندوزی

اور دینِ حق کی دل آویزی کا کمال دیکھو کہ اس سے چند روز پیشتر جناب عمرؓ کی ہمشیر فاطمہؓ بھی اپنے سعید الفطرت شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرکے نعمتِ ایمان سے حلاوت اندوز ہوگئیں۔ جب حضرت عمرؓ دوپہر کے وقت شمشیر بکف مخدومِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے نامبارک ارادہ سے نہایت غصے اور طیش میں جا رہے تھے تو ملاء اعلیٰ کے فرشتوں نے مسرت و شادمانی کا غلغلہ بلند کیا اور اس مضمون کے شعر پڑھنے شروع کیے ؎

آمد آں یارے کہ من می خواستم   راست شد کارے کہ من می خواستم
رفتہ رفتہ می رود آں سوے دام   ہم بہ ہنجارے کہ من می خواستم

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں کیا خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

تدبیر غیب اورا خواہی نخواہی بہ اسلام آورد ع
گر نیاید بخوشی موے کشانش آرید

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

مُراد بود نہ مُرید، مُخلَص بود نہ مُخلِص وشتان بین المرتبتین۔ ودریں راہ

نیامدند تا آنکہ در و دیوار ندایش نہ کردند و بر خوانِ نعمت نہ رسیدند تا آنکہ مکرر بہر زبانش نخواندند"۔

(حضرت عمرؓ مراد تھے نہ کہ مرید اور مخلَص تھے نہ کہ مخلِص اور ان دونوں مرتبوں میں بہت فرق ہے۔ جب تک در و دیوار سے ان کو پکارا نہ گیا، اس وقت تک وہ نہ آئے اور اُس وقت تک خوانِ نعمت تک نہ پہنچے جب تک انہیں بار بار ہر زبان میں مدعو نہ کیا گیا)

ہمشیر کے اسلام کی خبر پر حضرت عمرؓ کی بدحواسی

اتفاق سے حضرت نعیم بن عبداللہ نحام عدویؓ جو حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنو عدی کے ایک معزز رکن تھے سرِ راہ مل گئے۔ نعیمؓ چند روز پیشتر مسلمان ہو چکے تھے لیکن حضرت عمرؓ یا خاندان کے کسی دوسرے شخص کو اس کا علم نہ تھا۔ حضرت نعیمؓ ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھنے لگے کیوں صاحب! خیر تو ہے؟ بولے اس شخص کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں جس نے معبودیت و کبریائی کا منصب ایک ہی ہستی تک محدود کر دیا ہے"۔ نعیمؓ نے کہا اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو گے تو کیا بنو ہاشم اور بنو زہرہ تم کو یوں ہی زندہ چھوڑ دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ کر صابی ہو چکے ہو"۔ حضرت نعیمؓ نے فرمایا عمر! میں تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات سناتا ہوں۔ اگر میں صابی ہوں تو تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تو صابی ہو چکے ہیں اور تمہارے دین سے دست بردار ہو گئے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے ہوش اڑ گئے۔ آتشِ غضب نے خرمنِ صبر و سکون کو جلا دیا۔ عالمِ غیظ میں وہیں سے پلٹ پڑے اور اپنی ہمشیر کے گھر پہنچے۔

حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کی قرآن خوانی

جناب عمرؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام کے بعد خباب بن ارتؓ سے درخواست کی تھی کہ وہ انہیں قرآن پڑھا دیا کریں۔ جس وقت حضرت عمرؓ آئے تو اس وقت حضرت خبابؓ دونوں میاں بیوی کو سورۂ طٰہٰ یاد کرا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازے کو دستک دی۔ خبابؓ نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو یہ سوچ کر کہ ان پر اپنی بہن اور بہنوئی کے قبولِ اسلام کا راز نہ کھلے جھٹ گھر کے پچھلے حصے میں چلے گئے۔ ان کی بہن بھی آتش مزاج بھائی کی آہٹ پا کر خاموش ہو گئیں اور جھٹ کلامِ الٰہی کے اجزا کہیں چھپا دیے۔ لیکن حضرت عمرؓ ہمشیر کی قرآن خوانی صاف لفظوں میں سن چکے تھے۔ جب دروازہ کھلا تو جناب فاطمہؓ

سے پوچھنے لگے یہ کیا آواز تھی؟ فاطمہؓ سہم گئیں اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔

بہن اور بہنوئی کو زخمی کرنا

حضرت عمرؓ بولے مجھ پر اچھی طرح روشن ہو چکا ہے کہ تم اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ کر صابی (بے دین) ہو چکی ہو۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے جو جلیل القدر صحابی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں فرمایا کہ اگر حق و صداقت بزرگوں کے دین کی بجائے کسی دوسرے دین میں ہو تو اُسے کیوں نہ اختیار کیا جائے۔" حضرت عمرؓ بہنوئی کی زبان سے یہ کلمہ سن کر ان سے دست و گریبان ہو گئے۔ ان کو گرا کر بُری طرح پائمال کیا، گھونسے اور ٹھوکریں مارنے لگے۔ یہ دیکھ کر فاطمہؓ بچانے کو آئیں تو ان کو ہاتھ کی لکڑی کھینچ ماری۔ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ فاطمہؓ غضب ناک ہو کر بولیں کہ تمہارا دین باطل دیکھ کر ہم نے چھوڑ دیا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کہنے لگیں کہ جتنا چاہو ظلم کر لو مگر اسلام کا نقشِ ہدایت تو کسی طرح مٹ نہیں سکتا۔"

صحیفۂ قرآنی کا مطالعہ

اب حضرت عمرؓ کو اپنی اس غلطی کا احساس کر کے کہ ناحق آپے سے باہر ہو کر مارپیٹ کی، بہت تأسف ہوا اور ساتھ ہی بہن کو لہولہان دیکھ کر سخت شرمسار بھی تھے۔ کہنے لگے کہ اچھا وہ کتاب ذرا مجھے بھی دکھاؤ کہ میں بھی پڑھ کر دیکھوں۔" بہن نے کہا کہ تم رجس ہو اور کلامِ الٰہی کو مطہر ہی چھو سکتے ہیں۔ غسل یا وضو کر لو تو پھر اس کو ہاتھ لگاؤ۔"

حضرت عمرؓ نے وضو کیا اور صحیفۂ مطہرہ کے اجزاء ہاتھ میں لے کر کھولے۔ شروع میں لکھا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حضرت عمرؓ خدائے برتر کے یہ نام دیکھ کر لرز گئے اور صحیفۂ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب اوسان بجا ہوئے تو اُسے پھر اُٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۂ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ ان کو مرعوب کر رہا تھا۔ فصاحتِ زبان، محاسنِ کلام، نُدرتِ بیان، بلندیٔ معانی، جامعیتِ مطالب، حُسنِ انشا، شگفتگیٔ الفاظ اور تعلیماتِ ہدایت کی پاکیزگی پر اَش اَش کر گئے۔ آخر جب اس آیت پر پہنچے :۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ
لِذِكْرِيْ (۲۰ : ۱۴)

میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی قابلِ
پرستش نہیں تو میری ہی عبادت کیا کرو اور
میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

تو صداقت اسلام کا جذبۂ کامل اپنی پوری طاقت کے ساتھ سینۂ صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوار رشد و سعادت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور بولے کیسا ہی پاکیزہ کلام ہے۔ حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابل پرستش ہے۔

کلمۂ شہادت پڑھنا

اس کے بعد بے اختیار بول اٹھے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔ خبابؓ سب ماجرا سن رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کی زبان سے کلمۂ شہادت سنا تو باہر نکل آئے اور سب حضرات نے خوشی سے صدائے تکبیر بلند کی اور جوش مسرت میں مبارکباد دینے لگے۔ حضرت خبابؓ نے کہا اے عمر! بشارت ہو کہ کل ہی قرآن کے حامل و مبیّن صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ الٰہی! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جس کسی کو تو چاہتا ہو اس کو اسلام میں داخل کرکے اپنے دین کو عزت و برتری دے۔ یہ اسی دعا کا اثر ہے۔ اس وقت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے دامن میں حضرت ارقم مخزومیؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے بہنوئی سے پتہ معلوم کرکے وہاں کا رخ کیا۔

حضرت عمرؓ آستانِ نبوت میں

جب حضرت عمرؓ دار ارقم کے دروازے پر پہنچے، اس وقت حمزہؓ، طلحہؓ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند دوسرے حضرات دروازے پر موجود تھے۔ چونکہ حضرت عمرؓ انتہا درجہ کے مغلوب الغضب اور اسلام کی دشمنی میں بڑے غالی تھے اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو خبر نہ تھی، لوگ اس خیال سے جمع ہو گئے کہ ضرور خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ یہ کہہ کر اٹھے کہ اگر اطاعت اور قبولِ اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔ مگر اس احتمال پر کہ مبادا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا قصد ہو، دو فدایان محمد علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پکڑ لیے اور انہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ہاتھ چھوڑ دو۔ جب قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا عمر! کہو کس ارادہ سے آئے ہو؟ نبوت کی پُر رعب آواز نے حضرت عمرؓ جیسے جری و شجاع کو لرزہ براندام کر دیا۔ نہایت عاجزی و فروتنی سے عرض پیرا ہوئے حضور والا! ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ تمام فضا گونج اٹھی۔ حضرت

عمرؓ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا قابل پرستش کوئی نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) غرض حضرت عمرؓ زمرۂ موحدین میں داخل ہو کر میامن ہدایت سے بہرہ اندوز ہوئے۔

ابو جہل کی دریدہ دہنی اور بد باطنی

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے ممتاز ہے پہلے اسی کے پاس جا کر اپنے قبول اسلام کا اظہار کروں۔ پس دل میں خیال آیا کہ ابو جہل سے بڑھ کر پیغمبر علیہ السلام کا کوئی دشمن نہیں چنانچہ اس کے گھر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی۔ ابو جہل کو اطلاع مل چکی تھی کہ عمرؓ بارادۂ قتل دار ارقم کو گئے ہیں اور وہ ہمہ تن انتظار رہا بیٹھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر لاتے ہوں گے۔ جب معلوم ہوا کہ عمرؓ آئے ہیں تو بڑی عجلت سے دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے ابو جہل کو دیکھتے ہی فرمایا ماموں جان! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بھی اپنے مشرف باسلام ہونے کی اطلاع کر دوں۔ میں خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے۔ یہ سن کر ابو جہل نے بحالت غضب جھٹ کواڑ بند کر لیے اور بو[redacted] جا تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں (سیرت ابن ہشام)

لیکن تھوڑے عرصہ میں لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کس طرح جنگ بدر میں غارت ہوئے اور اسلام کو خدائے قیوم نے عزت و سربلندی بخشی۔ معلوم ہو کہ ابو جہل رشتہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں لگتا تھا کیونکہ ان کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ، عمرو بن ہشام بن مغیرہ (معروف بہ ابو جہل) کی عم زاد بہن تھیں۔ حضرت عمرؓ کے مشرف بایمان ہونے کا واقعہ حضرت حمزہ [redacted] کے قبول اسلام کے تین دن بعد کا ہے۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۲۶ سال کی تھی۔

سابقین اولین

اس وقت اسلام کا دائرہ کہاں تک محدود تھا، اس کی نسبت سیوطی نے تین قول نقل کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے پہلے ۳۹ مرد اور ۲۳ عورتوں کو شرف ایمانی حاصل ہوا تھا۔ دوسرا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ تیسرا یہ کہ ان سے پہلے ۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کو ایمان کی دولت جاوید نصیب ہو چکی تھی (تاریخ الخلفاء)

مگر یہ تمام اقوال غیر صحیح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس سے پیشتر سو سے زیادہ مرد و زن

تو بہت دنوں سے مشرف با یمان ہو کر حبشہ جا چکے تھے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ مہاجرین حبشہ کے جانے کے بعد جو مسلمان مکہ معظمہ میں موجود تھے ان میں حضرت عمرؓ کا شمار چالیسواں یا پینتالیسواں تھا تو قابلِ التفات ہو سکتا ہے۔

فصل ۱۸۰ حضرت عمرؓ بُت پرستوں کے نرغہ میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی عظمت و اہمیت ملاحظہ ہو کہ قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انہیں امتحان و ابتلاء کے آتش کدہ میں سے گزرنا پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جمیل بن معمر جمحی نام ایک قریشی بُت پرست کو جب معلوم ہوا کہ عمرؓ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ مسجد الحرام کے دروازہ پر پہنچا اور پکارنے لگا اے گروہِ قریش! ابنِ خطّاب صابی ہو گیا۔ یہ لوگ ہر اُس شخص کو جو بُت پرستی چھوڑ کر مشرف باسلام ہوتا تھا صابی یعنی بے دین کہنے لگتے تھے۔ جس وقت جمیل نے یہ صدائے بے ہنگم بلند کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی پیچھے سے آپہنچے اور فرمایا تو جھوٹا ہے میں صابی نہیں بلکہ مسلمان ہوا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں"۔ اس وقت قریش کے بڑے بڑے رئیس کعبۂ معلّیٰ کے ارد گرد مجلسیں قائم کیے بیٹھے تھے۔ جب حضرت فاروقؓ نے برسرِ عام نہایت بلند آہنگی سے توحید و رسالت کا اعلان کیا تو عمائدِ قریش سخت مشتعل ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عز و وقار اور عظمت شان کا لحاظ رکھے بغیر غضب آلود مجمع کے جور و ستم کا بادل ہر طرف سے سمٹ کر ان پر برسنے لگا۔

تن تنہا سارے مجمع سے برسر مقابلہ

حضرت عمرؓ نے تن تنہا نہایت مردانگی سے سارے مجمع کا مقابلہ کیا اور بہتوں کو مارا پیٹا لیکن یکہ و تنہا ایک جم غفیر کا کہاں تک مقابلہ کرتے۔ جب لڑتے لڑتے تھک گئے اور اسی کشمکش میں آفتاب سر پر آگیا تو مجمع سے خطاب کر کے فرمانے لگے یاد رکھو اگر کبھی ہماری جمعیت تین سو تک پہنچ گئی تو پھر یا تو ہم مکہ چھوڑ دیں گے یا تم کو شہر سے نکال دیں گے"۔

اتنے میں حضرت عمرو فاتح مصر رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل سہمی وہاں آیا اور پوچھنے لگا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے کہا "عمر صابی ہو گیا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں

جھوٹ بکتے ہو۔ میں ہرگز صابی نہیں ہوا بلکہ تمہارا باطل کیش بت پرستی چھوڑ کر دین حق اختیار کیا ہے"۔ عاص بن وائل، ہجوم سے کہنے لگا اگر ایک شخص کا رجحان طبع کسی دوسری طرف ہو گیا تو تمہارا اس میں کیا اجارہ ہے؟ اور کہا جب بنو عدی بن کعب (حضرت عمرؓ کے خاندان) کو معلوم ہوگا کہ تم ان سے برسر پرخاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟ یہ سن کر تمام مجمع منتشر ہو گیا اور حضرت عمرؓ اپنے گھر واپس آئے۔ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے ان ایام میں حضرت عمرؓ کے صاحب زادہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سن قریباً چھ سال کا تھا۔ وہ پیچھے کھڑے رہ کر یہ سارا ماجریٰ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کو اپنے بچپن کا عینی مشاہدہ بیان کیا ہے۔ اس وقت وہ عاص بن وائل کو نہیں پہچانتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے دریافت کیا ابا جان! وہ شخص کون تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟ تو حضرت عمرؓ نے عاص بن وائل کا نام لیا (مستدرک حاکم و سیرت ابن ہشام)۔

ابوجہل کا اپنی حمایت و جوار میں لینا

اور بزار، طبرانی اور ابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے دلائل میں اسلم سے روایت کی ہے کہ مجمع کو منتشر کرنے والا ابوجہل تھا۔ جب حضرت عمرؓ تن تنہا دشمنوں کے نرغے میں تھے تو ابوجہل کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آکر لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے"۔ یہ سن کر مجمع فساق منتشر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ چونکہ مجھے یہ امر قطعاً گوارا نہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو بدستور زدوکوب کرتے رہیں اور میں کھڑا دیکھا کروں اس خیال سے میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا (تاریخ الخلفاء سیوطی)۔

تیسری روایت

لیکن امام ابن جوزیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو بیان "سیرت عمرؓ" میں درج کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مجمع کو منتشر کرنے والا نہ تو عاصی بن وائل تھا اور نہ ابوجہل بلکہ حضرت عمرؓ کا حقیقی ماموں عاصی بن ہاشم تھا اور یہی صحیح اور قرینِ قیاس ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:۔

جب وہ باآواز بلند پکارنے لگا کہ ابن خطاب صابی ہو گیا ہے تو مجمع مجھ پر پل پڑا۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں ان کو پیٹتا تھا۔ میرے ماموں نے آکر کہا اے قوم! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دی ہے اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے"۔ تمام لوگ مجھ سے دست بردار ہو گئے۔ اس کے بعد یہ امر میرے لیے سخت ناگواری کا باعث تھا کہ کوئی مسلمان پٹتا نظر

آئے لیکن اعدائے دین کی ظلم رانی مجھے بار بار اس المناک منظر کے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ امر حمیت ملی کے خلاف ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں لیکن میری طرف کوئی انگلی بھی نہ اُٹھائے۔ آخر جب علی الصباح تمام لوگ حسب معمول حجر میں بیٹھ گئے تو میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہاری حمایت و جوار واپس دیتا ہوں"۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہ کرو" میں نے انکار کیا۔ پوچھنے لگا تمہارا کیا عندیہ ہے؟ میں نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ میں پیٹوں اور پیٹا جاؤں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ دے۔ حضرت عمرؓ کے ماموں کا نام عاصی بن ہاشم تھا (سیرت عمرؓ)

مسجد الحرام میں نماز پڑھنے کا آغاز

قریش کی چیرہ دستی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے خشم بُت پرستوں کے خلاف ہر وقت موج زن رہنے لگا۔ ایک دن انہوں نے کمال دل سوزی کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں التماس کی یارسول اللہ! کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ حق پر ہیں" حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر سخت بوالعجبی ہے کہ مشرک لوگ تو علانیہ بُت پرستی کریں لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید کے علم بردار اخفاء و تستّر سے کام لیں"۔ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ مسلمان دو صفیں بنا کر اپنے مستقر سے نکلے۔ ایک میں سب سے آگے حضرت حمزہؓ اور دوسری میں حضرت عمرؓ تھے یہاں تک کہ سب بے خوف و خطر مسجدِ حرام میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ رؤسائے قریش کو اپنے جبر و استبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا۔ بالخصوص حضرت عمر اور جناب حمزہ (رضی اللہ عنہما) کو مسلمانوں کی صفوں میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے لیکن کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔

فاروق کے معزز لقب سے حضرت عمرؓ کی سرفرازی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز حضرت عمرؓ کو فاروق کے معزز لقب سے ممتاز فرمایا اور حق و باطل میں فرق و امتیاز ہو گیا۔ جناب فاروقؓ کے قبول اسلام نے اسلام کی حالت میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی۔ گو اس وقت تک مہاجرین حبشہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس کے قریب تھی اور عرب کے شہرۂ آفاق شجاع حضرت حمزہؓ بھی مشرف بایمان ہو چکے تھے تاہم اہلِ اسلام اپنے مذہبی فرائض کو علانیہ ادا نہیں کر سکتے

تھے اور مسجدِ حرام میں نماز ادا کرنا تو ناممکنات میں سے تھا مگر حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی یہ حالت بدل گئی اور حضرت ارقمؓ کے مکان کو جو مسلمانوں کا مخفی پناہ گاہ تھا چھوڑ دیا گیا (اصابہ وتاریخ الخلفاء)

حضرت عمرؓ کے اسلام کا فوری اثر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام گویا فتح اسلام تھی اور ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد حرام میں نماز پڑھیں لیکن حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کے بعد وہاں بے دھڑک نماز پڑھنے لگے اور ہم نے بھی ان کے ساتھ وہاں نماز پڑھنی شروع کر دی (تاریخ ابن کثیر) ابن سعد اور حاکم نے حذیفہؓ سے روایت کی کہ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہو گیا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا اور ابن سعد نے روایت کی کہ جب حضرت عمرؓ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو ہمیں علانیہ دعوتِ اسلام کی جرأت ہو گئی۔ ہم کعبہ کے اردگرد بیٹھنے طواف کرنے اور مشرکوں کو جواب دینے لگے (تاریخ الخلفاء)

عہدِ فاروقی میں اسلام کی ترقی

مقامِ غور ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ خداوندا! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کو عزت دے، کس طرح حرف بحرف موقفِ اجابت پہ پہنچی۔ نہ صرف یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ مشرف بایمان ہوئے بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت و برتری نصیب ہوئی جو چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی بچے بچے کی زبان پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ مازلنا اعزۃ منذ اسلم عمر (صحیح بخاری) یعنی جب سے حضرت عمرؓ ایمان لائے ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوتی گئی۔ اسلام کی اس عزت و برتری کو جب ہم فاروقی کارناموں میں تلاش کرتے ہیں تو دعائے نبوی کی اجابت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم فرما ہیں کہ گو حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام نبوت کے چھٹے سال تک مؤخر و ملتوی رہا اور ان سے بہت سے سوابق فوت ہوئے اور وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان سے مفضول و کمتر تھے تاہم تائیدِ الٰہی نے ان کے عہدِ خلافت میں اسلام کو بڑی ترقی و برتری بخشی۔ نشرِ علوم اور ترویجِ دین غایتِ قصویٰ کو پہنچ گیا اور بلاد و ممالک بکثرت اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ یہ سب ایسی مہتم بالشان خدمات تھیں جنہوں نے آخر الامر

حضرت عمرؓ کو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سہیم وہم عنان بنا دیا (ازالۃ الخفاء)

معلوم ہو کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پوری سلطنت، بخت نصر شاہ بابل کی ساری عملداری، کیخسرو شاہ ایران کی پوری مملکت، فراعنہ مصر کی مکمل سرزمین، شاہان یمن کی ساری قلمرو، مملکتِ روم کے ایک بڑے حصہ اور عرب کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی مجموعی حکومتوں کے مالک و فرماں روا تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ایک مکاشفہ میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اسی سیاسی برتری اور پُرشکوہ جہاں داری کا مشاہدہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "میں نے لوگوں کو صعید میں مجتمع دیکھا۔ ان میں سے ابوبکرؓ اٹھے اور وہاں سے پانی کے دو ایک ڈول بھرے۔ ان کے پانی بھرنے میں کسی قدر ضعف تھا۔ اللہ انہیں بخشے۔ پھر اس ڈول کو عمرؓ نے لیا تو وہ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی چرسہ بن گیا۔ میں نے ان لوگوں میں کسی شہ زور کو ایسا نہیں دیکھا جو عمرؓ کی طرح پورے زور اور قوت کے ساتھ پانی بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے (صحیح بخاری)

فصل ۱۸۱ عہدِ مقاطعہ کی تنسیخ اور ہاشمیوں کی گھروں کو واپسی

ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کے خاندان کو محض اس بنا پر مصائب و نوازل کے حصار میں گھرے تین سال کی مدت گزری تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوالگی پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور بادی النظر میں رفع مصائب کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی لیکن چونکہ اب [illegible] مدت منقضی ہو چکی تھی جو قادرِ ذی الجلال کی تقدیر ازلی میں مقدر تھی، مسبب الاسباب عز اسمہٗ نے تنسیخ معاہدہ کا سامان پیدا کر دیا۔

مخبر صادق ؐ کا بیان کہ معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے

گو قریش بت پرست تھے لیکن خالق موجودات اور رب الارباب باری تعالیٰ ہی کو تسلیم کرتے تھے۔ بنو ہاشم کے مقاطعہ کا جو معاہدہ بیت اللہ کی چھت سے آویزاں تھا اس کا آغاز لفظ

باسمک اللّٰھم سے ہوا تھا جس کو قریش بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ اپنی تحریروں کے شروع میں لکھا کرتے تھے۔ خدائے حکیم کی حکمت کا کرشمہ دیکھو کہ معاہدہ میں رب قدیر کا نام چھوڑ کر باقی جو جو الفاظ شرک، ظلم اور قطع رحمی پر مشتمل تھے ان سب کو دیمک چاٹ گئی۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی معلوم ہوا کہ اس دستاویز میں خدائے ذوالجلال کے اسماء حسنیٰ کے سوا ساری تحریر محو ہو چکی ہے۔ آپ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی صحت پر پورا اعتماد تھا۔ وہ چند ہاشمیوں کو ساتھ لے کر مسجد الحرام پہنچے اور قریش کے مجمع کا رخ کیا۔

معاہدہ کی طلبی اور منکروں پر اتمام حجت

رؤسائے قریش یہ دیکھ کر کہ ابوطالب اپنے اقربا کے ساتھ آ رہے ہیں، سمجھے کہ یہ لوگ فاقوں سے مجبور ہو کر اور دوسری مصیبتوں سے تنگ آ کر اس غرض سے آئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغرض قتل ان کے حوالے کر دیں۔ ابوطالب قریب پہنچ کر کہنے لگے صاحبو! تمہارے بیچ میں ایک ایسی بات پیدا ہوئی ہے جس کا ہم تذکرہ کرنا سردست غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تم لوگ ذرا وہ دستاویز لاؤ جس میں ہاشمیوں کے مقاطعہ پر تمہارا باہم عہد و پیمان ہوا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مصالحت باہمی کی کوئی راہ نکل آئے۔” ابوطالب نے تو یہ بات محض اس پیش بندی کے خیال سے کہی تھی کہ یہ لوگ لانے سے پہلے دستاویز کو دیکھ نہ لیں لیکن قریش یہ سمجھ کر بڑے خوش تھے کہ محمد (علیہ السلام) بغرض قتل ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے۔

رسول اکرمؐ کی حوالگی کا مشروط وعدہ

غرض وہ خوشی خوشی معاہدہ کو اتار لائے۔ عمائد قریش کہنے لگے مقام مسرت ہے کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد قوم میں از سر نو اتحاد ہوتا ہے۔ تن تنہا ایک فرد واحد نے ساری قوم میں فساد اور تفرقہ ڈال رکھا تھا۔” جب معاہدہ سامنے رکھا گیا تو ابوطالب کہنے لگے میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور اس کے بیان کی صحت پہ مجھے پورا وثوق ہے کہ حق تعالیٰ اس معاہدہ سے جس میں اقربا سے قطع تعلق کرنے کا عہد ہے سخت بیزار ہے۔ اسی لیے اس ذات برتر نے معاہدہ میں اپنا نام نامی تو برقرار رکھا ہے لیکن دوسری تمام تحریر کو جو ظلم آرائی اور قطع رحمی پر مشتمل تھی محو کر دیا ہے۔ اب قطعی فیصلہ یہ ہے کہ اگر میرے برادر زادہ کی اطلاع صحیح ہے تو واللہ! ہم اس وقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے جب تک دنیا میں ایک ہاشمی بھی زندہ موجود ہے اور اگر محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان غیر صحیح ہوگا تو پھر اس کی حوالگی میں ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس وقت تمہیں ہر طرح سے اختیار ہوگا کہ اسے قتل کرو یا زندہ رہنے دو۔"

رسول اللہ صلعم کے بیان کی صحت اور قریش کی خفت

یہ بیان سُن کر عمائد قریش بہت خوش ہوئے۔ ان کے زعم میں یہ ایک بے معنی سی بات تھی کہ اسم اللہ تو باقی ہو اور دوسری ساری تحریر مٹ جائے۔ اس بنا پر بلا تأمل کہنے لگے کہ ہم اس فیصلہ پر رضامند ہیں۔ چنانچہ جب معاہدہ کھولا گیا تو وہ بالکل اسی ہیئت پر پایا گیا جس کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ جب قریش نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان صحیح نکلا اور خدائے قدوس کے اسم گرامی کے سوا معاہدہ کے سارے الفاظ محو ہو چکے ہیں تو سخت خفیف اور لاجواب ہوئے۔ اور قبول ہدایت کے بجائے خفت مٹانے کے لیے آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو یقیناً جادوگری ہے۔ (سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح)

پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں ابوطالب کا حسن اعتقاد

حضرات! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابوطالب کو حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور آپ کی غیبی اطلاع کی صحت پر کس درجہ وثوق تھا کہ اسی پر آپ کے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس کے غلط نکلنے کی صورت میں (خاکم بدہن) آپ کا قتل کیا جانا بھی منظور کر لیا۔ اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جدِ امجد کی رحلت کے بعد ابوطالب ہی نے آٹھ سال کی عمر سے آپ کی پرورش اور کفالت کی تھی اور وہ برابر چالیس سال کے طویل زمانہ سے آپ کے صدق و امانت، اخلاق فاضلہ، فیوض و برکات اور ما فوق الفطرت کمالات کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ پس ابوطالب کے دل میں جو آپ کی اس درجہ محبت و خروش اعتقادی اور غیر معمولی قدر و منزلت جاگزیں تھی وہ انہی چہل سالہ مشاہدات و تجربات کی منت کش تھی۔ ورنہ دنیا میں کون ایسا چچا مل سکے گا جو اپنی اولاد کے ہم عمر بھتیجے کا اس درجہ معتقد اور گرویدہ ہو اور اس کے دل میں اپنے سامنے کے بچہ کا اتنا احترام ہو جتنا کہ ابوطالب کے دل میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور حضرات قارئین نے صفحات گزشتہ پر ابوطالب کا یہ شعر پڑھا ہوگا جو انہوں نے حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کہا تھا ؎

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

(سفید فام ہیں۔ آپ کے چہرۂ انور کے وسیلے سے طلبِ باران کیا جاتا ہے۔ آپ کی ذات بابرکت یتیموں کی فریادرس اور بیواؤں کی ملجا و ماویٰ ہے)

پس ابو طالب کا یہ شغف اور حسنِ اعتقاد بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل صدق میں سے ایک بیّن دلیل ہے۔

ہاشمیوں کی عسرت و بدحالی کا حد سے بڑھنا

جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی اطلاع کے صحیح نکلنے پر زعمائے قریش کو خفیف اور شرمسار ہونا پڑا تو اس کے بعد ان کے غیظ و غضب کی آگ اور زیادہ شدت کے ساتھ بھڑکنے لگی اور انہوں نے بنو ہاشم کو اور زیادہ شدّت کے ساتھ کینہ توزی کا آماج گاہ بنا کر اپنی ذلت و ندامت کا غصہ اتارنا شروع کیا۔ تین سال انہی اضطراب انگیز مقاطعہ میں گزر گئے۔ اس طویل مدت میں جرم ناآشنا ہاشمیوں نے بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ آب و دانہ بند رہا۔ فاقے اٹھائے اور جسمانی قوت زوال پذیر ہوئی۔ جب ان کی عسرت و بدحالی حد سے گزر چکی اور وہ دورِ ابتلا قریب الاختتام ہوا جو خدائے علیم کے علم ازلی میں مقدر تھا تو خدائے فعالٌ لما یرید نے ایک غیر ہاشمی بت پرست کے دل میں جس کی ماں ہاشمیہ تھی جذبۂ رحم و عطوفت پیدا کر دیا اور اس کی توجہ سے ان غیر ہاشمی قریشیوں میں جن کی مائیں ہاشمیہ تھیں یہ تحریک شروع ہوئی کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو جو اقربا سے بدسلوکی کا موجب ہے برطرف کر دیا جائے۔ ان ایام میں معاہدۂ مذکور ہشام بن عمرو عامری کے پاس تھا۔ اس کارِ خطیر میں جن لوگوں نے حصہ لیا، ان میں اسی ہشام بن عمرو کو شرفِ اوّلیت حاصل ہے۔

تنسیخ معاہدہ کی جدوجہد

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہشام اپنے ایک دوست زُہیر بن ابو اُمیّہ کے پاس جو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا بیٹا تھا گیا اور کہنے لگا "زُہیر! کیا تم اس بات پر مطمئن ہو کہ خود تو کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو، شادی بیاہ کرو اور تمام تعیشات زندگی سے بہرہ اندوز ہو لیکن تمہارے نانا عبد المطلب کی اولاد ایک ایک دانۂ اناج کو ترس رہی ہو۔ کسی کے تن پر ثابت کپڑا نہ ہو۔ ان کو کہیں سے سودا سلف نہ ملتا ہو اور قریش نے ان سے ازدواجی تعلقات منقطع کر رکھے ہوں"؟

زُہیر نے کہا ہشام! تمہاری حالت بھی عجیب ہے۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ میں تنہا

کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر مجھے ایک بھی رفیق کار مل جائے تو تم دیکھو گے کہ میں تنسیخ معاہدہ میں کس قدر سرگرمی دکھلاتا ہوں۔" ہشام نے کہا تمہیں تو ایک آدمی مل گیا ہے۔ بولا وہ کون؟ کہا میں۔" یہ سُن کر زُہیر کہنے لگا کہ ایک آدمی اور بھی ہونا چاہیئے۔ ہشام نے کہا بہتر میں تیسرا آدمی بھی پیدا کردیتا ہوں۔"

ہشام یہ کہہ کر مُطعِم بن عدی (بن نوفل بن عبدمناف) کے پاس گیا اور بولا اے مُطعِم! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ عبدمناف کے دو بطن (بنو ہاشم اور بنو مُطّلب) تو بھوک کے عذاب سے ہلاک ہو جائیں اور تم قریش کے دوسرے بطون کی موافقت میں سب کچھ دیکھتے رہو۔" مُطعِم نے جواب دیا کہ میں تن تنہا کیا کرسکتا ہوں؟ ہشام نے کہا تمہیں تائید اور رفاقت کے لیے دوسرا آدمی تو مل چکا ہے۔" پوچھا وہ کون ہے؟ کہا میں۔" مطعم نے کہا ایک اور آدمی بھی ہوتا تو بہتر تھا۔ ہشام نے کہا تیسرا آدمی بھی موجود ہے۔ پوچھا وہ کون؟ کہا زُہیر بن ابی اُمیّہ۔ مُطعِم بولا مناسب ہے کہ کوئی چوتھا آدمی بھی تجویز کرلو۔ ہشام نے کہا میں چوتھے آدمی کا بھی کوئی انتظام کرتا ہوں۔"

ہشام یہ کہہ کر ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی گفتگو کی جو زُہیر اور مُطعِم سے کرچکا تھا۔ ابوالبختری نے کہا کوئی اور شخص بھی ایسا مل سکے گا جو اس کام میں تائید کرے اور مدد دے؟ ہشام نے کہا مددگار موجود ہیں۔ پوچھا کون کون؟ کہا زُہیر بن ابی اُمیّہ اور مطعم بن عدی اور میں۔" ابوالبختری بولا کوئی پانچواں شخص بھی کہیں سے فراہم کرلو۔ ہشام نے کہا اچھا میں اس کی بھی کوشش کرتا ہوں۔"

اب ہشام زمعہ بن اسود بن مطّلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے گفتگو کر کے ہاشمیوں سے اس کی قرابت اور دوسرے حقوق کا ذکر کیا اور تحریک کی کہ مقاطعہ کا معاہدہ منسوخ کرنے کی کوشش کی جائے۔ زمعہ نے کہا کیا کوئی ایسا شخص مل سکے گا جو اس کام میں مدد دے؟ ہشام نے کہا فلاں فلاں آدمی موجود ہیں۔ اب ہشام نے ان سب کو ایک جگہ جمع کیا اور صلاح مشورہ ہونے لگا کہ تنسیخ معاہدہ میں کیا کارروائی مناسب ہوگی۔ زُہیر نے کہا اچھا! میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔

منع تنسیخ میں ابوجہل کی ناکامی

دوسرے دن زُہیر اور اس کے چاروں ساتھی علی الصباح مسجد حرام میں گئے۔ زُہیر نے کعبۃ اللہ کا طواف کر کے

لوگوں سے کہا اے اہل مکہ! یہ کس درجہ ظلم ہے کہ ہم لوگ تو آرام سے بسر کریں، کھائیں، پئیں اور پہنیں اور بنو ہاشم تین سال سے ایک ایک دانہ اناج کو ترس رہے ہوں اور کسی کو تن ڈھکنے کے لیے چیتھڑا تک میسر نہ ہو۔ واللہ میں تو اس وقت تک دم نہ لوں گا جب تک اس معاہدہ کو جو سراسر ظلم اور قطع رحمی سے ہمکنار ہے چاک نہ کر دوں۔"

ابو جہل جو مسجد کے ایک کونے میں تھا بولا تو نے جھوٹ کہا۔ واللہ! تو اسے چاک نہیں کر سکتا اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ہاتھ لگائے۔" زمعہ بن اسود نے ابو جہل سے کہا خدا کی قسم! تو سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ ہم تو اس کے لکھنے کے وقت بھی اس سے متفق نہ تھے۔ ابو البختری نے اس کی تائید کی اور بولا زمعہ نے سچ کہا۔ ہم تو اس معاہدہ سے نہ پہلے راضی تھے اور نہ اب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ مطعم بن عدی پاس سے بولا تم دونوں نے سچ کہا اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ ہم اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے بیزار ہیں۔ ہشام بن عمرو نے بھی ان سب کی پرزور تائید کی جس کی وجہ سے ابو جہل دم بخود رہ گیا اور اس کی مخالفت بالکل بے اثر رہی۔

تین سال کے بعد ہاشمیوں کی اپنے گھروں کو مراجعت

اس وقت ابو طالب بھی مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے۔ ان ایام میں یہ معاہدہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہشام بن عمرو ہی کے پاس تھا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ مطعم بن عدی نے بڑھ کر معاہدہ ہشام سے لے لیا اور اس کو ابو جہل اور دوسرے موافق و مخالف لوگوں کے سامنے پھاڑ ڈالا۔ اب متذکرہ صدر پانچوں اشخاص مسلح ہو کر ہاشمیوں اور مطلبیوں کے پاس درہ میں گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ حضرات اپنے اپنے گھروں کو چلیں چنانچہ تمام بنو ہاشم وہاں سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں میں چلے آئے اور ابو جہل اور دوسرے زعما کو مزاحمت کی جرات نہ ہوئی۔ یہ مراجعت نبوت سے دسویں سال عمل میں آئی تھی (سیرۃ ابن ہشام تاریخ ابن جریر طبری)

دستاویز کے محرر کو جسمانی سزا

قطع رحمی یعنی اقربا سے قطع تعلق کرنے کا جو معاہدہ قریش نے لکھوا کر کعبہ معلیٰ کی چھت میں لٹکا رکھا تھا اس کا محرر منصور بن عکرمہ نام ایک قریشی رئیس تھا۔ خدائے قہرمان کی قدرت بے پایاں کی کارسازی دیکھیے کہ اس کا داہنا ہاتھ جس سے اس نے یہ ناپاک دستاویز حوالہ قرطاس کی تھی بالکل شل ہو گیا جو

کسی طرح علاج پذیر نہ ہوا (ابن جریر طبری)

اصل یہ ہے کہ ادویہ اور علاج معالجہ میں جو تاثیر پائی جاتی ہے وہ خالق کردگار کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جب اس ذاتِ برتر کی مرضی ہو دوائیں مؤثر ہوتی ہیں اور جب نہیں چاہتا ان کی تاثیر رک جاتی ہے۔ پس جس حرمان نصیب پر خدائے قہار کا قہر و غضب ہو اس کو دنیا کی کوئی دوا نفع نہیں دے سکتی۔ بنو ہاشم کا مقاطعہ ان کے اقربا ہونے کے باعث نزدیں بھی ایک حرام فعل تھا لیکن اس حیثیت سے اس جرم کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی کہ اس کا مقصد بنو ہاشم کو اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغرض قتل سردارانِ قریش کے حوالے کر دیں اور خدا کا فرستادہ قریش کی تیغ جفا سے اسی طرح ذبح کر دیا جائے جس طرح یحییٰ نبی علیہ السلام حق گوئی کے جرم میں ذبح کیے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اگر بنو ہاشم ثبات و استقلال کی حبل متین ہاتھ سے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دستِ اختیار میں دے دیتے تو وہ آپ کی جاں ستانی سے کبھی درگزر نہ کرتے۔ پس جس شخص نے اس ناپاک معاہدہ کو ضبط تحریر میں لانے کی جسارت کی اس کا جرم دوسرے تمام مجرموں سے زیادہ سنگین تھا۔

قریش سے تعلقات منقطع کرنے کی ناگواری

یہاں یہ امر خاص طور پر درخورِ التفات ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے کبھی انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے خویش و اقارب و برادری سے قطع تعلق اور رشتہ داروں سے بگاڑ کرنے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی۔ اسی وجہ سے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں مخدومِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنانِ جان اور شدید ترین اعدائے اسلام ہونے کے باوجود نہ خود قریش سے ترکِ تعلقات کا برتاؤ کیا اور نہ اپنے جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو کبھی اس کی اجازت دی۔ بلکہ جب قریش نے خود آپس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مقاطعہ کا معاہدہ کیا تو آپ نے اس کے کچھ عرصہ بعد اس کے ٹوٹ جانے کی دعا فرمائی اور اس کو ظلم و قطعیت سے تعبیر فرمایا (ابن ہشام)

فصل ۱۸۲۔ ایک بطلِ جلیل پر فتح عظیم

چونکہ خدا کے برگزیدہ انبیاء و رسل نصرت خداوندی سے مؤید ہوتے تھے، کوئی ماسوی اللہ

طاقت کسی مقابلہ اور امتحان میں ان پر غالب نہ آ سکتی تھی۔ یہاں رُکانہ نام مکہ معظمہ کے ایک مشہور شجاع کا واقعہ لکھا جاتا ہے جس نے نہایت نامور پہلوان ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

کشتی لڑنے کی دعوت

بیہقی اور ابو نعیمؒ نے حضرت ابو اُمامہ باہلیؓ سے روایت کی ہے کہ قریش کے مشہور شجاع رُکانہ نے شہر میں بہت کچھ خون خرابہ کیا تھا اور کسی کو اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس کے پاس بکریوں کا بہت بڑا ریوڑ تھا جس کو وہ وادیٔ اضم میں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مقتدائے انام صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں تشریف لے گئے تو وہاں اس سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یکہ و تنہا تھے۔ یہ سرمست آپ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا محمدؐ! تم لوگوں کو لات و عزیٰ کی عبادت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت پر لگانا چاہتے ہو۔ اگر مجھ میں اور تم میں رشتہ داری کے تعلقات حایل نہ ہوتے تو میں نے آج تک تمہارا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ تاہم غنیمت ہے کہ آج تم میرے ہتّے چڑھ گئے ہو۔ آپ نے فرمایا تو پھر تمہاری کیا خواہش ہے۔ اس نے کہا کہ تم اپنے خدا کو پکارو تاکہ تمہاری مدد کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں مقابلہ کریں۔ تم اپنے خدا سے مدد مانگو اور میں لات و عزیٰ کو پکارتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے نیچا دکھا دیا تو میں دس بکریاں تم کو انعام دوں گا اور تمہیں اختیار ہوگا کہ دس بہترین بکریاں انتخاب کر لو“۔

رُکانہ کو دو مرتبہ پچھاڑنا

آپ نے اس کو منظور فرمایا اور رُکانہ کے مقابلہ میں جسے کشتی کے فن میں پورا کمال حاصل تھا خدائے عزیز سے مدد مانگی۔ اسی طرح رُکانہ نے لات و عزیٰ کو پکار کر کہا کہ آج محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ چنانچہ جب مقابلہ ہوا تو آپ نے اس کو پکڑتے ہی پچھاڑ دیا اور جھٹ اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رُکانہ کہنے لگا آپ میرے سینہ سے اُتر جائیے کیونکہ آپ نے اپنی قوت بازو سے مجھ کو زیر نہیں کیا بلکہ آپ کے خدا نے آپ کو غلبہ دیا اور لات و عزیٰ نے میری امداد نہیں کی۔ اس کے بعد رُکانہ کہنے لگا آپ پھر سے مقابلہ کریں۔ اگر اس دفعہ بھی مجھے پچھاڑ دیا تو آپ کو اختیار ہوگا کہ میری بکریوں میں سے مزید دس بکریاں چھانٹ کر لے لیں۔ چنانچہ دونوں برسر مقابلہ ہوئے اور جس طرح پہلی مرتبہ دونوں نے اپنے اپنے معبودوں سے مدد چاہی تھی اسی طرح اب بھی ان سے عون و نصرت کی درخواست کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر پچھاڑ دیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔

رُکانہ کی تیسری ہزیمت

رُکانہ نے کہا واقعی آپ کا خدا آپ کی مدد کرتا ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ آپ جیسا آدمی جو جسمانی لحاظ سے میرے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے اور کشتی کے فن سے بھی واقف نہیں مجھے اس آسانی سے پچھاڑ دیتا۔ اور زمانہ گواہ ہے کہ آج سے پہلے کبھی کسی نے میری پیٹھ نہیں لگائی تھی۔ اس کے بعد رُکانہ بولا کہ آپ از سرِ نو کشتی لڑ لیجیے تا کہ میں پھر ایک مرتبہ اپنے دل کا ارمان نکال لوں۔ اگر آپ اس مرتبہ بھی مجھ پر غالب آ گئے تو آپ کو اختیار ہو گا کہ دس مزید بکریاں میرے ریوڑ میں سے انتخاب کر لیں؟ آپ نے اس کو تیسری مرتبہ پکڑا اور پچھاڑ دیا۔ رُکانہ بہت گھبرایا اور بولا کہ اس مرتبہ بھی آپ طاقت اور قوت سے غالب نہیں آئے۔ اس غلبہ کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا خدائے واحد تمہاری مدد کر کے تمہیں مجھ پر غالب کر دیتا ہے اور میرے معبود لات و عزیٰ میری امداد سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ اب آپ شرط کے موافق میرے ریوڑ میں سے تیس بکریاں چھانٹ لیں۔"

رُکانہ کو قبولِ اسلام کی ترغیب

آپ نے فرمایا اے رکانہ! مجھے تمہاری بکریوں کی حاجت نہیں۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا قابلِ عبادت کوئی نہیں اور میں اس کا فرستادہ ہوں۔ اگر تم اس کا اقرار کر دو تو آتشِ جہنم سے بچ سکتے ہو ورنہ کوئی نہیں جو تمہیں عذابِ خداوندی سے بچا سکے۔" رُکانہ نے کہا میں اس وقت تک تمہارا پیرو نہیں ہو سکتا جب تک مجھے کوئی مزید کرشمۂ قدرت نہ دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کو خداوند عالم دیکھتا اور سنتا ہے۔ اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کر کے کوئی ایسا اعجوبہ دکھا دوں جو انسانی قدرت سے خارج ہو تو میری وہ بات مان لو گے جو تمہیں کہہ رہا ہوں؟ اس نے کہا بیشک میں آپ کی پیروی اختیار کروں گا۔ فرمایا بد عہدی تو نہیں کرو گے؟ بولا نہیں۔

درخت کا چل کر آنا

وہاں سے قریب ہی کیکر کا ایک بہت بڑا درخت تھا جس کی شاخیں چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حبیبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کے حکم سے میرے پاس آ جا۔ معاً درخت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک حصہ شاخوں سمیت آپ کے اور رکانہ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ رکانہ نے کہا محمدؐ! واقعی آپ نے مجھے بڑا کمال دکھایا۔ اب اس کو حکم دیجیے کہ

پھر اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ نے فرمایا رُکانہ! اگر میں نے اپنے معبودِ برحق سے دعا کی اور درخت کا یہ نصف حصہ اپنی جگہ پر جا کر باقی نصف سے مل گیا تو میری تصدیق کرو گے؟ رُکانہ نے کہا کہ اس کے بعد مجھے آپ کی بات مان لینے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا دیکھو! رب العالمین تمہارے اس قول و قرار کو سن رہا ہے۔ کہیں بدعہدی کے مرتکب نہ ہونا۔"

رُکانہ کی بدعہدی

آپ نے کیکر کے اس نصف حصہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر واپس جائے وہ معاً اپنی شاخوں اور پتوں سمیت جا کر اپنے بقیہ نصف حصہ کے ساتھ مل گیا۔ آپ نے رُکانہ سے فرمایا کہ اب تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ قہرِ خداوندی سے محفوظ رہو۔ رُکانہ نے سخت افسردگی اور بے بسی کے عالم میں کہا کہ اب میرے پاس کوئی عذر نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ شہر کی عورتیں اور بچے کہیں گے کہ رکانہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مرعوب ہو گیا کیونکہ شہر کے سب چھوٹے بڑے یہ جانتے ہیں کہ آج تک کسی نے میری پیٹھ زمین سے نہیں لگائی اور نہ میرا دل کبھی کسی سے مرعوب ہوا۔ اس لیے آپ شرط کے موافق میرے ریوڑ سے تیس بکریاں چھانٹ سکتے ہیں۔" آپ نے فرمایا کہ جب تم نے مسلمان ہو جانے کا عہد پورا نہیں کیا تو مجھے تمہاری بکریوں کی بھی حاجت نہیں۔"

شیخینؓ سرورِ عالمؐ کی تلاش میں

جب آپ مراجعت فرما ہوئے تو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان دونوں جان نثاروں کو خبر مل گئی تھی کہ آپ وادی اضم کی طرف جاتے دیکھے گئے ہیں۔ یہ دونوں فداکار یہ خیال کر کے سخت افسردہ اور خوف زدہ تھے کہ اس وادی میں رکانہ بکریاں چراتا ہے۔ اس تیرہ دل نے آپ کو تنہا پا کر خدانخواستہ اپنی جوعِ خصمی کو تسکین نہ دینی چاہی ہو۔ غرض ان کی کشتیِ خاطر گردابِ غم میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ اسی پریشانی میں دونوں حضرات اونچے ٹیلوں پر چڑھ چڑھ کر ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہے تھے اور آپ کی واپسی کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔

یکایک آپ کو وادی کی طرف سے تشریف لاتے دیکھا۔ دونوں بعجلت تمام خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ایزد تعالیٰ آپ کو چشمِ زخم سے محفوظ رکھے آپ اس وادی میں تنہا کیوں تشریف لے گئے؟ کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ رُکانہ جیسا خونخوار عدوئے اسلام اس وادی میں بکریاں چراتا ہے؟ آپ نے فرمایا اطمینان رکھو جس ذاتِ برتر نے مجھے اپنی رسالت و پیامِ نبوی کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے وہی میری حفاظت بھی کرتی ہے اس لیے ناممکن تھا

کہ وہ میرا بال بیکا کر سکتا۔ اس کے بعد آپ نے تمام ماجریٰ جو رکانہ کے ساتھ پیش آیا تھا کہہ سنایا۔ یہ نوید جانفزا سن کر ان کے افسردہ دلوں کے کنول کھل گئے اور طبیعتیں شگفتہ ہو گئیں لیکن انہیں اس بات پر بہت افسوس تھا کہ رکانہ دو عظیم الشان معجزوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اپنے دل کی اُجڑی ہوئی بستی کو نہ بسا سکا۔ ہمت اور شجاعت کے خزانے موجود ہیں مگر راہ ہدایت اور منزل مقصود کا کہیں نشان نہیں۔

فصل ۱۸۳۔ ابُوطالب کی رِحلت

درّہ کی محصوری، اور سہ سالہ غربت و انزوا کے بعد بنو ہاشم کو اپنے گھروں میں آئے ابھی چھ سات مہینے ہی گزرے تھے کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست حامی و ناصر اور چاہیتے چچا ابو طالب نے ستاسی سال کی عمر میں فرشتۂ اجل کو لبیک کہہ دیا۔

حضرت فخرِ عالمؐ کے بارہ میں وصیت

انتقال سے پہلے ابو طالب نے اکابر قریش کو بلا کر ان الفاظ میں وصیت کی "اے گروہ قریش! خدا نے تمہیں اپنی تمام مخلوق پر شرف بخشا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق ہیں۔ یہ جو کچھ تمہارے پاس لاتے ہیں گو زبانیں خوف ملامت سے منکر ہوں لیکن دل اسے قبول کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ جس طرح غریب و مسکین، ضعیف اور بادیہ نشین ان کی دعوت قبول کر رہے ہیں اسی طرح امراء و رؤساء بھی ان کے کلمۂ توحید کی تصدیق کرنے لگے ہیں۔ اے گروہ قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھانا۔ جو کوئی ان کے اخلاق سے سیرت پذیر ہو گا وہ سعادت و فلاح ابدی سے ہمکنار ہو گا۔ میرا آفتاب حیات لبِ بام ہے لیکن اگر مجھے موت نے مہلت دی تو جہاں تک میرے امکان میں ہو گا حوادث کو ان کے سر سے ٹالنے کی کوشش کروں گا (مدارج)

عودِ صحت کی حالت میں متابعت محمدی کا عہد

اس کے بعد ابو طالب نے عبد المطلب کی اولاد کو بلا بھیجا اور ان کو نصیحت کی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکموں پر چلو گے اور ان کی پیروی کرتے رہو گے اس وقت تک برابر

خیر و برکت سے ہمکنار رہو گے۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی پیروی کرو اور ان کی ہر طرح سے مدد کرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔" ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا! آپ دوسروں کو تو پیروی کرنے کی صلاح دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول رہے ہیں۔" ابو طالب نے کہا کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو جو کلمہ تم میرے سامنے پیش کر رہے ہو اسے ضرور قبول کروں گا اور تمہاری بیعت اختیار کروں گا۔ میں نے تمہارا کلمہ تندرستی کی حالت میں مسترد کر دیا تھا۔ اگر میں اس وقت قبول کروں تو قریش طعنہ دیں گے کہ موت کے خوف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ قبول کر لیا۔

(ابن سعد)

آخری وقت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے انکار

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بڑی عزیز آرزو تھی کہ جس طرح آپ کی پھوپھیاں صفیہ، اروی اور عاتکہ اور چچا حمزہ رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہو چکے ہیں اسی طرح چچا ابو طالب بھی سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوں لیکن چونکہ ایمان کی دولت مقدر نہ تھی ہمیشہ لیت و لعل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ ملکِ آخرت کے لیے رختِ سفر باندھ لیں۔ وفات سے پہلے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابو جہل بن ہشام اور (آپ کی پھوپھی عاتکہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے) عبداللہ بن ابی امیہ جیسے دشمنان دین بھی یہیں موجود تھے۔ آپ نے ابو طالب سے کہا چچا جان! کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجیے۔ میں حق تعالیٰ کے نزدیک اس اقرارِ توحید کی شہادت دوں گا۔" یہ سن کر ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا کر ابو طالب کو ورغلانے لگے اور کہا ابو طالب! کیا اب دنیا سے رخصت ہوتے وقت عبدالمطلب کے طریقہ سے منحرف ہوتے ہو؟ لیکن آپ ان کو سمجھانے لگے کہ چچا جان! عاقبت کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ کلمۂ توحید پڑھ کر مشرف بایمان ہو جاؤ۔ کتنی دیر تک یہ کشمکش جاری رہی کہ آپ بار بار ان کے سامنے توحید پیش کرتے تھے اور وہ دونوں اس سے اعراض کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ انجام کار ابو طالب نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے انکار کر دیا اور کہا میں عبدالمطلب کے طریقہ پر ہوں۔"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو آپ نے قبول ایمان سے اعراض کیا ہے تاہم میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار ہی کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے ممانعت نہ کر دی جائے گی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ (۹ : ۱۱۳)	نبی اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔

(ابن سعد، مدارج)

راہِ ہدایت پر لانے میں غیر اللہ کی بے بسی

ارادوں اور کوششوں کی ناکامی اور مقاصد کے عدم تکمیل کو دیکھ کر جاہل سے جاہل انسان بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو ہم سب پر حکمران ہے۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نہ کوئی اس کے فعل کو روک سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی حکم ٹل سکتا ہے۔ بڑے بڑے مستقل الارادہ کو ہارے عمل دیکھے گئے کہ کسی عظیم الشان مقصد کو لے کر اُٹھے اور نہایت پختہ کاری کے ساتھ اس کی انجام دہی میں عمر صرف کر دی مگر ہوا وہی جو منظورِ خدا تھا ؂

رنگیں اک وضع پر گزارا نہ ہوا   جو کچھ کہ ہوا وہ پھر دوبارہ نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اُس نے   چاہا اس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

اس مشیت الٰہی کی ہمہ گیری کی بھی حد ہو گئی کہ خدا کے مقدس رسول، برگزیدۂ کائنات علیہ الصلوات والتحیات کی بڑی عزیز خواہش اور انتہائی کوشش ہے کہ چچا مشرف بایمان ہو اور اپنی طرف سے جدو جہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا لیکن ان پُرخلوص کوششوں کے باوجود یہ جواب ملتا ہے :-

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (۲۸ : ۵۶)	اے نبیؐ! آپ جس کو چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے البتہ خدا خود جس کو ہدایت کرنا چاہے وہ ہدایت پا سکتا ہے۔

ابو سعید خدریؓ یا عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت ابو طالب ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی (ابن سعد) اس ارشادِ ربانی سے کسی کو راہِ ہدایت پر لانے میں غیر اللہ کی قطعی بے بسی ثابت ہوتی ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی اور خدائے قاہر کی قدرتِ قہرمان کی کرشمہ سازی دیکھو کہ ابوسفیان جیسا شخص جس کی قسمت میں دولتِ ایمان لکھی تھی وہ مدت العمر کی رسول دشمنی اور کفر نوازی کے باوجود مشرف بایمان ہو گیا اور ابو طالب جیسا محبِ رسول اور حامیٔ دین سعادتِ ایمانی سے محروم رہا۔

اس سے اُن قائلین کلمۂ توحید کی نادانی بھی عالم آشکارا ہوتی ہے جو اہل اللہ کو توسیع رزق، اعطاے اولاد اور دوسری قسم کی حاجت روائیوں میں مجاز و مختار بلکہ تمام خدائی اختیارات کے اجارہ دار یقین کیے بیٹھے ہیں۔

جنازہ کی مُشایعت

گو ابوطالب نے ازراہِ عصبیت آپ کی ہمدردانہ خواہش کو ٹھکرا دیا لیکن گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے کاملۃً معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ آپ کے فضائل و کمالات کے دل سے معترف تھے۔ رحلت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آکر آپ کو خبر دی کہ آپ کے چچا انتقال کر گئے ہیں۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی۔ آپ مہربان چچا کے انتقال کی خبر سن کر آبدیدہ ہو گئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تجہیز و تکفین کا سامان کرو۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے ساتھ جاتے وقت فرماتے تھے اے میرے چچا! آپ نے صلۂ رحمی اور خویش پروری کا پورا پورا حق ادا کیا اور میرے حق میں کوئی کوتاہی و تقصیر نہ کی۔ خداے برتر آپ کو اس کی جزا دے۔

ابُوطالب کی اولاد

ابوطالب کا نام عبد مناف تھا لیکن وہ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام طالب تھا جن کی نسبت سے ان کی کنیت ابوطالب ہوئی۔ جنگ بدر میں اکابر قریش ہاشمیوں کو سخت مجبور کر کے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ جب بدر میں قریش کو ہزیمت ہوئی تو طالب کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ ملے۔ نہ وہ اسیرانِ بدر میں تھے، نہ مقتولوں میں پائے گئے اور نہ ان لوگوں میں داخل تھے جو بدر سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے۔ غرض ان کا کہیں اور کبھی سراغ نہ مل سکا۔ طالب نے اپنے پیچھے کوئی اولاد بھی نہ چھوڑی۔

ابوطالب کے دوسرے بیٹے عقیلؓ تھے۔ ان کی کنیت ابویزید تھی۔ طالب اور عقیل کی عمروں میں دس سال کا تفاوت تھا۔ عقیل نسب قریش کے عالم تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے سال مشرف باسلام ہوئے۔ ۸ھ میں ہجرت کی۔ غزوۂ بدر میں قید ہوئے تھے اور ان کے چچا حضرت عباسؓ نے ان کا فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا تھا۔ غزوۂ موتہ اور معرکۂ حُنین میں موجود تھے۔ خلافت یزید کے آغاز میں واقعۂ حرہ سے پیشتر انتقال فرمایا۔

ابوطالب کے تیسرے فرزند گرامی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے جو جناب عقیلؓ سے دس سال چھوٹے تھے۔ انہوں نے جنگ موتہ میں شربت شہادت نوش فرمایا تھا۔ ابوطالب کے

چھٹے نامور فرزند حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ تھے جو حضرت جعفرؓ سے دس سال چھوٹے تھے۔ ان چاروں کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اُسَد بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیّ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت فاطمہ بنت اُسَدؓ کے بطن مبارک سے تین یا چار لڑکیاں بھی متولّد ہوئیں۔ (۱) ہند بنت ابی طالب جو اُمّ ہانی کی کنیت سے مشہور تھیں (۲) جمانہ بنت ابی طالب (۳) ریطہ بنت ابی طالب۔ بعض نے ابو طالب کی چوتھی بیٹی اسماء بھی بتائی ہے۔ ان کی والدہ بھی جناب فاطمہ بنت اُسَد ہی تھیں۔

ابو طالب کے پانچویں فرزند طُلَیق تھے جن کی والدہ کا نام علۃ تھا۔ سیّد علی بن حسینؓ معروف بہ امام زین العابدینؒ نے فرمایا ہے کہ جعفر اور علی رضی اللہ عنہما کو ابو طالب کی میراث میں سے کچھ نہ ملا۔ البتہ طالب اور عقیل نے باپ کا ترکہ پایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ (ابن سعد)

ابو طالب کی وفات کے وقت طالب اور عقیل دونوں غیر مسلم تھے اس لیے غیر مسلم باپ کے وارث ہوئے۔ طالب کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ مفقود الخبر ہونے سے پہلے ایمان لائے تھے یا نہیں؟

فصل ۱۸۴۔ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کا سفرِ آخرت

ابو طالب کی رحلت کے ایک مہینہ پانچ روز بعد رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں اُمّ المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بھی پینسٹھ برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزینِ عالمِ جاوداں ہوگئیں۔

عام الحُزن

حضرت خدیجہؓ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں پچیس سال رہیں۔ شروع میں بڑی مالدار تھیں لیکن اپنا تمام مال حبیب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا جو بتمام و کمال اسلامی اور تبلیغی ضروریات پر خرچ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی رحلت پر آپ کے دونوں مددگار اور غمگسار دنیا سے اُٹھ گئے۔ ان دونوں کی وفات کا قلق ایک طبعی امر تھا۔ یہ زمانہ اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسّلام کے لیے حزن آفرین دور تھا چنانچہ آنحضرتؐ خود اس سال کو عام الحُزن (سالِ غم) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے (ابن سعد)

اُمّ المومنین خدیجہ رض کا حادثۂ ارتحال ہجرت نبوی سے تین سال پیشتر رونما ہوا۔ بعض اربابِ سِیَر نے چار سال اور بعض نے پانچ سال بھی بتائے ہیں (جلاء الافہام علامہ ابن قیمؒ)

فضائل اُمّ المومنین خدیجہؓ

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رض کی فضیلتیں بے شمار ہیں لیکن ان کے صحیفۂ فضائل میں یہ امور زیادہ نمایاں ہیں :-

(۱) ربّ السّمٰوات والارض نے جبریل امین ع کے ہاتھ غارِ حرا کے عزلت گزین صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ان کو اپنا سلام کہلایا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) جبریل ع (غارِ حرا میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ خدیجہؓ کھانا لے کر آ رہی ہیں۔ جب آپ کے پاس پہنچیں تو ان کو اپنے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے اور ان کو جنت میں ایک ایسے مکان کی بشارت دیجئے جو پولے موتی کا ہوگا۔ نہ اس گھر میں شور و شغب ہوگا اور نہ رنج و تعب کا کوئی شائبہ۔ رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ)

ربّ العالمین عزّ اسمہٗ کی طرف سے تحفۂ سلام کا بھیجا جانا ایک ایسی فضیلت ہے جو ان کے سوا اُمّت میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

سبقت الی الایمان کی فضیلت

محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام اُمّت میں سبقت الی الایمان کے شرف سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رض قبولِ ایمان میں تمام خواتین اُمّت کی پیش رَو ہیں۔ انہوں نے بعد میں ایمان لانے والی ہر عورت کے لیے یہ نیک مثال قائم کی۔ پس حضرت خدیجہ رض کو تمام مومنات کے ثواب کے برابر اجر ملے گا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ۔ (رواہ مسلم)	جو شخص کہ اسلام میں کسی نیک طریقے کو رواج دے اس کو اس طریقے کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی آئے۔

اس کارِ خیر میں جہاں تک مردوں سے اس کا تعلق ہے حضرت ابوبکر صدیق رض بھی

ان کے شریکِ حال ہیں اور خدائے علیم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ حضرت خدیجہ رض اور حضرت ابوبکر صدیق رض کو جنہیں قبولِ ہدایت میں علی الترتیب عورتوں اور مردوں کی مقتدائی اور پیش روی کا شرف حاصل ہے، کتنا اجر و ثواب ملے گا (فتح الباری)۔

اور پھر ان دونوں میں مقابلۃً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ثواب کا پلہ بہت بھاری ہے کیونکہ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت ابو عبیدہ، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیوں نے انہی کی تبلیغی کوششوں سے جرعۂ ایمانی نوش فرمایا تھا لیکن جہاں تک ہمارے معلومات کو دخل ہے حضرت خدیجہ رض نے براہِ راست کسی خاتون کے پاس جا کر اسلام کی دعوت نہ دی اور کوئی عورت ان کی ذاتی کوشش سے حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئی۔

دوسری فضیلتیں

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رض کے دوسرے فضائل یہ ہیں۔ (۳) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زندگی میں کسی دوسری بی بی کو عقدِ زوجیت میں نہ لائے (۴) ابراہیم علیہ السلام کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی وہ سب ان ہی کے بطنِ مبارک سے ہوئی (۵) وہ خواتینِ اُمت میں سب سے افضل اور خیر النساء تھیں چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مریم بنت عمران اپنے زمانہ میں سب عورتوں سے افضل تھیں اور اس اُمت میں خدیجہ رض افضل النساء ہیں۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ)

غیرت کا واحد محل

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی پر خدیجہ رض کے برابر کبھی غیرت نہیں آئی۔ میں نے (بوجہ کم سنی) ان کو دیکھا نہیں لیکن نبی علیہ السلام اکثر ان کو یاد فرمایا کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب بکری ذبح کی جاتی تو آپ عموماً اس کے اعضاء خدیجہ رض کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے۔ جب آپ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تو میں کہتی کہ آپ تو خدیجہ رض کے محاسن و اوصاف کو اس حد تک پہنچا دیتے ہیں کہ گویا خدیجہ رض کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں پیدا ہوئی۔ آپ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں ایسی تھیں اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان سے میری اولاد ہوئی۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک اور امتیاز خصوصی

علامہ ابن حجر عسقلانی رح رقم فرما ہیں:-

"حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اڑتیس۳۸ سال کا زمانہ سفرِ دہر پر تشریف فرما رہے جن میں سے پچیس سال کی طویل مدت حضرت خدیجہؓ بلاشرکتِ غیرے آپ کی رفیقۂ حیات رہیں۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدتِ عمر کا دو ثلث ہے۔ اس طویل عرصہ میں حضرت خدیجہؓ کا دل اس تکدر و تیرگی سے کبھی آشنا نہ ہوا جو سوکنوں کی موجودگی میں فطری غیرت کے باعث عورتوں کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں کوئی دوسری اُمّ المومنین ان کی شریک نہیں۔

حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی سخت حریص تھیں۔ وہ ہر ممکن طریق سے آپ کو راضی رکھنے میں کوشاں رہتی تھیں اور ان سے پچیس سال کی مدتِ رفاقت میں کبھی کوئی ایسا فعل صادر نہ ہوا جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاجِ گرامی کو مُنغّص کرتا۔ برخلاف اس کے تمام دوسری ازواجِ مطہرات سے بعض ایسی فروگزاشتیں سرزد ہوگئیں جو آپ کی طبعِ عالی کو ناگوار تھیں۔ (فتح الباری)

فصل ۱۸۵۔ ابولہب کی طرف سے سرورِ عالمؐ کی عارضی حمایت و تائید

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنصیب چچا ابولہب آغازِ دعوت ہی سے آپ کا دشمنِ جان ہوگیا تھا۔ اس کے خشم آلود تیوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ عداوتِ رسولؐ کے نقش کچھ اس طرح اس کے دل پر بیٹھے ہیں کہ تادمِ مرگ صفحۂ دل سے محو نہ ہوں گے۔ لیکن قدرتِ خدا کی اعجوبہ نمائی دیکھو کہ ایک مرتبہ اس زبوں حالی میں عارضی اور وقتی طور پر کسی قدر خوشگوار تبدیلی بھی ہوئی۔ جس دل سے ہر وقت کینہ اور عناد کی رو میں اٹھتی رہتی تھیں وہی دل چند روز کے لیے محبت و رواداری کا گہوارہ بن گیا۔

امام ابن جوزیؒ نے اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے برادرزادہ حکیم بن حزامؓ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب اور خدیجہؓ کی رحلت کے بعد شفیعِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپ نے گھر سے باہر جانے میں بہت کمی کردی۔ اس وقت قریش کو ابوطالب کے

اٹھ جانے کی وجہ سے آپ پر وہ دسترس حاصل ہو گئی جو پہلے حاصل نہ تھی۔ ابو طالب کی زندگی میں ابولہب کی قساوت قلبی کا یہ عالم تھا ؎

پسیجا دل نہ اس کا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ دردِ گلو برسوں

لیکن اب اپنے برادر زادہ کی بے کسی کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ گیا۔ بڑے دردِ دل کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا محمدؐ! جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کرو اور جس طرح ابوطالب کی زندگی میں اپنے مذہبی طریق کی دعوت دیتے تھے اب بھی دیے جاؤ۔ مجھے لات کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا"۔ اس کے بعد جب حارث بن قیس بن عدی نام ایک سیاہ باطن نے جو ابن غیطلہ کی کنیت سے مشہور تھا، آپ کو گالیاں دیں تو ابولہب اس کے گھر پہنچا اور اس کو سرکوب کر کے واپس آیا۔ اس کے بعد ایک مجمع میں جا کر بآواز بلند پکارا "اے گروہ قریش! عُتبہ کا باپ (ابولہب) صابی ہو گیا ہے"۔

یہ سن کر عمائدِ قریش اس کے مکان پر گئے اور دریافت حال کرنے لگے۔ ابولہب نے کہا میں نے عبدالمطلب کے دین سے مفارقت نہیں کی لیکن اب مجھے یہ بات قطعاً گوارا نہیں کہ میرے بھتیجے پر ظلم و زیادتی کی جائے"۔ رؤسائے قریش ازراہِ ریا و نفاق کہنے لگے تمہارا موقف نہایت پاکیزہ ہے۔ یہ قدم اٹھا کر تم نے واقعی صلہ رحمی کا حق ادا کیا ہے"۔

الغرض کچھ دن اسی نہج پر گزر گئے کہ آپ ہر طرف آتے جاتے تھے۔ قریش میں سے کوئی شخص آپ سے تعرض نہ کرتا تھا لیکن اکابر قریش ابولہب کی اس تبدیلیٔ مسلک سے بڑے بددل تھے۔ آخر چند روزہ سکون کے بعد ابوجہل اور عُقبہ بن ابی مُعیط (جو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا) ابولہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا تمہارے بھتیجے نے تم کو یہ بھی بتایا ہے کہ تمہارے باپ عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ ابولہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا محمدؐ! یہ تو بتاؤ عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنی قوم کے ساتھ ہیں"۔

یہ سن کر ابولہب ان دونوں کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا تھا اور اس نے بتایا ہے کہ عبدالمطلب اپنی قوم کے ساتھ ہوں گے"۔ ان دونوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو یہ مقولہ ہے کہ عبدالمطلب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ غرض ان دونوں

آفت کے پرکالوں نے ابولہب کو خوب بھڑکا کر اور سان پر چڑھا کر واپس کیا۔ ابولہب دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حالت میں آیا کہ تیور بدلے ہوئے تھے ؎

تیرے تیور بدل گئے کیوں آج ؟
غیر نے کیا لگا دیا تجھ کو ؟

اور بولا کہ میں نے سنا ہے کہ تم عبدالمطلب کو دوزخی بتاتے ہو" ؟

خدا کے پیامبر مصلحت وقت کی بنا پر یا کسی ماسوی اللہ طاقت سے مرعوب ہو کر اپنے حقیقی امیال وجذبات کے اظہار سے کبھی پہلوتہی نہیں کرتے تھے۔ آپ نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا کہ جو کوئی اس دین پر مرے جس پر عبدالمطلب نے جان دی اس کا مستقر دوزخ ہے"۔ اس حق گوئی نے قصرِ استبداد کے کنگروں کو ہلا دیا۔ ابولہب نے مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ وتاب کھایا اور دانت پیس کر بولا کہ اگر عبدالمطلب جہنمی ہے تو پھر مجھ سے کسی بھلائی کی کبھی امید نہ رکھنا۔ جب تک میری جان میں جان ہے میری عداوت اور کینہ توزی سایہ کی طرح تمہارے ساتھ لگی رہے گی (طبقات ابن سعد وتاریخ ابن کثیر)

لیکن احمق ابولہب نے اس بات پر غور نہ کیا کہ حاملِ نبوت نے جو کچھ کہا وہ کسی معاندانہ جذبہ کے ماتحت نہیں کہا تھا کیونکہ آپ کے دل میں اپنے جدِ امجد کی محبت ابولہب سے کہیں بڑھ کر تھی لیکن آپ جس منصبِ رفیع پر سرفراز تھے اس کے لیے اظہارِ حقیقت ناگزیر تھا۔

عبدالمطلب کا عقیدۂ توحید

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالمطلب بھی دوسرے مشرک ابنائے قوم کی طرح بت پرستی کی ضلالت میں رہ کر دنیا سے گزر گئے۔ لیکن ہمارے پاس خواجہ عبدالمطلب کے عقیدۂ توحید اور جذبۂ ایمانی کے جو شواہد ہیں ان کو جھٹلانا اور ان کے کفر کا قائل رہنا کسی مومن قانت کے لیے بہت مشکل ہے۔

امام ابن جوزیؒ "تلبیس ابلیس" میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب خالق کردگار کی ہستی کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح دنیا کو ابتداء میں پیدا کیا، اسی طرح موت کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور ثواب وعذاب بھی ملے گا۔ ان میں سے عبدالمطلب اور زید بن عمرو بن نفیل اور قیس بن ساعدہ اور عامر بن ظرب بھی تھے۔

مروی ہے کہ عبدالمطلب نے ایک ظالم کو جسے دنیا میں اس کے ظلم کی سزا نہ ملی تھی، دیکھا تو کہا کہ خدا کی قسم! اس دارِ دنیا کے سوا دوسرا جہان بھی ہے جہاں ہر نیک وبد کو اس کے اعمال وکردا

کا معاوضہ ملے گا" (تلبیس ابلیس)

لیکن یاد رہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں صرف ایک عبد المطلب بادۂ توحید سے مخمور نہ تھے بلکہ سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں نضر، خزیمہ، الیاس، مضر، ربیعہ، معد، عدنان سب موحد اور دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے اور علامہ محمود شکری بغدادی نے کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" کی دوسری جلد میں موحدینِ عرب کے عنوان سے تذکرۂ صدر سات بزرگوں کی طرح عبد المطلب، ہاشم، عبد مناف، قصیّ اور کعب کو بھی زمرۂ موحدین میں داخل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تمام بزرگوار حضرت خلیل علیہ السلام کے طریقہ پر سختی سے قائم تھے۔

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ ناطقِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جدِ امجد حضرت عبد المطلب کو نہیں بلکہ قریش کے آباء اولین میں سے عمرو بن لحی یا کسی دوسرے غیر موحد گم کردہ راہ کو ناری بتایا ہوگا اور یہ کہ راوی کسی طرح غلط فہمی کا شکار ہوگیا۔ عبد المطلب تو قریشی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں ہر وقت توحید کا جلوہ دیکھتے تھے اور وہ بالیقین خدائے واحد کے پرستار تھے۔

عبد المطلب کے ایمان اور عقیدۂ توحید کے خلاف وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جسے امام احمدؒ، ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زہرائے بتولؓ سے فرمایا کہ اگر تم ان کے ساتھ قبرستان میں جاتیں تو اس وقت تک جنت نہ دیکھ سکتیں جب تک تمہارے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا۔" لیکن یہ حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے بالکل ناقابلِ التفات ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا ایک راوی ربیعہ بن سیف معافری سخت ضعیف ہے۔

فصل ۱۸۶۔ حضرت عائشہؓ اور محترمہ سودہؓ سے عقدِ تزویج

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے ایام میں اور اس کے بعد سو سے زائد مومنین و مومنات تو سرزمینِ حبشہ میں غربت و بے کسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور باقی جو مکہ مکرمہ میں تھے ان کی تعداد قلیل تھی۔ مکہ کی اس مختصر سی اسلامی آبادی میں یہی دو خواتین ایسی تھیں جو سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ مناکحت میں منسلک ہوسکتی تھیں، عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ اور

سودہؓ بنت زمعہ اور ان میں بھی عائشہؓ ہنوز نابالغہ تھیں۔

عقد مناکحت کے لیے خولہؓ کی استدعا

حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد جب آپ ہر وقت ملول و محزون دکھائی دینے لگے تو جان نثاروں کو اس کی بڑی تشویش ہوئی یہ دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی محترمہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی دانا اور معاملہ فہم صحابیہ تھیں آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یارسول اللہ! آپ نے اب تک خانہ آبادی کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ خولہؓ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں موجود ہیں۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ وہ کون کون ہیں؟ انہوں نے گزارش کی کہ بیوہ تو سودہؓ بنت زمعہ ہیں جو آپ پر ایمان لا چکی ہیں اور کنواری اس بزرگ کی دختر ہیں جو آپ کو تمام خلق خدا میں زیادہ محبوب ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ۔ ان میں سے آپ جس کو پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔

جذبۂ رحم کی تحریک

آپ سوچنے لگے کہ سودہؓ کے معمّر ہو جانے کے باعث کسی نے آج تک ان سے نکاح کی خواہش نہیں کی، اس لیے ان کے زخم دل پہ عملی ہمدردی کا مرہم رکھنا رضائے الٰہی کا موجب ہوگا اور اگر ابوبکرؓ جیسے جان نثار کی لڑکی سے عقد ہو تو باہمی تعلقاتِ مودّت اور زیادہ مستحکم ہوں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے خولہؓ سے فرمایا کہ اچھا تم جا کر دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔"

خولہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئیں۔ وہ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ خولہؓ حضرت عائشہؓ کی والدہ سے کہنے لگیں، اے اُمِّ رومان! خدائے وَدُود نے تم لوگوں پر بڑی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ اُمِّ رومان نے پوچھا کون سی خیر و برکت؟ خولہؓ نے کہا کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری لڑکی عائشہؓ کے لیے پیامِ نکاح دیا ہے۔" اُمِّ رومانؓ نے کہا ذرا لڑکی کے والد کے آنے کا انتظار کرو۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی آ گئے۔ خولہؓ کہنے لگیں، اے ابوبکرؓ! حق تعالیٰ نے تم لوگوں پر کیسی ہی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ انہوں نے کہا کون سی خیر و برکت؟ خولہؓ نے ان سے پیغام کا تذکرہ کیا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ جس طرح حقیقی بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا خولہ! عائشہ تو اللہ کے برگزیدہ رسول کی بھتیجی

ہے۔ آپ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ خولہؓ نے آستانِ نبوت میں جا کر اس کے متعلق استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ابوبکرؓ کو میری طرف سے کہو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور دینی بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے (صحیح بخاری و مسند امام احمدؒ)

خولہ دوبارہ آئیں اور بتایا کہ آپ نے یہ جواب دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے کہ رسول اللہ پر ہماری سو جان بھی قربان ہے لیکن تم قدرے یہیں ٹھہرو، میں ایک بات کا تصفیہ کر کے آتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ باہر نکلے تو اُمّ رومانؓ نے خولہؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ نے مُطعم بن عدی سے اس کے لڑکے جُبیرؓ کے لیے وعدہ کر رکھا ہے اور یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ انہوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو اور پھر اس کا ایفا نہ کیا ہو۔ حضرت ابوبکرؓ مطعم بن عدی کے مکان پر پہنچے۔ اس وقت جناب صدیق اکبرؓ کے دل میں یہ آرزو موج زن تھی کہ کاش! مطعم اس نسبت سے دست بردار ہو جائے اور میری بچی حریم نبوت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کر سکے۔ مُطعم کے پاس اس کی بیوی اُمّ الفتیٰ بھی موجود تھی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھتے ہی کہنے لگی "کیوں صاحب! آپ بیٹی دے کر اپنی طرح میرے نورِ نظر کو بھی آبائی دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں؟ ہمیں یہ گوارا نہیں ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے مُطعم سے کہا کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے جو تمہاری بیوی نے ظاہر کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ جناب ابوبکرؓ تو خدا سے چاہتے تھے کہ یہ لوگ انکار کر دیں۔ چنانچہ وہ اس انکار پر بہت خوش ہوئے اور جلدی سے آ کر خولہؓ سے فرمایا کہ جا کر حضورِ انورؐ سے کہو کہ آپ کا پیغام سر آنکھوں پر "آپ غریب خانہ پر شرف افروز ہوں"۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا (مسند امام احمد)

پیش بندی بیکار گئی حضرت جُبیرؓ نے قدحِ توحید پی لیا

مُطعم بن عدی کی بیوی نے اس خدشہ کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے اپنے بیٹے کا عقد نامنظور کر دیا کہ مبادا وہ سسرال کے اثر سے اپنا آبائی دین (بُت پرستی) ترک کر دے۔ لیکن یہ پیش بندی کچھ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کیونکہ اس کے کچھ زمانہ بعد مُطعم کے بیٹے حضرت جُبیر رضی اللہ عنہ نے ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے قدحِ توحید پی لیا اور ان کی رگ رگ میں محبت اسلام کا خون دوڑنے لگا۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ جُبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قُرشی نوفلی اکابرِ قریش اور علماء نسب میں تھے۔ بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ وہ اس وفد کے ایک رُکن تھے جو مکہ معظمہ سے اسیرانِ بدر کے فدیے لے کر مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ انہی ایام میں انہوں نے ایک مرتبہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ طور پڑھتے سنا۔

حضرت جبیرؓ کا بیان ہے کہ آپ کی قرأت سُن کر میرا کلبۂ دل نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھا۔ گو اس وقت وہ مشرف بایمان نہ ہوئے لیکن اسلام کی عظمت ان کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ آخر فتح مکہ سے پہلے دولت ایمان سے بہرہ مند ہو گئے (اصابہ)

حضرت سودہؓ سے عقد ازدواج

حضرت سودہؓ پہلے سکران بن عمروؓ نام ایک صحابی کے نکاح میں تھیں جو مکہ کے رئیس سُہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔ یہ حبش کی پہلی ہجرت میں اپنے شوہر کے ساتھ ترک وطن کر کے حبش گئیں۔ جب وہاں یہ افواہ اڑی کہ قریش پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تو یہ میاں بیوی بھی مکہ واپس آ گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد حضرت سکرانؓ علیل ہو کر رہگرائے عالم آخرت ہوئے۔ محترمہ سودہؓ نے پانچ چھ سال سے بیوگی کی سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب خولہؓ نے آستانِ نبوت سے قدم باہر رکھا تو اتفاق سے اسی وقت حضرت سودہؓ وہاں آ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خولہ کی گفتگو کا ذکر کر کے اپنے پیامِ نکاح کا تذکرہ فرمایا۔ وہ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! آپ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں اور اس سے بڑھ کر میری کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھے شرفِ زوجیت بخشیں لیکن ایک تو میری عمر ڈھل چکی ہے۔ دوسرے میرے پانچ چھ بچے بچیاں ہیں۔ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ رات دن آپ کے پاس رویا کریں گے اور اس سے آپ کا مزاجِ گرامی مُنغّص ہوا کرے گا"!

آپ نے فرمایا کہ ان دو وجوں کے سوا معذرت کا کوئی اور پہلو تو نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ چونکہ آپ کے عزمِ مناکحت میں رحم دلی اور اُمت نوازی کا جذبہ کارفرما تھا اس لیے آپ نے ان دونوں باتوں کی پروا نہ کی اور اولاد کی محبت و شفقت کا جذبہ دیکھ کر حضرت سودہؓ سے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ اُونٹوں کی پیٹھ پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین خواتین قریش کی صالح خواتین ہیں جو اپنی صغیر السن اولاد پر نہایت مہربان ہیں اور اپنے شوہر کے حقوق کو بھی بوجہ احسن ملحوظ رکھتی ہیں (تاریخ ابن کثیر)

اس کے بعد خولہؓ اسی روز یا کسی دوسرے دن حضرت سودہؓ کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر خیر و برکت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیونکر؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارا پیغامِ نکاح دے کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا تم میرے باپ کے پاس جا کر اس کا تذکرہ کرو۔ خولہؓ ان کے والد کے پاس گئیں جو بڑے سن رسیدہ تھے

اور ضعف پیری ان پر مسلط تھا۔ حضرت خولہؓ نے ان کو جاہلیت کی رسم کے موافق تحیۃ وسلام کیا۔ زمعہ بولا کون ہے؟ کہا خولہ بنت حکیم۔ پوچھا کس طرح آنا ہوا؟ خولہؓ نے کہا مجھے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے سودہؓ کا پیام دے کر بھیجا ہے۔ زمعہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت شریف وکریم آدمی ہیں مجھے ان کا پیغام منظور ہے لیکن تم نے سودہؓ سے بھی اس کا ذکر کیا ہے؟ خولہؓ نے کہا ہاں وہ راضی ہیں۔ زمعہ بولا ذرا اس کو میرے پاس تو لاؤ۔ خولہ جا کر ان کو لے آئیں۔ زمعہ نے کہا بیٹی! یہ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تمہارے لیے پیغام بھیجا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت شریف اور کریم النفس آدمی ہیں۔ کیا تم اس کو پسند کرو گی کہ تمہیں ان کی زوجیت میں دیا جائے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ زمعہ نے آپ کو بلا کر بیٹی کا نکاح کر دیا (مسند امام احمد)

بھائی خاک بسر

غیر مسلم قریش کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے کس درجہ عناد تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب اُم المؤمنین حضرت سودہؓ کے بھائی عبد بن زمعہ نے جو ہنوز سعادتِ ایمانی سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، ہمشیر کے نکاح کی خبر سنی تو سر میں خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہوا کہ میری بہن عدوے قوم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عقد میں چلی گئی۔ لیکن انجام کار جب چشم حقیقت وا ہوئی اور اسلام کا دل آویز چہرہ اس کی پوری تابانی کے ساتھ نظر آیا تو بادۂ ایمان سے مخمور ہونے کے بعد اپنی اس حرکت کو یاد کر کے سخت نادم ہوا کرتے (مسند احمد وطبقات ابن سعد)

میکہ میں حضرت عائشہؓ کا سہ سالہ قیام۔

کوئی ایسی قابل وثوق شہادت نہیں ملتی جس سے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے عقد نکاح کی تاریخ قطعیت کے ساتھ متعین کی جا سکے، تاہم مختلف بیانات میں سے ارجح روایت یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے قریباً تین برس پہلے رمضان میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اسی کے ایک مہینہ بعد شوال میں دونوں اُمہات المؤمنین حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلکِ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ حضرت سودہؓ تو عقد کے بعد ہی کاشانۂ نبوت میں فروکش ہوئیں لیکن سیدہ عائشہؓ نکاح کے بعد بنا بر عدم بلوغ قریباً تین سال تک میکہ ہی میں رہیں۔ سوا دو سال مکہ مکرمہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔

شادی کی بیہودہ و مسرفانہ رسمیں

اوپر کے سطور میں قارئین کرام پر یہ حقیقت روشن ہو گئی ہو گی کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نہایت سادگی سے انجام

پایا جس میں کسی تکلف، اسراف اور نمایش و آرایش کا نام تک نہ تھا۔ مسلمانوں کو اپنے ہادیٔ رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا رہنا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ عہد حاضر میں پاکستان و ہندوستان کے اندر پیروانِ اسلام نے ہمسایہ قوم کی دیکھا دیکھی شادی بیاہ کو ایسی بیہودہ رسموں اور مسرفانہ تکلفات میں جکڑ دیا ہے جن پر جتنا بھی اظہارِ نفرت کیا جائے کم ہے۔

عرب کی چند بیہودہ رسموں کی اصلاح

سیدہ عائشہؓ کی تقریب شادی کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ اس کے ذریعہ سے عرب کی متعدد لغو رسوم کی بندشیں ٹوٹیں۔ عرب منہ بولے بھائی کی دختر سے شادی حرام خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح سے یہ رسم نسیاً منسیا ہو گئی۔ جیسے یہاں کے جہلاء ماہ محرم میں یا کم از کم محرم کے عشرۂ اوّل میں شادی نہیں کرتے اسی طرح اہل عرب شوال میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے لیکن مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں نکاح شوال ہی میں کیے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ماہ شوال منحوس نہیں ہے (طبقات ابن سعد) اسی طرح بعض دوسری جاہلانہ رسوم کی پابندی بھی اس تقریب نکاح سے ٹوٹی۔

فصل نـ۱۸۷ ۔ واجب الاطاعت نبیؐ سے درندانہ سلوک

جہاں تک خالق کردگار کے قانون طبیعی کا تعلق ہے، ہر انسان طوعاً یا کرہاً رب السمٰوٰت والارض کے فطری قوانین کی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ اس اطاعت سے اُسے کوئی مفر نہیں، لیکن جہاں تک بنو آدم کے اپنے اختیار کی حد ہے، اکثر لوگ اس دائرہ میں اطاعتِ خداوندی سے گریز کرتے ہیں۔

اطاعت خداوندی کے ساتھ دوسری اطاعتوں کی شرکت

کسی سابقہ فصل میں حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی مخالفت کے وجوہ و اسباب پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ان میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ حضور فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت خداوندی کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک ٹھیرانے سے روکتے تھے اور قریش کو گوارا نہ تھا کہ قانون طبیعی کی فطری اطاعت کی طرح اپنی اختیاری اطاعت کو بھی از سرتا پا ربّ ذوالجلال کے ساتھ خالص کر دیں۔ چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض

منصبی تھا کہ اس غیر الٰہی اور غیر قرآنی نظام پر حملہ آور ہو کر لوگوں کو غیر اللہ کی اطاعت سے ہٹا دیں اس لیے داعی اور مدعوین میں تصادم ناگزیر تھا۔ اس کش مکش نے اس مرحلہ پر پہنچ کر بہت نازک صورت اختیار کر لی۔ گو کہ اس کی تفصیل نہایت دردناک ہے تاہم حقیقت حال کے چہرہ سے پردہ اٹھانا بھی ضروری ہے۔

قریش کی شرم و حیا اُٹھ گئی۔

عمائد قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے باعث ابو طالب سے بغض رکھتے تھے تاہم ان کو معزز و محترم مانتے اور قبائل قریش کی سب سے بزرگ ہستی یقین کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ گو ابو طالب کی زندگی میں وہ حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے روحانی صدمے پہنچاتے رہے اور درپردہ قتل کی سازشیں بھی کیں تاہم آپ پر کبھی کسی نے ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا لیکن جونہی ابو طالب کی آنکھیں بند ہوئیں تمام شرم و حیا اٹھ گئی۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ کے شوہر ہونے کی حیثیت سے بھی بہت لوگ آپ کا احترام کرتے اور شرم و حیا کا برتاؤ برتتے تھے۔ ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت ختم ہوتے ہی دشمنان دین ہر طرف سے آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حرمان نصیبوں نے کسی ممکن ایذارسانی سے دریغ نہ کیا چنانچہ وفات ابو طالب سے ہجرت مدینہ تک کا زمانہ ایسی سختی سے گزرا کہ جس کی تفصیل نہایت دردناک ہے۔

محسنِ کائنات ؐ کی جان لینے کا منصوبہ طاق التوا پر

ابو طالب کی رحلت کے بعد ترقی اسلام کے انسداد کے جو ذرائع قریش کے پیش نظر تھے ان میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا (نصیب اعداء) قتل یا آپ کی جسمانی و روحانی ایذارسانیوں کا سلسلہ سب سے مقدم تھا۔ لیکن چونکہ وہ غیر ہاشمی قریش جن کی مائیں ہاشمیہ تھیں، اقدام قتل سے متفق نہ ہوئے اس لیے قتل و جاں ستانی کا خیال سردست طاق التوا پر رکھ دیا گیا۔

فصل ۱۸۸۔ مجلسِ ایذارسانی کی جدید حشر انگیزیاں

اب قریش کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ان وسائل پر غور کیا گیا جو ترقی اسلام کے روکنے بلکہ (معاذ اللہ) اس کی بیخ کنی کے کفیل تھے۔

سیدِ کائنات اور آپ کے پیروؤں کو تنگ کرتے کا فیصلہ

چنانچہ غور و خوض کے

بعد مجلس ایذا رسانی کو جس کی سرگرمیاں سست پڑی ہوئی تھیں مضبوط کیا گیا۔ اب اس کا صدر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنصیب چچا ابولہب منتخب ہوا اور قریش کے پچیس سر برآوردہ اشخاص اس کے رکن قرار پائے اور طے ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر طرح سے تنگ کیا جائے بات بات میں ان کا مذاق اُڑایا جائے اور جس کسی کو جب موقع ملے زدو کوب سے بھی درگزر نہ کرے اور ان کے پیروؤں پر اس حد تک عرصۂ حیات تنگ کیا جائے کہ گھبرا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی چھوڑ دیں اور نئے لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہو۔"

چنانچہ اس قرارداد کے بعد خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں پر ہر طرف یورشیں ہونے لگیں اور خدا کی زمین باوجود وسعت کے اہلِ ایمان پر تنگ کر دی گئی۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے حوادثِ مظلومی کو قلم انداز کر کے ذیل میں چند ایسے روح فرسا واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست حضور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تھا۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کا حادثہ شہادت

ایک مرتبہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ منکروں کے نزدیک توحید کا تذکرہ بیت اللہ کی بہت بڑی توہین تھی۔ اعداء چاروں طرف سے جمع ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے ربیب[ے] حارثہ بن ابوہالہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑے آئے اور آپ کو بچانا چاہا۔ بُت پرست لوگ آپ کو چھوڑ کر ان پر پل پڑے اور انہیں تلواریں مار مار کر اسی جگہ ڈھیر کر دیا۔ یہ شہادت فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا خون تھا جو حمایت اسلام کے "جرم" میں گرایا گیا (اصابہ)

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا عقبہ کو پیچھے ہٹانا

ایک مرتبہ آپ مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط پیچھے سے آیا اور جب آپ سجدہ میں گئے تو چادر آپ کے گلوے مبارک میں ڈال کر اس کو مروڑا اور آپ کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ آپ برابر سربسجود رہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپہنچے اور عقبہ کو پیچھے ہٹا کر قرآن کی یہ آیت پڑھی:۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ	کیا تم ایک آدمی کو محض اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس

[ے] بیوی کا بیٹا جو پہلے شوہر سے ہو۔

جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ (۴۰ : ۲۸)

اس دعویٰ پر تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں بھی لے کر آیا ہے (بخاری)

قریش آپ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے اور ان کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد جب یہ عاشقِ رسولؐ لہولہان واپس آئے تو ان کے سر میں بہت سے زخم آئے ہوئے تھے۔ (ابن ہشام)

ابوبکرؓ کا آنحضرتؐ کو اعداء کے پنجۂ جور سے بچانا

مسندِ بزار میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اعدائے دین نے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زدوکوب شروع کیا۔ یہ اشقیاء گھسیٹتے اور دھکے دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا تم ہی وہ شخص ہو جو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیتے ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو قریش کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ ابوبکرؓ آگے بڑھے اور مشرکوں کو مارتے پیٹتے گراتے اور ہٹاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے اور آپ کو دشمنوں کے پنجۂ جفا سے بچا کر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھنے لگے۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ۔ اب مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت ابوبکرؓ کو پیٹنا شروع کر دیا اور سر اور ڈاڑھی پکڑ لی اور ریش مبارک اور سر کے بہت سے بال نوچ ڈالے اور بُری طرح مجروح کیا۔

آیۂ مذکور میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے جبکہ فرعون نے اپنی مجلس میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تھا اور آلِ فرعون میں سے ایک مومن جس نے اپنا ایمان مخفی کر رکھا تھا کہنے لگا کہ تم ایسے شخص کی جان لینا چاہتے ہو جس کا یہ مقولہ ہے کہ میرا پروردگار ربِ جلیل ہے؟ یہ بیان کر کے حضرت علیؓ نے حاضرین سے سوال کیا کہ بتاؤ آلِ فرعون کا مومن افضل تھا یا ابوبکر صدیقؓ؟ لوگ کچھ جواب نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بخدا ابوبکرؓ کی ایک ساعت مومنِ آلِ فرعون کی ہزار ساعت سے بہتر ہے۔ آلِ فرعون کے مومن نے اپنا ایمان چھپایا تھا لیکن ابوبکرؓ نے ظاہر کیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی)

رسولِ انامؐ کا انتباہ کہ میں ذبح کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں

حضرت عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادہ عبداللہؓ جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حرم کعبہ میں موجود تھا۔ قریش کے اکابر و اعیان

حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ چھڑ گیا۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتلایا اور ہم نے آج تک ضبط و تحمل سے کام لیا۔" اتنے میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لا کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ جب آپ طواف کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرتے تو یہ لوگ آپ پہ آوازے کستے اور گالیاں دیتے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ اس سے ملول ہوئے اور ملال کا اثر روئے انور پر نمایاں ہوا۔ تیسری مرتبہ کی بدگوئی پر ٹھیر گئے اور ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا اے گروہ قریش! کان کھول کر سن لو اور یاد رکھو کہ میں تمہارے پاس ذبح کے ساتھ آیا ہوں۔" یعنی اگر ان حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے اور میری متابعت سے کنارہ کش رہو گے تو جس طرح بھیڑ بکری کے گلے پر چھری رکھی جاتی ہے، اسی طرح میری تلوار بھی تمہیں ذبح کر دے گی اور تم مجھ سے لڑائی کر کے مفت میں اپنی جانیں برباد کرو گے۔"

چنانچہ اس واقعہ کے قریباً ڈھائی تین سال بعد جنگ بدر میں مسلمانوں کی خنجر خارا شگاف نے تمام سربر آوردہ اعدائے دین کو ذبح کر دیا۔

ہر بت پرست سکتہ کے عالم میں

اس انتباہ پر سناٹا چھا گیا۔ ہر بت پرست سکتہ کے عالم میں نظر آتا تھا۔ آخر تمام اعدا نے بدزبانی کی جگہ تملق کا طریق اختیار کیا اور کہنے لگے جناب آپ تشریف لے جائیے اور اس خیال کو جانے دیجئے (ابن ہشام و ابن جریر طبری)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے ذبح لایا ہوں (یعنی دین اسلام تم کو موت کی طرح ناگوار ہے) یہ سن کر سب نے گردنیں نیچی کر لیں اور ایسے چپ ہوئے کہ گویا ہر شخص کے سر پر کوئی پرند بیٹھا ہے اور اس فقرہ نے وہ اثر کیا کہ جو شخص آپ کی ایذا کی زیادہ ترغیب دیتا تھا وہ ایسے الفاظ سے جو بہتر سے بہتر اس کو مل سکے آپ کی تسکین کرنے لگا اور کہا اے ابا القاسم! آپ بخیر تشریف لے جائیں کہ بخدا آپ نادان نہیں (ابن حبان ورواہ البخاری مختصراً)

سرورِ دو جہاں ﷺ اعداء کے نرغہ میں

اس واقعہ کے دوسرے دن قریش کا پھر اجتماع ہوا۔ اس روز انہوں نے آپ کی ایذا رسانی کا مشورہ کر رکھا تھا۔ جب آپ نے مسجد الحرام میں قدم رکھا تو قریش نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے تم ہی ہمارے بتوں کی عیب گیری کرتے اور ہمارے مذہب کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں میں ہی کہتا

ہوں"۔ ایک شخص نے آپ کی ردائے مبارک پکڑ لی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ روتے ہوئے دوڑے اور قریش کو مخاطب کرکے یہ آیت پڑھی اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ (سیرۃ ابن ہشام و ابن جریر طبری)

مزید شرمناک چیرہ دستیاں

ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی مُعیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا اور گردن مبارک کو اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکلنے کے قریب ہو گئیں۔ بعض دفعہ یہ اشقیاء اس طرح گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا (ابن ہشام) جس طرح کتا کسی غیر مانوس آدمی کو دیکھ کر بھونکنے لگتا ہے اسی طرح اُمیّہ بن خلف کی عادت تھی کہ آپ کو دیکھتے ہی گالیاں دینے لگتا۔ اس کے بھائی اُبَیّ بن خلف سے عقبہ بن ابی مُعیط کی دوستی تھی۔ ایک دن اُبَیّ عقبہ سے کہنے لگا اگر تم میرے دوست ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ پر (معاذ اللہ) تھوک دو۔ اس شقی ازلی نے جا کر ایسا ہی کیا (ابن ہشام)

سر مبارک میں کیچڑ ڈالنے کا اندوہناک واقعہ

ایک مرتبہ آپ راہ میں جا رہے تھے ایک انسان صورت شیطان سیرت نے آ کر سر مبارک پر بہت سی کیچڑ ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے۔ آپ کی ایک صاحبزادی (جو غالباً سیدہ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا تھیں) آپ کو اس حالت میں دیکھ کر زار و قطار رونے لگیں۔ اس کے بعد پانی لا کر آپ کا سر مبارک دھونا شروع کیا۔ سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں اور ساتھ ہی فرطِ رنج سے روتی جاتی تھیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ جانِ پدر! رو مت۔ صبر کرو۔ حق تعالیٰ تمہارے باپ کو قریش کی دراز دستیوں سے مامون کر دے گا"۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چچا ابو طالب کی زندگی میں یہ لوگ میرے ساتھ اس قسم کا کوئی ناروا سلوک نہیں کر سکتے تھے۔ (محمد بن جریر طبری و ابن ہشام)۔ رُباعی:۔

سیمیں بدنے کس از گل آزار شود — در سایۂ سنبل رخش الگار شود
بنگر چہ شود بر دلش از غم کہ رہش — از دستِ ستمگراں پُر از خار شود

معلوم ہو کہ آپ یہ سب تکلیفیں راہِ خدا میں برداشت کرتے تھے کیونکہ آپ مقامِ صبر میں مستقیم تھے جس کے لیے آپ کو حکم ہوا تھا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (۴۶ : ۳۵) آپ صبر کیجئے جس طرح دوسرے اولوا العزم

رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے متعلق کسی بات کی جلدی نہ کیجیے۔

انہی ایامِ آشوب میں ایک مرتبہ اہل مکہ نے آپ کو انتہائی شقاوت کے ساتھ بہت بُری طرح زدوکوب کیا۔ آپ ملول و محزون خون میں رنگے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام آگئے اور پوچھنے لگے آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے"۔ جبریل امین ؑ نے (تسکینِ خاطر اور رفعِ ملال کے لیے) کہا کیا آپ کو ربِّ جلیل کی کوئی نشانی دکھاؤں؟ فرمایا ہاں دکھاؤ۔ سامنے ایک درخت کھڑا تھا۔ جبریل ؑ کہنے لگے اس درخت کو اپنے پاس بلائیے۔ آپ نے اس کو آنے کا اشارہ کیا۔ وہ چل کر آپ کے قریب آیا اور سامنے کھڑا ہو گیا۔ جبریل ؑ نے کہا اب اس سے کہیے کہ لوٹ جائے۔ وہ لوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا (ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء)

فصل ۱۸۹ عُقبہ کا حالتِ سجدہ میں دوشِ مبارک پر نجس اوجھ رکھنا

اِن ستم کیشیوں کے سلسلہ میں ایک اور دردناک حادثہ ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ آپ کعبہ معلّٰی کے نزدیک مصروفِ نماز تھے۔ قریش کے بعض سربرآوردہ افراد نے بھی ایک طرف اپنی مجلس لہو گرم کر رکھی تھی۔ اتنے میں ابوجہل کی آپ پر نظر پڑی۔ کہنے لگا ذرا اس شخص کی طرف تو دیکھو۔ اس کے بعد بولا کاش! اس وقت کوئی شخص فلاں قبیلہ میں جاتا۔ وہاں اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اس کی نجس اور خون آلود اوجھڑی اُٹھا لاتا اور ایسے وقت میں جبکہ یہ شخص (رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائے، اس کی گردن پر رکھ دیتا"۔ عُقبہ بن ابی مُعَیط کہنے لگا میرے سوا کون ہے جو اس خدمت کو انجام دے"۔ چنانچہ دوڑا گیا اور خون اور گوبر سے بھری ہوئی اوجھ لا کر ایسی حالت میں آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں رکھ دی جبکہ آپ سربسجود تھے۔

حضرت فاطمہؓ کا آکر اوجھ گرانا

تمام رؤسائے قریش اس دل فگار منظر کو دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسنے اور انہیں اتنی خوشی ہوئی کہ عالمِ مسرت میں ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑتے تھے۔ اونٹ کی اوجھڑی بڑی وزنی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کہ جبینِ مبارک

پر کتنا تکلیف دہ بوجھ ہوگا اور سر مبارک نے اس بوجھ کو کس طرح برداشت کیا ہوگا۔ چونکہ آپ بحالت سجدہ محو و استغراق میں تھے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی کہ مونڈھوں کے بیچ میں کیا رکھ دیا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اس کی گرانباری سے سر ہی نہ اُٹھا سکتے ہوں۔ عبداللہ بن مسعودؓ میں جو پہلے عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے اتنی طاقت نہ تھی کہ مجمع کفار کے مقابلہ میں کچھ کر سکتے۔ انہوں نے مصلحت وقت یہی دیکھی کہ آپ کے گھر میں خبر کریں۔ چنانچہ آستانِ نبوت میں جا کر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بتایا کہ تمہارے والدِ محترم کی گردن پر قریش نے نجاست آلود اوجھ رکھ دی ہے اور آپ اس کا بوجھ اُٹھائے سجدہ میں پڑے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر اس وقت کلھم نو دس سال کی تھی۔ وہ دوڑیں آئیں۔ دیکھا کہ زعمائے قریش ہنستے اور خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بڑھ کر اوجھ اتار پھینکی۔ قریش کو بد دعائیں دیں اور عقبہ کو بُرا بھلا کہا۔

ہنسنے اور خوش ہونے والوں پر بد دُعا

یہ پہلا موقع تھا کہ آپ رؤسائے قریش کے قبول اسلام سے قطعاً مایوس ہوئے۔ آپ نے اپنے مفترض الطاعۃ رسولؐ کی توہین کرنے اور نماز میں خلل انداز ہونے والے اشقیا پر بد دعا کی اور فرمایا الٰہی! قریش کی اس ٹولی کو سزا دے۔ اور دعا میں ان پانچ آدمیوں کا خاص طور پر نام لیا۔ ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، اُمیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ۔ یاد رہے کہ مکافاتِ عمل کا قانونِ الٰہی دارِ آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی وہ موقفِ اجابت پر پہنچی چنانچہ اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس ذات برتر کی قسم جس نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی مبعوث فرمایا میں نے ان افراد کو جن کا آپ نے نام لیا تھا بدر کے میدانِ جنگ میں ذلت کے ساتھ پڑا پایا۔ ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈالی گئی تھیں۔ (بخاری و مسلم مع شرح)

عقبہ کون تھا؟

حضرت عثمانؓ کی والدہ اروی بنت کریز جناب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور حضرت عثمانؓ کی نانی بیضا بنت عبدالمطلب سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ اروی پہلے حضرت عثمانؓ کے والد عفان کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ جب عفان نے اس سرائے فانی سے موننہ

موڑا تو عقبہ بن ابی مُعَیط کے نکاح میں آگئیں۔ ابو مُعَیط کا نام ابان بن ذکوان بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر اوجھ رکھنے والا عقبہ بن ابان بن ذکوان بن اُمَیّہ بن عبد شمس ہی تھا۔ ابان کی کنیت ابو مُعَیط تھی (ابن اثیر وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سوتیلا باپ اور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا۔

فصل ۱۹۰۔ مشرک ہمسایوں کی روحانی وجسمانی ایذا رسانیاں

تمام بدترین اعدار آپ کے ہمسایہ تھے

ابو جہل بن ہشام، ابو لہب بن عبد المطلب، عُقبہ بن ابی مُعَیط، ابو سفیان بن حرب، اسود بن عبد یغوث، اُمَیّہ بن خلف، اُبَی بن خلف، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ، حَکَم بن ابو العاص، منبہ بن حجاج، حارث بن قیس اور اس کی ماں غیطلہ، ابو قیس بن فاکہ، عاص بن وائل وغیرہ قریش کے رُؤسا جنہیں آپ سے انتہا درجہ کا عناد تھا سو، اتفاق سے آپ کے ہمسایہ واقع ہوئے تھے۔ اور پھر ان اعدار میں اشد ترین دشمن تینوں مقدم الذکر تھے۔ گو عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابو سفیان بن حرب بھی دشمن تھے لیکن دوسرے اعدائے حق کی طرح بد زبانی اور ایذا رسانی کے درپے نہ ہوتے تھے پھر تمام ہمسایوں میں دو ہمسائے ابو لہب اور عقبہ جن کے درمیان حضرت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا مکانِ مبارک واقع تھا بہت بُرے ہمسایہ تھے۔ یہ دونوں نجاست، کانٹے، ہڈیاں اور تمام دوسری ممکن الحصول ایذا رساں چیزیں لا لا کر سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر ڈالتے رہتے جب آپ گھر سے باہر تشریف لاتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر فرماتے اے آل عبد مناف! یہ کس ہمسایہ نے نظرِ التفات کی! پھر ان چیزوں کو وہاں سے ہٹا دیتے (طبقات ابن سعدؒ تاریخ ابن جریر)

ان اعدار کا معمول تھا کہ جہاں کہیں موقع ملتا آپ کو پتھر مار دیتے۔ راستہ میں کانٹے بکھیر دیتے (مدارج) نماز پڑھتے وقت مذاق اڑاتے اور جسدِ اطہر پر نجاست ڈال دیتے (ابن جریر طبری وابن ہشام)

عبادت کی جگہ دریدہ دہنی

ایک مرتبہ حضور کا مزاج اقدس زیادہ علیل ہوا۔ اس وجہ

Marifat.com

سے دو تین رات قیام شب (تہجد) کی نوبت نہ آئی۔ ابوسفیان بن حرب کی بہن عوزا بنت حرب جو آپ کی بدنصیب چچی اور ابولہب کی جورو تھی حضور کے پاس آئی اور عیادت کی جگہ کہنے لگی محمدؐ! میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا ہے اسی لیے وہ دو تین رات سے تمہارے پاس نہیں آتا (صحیح مسلم)

ایک روز اعداء باہم مشورہ کرکے کاشانۂ اقدس سے باہر جمع ہو گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے سامنے بہت بڑا مجمع ہے۔ دیکھتے ہی چھوٹے بڑے، آزاد غلام ہر فرد بشر نے آپ کو گالیاں دینی شروع کیں اور آپ کو جسمانی اذیت پہنچائی۔ آپ آزردگی کے عالم میں اندر چلے آئے اور منہ لپیٹ کر لیٹ رہے۔ تھوڑی دیر میں حضرت جبریل امینؑ یہ فرمانِ خداوندی لے کر آئے۔ یَآاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (اے منہ لپیٹنے والے! کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے) (سیرۃ ابن ہشام)

تسکین خاطر کے لیے جبریلؑ کی تشریف آوری

ایک مرتبہ اشقیائے قریش نے آپ پر حملہ کرکے آپ کو بہت بری طرح مجروح کیا۔ آپ خون میں رنگے مغموم بیٹھے تھے کہ جبریلِ امین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کے دلِ حزین پر تسکین کا مرہم رکھنے کے لیے بعد سلام کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ آپ کو ایک نشانِ صدق دکھاؤں؟ فرمایا ہاں۔ جبریلؑ نے پچھلی طرف ایک درخت دیکھا اور کہا کہ اس کو بلائیے۔ آپ نے اس کو آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آکر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت جبریلؑ نے کہا کہ اب اس کو چلے جانے کا حکم دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ جا اپنی جگہ چلا جا چنانچہ وہ معاً اپنے مستقر کو چلا گیا۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ)

بازاری لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دینے کی شیطنت

حضرت فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلتے تو آپ کے پڑوسی گالیاں دے کر حقِ ہمسائگی ادا کرتے۔ راستہ میں جو بھی سامنے آتا وہی گالیاں دیتا اور پھر اسی پر اکتفا نہ تھا بلکہ بازاری لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے (مسند امام احمد) حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدیؓ جو طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، مکہ معظمہ آئے تو خدا کے برگزیدہ رسولؐ کو اس حالت میں دیکھا کہ پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ ضمادؓ نے لونڈوں کو دیکھ کر یہی خیال کیا کہ انہیں (معاذ اللہ) جنون ہو گیا ہے۔ ضماد نبوت سے پیشتر مکہ معظمہ میں رہ چکے تھے اور آپ سے ان کی اچھی ملاقات

تھی۔ ضماد رضؓ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا لیکن اطمینان رکھو میں دیوانگی کا علاج کر سکتا ہوں"۔ ضماد رضؓ نے آپ کو (معاذ اللہ) سچ مچ دیوانہ خیال کر لیا تھا۔ آپ نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ان کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ وہ اس خطبہ سے اس درجہ متأثر ہوئے کہ معاً آپ کے جان نثاروں کی صف میں آ شامل ہوئے (صحیح مسلم وغیرہ)

محمدؐ کی بجائے مُذمّم کہنے کی دناءت

قریش کی ایک بدسگالی یہ تھی کہ اپنے مفترض الطاعۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اسم گرامی محمدؐ (بہت تعریف کیا گیا) کی جگہ مُذمّم (مذمت کیا گیا) کے نام سے یاد کرتے تھے اور پھر یہ نام لے کر گالیاں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ کرام رضؓ سے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو اس پر حیرت نہیں کہ خدائے حکیم و قدیر قریش کی گالیوں اور لعنتوں کو مجھ سے کس طرح پھیر دیتا ہے؟ وہ مُذمّم (برے آدمی) کو گالیاں دیتے اور اسی پر لعنت بھیجتے ہیں حالانکہ میں محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح بخاری)

فصل ۱۹۱ حضرت زُبیرؓ بن عَوام کا جذبۂ فدویّت

حضور سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ بھی آپ پر ایمان لائی تھیں اور ان کے فرزند زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی کم سنی کے باوجود جذبۂ فدویت میں کسی دوسرے جان نثار سے پیچھے نہ تھے۔ یہ سولہ سال کی عمر میں مشرف بایمان ہوئے۔ قبول اسلام کے چند روز بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ پیغمبر علیہ السلام گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ یہ سن کر جذبۂ جان نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ فوراً ننگی تلوار کھینچ کر آستانہ مبارک پر حاضر ہوئے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا زُبیرؓ! کیا ہے؟ عرض کی سنا تھا کہ نصیب دشمناں آپ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آپ یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی تلوار تھی جو راہ جان نثاری میں ایک بچہ کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی (اسد الغابہ) یاد رہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

فصل ۱۹۲۔ حضرت طلیبؓ کے جاں نثارانہ جذبات

دشنام گوعدوے رسولؐ کی مرمت

جن ایام میں بلدالامین کے اندر ہر طرف جور و بیداد کے طوفان اُٹھ رہے تھے اور حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مصائب ونوازل کی آندھیاں بڑے زوروں سے چل رہی تھیں، ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی نام ایک بُت پرست حضور سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں ناروا کلمات بک رہا تھا۔ حضرت طلیبؓ نے جو ایک غیورِ زماں کے بیٹے تھے اونٹ کا کلّہ اُٹھا کر اسے مار دیا اور بُری طرح زخمی کیا۔ لوگوں نے جا کر ان کی والدہ سے کہا کیا دیکھتی ہو تمہارے بیٹے نے کیا کیا ہے؟ اس شیر دل خاتون نے خوش ہو کر جواب دیا کہ طلیبؓ نے اس کے سوا اور کیا کیا ہے کہ اپنے ماموں زاد بھائی کی مدد کی اور اس کے خون اور مال کی غم خواری کی؟ ایک روایت میں ہے کہ مضروب ابواہاب بن عزیز دارمی تھا۔ قریش نے اُسے حضرت فخر کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زد و کوب کرنے پر برانگیختہ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنا ناپاک ارادہ پورا کرے حضرت طلیبؓ کو خبر ہو گئی۔ وہ اسے جا ملے اور اس کے عزم فاسد کو اسی پر پورا کر دکھایا۔

ابُولہب کی دُرگت

بلاذری کا بیان ہے کہ جب قریش نے ہاشمیوں کو درّہ میں محصور کر رکھا تھا ان ایام میں دشمنوں کے سرغنہ ابولہب نے چند مسلمانوں کو قید کر لیا۔ طلیبؓ کو پتہ چلا تو ماموں (ابولہب) کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ان بیکس مظلوموں کو چھوڑ دو۔ اس نے انکار کیا۔ بہت منت سماجت کی لیکن نہ مانا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن کی فانی الفتوں کو اپنے رشتۂ ایمانی پر قربان کر دیا تھا جب حضرت طلیبؓ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح نہیں مانتا تو اسے مار بیٹھے۔ یہ دیکھ کر قریش نے ان کو قید کر دیا۔ آخر ابولہب ہی نے جا کر ان کو چھوڑایا اور اپنی بہن حضرت اروی رضؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ طلیب کی زندگی کا بہترین اور سعید ترین دن وہی ہے جس میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرے (اصابہ)

استقلال نبوی کی نظیر بائبل میں

مکہ معظمہ میں اعدائے دین ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ستم رسیدہ پیروؤں کے حق میں جس زندگی

کا ثبوت دے رہے تھے اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آغازِ دعوت سے ہجرت تک قیامِ مکہ کا قریب قریب سارا زمانہ انتہائی مشکلوں اور پریشانیوں میں بسر ہوا لیکن آپ کے عزمِ آہنیں ثبات و استقلال اور غیر معمولی قوتِ ارادی نے عناصرِ جور و فساد کو ہر کوشش میں خائب و خاسر رکھا۔ دشمنوں کی کینہ جوئیوں اور عناد پسندیوں کے تلاطم میں شب و روز تکمیلِ مقاصد کی کوشش میں مستغرق رہنا اور اپنے مقدس مشن کی کامیابی کا حق الیقین رکھنا ایسی چیزیں ہیں جن کا اغیار کو بھی اعتراف ہے چنانچہ سر ولیم میور جیسا معاندِ اسلام رقم طراز ہے:۔

> محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ بظاہر بالکل غیر محفوظ بکریوں کیسے کہ شیر کے موز میں رہ کر جس استقلال اور اولوالعزمی کا ثبوت دیا، اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں گزارش کی تھی کہ اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں (لائف آف محمدؐ)

فصل ۱۹۳۔ ایذا رسانی کی بعض نامراد کوششیں

کسی سنگلاخ زمین سے سڑک نکالنا اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر راستہ بنانا جتنا دشوار اور محنت طلب کام ہے، اس سے کہیں زیادہ کسی گم کردہ راہ اکھڑ قوم کو اس کے روایتی عقائد سے ہٹا کر راہِ راست پر لانا مشکلات سے لبریز ہے۔ حضرت مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی اور عقائدِ مشرکیہ کی تردید فرماتے تھے اور یہ فعل بت پرستوں کے لیے سخت ناقابلِ برداشت تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ داعیِ حق کی آواز زور اور قوت سے بند کر دیں لیکن چونکہ خدا کے پیامبر کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ لوگوں کی مخالفت اور ایذا رسانیوں کی پروا نہ کرکے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرے اس لیے آپ قوم کے ہر تشدد کو بطیبِ خاطر گوارا کرتے ہوئے تبلیغی اور اصلاحی جدوجہد میں منہمک رہتے تھے۔ اور خدائے رحیم و ودود کی رحمت نوازی کبھی کبھی عناصرِ فسادگر ان کے مساعیِ تعذیب میں ناکام رکھ کے اور اپنے رسولؐ کی تائید میں کوئی زبردست نشان دکھا کر متنبہ کرتی رہتی تھی کہ تم داعیِ حق کی مخالفت و ایذا دہی میں ورطۂ ہلاک میں گر رہے ہو۔ اس تائیدِ ربانی کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:۔

آتشیں خندق کا حایل ہونا

ایک دن ابوجہل بڑے غرور سے کہنے لگا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پھر کبھی مٹی میں منہ ملتے (سجدہ کرتے) دیکھوں گا تو مجھے لات و عزّیٰ کی قسم! اپنے پاؤں سے اس کی گردن مسل دوں گا۔" اس کے بعد جب آپ مسجد الحرام میں تشریف لائے تو وہ اسی ناپاک قصد سے آپ کی طرف بڑھا۔ لیکن ابھی قریب نہیں آنے پایا تھا کہ بے تحاشا اُلٹا بھاگا۔ لوگوں نے پوچھا یہ بدحواسی کیسی ہے؟ بولا میں نے دیکھا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خندق حایل ہے اور چند پر دار ہستیاں کھڑی ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابوجہل کا قول مذکور ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ابوجہل میرے قریب آنے کی کوشش کرتا تو ملائکہ اس کا عضو عضو الگ کر دیتے۔ ابوجہل کی اس شیطنت کے متعلق سورۂ علق کی چند آیتیں نازل ہوئیں (بخاری و مسلم)

سورۂ علق کی ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:۔

> "بیشک انسان حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ (خصوصاً) جب وہ اپنے تئیں تونگر اور مال دار پاتا ہے۔ اے انسان! تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے (جہاں تجھے اپنے طغیان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا) بھلا اُس شخص کی طرف تو دیکھو جو (ہمارے) بندے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نماز میں مزاحم ہے حالانکہ (ہمارا بندہ) راہِ راست پر ہے اور (لوگوں کو) تقویٰ و طہارت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ روکنے والا شخص (دینِ حق کو جھٹلا رہا ہے اور (ایمان سے) روگرداں ہے۔ کیا یہ شخص نہیں جانتا کہ خدا (اس کی حرکتوں کو) دیکھ رہا ہے؟ اسے یاد رہے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی کذب شعار پیشانی سے پکڑ کر جہنم کی طرف جھونک دیں گے۔ ایسی حالت میں وہ اپنی ٹولی کو (مدد کے لیے) بلا لے۔ ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو (اس کی ہلاکت کے لیے) آجانے کا حکم دے دیں گے"۔

سر مبارک پر پتھر دے مارنے کا منصوبہ

ایک مرتبہ ابوجہل اپنے ضلالت پسند ساتھیوں سے کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے معبودوں اور بزرگوں پر حرف گیری کرنے سے کسی طرح باز نہیں آتا۔ اس لیے میں نے عزم مصمم کر لیا ہے کہ کل ایک بڑا پتھر لے کر بیٹھ رہوں گا اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائے گا تو اس کے

سر پر دے ماروں گا۔ اگر وہ اس پتھر سے مر گیا تو تم مجھے اپنی پناہ میں لے لینا۔ پھر عبدمناف کی اولاد سے جو کچھ بن پڑے وہ کر لے"۔ عمائدِ قریش نے کہا واقعی تم بڑے شجاع مرد ہو۔ تم ضرور اپنا ارادہ پورا کر کے رہو گے۔ ایسی حالت میں ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے لیں گے"۔ دوسرے دن ابوجہل علی الصباح ایک بڑا پتھر لے کر آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔ آپ حسبِ معمول نماز پڑھنے کے لیے مسجد الحرام میں جلوہ افروز ہوئے۔ اور چونکہ ان ایام میں قبلہ بیت المقدس تھا آپ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان نماز میں مشغول ہو گئے۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رئیس اپنی اپنی جگہ پر ابوجہل کی شیطنت کے منتظر تھے۔

اُونٹ کا منہ پھاڑ کر ابوجہل کی طرف لپکنا

چنانچہ جب حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو ابوجہل پتھر اُٹھا کر آپ کے سرِ مبارک پر مارنے کے ناپاک ارادہ سے چلا لیکن آپ کے قریب پہنچ کر سخت بدحواسی کے عالم میں اُلٹے پاؤں پھرا اور گھبراہٹ اور سراسیمگی میں پتھر بھی اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر لوگ چاروں طرف سے دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور پوچھنے لگے ابوالحکم[1]! کیا ہوا؟ کہنے لگا جب میں قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوفناک اونٹ منہ پھاڑ کر حملہ کرنے کے لیے میری طرف لپکا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے اپنا نوالہ بنا لے۔ یہ دیکھ کر میں سراسیمہ وار پیچھے کو ہٹا ورنہ جان بچانی مشکل تھی"۔ جب بعد کو ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوجہل کا مقولہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ (اس شکل میں) جبریلؑ تھے جو میری حفاظت کے لیے آئے تھے (سیرۃ ابن ہشام)

ایک ایک کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بازی

ایک دن زعمائے قریش حجر کے پاس بیٹھے ہوئے خلیفۃ اللہ علی الارضؐ کے خلاف زہر اُگل رہے تھے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ جب محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ادھر سے گزریں تو ہم میں سے ہر شخص ایک ایک کاری ضرب لگا دے"۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جو ابھی کم سن تھیں وہیں کہیں قریب ہی کھڑی سن رہی تھیں۔ انہوں نے گھر آ کر یہ منصوبہ اپنے والدِ محترم کے گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹی! کوئی فکر نہ کرو"۔ یہ کہہ کر آپ حجر کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے سے

---

[1] ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام اور کنیت ابوالحکم (حکمتوں کا باپ) تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خباثتوں اور جہالتوں کے پیشِ نظر اسے ابوجہل (جہالت کا باپ) کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے ۱۲

گزرے لیکن بجائے اس کے کہ کوئی شخص اپنے ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہناتا سب نے سر جھکا لیے یہاں تک کہ سب کی ٹھوڑیاں سینوں سے جا لگیں (مسند امام احمد، حاکم، بیہقی)

فصل ۱۹۴۔ قریش کو سرورِ عالم کا حقِ قرابت جتلانا اور قوم کی ناسپاسی

جس طرح انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کا درجہ سب سے فائق و برتر ہے، اسی طرح ان کی پریشانیاں اور ذمہ داریاں بھی سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ ایک فریضۂ تبلیغ ہی پر غور کرو۔ اس کی انجام دہی میں کتنی زہرہ گداز مشکلات حائل تھیں۔ حضور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی چہل سالہ زندگی نہایت امن و عافیت کے ساتھ کٹی تھی لیکن جونہی تبلیغ کا بارِ گراں آپ کے دوشِ ہمت پر پڑا مصیبتوں کے دروازے کھل گئے اور یہ بھی رب العالمین عز اسمہٗ کے قرب و محبت کا کچھ عجیب کاروبار ہے کہ جو جس قدر زیادہ مقرب ہے، اسی قدر زیادہ حوادث و نوازل کا آماج گاہ بنا ہے۔ اس معنیٰ میں غالباً ایک حدیث قدسی ہے جسے کسی نے شعر کا لباس پہنایا ہے

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست
کس را چہ حد چون و چرا در قضاے ما

زعمائے قوم سے درخواست کہ ایک مرتبہ تو ٹھنڈے دل سے میری پوری بات سُن لو

پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان بنو ہاشم قبیلۂ قریش کی ایک شاخ تھا اور آپ اور قریش کے تمام بطون حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی نسل سے تھے جب آلِ قیدار یعنی قریش کی ایذا رسانیاں اور بدسلوکیاں حد سے بڑھیں تو ایک مرتبہ حرم میں آپ کا ان سے مواجہہ ہو گیا۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ اگر تم لوگ قبولِ حق پر آمادہ نہیں ہوتے تو کم از کم میرے ان حقوقِ قرابت کا تو خیال رکھو جو تمام قریش بلکہ تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور میری ایذا رسانیوں سے باز آؤ۔ تمہارے لیے عداوت میں جلدی کرنے کی بجائے یہ مناسب ہے کہ اطمینان و سہولت اور ٹھنڈے دل سے میری پوری بات سن لو اور اسے میزانِ عقل اور دلیلِ صحیح سے

جانچو۔ پھر اگر وہ تمہارے نزدیک معقول و مدلل ہو تو اسے قبول کرو اور کوئی شبہہ رہ جائے تو میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں اسے دور کر دوں۔

اور اگر بفرضِ محال میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھا دو اور راہِ راست پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو سنجیدگی اور معقولیت سے ہو۔ یہ امر کسی طرح قرینِ انصاف نہیں کہ مجھے اظہار مافی الضمیر کا تو موقع نہیں دیا جاتا لیکن ناحق اپنا بدخواہ سمجھ لیا ہے۔ یقین کرو کہ میں تمہارا سچا بہی خواہ ہوں۔ تمہارے پاس ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی فلاح و بہبود کی کفیل ہے۔ واللہ! جو کچھ میں جانتا اور دیکھتا ہوں تم لوگ نہیں دیکھتے اور جانتے۔ تم لوگ (شرک اور بت پرستی کی) آگ میں کود رہے ہو لیکن میں کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں پیچھے کو ہٹاتا ہوں۔ کاش! تمہارے کان حق کو سنیں اور دل صدق و راستی کی طرف مائل ہوں"۔

پند و موعظہ کے وقت تالیاں اور مذاق

لیکن قوم نے ان ارشادات خفتہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس پند و موعظہ کے وقت بھی تالیاں بجاتے، سرگوشیاں کرتے یا مذاق اڑاتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی صحیح غرض کو لے کر برسرِ عناد نہ تھے اور نہ انہیں فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے کوئی دیرینہ عداوت تھی بلکہ بعثت سے پہلے تو آپ کا بڑا احترام کرتے تھے اور آپ کو "امین" کا معزز لقب دے رکھا تھا۔ عناد پروری کی غرض یہ تھی کہ آپ مجبور و ناچار ہو کر فریضۂ تبلیغ سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر ظاہر ہے کہ خدا کا وہ برگزیدہ رسولؐ جو محض اس غرض سے دنیا میں بھیجا گیا تھا کہ دنیا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے نجات دلا کر نورِ ایمان سے منور فرمائے وہ کسی حالت میں بھی اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔

بائبل کی پیش گوئی کا صادق آنا

بہرحال مخالفتوں اور جفاکوشیوں کے ان ایام آشوب میں بائبل کی یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آ رہی تھی کہ "میں قیدار کے خیموں کے پاس رہتا ہوں۔ میری جان ان لوگوں کے ساتھ جو صلح سے کینہ رکھتے ہیں بلحاظ اپنے فائدہ کے زیادہ عرصہ سے رہی۔ میں تو صلح کا آدمی ہوں لیکن جب میں بولتا ہوں تو جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں" (زبور ۱۲۰: ۶-۷)

اور آل قیدار (قریش) کی ناسپاسی دیکھو کہ بعثت نبوی سے پہلے یہ لوگ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب دیکھ کر آرزو کیا کرتے تھے اور قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری قوم میں کوئی

نبی مبعوث کرے تو ہم مرضیات الٰہی پر چلیں اور اللہ کے رسول کی کما حقہٗ اطاعت کریں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو شکر گزاری اور اطاعت شعاری کے بجائے اُلٹی مخالفت اور ایذا رسانی شروع کر دی۔ حق تعالیٰ نے سورۂ فاطر کی آخری آیتیں نازل فرما کر قریش کی اس ناسپاسی اور عہد فراموشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔

> "انہوں (قریش) نے پُر زور حلف اٹھایا تھا کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آئیگا تو ہم تمام اُمتوں سے زیادہ مطیع و ہدایت یافتہ ثابت ہوں گے لیکن جب ان کے پاس نذیر آگیا تو ان کی سرکشی اور بداندیشی نے (قبولِ ہدایت کی جگہ) نفرت کو ترقی دی اور بد اندیشی کا وبال ہمیشہ بداندیش ہی پر عائد ہوتا ہے۔ سو کیا یہ لوگ بھی پہلے منکروں کی سی عقوبت کے منتظر ہیں؟ (جن پر انبیاء کی تکذیب کے باعث عذاب آتا رہا) سو آپ اس آئینِ خداوندی میں کبھی تغیر و تبدل ہوتا نہ پائیں گے (کہ عذاب کی جگہ لطف و عنایت ہونے لگے)

فصل ۱۹۵۔ اعجوبہ نما معجزات کے لیے قریش کی جاہلانہ استدعا

عبداللہ بن ابی اُمیّہ آغوشِ اسلام میں

عبداللہ بن ابی اُمیّہ بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے فرزند اور اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ چوٹی کے جو شدید العداوت معاندین رسالت مکہ میں تھے جناب عبداللہ کا بھی ان میں شمار تھا۔ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے کم نہ تھے لیکن انجام کار فتح مکہ سے پہلے دولت ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔ اور خوش قسمتی سے غزوۂ طائف میں کسی کافر کے ہاتھ سے تیر کھا کر شہادت فی سبیل اللہ کی سرفرازی بھی حاصل کی۔

مشرف باسلام ہونے سے پہلے اُن کا کلبۂ دل اسلام کی عداوت سے جس درجہ تیرہ و تار تھا، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

قریش کا وفد

ابو طالب کی وفات کے بعد جب داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم اور قدح خواران بادۂ توحید کے سروں پر قریش کے جور و ستم کا طوفان نہایت شدت سے

اٹھ رہا تھا تو ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی اُمیّہ مخزومی رضی اللہ عنہ ابوجہل ولید بن مغیرہ، ابوالبختری اور قریش کے چند دوسرے فراعنۂ وقت کو ساتھ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ دھمکے اور سخت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگے :-

"محمدؐ! تم نے اپنی برادری اور کنبے کو بہت بُری طرح ستایا۔ ہمارے بڑوں کو خطا کار بتایا! معبودوں کو بُرا کہا، ان کی ہر طرح مذمت کی لیکن اب باز آ جاؤ۔ اگر مال چاہتے ہو تو ہم مال و دولت جمع کر کے تم کو نہال کر دیں۔ جاہ و عزت کے طالب ہو تو تم کو اپنا سردار بنالیں اور اگر تمہاری یہ تعلیم کسی بدخوابی کا نتیجہ ہے تو تم کو لکھا پڑھا کر تربیت دیں کیونکہ ناخواندہ جاہلوں پر بھوت پریت کا اثر زیادہ ہوتا ہے"۔

عجیب و غریب معجزات ظاہر کرنے کی درخواست

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ خیال محض سوءِ ظن ہے۔ میں یقیناً خدا کا فرستادہ ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اچھا اگر تم سچے ہو تو مکہ کے گرد و نواح کے تمام پہاڑیاں سے ہٹا کر اس سرزمین میں بھی ملک شام اور عراق کی طرح نہریں جاری کر دو۔ ہمیں پُرفضا باغ اور چاندی سونے کے محل اور خزانے دلا دو۔ ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو جلا اُٹھاؤ۔ ایسا نہ کر سکو تو کم از کم ایک فرشتہ تمہاری تصدیق کے لیے آسمان سے اُترے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو جیسا کہا کرتے ہو کہ میرا رب جو چاہے دم بھر میں کر دے" آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر لا گراؤ"۔

آسمان پر سیڑھی لگانے کا مطالبہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہ مُزخرفات سُن کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے جانے لگے۔ عبداللہ بن ابی اُمیّہ ساتھ ہو لیے اور آپ سے کہنے لگے اے محمدؐ! تمہاری قوم نے جو کچھ چاہا تم اس کی تعمیل نہ کر سکے۔ اس کے بعد تلخ و تیز لہجہ میں کہا یاد رکھو کہ جب تک تم آسمان پر سیڑھی لگا کر میرے سامنے نہ چڑھ جاؤ اور وہاں سے چار فرشتے اپنی رسالت کے گواہ اور ایک لکھی لکھائی کتاب جس میں تمہاری تصدیق ہو نہ لاؤ گے اس وقت تک میں تم کو نہ مانوں گا۔ ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے تشریف لے آئے۔ اس وقت قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (لباب) (ترجمہ)

"اے پیغمبرؐ! کفارِ مکہ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں کہ یا تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی

باغ ہو جس کے بیچ میں بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ، یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا تمہارے قیام کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں پہنچ کر ہم پر خدا کے ہاں سے ایک کتاب اتار کر لاؤ جس کو ہم پڑھ لیں"۔ آپ کہیے سُبْحَانَ اللّٰه! میں تو بس ایک بشر رسول ہوں (۱۷: ۹۰-۹۲

مطالبات کی تعمیل مشکل نہ تھی

ظاہر ہے کہ سونے کا محل کھڑا کر دینا یا زمین سے باغ کا اگا دینا یا چشمہ جاری کر دینا، یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب کا نازل کر دینا نہ تو خدائے قدیر کی قدرتِ بے پایاں سے خارج تھا اور نہ اس رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ سے زیادہ مشکل مطالبہ تھا جن کی اُنگلی کے اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہو کر نیچے اتر آیا تھا یا جن کے ایما سے درخت چل کر فی الفور سامنے آ کھڑے ہوتے تھے یا جن کی انگلیوں میں سے چشمے پھوٹ نکلے تھے یا جن کے فراق میں ایک بے جان لکڑی کا ستون گریہ زاری کرنے لگا تھا یا وہ چشم زدن میں جسم خاکی کے ساتھ حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں اور خلد بریں کی سیر کر آئے تھے لیکن ان معجزات کے ظہور میں ایک زبردست مانع یہ تھا کہ اگر قوم ان فرمائشوں کے پورا ہونے پر ایمان نہ لاتی تو پہلی سرکش اُمتوں کی طرح فی الفور قعرِ ہلاک میں ڈال دی جاتی چونکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی بربادی گوارا نہ تھی اس لیے آپ مت بدعا تھے کہ قریش کو ان کے فرمائشی معجزے عطا نہ کیے جائیں۔ کما۔

صُدُورِ معجزات کا مدار

سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجۂ بالا آیات میں آخری آیت یہ ہے:۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔	اے رسول! آپ کہہ دیجیے کہ سبحان اللہ۔ میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔

یعنی اے ہمارے رسول! آپ ان خرافات کے جواب میں فرما دیجیے کہ ان فرمائشوں کا پورا کرنا میری قدرت میں نہیں"۔ اس آیت میں خدائے حکیم نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ نشانات اور معجزات کسی پیغمبر کی قدرت یا ارادہ سے ظاہر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا مدار حق تعالیٰ کی مشیت پر تھا چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (۱۳: ۳۸)	اور کسی رسول کی طاقت نہیں کہ وہ بے حکم خدا کے کوئی معجزہ دکھا سکے۔

آسمان پر چڑھ جانے سے بھی اہم و برتر معجزہ

پادری صاحبان سورۂ بنی اسرائیل کی متذکرہ صدر آیتوں کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعجاز نمائی سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ عطا نہ ہوا تھا۔" لیکن ایسے ہٹ دھرموں کو جن کی آنکھوں میں چربی چھائی ہو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ صاحبو! ہوش کی دوا لو۔

کیا یہ حق پوش منکرین اعجاز انبیاے سلف کی تاریخ میں کسی ایسے معاند ملت کے قبولِ اسلام کی مثال پیش کر سکتے ہیں جس نے عبد اللہ بن ابی اُمیّہ کی طرح حاملِ نبوت کو ڈانٹ کر متنبہ کیا ہو کہ میں تم کو اس وقت تک نبی نہیں مانوں گا جب تک تم میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور اپنی نبوت پر چار گواہ نہ لے آؤ"؟ کیا ایسے عدوے دین کا قبول اسلام آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جانے اور فرشتے اتار لانے سے کچھ کم درجہ کا اعجاز تھا؟

عناد کی کور باطنی

"سیرت کبریٰ" کے صفحات گزشتہ کے مطالعہ سے قارئین کرام اس حقیقت پر پوری طرح مطلع ہو چکے ہوں گے کہ حضرت مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اب تک بے عدد حصر معجزے ظاہر ہو چکے تھے لیکن برادری کے عناد پسندوں کی نفسی حالت اس درجہ شرمناک تھی کہ وہ ہر معجزہ کو جادو سے تعبیر کر کے اس کو نظر انداز کر دیتے تھے اور عناد کی کور باطنی ان کی تسکینِ خاطر کا کوئی سامان فراہم نہ ہونے دیتی تھی۔ چنانچہ ربّ العالمین کی لسانِ وحی نے ان الفاظ میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ (ترجمہ):۔

> "ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان لوگوں کے سامنے پیش نہیں ہوتی مگر اس سے روگردانی ہی کرتے ہیں۔ جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو یہ لوگ جس چیز کی ہنسی اُڑا رہے ہیں اس کی حقیقت ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گی۔" (۶: ۴-۵)

طلب معجزات کی طرف سے بے التفاتی

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائشی معجزات کے ظہور کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی تو معاندینِ قریش نے پھر یہی رٹ لگانی شروع کی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ان کے پیہم اصرار کی بھی کوئی پروا نہیں

کرتے تو ایک دن ایک معاند رسالت آپ کو دیکھ کر پکار اٹھا کہ محمدؐ! سنو اگر تم ہم کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہو تو اپنے قرآن کی برکت سے مکہ کے پہاڑوں کو چلا دو۔ وہ یہاں سے ٹل کر دور دور چلے جائیں تاکہ ہماری کھیتی باڑی باغ پھلواری کے لیے مکہ کی زمین وسیع ہو جائے یا ہوا کو مسخر کرا دو کہ ہم فی الفور زمین کی مسافت طے کر کے شام پہنچ جایا کریں اور وہاں کا تجارتی مال لیکر فوراً واپس آ جایا کریں۔ یا ہمارے اسلافِ کرام قصی وغیرہ کو جلا اٹھاؤ کہ ہم ان سے تمہارے صدق و کذب کی نسبت دریافت کر سکیں۔

فرمائش اعجاز کی تعمیل میں صحابہؓ کی مصلحت اندیشی

لیکن حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی کچھ التفات نہ فرمایا اور اہلِ شر نے از سر نو زبان درازی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ آرزو پرورش پانے لگی کہ ان کی فرمائش پوری کر دی جائے۔ عجب نہیں کہ ان معجزات باہرہ کو دیکھ کر وہ قابلۂ سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہو جائیں۔ اس پر صحابۂ کرام کی رہنمائی کے لیے سورۂ رعد کی ۳۱ ویں آیت نازل ہوئی (تفسیر بیضاوی، جلالین وغیرہما)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے :-

> "اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی نازل ہوا ہوتا جس کی برکت سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی مسافت بآسانی طے کی جا سکتی یا اس سے مُردوں کے ساتھ گفتگو ہو سکتی تو بھی یہ لوگ راہِ راست اختیار کرنے والے نہیں تھے۔ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ تو کیا یہ سن کر مومنوں کی دل جمعی نہیں ہوئی کہ یہ ہرگز ایمان لانے کے نہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت کر دیتا"۔

اس آیت سے کفار مکہ کے اعراض کی تین وجہیں ثابت ہوئیں۔ (۱) وہ معاند تھے اور ان کی شدت عناد قبولِ حق سے مانع تھی (۲) معجزات اور دوسرے اسباب قبول حق میں مؤثر حقیقی نہیں (۳) ہدایت و ضلالت سب خدائے قدیر کے دستِ اختیار میں ہے۔

اعجاز نمائی سے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار

جب اہلِ انکار و اعراض کو کوئی نشانی تسکین نہ بخشتی اور وہ ہٹ دھرمی سے کسی طرح باز نہ آتے تو اتمام حجت کے تمام منازل طے ہو جانے کے بعد ان کے طلب معجزہ کے پیہم اصرار کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی اور ان کے لیے صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی باقی رہ جاتی۔

موجودہ اناجیل کے بیانات کے بموجب مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر تمام انبیاے سلف سے زیادہ معجزے ظاہر ہوئے تاہم فریسی یہودی معجزات کے لیے تشنہ لب رہے اور نئے نئے معجزوں کے لیے ہمیشہ نئی نئی فرمایشیں کرتے رہے۔ اس لیے بے نتیجہ سمجھ کر اعجاز نمائی سے انکار کر دیا گیا۔ انجیل مرقس کے آٹھویں باب میں ہے:

> پھر فریسی نکل کر اُس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لیے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اِس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ (مرقس ۸: ۱۲)

ایک مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توجہ سے ایک گونگے کو قوت گویائی بخشی گئی چنانچہ لوقا کا بیان ہے:

> پھر وہ ایک گونگی بدروح کو نکال رہا تھا اور جب وہ بدروح نکل گئی تو گونگا بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب کیا لیکن ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔ بعض اور لوگ آزمایش کے لیے اُس سے ایک آسمانی نشان طلب کرنے لگے (لوقا ۱۱: ۵ ۔ ۱۷)
>
> جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں کہ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا (لوقا ۱۱: ۲۹)

اعجازِ محمدی کا انکار معجزاتِ مسیحؑ کے انکار کو مستلزم ہے

اوپر لکھا گیا تھا کہ پادری صاحبان سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۹۰۔۹۳ پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعجاز نمائی سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا" اگر آنحضرت کے انکار سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے تو پھر مسیح علیہ السلام نے جو فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کیا تو اس سے بھی یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداے قدوس کی طرف سے (معاذ اللہ) کوئی معجزہ عطا نہیں ہوا تھا۔

فصل ۱۹۶۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خونیں پوشش

حضرت ابوذر غفاری رضؓ نے اپنے اسلام لانے اور اہل مکہ کے ہاتھ سے دکھ اُٹھانے کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

سرکارِ دو عالمؐ سے اُنیس کا حُسنِ اعتقاد

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا بھائی اُنیس جو ایک بلند پایہ شاعر تھا مکہ معظمہ آیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی سن کر آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ وہاں سے واپس آ کر اس نے بیان کیا کہ مکہ میں ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی جو مدعیٔ نبوت ہیں اور کہتے ہیں کہ میں خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ ان کی زبان میں حلاوت اور تعلیمات میں بڑی کشش ہے"۔ میں نے اُنیس سے پوچھا کہ ان کی نسبت لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا کہ لوگ انہیں صابی، شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔" میں نے پوچھا ان کی نسبت تمہارا خیال کیا ہے؟ اُنیس نے کہا میں نے کاہنوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور ان کی باتیں سنی ہیں لیکن جو کلام یہ صاحب پیش کرتے ہیں وہ کاہنوں کے کلام سے بہت ممتاز ہے۔ میں نے ان کا کلام شعر کی تمام بحروں پر رکھا وہ کسی زبان پر شعر کی طرح نہیں چڑھ سکتا۔ اس کے بعد اُنیس نے کہا مجھے تو وہ صاحب سچے اور ان کے مخالف بر سرِ باطل معلوم ہوتے ہیں۔" یہ سن کر میں نے ارادہ کیا کہ خود مکہ جا کر ان کے حالات معلوم کروں۔

ابو ذرؓ کا مکہ آنا اور اعدائے دین کے ہاتھوں بُری طرح پٹنا

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مکہ پہنچا۔ مجھے شہر کے کسی معزز و ذی وقار آدمی سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی البتہ ایک ناتوان و مفلوک الحال شخص سے پوچھنے کا قصد کیا۔ میں نے کہا کیوں صاحب! وہ شخص کہاں ملے گا جس کو تم لوگ صابی (بے دین) خیال کرتے ہو؟ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص چیخنے چلانے لگا کہ لوگو! دوڑو۔ یہ شخص صابی ہے۔ پکڑو جانے نہ پائے۔" یہ سن کر تمام وادی والے پتھر ڈھیلا لکڑی ہڈی جو کسی کے ہاتھ میں آیا لے کر مجھ پر پل پڑے اور اتنا پیٹا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں اس قدر لہولہان ہو رہا ہوں کہ گویا ایک لال بت

ہوں یا خونیں لباس پہن رکھا ہے۔ وہاں سے اُٹھ کر میں چاہ زمزم کے پاس پہنچا۔ خون دھویا اور زمزم کا پانی پیا۔ خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لیے جب بھوک لگتی تو زمزم کا پانی پی کر پیٹ بھر لیتا۔ ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا۔ اس مدت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دریافت کرنے کی پھر ہمت نہ ہوئی۔

دو عورتوں کا چیخنا چلاّنا

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ تمام لوگ سوئے پڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ دو عورتیں بیت اللہ کا طواف کر رہی ہیں اور طواف کرتے وقت اساف اور نائلہ دو بتوں کے نام کا ورد کرتی جاتی ہیں۔ اساف نام کسی زمانہ میں مکہ کے اندر کوئی مرد تھا اور نائلہ عورت تھی اور اہل جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ ان دونوں نے بیت اللہ میں فسق و فجور کا ارتکاب کیا تھا، اس وجہ سے مسخ ہو کر بت بن گئے تھے۔ "جب یہ عورتیں طواف کرتی کرتی میرے سامنے آئیں اور میں نے ان کی زبان سے اساف اور نائلہ کے نام سنے تو میں نے ازراہ مذاق کہا کہ نائلہ سے اساف کی شادی کرا دو۔" یہ سن کر دونوں عورتیں چیخنے چلانے لگیں اور یہ کہتی ہوئی وہاں سے چل دیں کہ کاش! اس وقت کوئی شخص موجود ہوتا جو اس گندہ دہن کو اس گستاخی کی سزا دیتا۔"

راہ میں ان عورتوں کو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ دونوں حضرات پہاڑ سے اتر رہے تھے۔ انہوں نے عورتوں سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ وہ بولیں کہیں سے ایک صابی (بدمذہب) آیا ہے جو بڑا زبان دراز ہے۔" پوچھنے لگے آخر اس صابی نے کیا کہا ہے؟ بولیں اس نے ایسی بات کہی ہے جس سے منہ بھر جاتا ہے اور کسی طرح زبان کو زیب نہیں دیتی۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ نے وہاں سے آ کر بیت اللہ میں نماز پڑھی۔

حضرت علیؓ کا دریافت حال کرنا

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ علی مرتضیٰؓ مجھے کئی روز سے حرم کعبہ میں دیکھ رہے تھے لیکن یہ دریافت نہیں کیا تھا کہ کہاں سے اور کس غرض سے آئے ہو؟ آخر ایک مرتبہ پوچھا کہو بھائی! تم اس شہر میں کس غرض سے وارد ہو؟ میں نے کہا اگر وعدہ کرو کہ مجھے منزل مقصود پر پہنچا دو گے تو میں بتا دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے اقرار کیا۔ میں نے سب حال کہہ سنایا۔ حضرت علیؓ نے کہا جس بزرگ کی ملاقات کے لیے آئے ہو وہ واقعی خدا کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں منجانب اللہ

کہتے ہیں۔"

حضرت ابوذرؓ بارگاہِ نبوت میں

جناب علی مرتضیٰؓ مجھے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا تم یہاں کب آئے ہو۔ میں نے کہا ایک مہینہ گزرا ہے۔ فرمایا کھانے کا کیا انتظام رہا؟ التماس کی کہ میں نے اتنی مدت کھانا تو کچھ نہیں کھایا جب بھوک لگتی تو آب زمزم پی لیتا رہا۔ اس سے میرے جسم میں اتنی توانائی رہی کہ کسی غذا کی حاجت نہ ہوئی بلکہ پہلے سے میرا جسم زیادہ توانا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ آب زمزم میں برکت ہے۔ رفع تشنگی کے علاوہ پیٹ بھی بھر دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ان کو کچھ کھلاؤں۔ فرمایا ہاں ضرور کھلاؤ۔ اب ابوبکر صدیقؓ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ میں بھی ساتھ تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایک دروازہ کھولا اور طائف کا خشک انگور نکالا۔ ہم تینوں نے مل کر کھایا۔ یہ پہلی غذا تھی جو مکہ معظمہ میں میرے شکم میں گئی۔

حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں مواعظ حسنہ سے بہرہ اندوز ہوا۔ آپ کے کلمات طیبات میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے اور اسلام کی ایسی سچی تڑپ اور کشش پیدا ہوئی کہ جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ میں بصد اشتیاق حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔ کئی دن تک مکہ معظمہ رہا۔ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جاؤ اور اس وقت تک اپنی قوم میں دین حق کی تبلیغ کرو جب تک میں تمہیں کوئی اطلاع نہ دوں۔" میرا دل جوش ایمان سے لبریز تھا۔ عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! وطن جا کر تو تبلیغ بعد کو ہو گی مکہ میں تو اپنے اسلام کا اعلان کر دوں۔" غرض مسجد الحرام پہنچا اور بآوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔ کلمہ کا سننا تھا کہ اعدائے دین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور مجھے پیٹنا شروع کیا۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب نے جو ہنوز سعادتِ اسلام سے بہرہ اندوز نہیں ہوئے تھے آ کر میری جان بچائی۔

کلمۂ شہادت پڑھنے پر بار بار پٹنا

دوسرے دن میں نے حرم کعبہ میں جا کر پھر کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا۔ لوگ پھر امڈ آئے اور زد و کوب شروع کیا۔ حسن اتفاق سے اس دن بھی عباسؓ پہنچ گئے اور اپنی قوم قریش کے اوباشوں سے کہنے لگے تم لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ غفاری ہیں اور تمہاری شامی تجارت کا راستہ غفار کی

آبادی میں سے ہو کر جاتا ہے۔ اگر غفار بگڑ کھڑے ہوئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ سن کر اعداء نے مجھے چھوڑ دیا (بخاری و مسلم)

ابوذرؓ کی مراجعت اور انیس کی سعادتِ ایمانی

یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ یہاں ضمناً یہ معلوم کر لینا بھی مناسب ہوگا کہ جب حضرت ابوذرؓ وطن جانے لگے تو حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھے ایک نخلستان دکھایا گیا ہے۔ یہ یثرب (مدینہ) کے سوا کوئی اور مقام نہیں ہے اور امید ہے کہ میں کچھ عرصہ کے بعد وہاں چلا جاؤں گا۔ تم جا کر میری طرف سے اپنی قوم میں اسلام کی دعوت کرو۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے طفیل سے تمہاری قوم کو نفع دے اور تمہیں اس کا اجر ملے۔" حضرت ابوذرؓ اپنے قبیلہ میں گئے۔ سب سے پہلے اپنے بھائی انیس سے ملے انہوں نے پوچھا بھائی کیا کچھ کر آئے؟ انہوں نے کہا میں نے دینِ حق قبول کیا ہے اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی ہے۔ انیس نے کہا اچھا میں بھی ایمان لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی"

قبیلۂ غفار حلقۂ اسلام میں

اس کے بعد دونوں بھائی اپنی ماں کے پاس گئے۔ جب مادرِ محترمہ سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کیا تو وہ بھی شرفِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئیں۔ اب یہ دونوں بھائی اپنی قوم غفار میں پہنچے۔ آدھی قوم تو اسی وقت ایمان لے آئی اور باقی نصف نے کہا کہ جب پیغمبر علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف فرما ہوں گے ہم اس وقت مسلمان ہوں گے۔" چنانچہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارضِ مدینہ کو اپنے نورِ قدوم سے منور فرمایا تو نصف باقی قوم بھی مدینۃ الرسول پہنچ کر نعمتِ ایمان سے مشرف ہوئی۔ اس کے بعد قبیلۂ اسلم کے لوگ حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم بھی اپنے غفاری بھائیوں کی طرح مسلمان ہوتے ہیں چنانچہ وہ بھی مشرف بایمان ہوئے (بخاری)

فصل ۱۹۶۔ حج کے اجتماع اور میلوں میں توحیدِ الٰہی کی دعوت

بت پرست حُجاج

جس طرح پیروانِ اسوۂ رسولؐ فریضۂ حج ادا کرتے ہیں، اسی طرح مکہ اور دوسرے دیارِ عرب کے بت پرست بھی خانہ کعبہ کا حج کیا کرتے تھے جن مسلمانوں کو

حقیقت حال کی خبر نہیں، وہ اہل شرک کے حج بیت پر سخت حیرت زدہ ہوتے ہیں کہ بت پرستوں کو بھلا حج کعبہ سے کیا نسبت ؟ پس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عقدہ کا حل پیش کر کے لوگوں کی حیرت دور کر دی جائے۔

اصل یہ ہے کہ بنو اسمٰعیل جو حجاز میں آباد تھے قرنوں تک اپنے جد امجد حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے طریق ہدایت پر کاربند رہے۔ وہ حج اور دوسرے اسلامی ارکان اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح کسی مومن قانت کو ادا کرنے چاہییں۔

ملّت اسمٰعیلی میں کفر کا اختلاط

آخر کچھ زمانہ کے بعد مکہ معظمہ میں ایک شخص عَمرو بن لُحی پیدا ہوا۔ اس گم کردہ راہ نے ملّت اسمٰعیلی میں بہت سے کفریات داخل کر دیے اور باہر سے بت لا کر قریش کو بت پرستی کا خوگر بنا دیا۔ قریش اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کے باعث قرنوں سے تمام عرب کے مذہبی پیشوا چلے آتے تھے۔ جب انہوں نے بت پرستی اختیار کر لی تو ان کی دیکھا دیکھی بتدریج ساری ملت موحدین شرک اور وثنیت میں مبتلا ہو گئی ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس طرح سرزمین عرب میں کفر اور اسلام باہم مخلوط و ممزوج ہو گئے۔

مصلح اعظم کے ہاتھوں ملّت اسمٰعیلی کی اصلاح

انجام کار خداوند عالم عز اسمہٗ نے نبیِّ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے ملّت اسمٰعیلی کے نقائص اور شوائب شرک و کفر دور فرمائے۔ اس مصلح اعظم نے اُن تمام باتوں کو بحال رکھا جو مسلک اسمٰعیلی کے موافق تھیں اور ان امور میں بقدر ضرورت اصلاح و ترمیم فرمائی جن میں تحریف و تبدیل کو دخل تھا۔ اسی طرح جو امور عادات و اطوار سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے خراب رسموں کی ممانعت فرمائی اور پاکیزہ رسوم کو جاری کیا اور جو مسائل اصلیہ متروک ہو چکے تھے ان کا احیا فرمایا۔ اس طرح خدائے برتر کا انعام تکمیل کو پہنچا اور دین الٰہی شریعت محمدی کے نام سے کامل ہو کر ظلمت کدۂ عالم پر ضیا پاش ہوا۔ چونکہ شریعت احمدی کے اکثر و بیشتر شرعی امور ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے مقررہ اصولوں کے مطابق تھے، اس بنا پر مجازاً کہا کرتے ہیں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر یا ان کے گروہ میں داخل تھے۔ پس یہی مطلب ہے اس ارشاد ربانی کا مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔

حجاج میں توحید کا وعظ

سید موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب عرب کے قبایل اطراف واکناف ملک سے حج کے لیے آآکر مکہ مکرمہ کے گردونوح میں اترتے تو آپ ان کی فرودگاہوں پر جاکر توحید کا وعظ فرماتے اور بسا اوقات اہل قافلہ سے دریافت کرتے کہ کیا تم میں کوئی ایسا مرد ہے جو مجھے اپنی قوم میں لے جائے۔ یہاں قریش مجھے احکام الہٰی کی تبلیغ سے روکتے ہیں۔ مگر کوئی شخص حامی نہ بھرتا (ابن ماجہ و ابن جریر طبری)

قبیلہ بنو عامر کے زائرین کو دعوتِ اسلام

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس قبیلہ کے رئیس اعظم کا نام بحیرہ تھا۔ وہ آپ کا کلام سن کر کہنے لگا' واللہ! اگر مجھے قریش کے اس جوان کا تعاون حاصل ہو جائے تو میں عرب کو کھا جاؤں"۔ کھا جانے سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ عرب پر تسلط جمالے۔ اس کے بعد آپ سے کہنے لگا دیکھیے صاحب! اگر ہم لوگ آپ کی متابعت کرکے آپ کا ساتھ دیں اور آپ ہماری امداد و رفاقت سے مخالفوں پر غالب آجائیں تو کیا آپ اپنے بعد ہمارے لیے امارت و خلافت کی وصیت کر جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ امر و حکومت اللہ تعالیٰ کے دستِ اختیار میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے"۔ بحیرہ کہنے لگا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم آپ کی خاطر سارے عرب کو اپنا دشمن بنالیں اور اپنے سینوں کو قبایل کا ہدف بنائیں لیکن اس کے بعد جب آپ عروج اور غلبہ حاصل کریں تو امر و حکومت دوسرے لوگ لے جائیں۔ ایسی حالت میں ہمیں آپ کی متابعت منظور نہیں ہے (ابن جریر طبری)

خلافت و حکومت کے وعدہ پر حصولِ امداد سے انکار

ظاہر ہے کہ آپ اس شخص کو رب العالمین اور نعیم آخرت کی طرف بلاتے تھے لیکن وہ آپ سے دنیا اور اس کی چند روزہ کامگاریوں کا سودا کرنا چاہتا تھا اس لیے آپ نے اس کی درخواست مسترد فرمادی۔ لیکن اگر آپ کی بجائے کوئی تقدس کا دکاندار ہوتا تو بےکسی اور کس مپرسی کے موجودہ دور میں امدادی پیشکش کو غنیمت سمجھ کر حکومت و خلافت کا ضرور وعدہ کر لیتا۔ لیکن آپ نے جس حقیقتِ نفس الامر کا اظہار فرما کر اس کی امداد سے بےنیازی ظاہر فرمائی وہ آپ کے حق و صدق اور مامور من اللہ ہونے کا ایک درخشاں ثبوت ہے۔

نبی علیہ السلام کی دعوت مسترد کرنے پر بزرگ قبیلہ کو تاسف

جب بنو عامر کے حجاج نے وطن کو مراجعت کی تو قبیلہ کے سب سے بڑے بوڑھے سردار سے جو اپنی ضعیف العمری اور کہن سالگی کے باعث چند سال سے حج کے لیے مکہ نہیں آیا تھا جا کر ملاقات کی۔ حجاج قبیلہ کا دستور تھا کہ موسم حج میں جو جو اہم واقعات پیش آتے واپس جا کر اس کے گوش گزار کرتے۔ اس مرتبہ انہوں نے جا کر بیان کیا کہ قریش کے خاندان بنو عبد المطلب کا ایک جوان جو مدعیٔ نبوت ہے ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ میری متابعت اختیار کر کے میری طرف سے مدافعت کرو اور تبلیغ دین کے لیے مجھے اپنے وطن لے چلو۔" یہ سن کر قبیلہ کے معمر سردار نے ہجرہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا اے بنو عامر! کیا اب بھی کوئی صورت ممکن ہے کہ تمہارے انکار اور تردید کی تلافی ہو سکے اور پھر اس کی دعوت میں شرکت کر سکو؟ مجھے اسی ذات برتر کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی اسمٰعیلی نے کبھی نبوت کا ایسا دعویٰ نہیں کیا جو حق نہ ہو۔ تعجب ہے کہ تم کو اس وقت کیا ہو گیا تھا کہ اس کی پیشکش مسترد کر دی (ابن جریر طبری)

قبیلۂ کندہ کے حجاج میں تبلیغ

اسی طرح آپ ایک سال موسم حج میں قبیلۂ کندہ کے قیام گاہ پر پہنچے۔ ان کے سردار کا نام ملیح تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اور اس کی توحید کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ تبلیغ دین کے کام میں میری مدد کرو مگر انہوں نے آپ کی بات سننے سے انکار کیا۔ غرض اسی طرح آپ ہر موسم حج میں قیام گاہوں پر پہنچ کر قبایل کو اس ہدایت و رحمت سے روشناس کراتے تھے جو آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی تھی اور یہ دعوت صرف قبایل اور موسم حج پر موقوف نہیں تھی بلکہ جب بھی کوئی بیرونی شخص مکہ معظمہ آتا اور اس کے قدوم کی آپ کو اطلاع ملتی، آپ اس کے پاس پہنچ کر فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے اور شاید ہی عرب کا کوئی نامور اور ممتاز آدمی بلد الامین میں آیا ہو گا جس کے پاس پہنچ کر آپ نے تبلیغ نہ کی ہو (ابن جریر)

سوید بن صامت کا قبول اسلام

زائرین حرم میں جن کو آپ اسلام کی دعوت دیتے تھے بعض ایسے بھی خوش نصیب ہوتے تھے جو آپ کی ایک آدھ بات سن کر ہی متاثر ہو جاتے اور معاً کلمۂ توحید پڑھ کر اپنی قسمت اسلام کے دامن سعادت سے وابستہ کر دیتے تھے۔ قبیلۂ عمرو بن عوف کے رکین رکین سوید بن صامت کے مشرف باسلام

ہونے کا واقعہ سنیئے۔ وہ حج یا عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے۔ یہ اپنے قبیلہ میں حسب ونسب، حسن و جمال، شعر گوئی غرض سب باتوں میں ممتاز تھے اور قوم کے لوگ ان کے جامع صفات ہونے کے لحاظ سے انہیں کامل کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کا ذکر سنا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ سویدؓ نے کہا آپ کو نبی مرسل ہونے کا دعویٰ ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ بھی کوئی ایسا پاکیزہ کلام پیش کر سکتے ہیں جو میرے پاس ہے؟ آپ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کون سا کلام ہے انہوں نے کہا میرے پاس مجلۂ لقمان (حکمتِ لقمان) ہے۔ آپ نے فرمایا اس مجلہ کو ذرا پڑھ کر تو سناؤ۔ انہوں نے وہ کلام پڑھا۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو رب قدیر نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ وہ سراپا ہدایت و نور اور تمہارے کلام سے کہیں افضل ہے۔ پھر آپ نے قرآن پڑھ کر سنایا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا واقعی یہ کلام جو آپ نے پیش کیا ہے ہر حیثیت سے اعلیٰ ہے۔ یہ کہہ کر وہ مشرف بایمان ہوئے اور پھر اپنے وطن چلے گئے۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد کسی کام سے یثرب گئے اور قبیلۂ خزرج کے ہاتھوں جرعۂ شہادت پی لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انصارِ مدینہ ہنوز مشرف بایمان نہیں ہوئے تھے (ابن جریر طبری)

فصل ۱۹۸۔ ایاس بن مُعاذ کے کشتِ زارِ دل میں اِسلام کی آبیاری

میں نے اوپر گزارش کی کہ جو پردیسی بھی مکہ مکرمہ آتا۔ آپ اس کے پاس ضرور قدم رنجہ فرماتے تھے۔ بنو عبدالاشہل مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ تھی۔ جب اہل مدینہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں تو اس سے کچھ عرصہ پیشتر انس بن رافع خزرجی اپنے قبیلہ عبدالاشہل کے ایک سعادت مند نوجوان ایاس بن معاذ کی رفاقت میں اس غرض سے مکہ آیا کہ قبیلۂ اوس کے مقابلہ میں جس سے قبیلۂ خزرج کا قرنوں سے سلسلۂ رزم و پیکار جاری تھا قریشی حلیف تیار کر کے قریش سے کوئی معاہدہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آمد کا حال سنا تو ان کے پاس پہنچے اور

فرمایا کہ جس غرض سے تم یہاں آئے ہو چاہو تو میں تمہیں اس سے بھی بہتر کام بتاؤں۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا فرستادہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے اس غرض سے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے کہ انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور بتاؤں کہ وہ صرف خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں اور اس ذات برتر کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ اور فرمایا کہ خدائے ذوالمنن نے مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔" اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔

ایاس بن معاذ جو ایک کم عمر نوجوان تھے کہنے لگے اے قوم! واللہ! جس کام کے لیے تم یہاں آئے ہو اس سے تو کہیں بڑھ کر یہ طریقہ ہے۔" یہ سن کر انس بن رافع نے بطحاء سے مٹھی بھر کنکریاں اُٹھا کر ایاس بن معاذ کے چہرہ پر ماریں اور بولا کہ تم ایسی بات زبان پہ نہ لاؤ۔ ہم یہاں اس کام کے لیے نہیں آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر واپس تشریف لائے اور وہ لوگ بھی یثرب چلے گئے۔ اس کے بعد اوس اور خزرج کی وہ لڑائی ہوئی جنگِ بُعاث کے نام سے مشہور ہے (ابن جریر) یہ اوس اور خزرج کی آخری جنگ تھی جو بعثت کے ساتویں سال یعنی ہجرت نبوی سے چھ سال پیشتر برپا ہوئی۔ بُعاث ایک قلعہ تھا جس کے مالک اُوس تھے۔

مکہ معظمہ سے جانے کے تھوڑے دنوں بعد ایاس بن معاذ انتقال کر گئے۔ جو لوگ بستر مرگ کے قریب تھے ان کا بیان ہے کہ دم واپسیں کلمۂ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اس نوجوان کی زبان پہ تھا جس کا ورد کرتے ہوتے جان بحق واصل ہو گیا۔ جب اس نوجوان نے داعیٔ حق کو لبیک کہا تو حاضرین میں سے ہر شخص کہہ رہا تھا کہ سعید نوجوان حالتِ اسلام پر مرا ہے۔ مرحوم کے کشت زار دل میں اسی مجلس کے اندر اسلام کی آبیاری ہو چکی تھی جس میں اس نے ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے توحید و رسالت کا جُرعۂ سعادت نوش کیا تھا (ابن جریر)

فصل ۱۹۹ سیّدہ زینبؓ کی اشک باری اور خواجہ عالمؐ کی تلقینِ صبر

ایامِ حج میں توحید کے منادِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح افراد اور قبایل کے پاس جا جا کر حق کا پیغام پہنچایا کرتے تھے، اسی طرح مجمعوں میں بھی پہنچ کر دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرتے تھے۔

مجمع میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہاں جاکر تبلیغ کرنا اور عامۃ الناس سے خطاب کرنا بڑا مشکل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ جس مسلک کی طرف لوگوں کو بلایا جائے نہ صرف ان کے عقیدہ کے خلاف ہو بلکہ جذبات کو مجروح بھی کرتا ہو۔

بُت پرستی صدیوں سے لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کی مخالفت کرکے توحید کا وعظ سنانا لوہے کے چنے چبانا تھا تاہم داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پُر آشوب ذمہ داری کو بھی اپنے دوشِ ہمت پر اٹھا رکھا تھا لیکن بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے کسی مجمع کو اپنا مخاطب بنایا ہو اور لوگ آپ کا وعظ سُن کر پُرامن طریق پر منتشر ہوگئے ہوں۔ ان مجمعوں کے حاضرین نے درندگی اور بہیمیت کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جاتا تھا جس نے اپنی قساوتِ قلبی کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔

سرکار دوجہان ؐ کو گالیاں اور ہر قسم کی ایذارسانی

حارث غامدی کا بیان ہے کہ میں اور میرے والد حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ منیٰ میں ہم نے ایک کثیر مجمع دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگوں نے ایک صابی کے پاس ہجوم کر رکھا ہے۔ جس طرح آج کل پاکستان اور ہندوستان کے حقیقت ناشناس عوام ہر اُس صحیح العقیدہ مومن کو جو کتاب و سنت سے شغف رکھے اور شرک و بدعت سے اظہار برارت کرے وہابی کہہ دیتے ہیں اسی طرح ایامِ بعثت میں مکہ کے بُت پرست حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو جنہوں نے بُت پرستی کے خلاف آواز اُٹھائی تھی صابی یعنی بدمذہب کہا کرتے تھے۔

حارث کہتے ہیں کہ ہم بھی مجمع میں گئے اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ برسرِ عناد ہو کر نہ صرف آپ کی ہر بات کاٹتے جاتے ہیں بلکہ آپ کو گالیاں دیتے اور ہر طرح سے ایذا رسانی کر رہے ہیں۔ جب اسی حیص بیص میں بہت سا دن چڑھ آیا تو ایک خاتون جس کے ہاتھ میں پانی کا برتن اور رومال تھا وہاں آئی اور اس بدسلوکی کو دیکھ کر جو مجمع آپ سے کر رہا تھا رونے لگی۔ آپ نے اُس سے پانی لے کر وضو کیا۔ پھر اس خاتون سے کہا بیٹی! صبر کرو اور اپنے باپ کے ستائے جانے کا کچھ خیال نہ کرو۔ یہ دن ہمیشہ اسی طرح نہیں رہیں گے۔" میں نے دریافت کیا کہ یہ خاتون کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ کی بیٹی زینبؓ ہیں (بخاری فی تاریخہ والطبرانی فی الکبیر)

حضرت خیر الوریٰؐ پر خشت باری

اسی طرح ایک اور حاجی منیب بن مدرک کا بیان ہے کہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے میں اور میرا باپ حج کو گئے۔ جب منیٰ میں پہنچے تو ایک ہجوم نظر آیا۔ وہاں جاکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک صابی ہے جس نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔ میں اور میرا باپ اونٹ پر سوار تھے۔ ہم دونوں اپنے اونٹ مجمع کے پیچھے لے گئے اور نظارہ کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سمجھاتے تھے اور غضب آلود مجمع اوچھے ہتھیاروں پر اترا ہوا تھا۔ اس وقت کوئی شخص آپ پر تھوک رہا تھا۔ کوئی گالیاں دیتا تھا اور کوئی اینٹ پتھر ڈھیلا پھینک رہا تھا لیکن آپ ان کے غنڈہ پن کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے بلکہ مجروح ہونے کے باوجود توحید کی خوبیاں بیان فرما رہے تھے۔ بہت دیر اسی کشمکش میں گزر گئی۔ آخر ایک لڑکی پانی کا ایک برتن لے کر آئی۔ وہ آپ کی حالت دیکھ کر رونے لگی۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔ آپ نے صاحبزادی سے فرمایا کہ بیٹی! گریہ چھوڑ دے اور اپنے باپ کے حق میں کسی قسم کا خدشہ دل میں نہ لا (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر)

راہ تبلیغ میں آنحضرتؐ کی مشکلات

ان دل دوز واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ خدا میں کس درجہ ستایا گیا اور آپ شجر اسلام کی آبیاری کے لیے کیسی کچھ مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے:

لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا
يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ
فِي اللهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ
(ترمذی)

میں اللہ کی راہ میں اس درجہ خوف زدہ کیا گیا کہ کسی دوسرے کو نہیں کیا گیا اور مجھے دین خدا کی خاطر اس قدر ایذائیں دی گئیں کہ کسی دوسرے کو نہیں دی گئیں۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء کی تبلیغی زندگی میں رنج سہنے اور ایذائیں اٹھانے کے سوا کوئی سوال ہی نہ تھا کیونکہ لوگوں کو ان کے ناروا مالوفات خصوصاً کفر و شرک جیسی "عزیز ترین متاع" سے علیحدہ کرنا کوئی آسان کام نہیں اور اس مشکل کا صحیح اندازہ کچھ وہی مبلغ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس پرخار وادی میں قدم رکھا ہو۔

فصل ۲۰۰۔ ابن زبعری کا جاہلانہ استدلال

ربّ السمٰوات والارض عزّ اسمہٗ نے اپنے کلام پاک سورۂ انبیاء (آیات ۹۸ - ۱۰۰) میں فرمایا کہ تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تم سب کو دوزخ میں جانا ہے۔ اگر یہ تمہارے معبود سچے معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے۔ تم سب کو اسی میں ہمیشہ رہنا ہے"۔

اشرار کی کٹ حجتی

ان آیات میں خدائے غیور نے بُت پرست قریش کو متنبہ کیا کہ وہ بُت جن کو تم اپنے ہاتھوں سے گھڑ کر ان کی پرستش کرنے لگتے ہو یہ سب تمہارے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے"۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبعری نام ایک مشرک اپنے بہت سے شرارت پسند ساتھیوں کو لے کر سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ! حضرت عُزیرؑ، حضرت عیسٰیؑ اور فرشتوں کی بھی تو پرستش ہوئی ہے۔ لوگوں نے اللہ کے سوا ان کو بھی معبود بنایا ہے کیا ان کو بھی دوزخ میں جھونکا جائے گا؟ حالانکہ تم ان کو تعریف کے الفاظ سے یاد کیا کرتے ہو۔ اور جب انبیاء جیسی جلیل القدر ہستیاں دوزخ میں چلی گئیں تو ہمارا اور ہمارے بتوں کا دوزخ میں جانا کون بڑی بات اور ناگوار امر ہے؟ اس پر سارے کفار کھلکھلا پڑے کہ واہ! کیا قوی دلیل ہے۔ اس کا تو جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ ابن زبعری نے یہ بھی کہا کہ جب پیغمبر اور فرشتے اور بُت اس بنا پر دوزخی ہوئے کہ لوگوں نے ان کی پرستش کی تو فی الحقیقت بُت مزے میں رہے کیونکہ پتھر کو آگ میں جھونک دو تو اس کو کیا تکلیف ہوگی۔

اس پر سورۂ انبیاء کی آخری آیتیں نازل ہوئیں جن میں سے پہلی دو کا ترجمہ یہ ہے: "بیشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہے وہ دوزخ سے دور ہی رکھے جائیں گے۔ اس کی بھنک بھی تو اُن کے کانوں میں نہیں پڑے گی اور وہ اپنی کامرانیوں اور من مانی مرادوں میں ہمیشہ شادکام رہیں گے (۲۱ : ۱۰۱ - ۱۰۲)

حقیقت میں ابن زبعری اور اس کے حق فراموش ساتھیوں کو تازہ ہنگامہ آرائی کے لیے ایک دستاویز ہاتھ آگئی تھی ورنہ یہ محض کٹ حجتی تھی کیونکہ آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ اور تم سب دوزخ

کا ایندھن ہو گے) میں فرشتے اور پیغمبر کسی طرح داخل نہیں سمجھے جا سکتے تھے کیونکہ لفظ ما ذوی العقول کے لیے نہیں بولا جاتا یعنی اس آیت میں صرف بُت مراد تھے، جان دار ہستیاں اس عموم میں داخل نہ تھیں۔

عبداللہ بن زبعری اور اس کے گم کردگان راہ ساتھی مذاق و دل لگی اور کٹ حجتی سے باز نہ آئے۔ آخر حق تعالیٰ نے سورۂ زخرف کی آیات ۵۷-۵۹ نازل کیں جن میں فرمایا: (ترجمہ)

> "اے پیغمبر! جب ابن مریمؑ کی مثال بیان کی گئی تو بس آپ کی قوم کے لوگ اس کو سُن کر ایک دم سے تالیاں بجانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے عیسیٰؑ کی مثال جو تمہارے سامنے لا ڈالی تو محض کٹ حجتی کے طور پر۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ بھی تو ہمارے ایک بندہ ہیں کہ ہم نے انہیں پیغمبری پر سرفراز فرما کر اُن پر احسان کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا۔"

قبولِ اسلام

عبداللہ بن زبعری کی کنیت ابوسعید تھی۔ وہ قریش کے مشہور شاعر تھے۔ فتح مکہ پر مشرف بایمان ہوئے۔ ابن زبعری جیسے عدوے حق کا قبول اسلام بھی اسلام کا ایک اہم معجزہ تھا۔ سعادتِ ایمانی کے بعد انہوں آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہے۔ آپ نے ان کو ایک حُلّہ عطا فرمایا تھا (اصابہ)

فصل ۲۰۱ ۔ قریش پر عذاب قحط مسلّط ہونے کی پیشین گوئی

جب جابرۂ قریش کی ظلم رانی اور اہل ایمان کی مظلومی ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئی ا خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش دعوتِ اسلام کو قبول کرنے کے بجائے اُلٹا اہل حق کو فنا کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے ہیں اور مکہ میں کوئی مومن قانت ایسا نہیں جس کے چہرے پر بے بسی کی اُداسی نہ چھا رہی ہو تو آپ نے پیش گاہِ رب العزت میں دعا کی الٰہی! قریش کو اسی طرح عذاب قحط میں مبتلا کر جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہفت سالہ قحط پڑا تھا۔ (بخاری)

عن ابن مسعودؓ)

مکہ کے لیے غلّہ برآمد کرنے کی بندش

چنانچہ ہجرت کے بعد قحط شدید نے انہیں آلیا۔ اس کی حقیقی وجہ تو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا تھی لیکن اس کا ظاہری سبب یہ پیدا ہوا کہ جب ثمامہ بن آثال رئیس یمامہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مشرف بایمان ہوئے تو قریش نے انہیں طعن و تشنیع کا بُری طرح نشانہ بنایا۔ مکہ میں اناج یمامہ ہی سے آتا تھا۔ حضرت ثمامہؓ نے مکہ معظمہ کی طرف اناج کی برآمد بند کر دی اور اسی کے ساتھ باران رحمت کا بھی سخت امساک ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں قریش کی حالت یہاں تک زبون ہو گئی کہ چمڑا، مردار اور گلی سڑی لاشیں تک کھانی شروع کر دیں۔ بسا اوقات فاقہ کشی ان کی یہ حالت کر دیتی تھی کہ جب آسمان کی طرف نظر کرتے تو انہیں دھواں سا دکھائی دیتا تھا۔ غرض قحط اور خشک سالی نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ جانوں سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ثمامہؓ کا انکار

یہ حالت دیکھ کر قریش کے نمائندے یمامہ پہنچے اور حضرت ثمامہؓ کے سامنے اپنی مصیبت کا بہت کچھ دُکھڑا رویا اور بڑی منت سماجت کی۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ جب تک میرے آقا و مولیٰ سید عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ ہوگا۔ اہل مکہ اناج کا ایک دانہ بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ جب یہ وفد نامراد مکہ واپس آیا تو ابوسفیان بن حرب اور دوسرے اکابر قریش نے ناچار اُسی درگاہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کوئی سائل کبھی محروم نہ پھرا تھا۔ انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرائض لکھ بھیجے جس میں منت و زاری کو فرق فرقد تک پہنچا دیا۔ اسی کے ساتھ وہ خدائے رؤف کی جناب میں دست بدعا بھی ہوئے کہ اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، ہم ضرور ایمان لائیں گے۔

رحمت عالمؐ سے ابوسفیان کی التجا

چند روز کے بعد قریش نے ابوسفیان بن حرب کو بھی بطور قاصد مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ابوسفیان نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر منت و زاری شروع کی اور بولے محمدؐ! آپ تو خلق خدا پر رحم کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں لیکن آپ کی برادری والوں کی جان جوکھم میں پڑی ہے۔ مکہ میں ہر شخص جاں بلب ہے اور فاقوں سے بُری حالت ہے۔ آپ ان کی حالت زار پر رحم کر کے نزول باران کی دعا کیجیے اور ثمامہ کے نام حکم بھیجیے کہ وہ اناج کی برآمد کھول دیں۔ ابوسفیان نے بطور دفع الوقتی یہ بھی کہا کہ اگر آپ

ہماری مشکل کشائی کے لیے توجہ فرمائیں گے تو میں اور قریش کے دوسرے افراد ضرور آپ کی متابعت اختیار کریں گے"۔ اس وقت خدائے برتر کی طرف سے سورۂ مومنون کی یہ آیتیں نازل ہوئیں (ترجمہ): اور جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، وہ سیدھے رستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان کے حال پر رحم فرمائیں اور جو تکلیف ان کو پہنچ رہی ہے اس کو دور کر دیں تو یہ ایسے بدنفس ہیں کہ پھر بھی راہ راست سے بھٹکے بھٹکے پھریں گے (۲۳: ۷۴۔ ۷۵)

شفیق عالم کی شفقت نوازی

چونکہ خدائے برتر کی بارگاہ عالی سے شفیق دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے مشفقانہ برتاؤ برتنے کی کوئی ممانعت نہ ہوئی تھی اس لیے آپ نے اپنے جذبات رحم و شفقت کے اقتضاء سے اہل مکہ کے لیے بارش کی دعا فرمائی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے نام حکم بھیجا کہ اہل مکہ کے لیے اناج کی بندش دور کر دیں"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ معظمہ میں خوب بارش ہوئی اور یمامہ سے اناج بھی پہنچنے لگا۔ اہل مکہ کو فارغ البالی میسر ہوئی اور بلد الامین میں وہی سابقہ چہل پہل دکھائی دینے لگی۔ مگر اس کے بعد قریش کی سرگرانی کا وہی عالم ہو گیا جو قحط سے پہلے تھا۔ ایمان تو کیا لاتے ایام قحط کا عجز و انکسار اور فروتنی و شکستگی بھی جاتی رہی۔ پھر وہی کفر و شرک کا زور شور اور رعونت و تبختر کی گرم بازاری تھی۔ اب انہوں نے کہنا شروع کیا کہ قحط اسباب طبیعہ کا ایک معمولی واقعہ تھا، کفر و تمرد کی سزا نہ تھی۔

غزوۂ بدر بحیثیت معجزۂ عذاب

قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں معجزے بچشم خود دیکھے لیکن ان دلائل صدق سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے ان کو ہمیشہ جادو اور شعبدہ گری سے تعبیر کر کے وہ اپنے نادان دلوں کو تسکین دے لیا کرتے تھے۔ جس طرح اقوام سابقہ کے لیے عذاب کے مختلف معجزے آئے تو وہ ان سے ہلاک ہوئیں اسی طرح تقدیر ازلی میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگراں امت دعوت کے لیے غزوۂ بدر معجزۂ عذاب مقدر تھا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا اصلاح کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تھا۔ چنانچہ انہیں ہجرت کے دوسرے سال بدر کے بطشۂ کبریٰ (گرفت عظیم) سے سابقہ پڑا۔

قرآن کی تین پیشین گوئیاں

رب جلیل و قدیر نے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں

سورۂ دُخان کی یہ آیتیں نازل فرما کر پہلے قحط کی پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اخیر میں غزوۂ بدر کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ (ترجمہ):-

> اے پیغمبر! اس دن کا انتظار کیجیے کہ آسمان کی طرف سے ایک دُھواں ظاہر ہو کر لوگوں پر چھا جائے۔ یہ عذاب ہے جس کو دیکھ کر منکر بھی دعائیں مانگنے لگیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر سے اس آفت کو ٹال دے ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن ان کو اس سے کیا نصیحت ہو گی۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ ان کے پاس پیغمبر آیا اور اس نے ان کو ہر طرح سمجھایا۔ اس پر بھی یہ لوگ اس سے بدکتے رہے اور یہی کہا کیے کہ یہ تو کسی کا سکھایا ہوا باؤلا شخص ہے۔ ہم تم پر سے اس عذاب کو چند روز کے لیے ہٹا دیں گے مگر تم پھر وہی کفر کرو گے اور ہم ان کو قرار واقعی سزا تو اس دن دیں گے جس دن انہیں بڑی سخت گرفت (غزوۂ بدر) میں پکڑا جائے گا (کیونکہ جہاں ہم رحم کرتے ہیں، ہم بدلہ لیا یعنی سزا بھی دیا کرتے ہیں (۴۴: ۱۰-۱۶)
> (بخاری، روح المعانی، درمنثور، بیان القرآن)

فصل ۲۰۲۔ مُستہزئین نافرجام کی بدانجامی

مشرکین مکہ نے حضرت مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کے خلاف جو مجلس ایذا رسانی قائم کی تھی اس کے دو شعبے تھے۔ پہلے میں وہ لوگ تھے جن کا کام جسمانی ایذا رسانی تھا۔ دوسرے شعبہ کے لوگ کسی کلمہ گو پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے بلکہ بھانڈوں اور نقالوں کی طرح نقلیں اتارتے اور مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اس استہزاء و تمسخر پر حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک مکدر اور رنجیدہ ہوتا تھا۔ اس لیے خدائے قدوس نے اپنے رسول ؐ کی تسکین خاطر اور مستہزئین کو متنبہ کرنے کے لیے سورۂ انبیا کی اکتالیسویں آیت نازل کی جس میں فرمایا (ترجمہ):-

> اے ہمارے رسول ؐ! آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔ تو جو لوگ ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے، وہی (عذاب) جس کی وہ ہنسی اڑایا

کرتے تھے اُن پر نازل ہو کے رہا۔

یعنی ہنسی اڑانے کی سزا نے ان کو آگھیرا اور ان پر عذاب آنازل ہوا پس جو لوگ آپ سے مذاق کرتے ہیں اُن کا بھی وہی حشر ہو گا۔

معلوم ہو کہ مجلسِ ایذا رسانی کے جو ارکان جسمانی ایذا رسانیوں کے مرتکب تھے، اُن کی تعذیب ہجرت کے بعد غزوۂ بدر تک ملتوی رکھی گئی لیکن مستہزئین نافرجام کو خدائے قہّار کے مخفی ہاتھ نے اس سے پہلے ہی ملیا میٹ کر دیا۔

ہنسی اڑانے والوں کے پانچ سرگروہ

مستہزئین کی عنانِ قیادت قریش کے پانچ سرداروں کے ہاتھ میں تھی (۱) حضرت سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ مخزومی (۲) حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل (۳) اسود بن مطلب بن اسد (۴) اسود بن عبد یغوث زہری (۵) حارث بن قیس سہمی۔

جب اس جماعت کا تمسخر و استہزار حد سے بڑھا تو خدائے برتر نے اپنے رسولِ برحق کی تسکینِ خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:-

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ إِنَّا
كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝
(۱۵: ۹۴-۹۶)

آپ کم الٰہی صاف صاف سنا دیجیے اور ان مشرکوں کی پروا نہ کیجیے، ہم ان لوگوں کے حق میں جو مذاق اُڑاتے اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں آپ کے لیے کافی ہیں عنقریب انہیں حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی۔

پانچوں اشقیار کی عبرتناک ہلاکت

اب وقت آگیا تھا کہ یہ لوگ سالہا سال کے تمسخر و استہزار کا خمیازہ بھگتیں اور خدائے شدید العقاب کے قہر کی خاموش لاٹھی ان کے ساز ہستی کو توڑ پھوڑ کر بے نشان کر دے۔ اس آیت کے نزول کے بعد پانچوں اشقیار چند ہی روز میں عفریتِ ہلاک کے منہ میں چلے گئے۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ مخزومی قبیلۂ بنو خزاعہ کے ایک تیر گر کے پاس تیر دیکھ رہا تھا۔ وہاں ایک تیر کی نوک اس کی رگِ اکحل (ہفت اندام) میں چبھ گئی جس سے رگ

کٹ گئی۔ خون کسی طرح نہ تھم سکا اور وہ راہیٔ عدم ہوا۔ اس رگ کو اسی بنا پر ہفت اندام کہتے ہیں کہ اس کے فصد سے سر، سینہ، پشت اور ہاتھ پاؤں کا خون خارج ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل طائف گیا۔ راستہ میں سواری سے گر گیا اور ببول کا کانٹا اس کے تلوے میں گڑ گیا اور یہی کانٹا اس کے لیے پیامِ مرگ ثابت ہوا۔

اسی طرح اسود بن مطلب باہر سے گھر آیا تو کہنے لگا بیٹو! اس شخص کو مجھ سے دور کرو۔ یہ میری آنکھوں میں کانٹے چبھوتا ہے۔ بیٹوں نے کہا ہمیں تو کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔ اسود بولا ہائے میں مرا۔ ہائے ہائے! اب کوئی شخص نیزے کی نوک سے پکڑ کے میری آنکھوں میں دے رہا ہے۔ بیٹوں نے کہا ہم تو یہاں کسی شخص کو نہیں پاتے۔ وہ اسی طرح چیختا چلاتا رہا یہاں تک کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوٹ گئیں اور زندگی کی رسوائی سے مخلصی پا گیا۔ حارث بن قیس سہمی کو قولنج کا عارضہ ہو گیا۔ نجاست اس کے منہ کے راستہ سے نکلنے لگی۔ آخر اسی حالتِ نار میں اسفل السافلین کا راستہ لیا۔ اسود بن عبد یغوث زہری کے سر میں پھوڑا نکل آیا جس سے تمام بھیجا گل کر پیپ بن گیا اور وہ بہت جلد قعرِ جہنم میں پہنچ گیا (مسند امام احمد، سیرت ابن ہشام وغیرہما)

یاد رہے کہ اسود بن عبد یغوث زہری اعداء کی اس ٹولی میں داخل تھا جن سے ہوشیار رہنے کا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر حکم ہوا تھا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۙ
هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۙ
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۙ
عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۔
(۶۸ : ۱۰ - ۱۲)

اور آپ کسی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آجانا جو بہت جھوٹی قسمیں کھانے والا، بے وقعت، آوازے کسنے والا، چغلیاں کھانے والا، نیک کاموں سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، گنہگار، گردن کش (اور ان معایب کے علاوہ اپنے آپ کو کسی دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنے

جو کوئی کسی غیر قوم کی طرف منسوب ہو وہ اگرچہ اس سے متعلق ہو لیکن اس میں سے نہ ہو اس کو عربی زبان میں زنیم کہتے ہیں (مفردات راغب) آیات مذکورہ میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے وہ بعینہٖ ان اوصاف سے متصف تھے۔ منجملہ ان کے اسود بن عبد یغوث تھا۔ وہ قبیلہ بنو زہرہ کی طرف منسوب تھا حالانکہ اس میں سے نہیں تھا۔ اسی طرح اخنس بن شریک فی الحقیقت ثقفی تھا مگر بنو زہرہ کا حلیف ہونے کے باعث اسی قبیلہ سے سمجھا جاتا تھا۔

(تفسیر ابن جریر طبری)

یہ بھی معلوم ہو کہ حارث بن قیس سہمی جیسے عدوے اسلام کے گھر میں حضرت ابو قیس صحابی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جنہوں نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سابقین فی الاسلام کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد ہجرت حبشہ کا اعزاز حاصل کیا۔ (اصابہ)

مجلس ایذا رسانی کا صدر ابو لہب جنگ بدر کے قریباً دو ہفتہ بعد عدسہ کی بیماری سے ہلاک ہوا تھا۔

ابوسفیان، عکرمہ، سہیل، صفوانؓ وغیرہ قتل و ہلاک سے کیوں محفوظ رہے؟

معلوم ہو کہ جو دشمنانِ دین مثلاً ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل، خالد بن ولید، عمرو بن عاص، حکیم بن حزام، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ (رضی اللہ عنہم) قتل و ہلاک سے محفوظ رہے، ان کے مامون و مصون رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ علمِ خداوندی میں نعمتِ ایمان سے مشرف ہونے والے تھے اور خدائے قدوس ان سے بڑی بڑی دینی خدمتیں لینے والا تھا یا ان کی اولاد میں بڑے بڑے اکابر ملت اور عمائد دین پیدا ہونے والے تھے۔

فصل ۲۰۳۔ مسجد اقصیٰ میں انبیائے کرامؑ کی امامت اور امام الانبیاءؐ کا سماوی عروج

خدائے احکم الحاکمین نے عالمِ انسانیت کی رہنمائی کے لیے دنیا کا جو آخری پیغامبر بسیط زمین پر بھیجا، اس کے برزخی مشاہدات اور آسمانی سیر و سیاحت کا واقعہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

خاص بندوں پر رازہائے فطرت اور اسرار کائنات ظاہر فرمانے کی حکمت

شاہانِ زمانہ اپنے ممالکِ محروسہ میں جو عامل اور صوبہ دار مقرر کرتے ہیں، ان میں سے بعض خاص معتمدین کو ملک کے اندرونی نظم و نسق

اور اصول جہانداری سے بھی مطلع کیا کرتے ہیں۔ یہی حال شہنشاہ ارض و سماء کی سلطنت و جہانبانی کا ہے۔ مالک الملک نے بھی کبھی اپنے خاص پیام بروں کو اپنی حکمرانی کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور اُن پر فطرت کے راز اور کائنات کے وہ اسرار ظاہر فرماتے جو دوسروں پہ [illegible]ہر نہیں کیے جاتے۔ چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ کو ملکوت السموٰت والارض یعنی کائنات کے مخفی نظام اور اندرونی نسق کا مشاہدہ کرایا گیا اور اس بات کا بھی تجربہ کرا دیا گیا کہ خالق کردگار کس طرح مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیمؑ پہاڑ پر جلوۂ ربانی سے سرفراز کیے گئے اور انہیں اس غرض سے اپنے ایک مقبول بندے کی رفاقت میں پھرایا گیا کہ وہ ربّ قدیر کی مشیت کے ماتحت دنیاوی نظم و نسق کا عملی تجربہ کریں۔

اسی طرح خدائے قادر و توانا نے دنیا کے آخری نجات دہندہ حضرت امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ کا مشاہدہ کرانے کے بعد عالم ملکوت کی سیر و سیاحت کا امتیاز بخشا اور آسمانوں پر بلا کر عالم آخرت کے اسرار و خفایا سے مطلع فرمایا۔

ملأ اعلیٰ کے نشان ہائے قدرت کو برأی العین دیکھنے کی ضرورت

حضور سرور کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام خاتم الانبیاء اور متمم دین ہیں۔ آپ ہر ملک اور ہر قوم کے لیے تا انقراض عالم بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے تھے لیکن اتمام نعمت اور تکمیل دین سے پیشتر یہ ضرور تھا کہ دعوت و تبلیغ اور ترغیب و ترہیب کا کام بھی منتہائے کمال کو پہنچ جائے۔ اس لیے لازم ہوا کہ آپ ملأ اعلیٰ کے نشان ہائے قدرت کو برأی العین دیکھ کر لوگوں کے سامنے اپنے عینی مشاہدے پیش کریں اور حجت الٰہی ہمیشہ کے لیے ختم کر دی جائے۔ عالم بالا اور اسرارِ آخرت کو بچشم خود دیکھنے کے بعد تحریص و تخویف کا فرض جس خوبی سے انجام پا سکتا تھا، اس کے بغیر مشکل تھا۔ اس لیے آپ کو چند مرتبہ کی روحانی دید کے بعد عالم ملکوت کے حجابات حالت بیداری میں ظاہری آنکھوں سے بھی دکھا دیے گئے۔

اسراء و معراج کا تعددِ وقوع

مکہ معظمہ کی مسجد کو مسجد الحرام اور بیت المقدس کی مسجد کو مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ مکہ مکرمہ سے اس قدر بُعدِ مسافت پر واقع تھی کہ پھر اس سے آگے کوئی اور مسجد نہ تھی۔ اس بنا پر اہل عرب اس کو عہدِ جاہلیت سے مسجد اقصیٰ کے نام سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں۔ عرفِ عام میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء اور اس سے آگے آسمانوں سے اوپر تک کی سیر و عروج کو معراج کہتے ہیں۔ بعض اوقات ہر لفظ کا

اطلاق مجموعہ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ معراج جس میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو صعود آسمانی سے پہلے بیت المقدس لے جایا گیا بیداری میں جسم مبارک اور روح اطہر دونوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ ایک ہی مرتبہ ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کو روحانی طور پر بھی بہت دفعہ اعزاز معراج سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں رقم طراز ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس مرتبہ شرف اسرا بخشا گیا جن میں سے ایک عروج مع الجسم تھا باقی سب مجرد روح کو حاصل ہوئے۔ جمہور سلف و خلف معراج اعظم کے متعلق متفق ہیں کہ یہ بدن اور روح دونوں کے ساتھ حالت بیداری میں واقع ہوئی۔ مکہ سے بیت المقدس تک جانا سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جانا مشہور حدیثوں میں مصرح ہے۔

تعدّد کے قول کو ابن کثیرؒ کا لغو قرار دینا

علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو جو روحانی معراج ہوئی یا ہوتی رہی وہ معراج اعظم کی تمہید تھی۔ ان روحانی مشاہدات کی غرض و غایت یہ تھی کہ آپ کے اندر تدریجاً معراج جسمانی کی برداشت و استعداد اسی طرح پیدا ہو جائے جس طرح منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے آپ بہت دن تک رؤیائے صالحہ دیکھتے رہے اور اس کے بعد باقاعدہ وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ نے تعددِ معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے خلاف بتایا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک تعدد معراج کی جو تشریح اوپر ضبط تحریر میں آئی، اس میں کوئی استحالہ و اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ قائلین تعدد بھی دوسروں کی طرح جسمانی معراج کو ایک ہی مرتبہ تک محدود مانتے ہیں۔ اور جب اسراء و معراج کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی سیر مراد لی جاتی ہے جو آپ کو منجانب اللہ آخری مرتبہ جسد عنصری کے ساتھ کرائی گئی تھی۔

زمانہ اور دن کی تعیین

اس بارہ میں اہل علم مختلف البیان ہیں کہ معراج اعظم کب ہوئی؟ لیکن علمائے امت کی اکثریت اس کا وقوع ہجرت سے ایک سال پہلے ربیع الاول میں مانتی ہے۔ ابن حزم نے نہ صرف اس قول کی توثیق کی ہے بلکہ اس پر اجماع امت ہونا بیان کیا ہے۔ رہا دن کا معاملہ سو اس کے متعلق ابن ابی شیبہ نے حضرت عباس اور حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن متولد ہوئے، اسی دن نبوت ملی، اسی کی رات کو معراج ہوئی اور اسی روز آپ رحلت فرما ہوئے (عینی شرح بخاری)

واقعۂ اسراء کے مبادیات

اب اسراء کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔ ایک رات حضور آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ زہد میں استراحت فرما تھے کہ گھر کی چھت شق ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نزول فرما ہوئے (بخاری و مسلم عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذر الغفاری) بعض روایتوں میں اُم ہانی رضہ کا گھر مذکور ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضہ کی ہمشیر تھیں۔ لیکن اس میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ابوطالب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی مشترک مکان تھا جس کے ایک حصہ میں حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا رہتی تھیں۔

مولٰنا اشرف علی تھانوی رہ کے نزدیک چھت کھولنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کو ابتدائے امر ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی خارق عادت معاملہ ہونے والا ہے (نشر الطیب) اور حسب بیان علامہ ابن حجر عسقلانی رہ چھت کھلنے میں اس مقصد و مراد کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ کو علوّ کی جانب عروج بخشا جانے والا ہے (فتح الباری)

جبریل علیہ السلام آپ کو بیت اللہ شریف کے پاس حطیم میں لے گئے۔ حطیم کو حجر بھی کہتے ہیں۔ حطیم یا حجر اس کھلی جگہ کا نام ہے جو کعبۃ اللہ کے شمال میں ہے۔ یہ جگہ پہلے کعبہ میں داخل تھی لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال پہلے قریش نے کعبۂ معلیٰ کو از سر نو تعمیر کیا تو چندہ کا روپیہ تھڑ جانے کے باعث اتنی جگہ کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جبریل ع کے ہمراہ اپنے گھر سے حجر میں تشریف لائے تو اس وقت آپ کے چچا حمزہ رضہ اور عم زاد بھائی جعفر رضہ بن ابی طالب حطیم میں سو رہے تھے۔ چونکہ اس وقت نیند کا اثر تھا، آپ بھی حطیم پہنچ کر ان دونوں کے بیچ میں لیٹ گئے اور آپ کی آنکھ لگ گئی لیکن آپ کی آنکھیں سوتی اور دل جاگتا تھا (نسائی، فتح الباری)

اسراء کے لیے رات کی تخصیص

مولینا اشرف علی تھانوی رہ لکھتے ہیں کہ رات کی تخصیص میں یہ حکمت تھی کہ عادۃً وہ وقت خلوت کا ہے۔ اس میں بلانا زیادہ اختصاص کی دلیل ہے (نشر الطیب) شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث معراج سے دن کے سفر پر رات کے سفر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اسراء رات کو ہوا۔ اسی بنا پر آپ کی اکثر عبادتیں رات ہی کو ہوتی تھیں اور آپ سفر بھی زیادہ تر رات ہی میں کرتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل (اول رات میں سفر کو لازم کرو کیونکہ رات کے

سفر میں زمین لپیٹی جاتی ہے (فتح الباری)

حسنِ اخلاق کی ایک دلیل

ابن ابی جمرہؒ لکھتے ہیں کہ دوسروں کے بیچ میں استراحت فرمانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ خُلق اور تواضع وانکسار کی دلیل ہے کہ باوجود اس علو منزلت کے آپ لوگوں کے ساتھ سوتے اور ان میں بیٹھتے تھے اور اپنے نفس کریمہ کو دوسروں پر فوقیت و مزیّت نہ دیتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک ہی جگہ دوسروں کے ساتھ سونا جائز ہے بشرطیکہ ہر ایک نے الگ الگ کپڑے اوڑھ کر اپنے جسم دوسروں سے چھپا رکھے ہوں (المعراج الکبیر للغیطی)

شقّ صدر

جبرئیل علیہ السلام آپ کو بیدار کر کے چاہ زمزم کے پاس لے گئے (بخاری، نسائی) اس کے بعد جبرئیلؑ نے آپ کا سینۂ مبارک اوپر سے اسفل بطن تک چاک کیا اور سینہ اور جوف کو بالکل خالی کر دیا (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انس)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ خارق عادت واقعہ سننے والوں کے لیے بھی سخت تعجب خیز اور وحشت انگیز ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت خود اس نفس قدسی کی کیا حالت تھی جس پر یہ حالت گزری تھی۔ یہ عادت جاری ہے کہ اگر کسی کا شکم چاک کیا اور دل نکالا جائے تو وہ معاً دم توڑ دیتا ہے لیکن حبیب ربّ العالمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اس سے کوئی ضرر نہ پہنچا اور نہ کوئی درد محسوس کیا چہ جائیکہ مرگ و ہلاک تک نوبت پہنچتی۔ ابوحمزہ کا قول ہے کہ خدائے قدیر کو اس بات کی قدرت تھی کہ شق کیے بغیر آپ کے قلب مبارک کو ایمان اور حکمت سے بھر دے لیکن چاک کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کی قوت یقین میں اضافہ ہو۔ آپ خود مشاہدہ کر چکے تھے کہ آپ کا شکم مبارک چیرا گیا ہے لیکن آپ اس عمل سے کچھ بھی متاثر و ہراساں نہ ہوئے (فتح الباری)

باطن کا ایمان اور حکمت سے معمور کیا جانا

شقّ صدر کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب مبارک نکالا اور سونے کے ایک طشت میں جس میں آب زمزم تھا ڈال کر اس کو دھویا، پھر ایک اور طشت جو ایمان و حکمت سے معمور تھا آیا۔ جبرئیلؑ نے آپ کے قلب مبارک اور سینہ اور حلق کی رگوں کو ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انسؓ) دوسری روایت میں ہے کہ دل کو نکال کر دھویا اور اسے اس کے اصلی مقام پر رکھ کر سینہ برابر کر دیا (بخاری عن قتادہ عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ)۔

ایمان وحکمت جس سے آپ کا باطن معمور کیا گیا جواہر غیبیہ کی قسم سے کوئی ایسی چیز تھی جو ایمان وحکمت میں ترقی و اضافہ کا ذریعہ تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے لوگ دنیا میں تفریح اور اعضائے رئیسہ کی تقویت کے لیے یاقوتیاں اور جوارشیں استعمال کرتے ہیں۔ اس تصرف کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا سینہ اور قلب مبارک آئینہ سے بھی بڑھ کر مصفیٰ و مجلیٰ ہو جائے۔

آب زمزم کے وجوہِ ترجیح

امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ زمزم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدۂ محترمہ کے لیے جبریل ہی کے عمل سے عرصۂ وجود میں آیا تھا، جبریل علیہ السلام نے مناسب خیال کیا کہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اس سے مناجات کرتے وقت زمزم ہی کے پانی سے آپ کے قلب مبارک کو مجلّیٰ و مزکّیٰ کیا جائے (فتح الباری)

آپ کے قلب شریف کو آب زمزم سے دھونے کی دوسری وجہ ترجیح امام بلقینیؒ نے یہ قرار دی ہے کہ وہ آب کوثر سے بھی زیادہ افضل ہے اس لیے ضرور تھا کہ آپ کا قلب مبارک افضل ترین پانی سے دھویا جاتا۔ تیسری وجہ حافظ زین الدین عراقی نے یہ بتائی ہے کہ آب زمزم بالخاصہ دل کو تقویت دیتا اور خوف و وحشت کو دور کرتا ہے۔ اسی بنا پر شب معراج آب زمزم استعمال کیا گیا کہ ملکوت کی عموماً اور آیات بیّنات کی خصوصاً رؤیت کے وقت صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب صافی مضبوط و مستحکم رہے (المعراج الکبیر للغیطیؒ)

طلائی ظرف کی خصوصیت

شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ دھونے کے لیے طشت اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ عرفاً سب سے زیادہ مشہور آلہ غسل ہے۔ اور سونے کا طشت اس بنا پر اختیار کیا گیا کہ سونا حسّی ظروف کے تمام اقسام میں سب سے اعلیٰ و اصفیٰ ہے۔ سونے میں وہ خواص ہیں جو کسی دوسری دھات میں نہیں پائے جاتے۔ اس کو نہ آگ کھاتی ہے، نہ مٹی اور نہ زنگ لگتا ہے۔ سونا دنیا میں لوگوں کی سب سے زیادہ محبوب و مرغوب متاع ہے، مزید براں اثقل الجواہر ہے جسے ثقل وحی سے بھی مناسبت تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سونے کا برتن جنتی ظروف میں سے ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مناسبات تھیں (فتح الباری)

طلائی ظرف کے استعمال کا شرعی پہلو

امام نووی شارح مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کسی کو طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کا وہم جواز ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود طلائی برتن

استعمال نہیں کیا بلکہ یہ فعل فرشتہ کا تھا اور یہ ضرور نہیں کہ ملائکہ بھی ہر بات میں ہماری طرح مکلّف ہوں "۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ کہنا قرین صواب نہیں کہ استعمال کرنے والے نبی علیہ السلام نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے کیونکہ اگر طلائی ظرف کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا تو فرشتے بھی ایسے امر میں مبادرت نہیں کر سکتے تھے جس کا تعلق آپ کے بدنِ مکرم سے تھا۔ البتہ یہ کہنا اقرب الی الصواب ہے کہ طلائی و نقرئی برتنوں کے استعمال کی تحریم، احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو واقعات شب معراج میں پیش آئے ان کا تعلق احوال غیب سے تھا پس وہ احکام آخرت سے ملحق ہیں (فتح الباری)

اس سے قطع نظر معراج کا واقعہ مکہ معظمہ کا ہے جہاں ابھی چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال ممنوع نہیں ہوا تھا ان کے استعمال کی ممانعت مدینہ منورہ میں اس وقت ہوئی جب مسلمان فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ (نووی شرح مسلم و فتح الباری)

عالم برزخ کی سواری بھیجنے کا مقصد

جب وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہِ ربانی سے احکام خاصہ کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا تو شق صدر و تطہیر جنان سے فراغت پانے کے بعد حضرت روح الامین ؑ کو حکم ہوا کہ حبیب رب العالمین کے لیے وہ سواری جو برق سے زیادہ سریع السیر ہے مہیا کریں۔ کارپردازان عناصر کو حکم پہنچا کہ دنیائے آب و گل کے تمام مادی قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں، اور مکان و زمان کی تمام طبعی پابندیاں برطرف کر دی جائیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی رح لکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ اس بات کی قدرت رکھتا تھا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام درمیانی وسائط کے بغیر زمین طے کرا دے لیکن عالم برزخ کی سواری بھیجنے کا مقصد ایک تو ذرائع و اسباب کا اثبات تھا، دوسرے اس میں آنحضرت کی دلی تقویت و ترویح تھی۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی رح رقم فرماتے ہیں کہ گو صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بھی زمین طے کرائی جا سکتی تھی لیکن آپ کو سوار کر کے سیر کرانے میں ایک تو یہ حکمت تھی کہ خرق عادت کی بجائے آپ سواری پر مانوس رہیں۔ دوسرے قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ

کسی ایسے شخص کو طلب کرتا ہے جو اس کی درگاہ میں خصوصیت رکھتا ہو تو اس کے لیے سواری بھیجنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ پس سواری میں اور بالخصوص براق کی سواری میں آپ کی زیادہ سرفرازی تھی۔ اگر آپ بہ نفس نفیس صعود فرماتے تو پیادہ کی حیثیت رکھتے اور سوار پیدل چلنے والے سے زیادہ معزّز سمجھا جاتا ہے (فتح الباری)

بُراق کے اوصاف

براق جو آپ کی سواری کے لیے لایا گیا سفید رنگ کا ایک چارپایہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے کسی قدر بڑا تھا۔ یہ اس قدر تیز تھا کہ اس کا ہر قدم اس کے منتہائے نظر تک پہنچتا تھا (صحیح مسلم) شیخ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ براق کے اس صفت پر موصوف ہونے میں یہ حکمت تھی کہ آپ ایسے امن اور سلامتی کے ساتھ عروج کریں جس میں کسی خوف و وحشت کا شائبہ نہ ہو اور براق کے اس صفت پر پیدا کیے جانے میں یہ معجزہ تھا کہ اتنی سُرعت رفتار ایسے قد و قامت کے جانور کے لیے عادةً محال ہے جو اس صفت سے موصوف نہ ہو (فتح الباری)

اہلِ لغت نے براق کو برق (یعنی بجلی) کے تحت میں لکھا ہے۔ محققین کا بیان ہے کہ غیر معمولی شفافیت اور اس کی انتہائی سرعت رفتار کی بنا پر اسے براق کہتے ہیں۔ تو جب دنیا کی سب سے بڑی شخصیت کو کرۂ ارض کے باہر چشم زدن میں دوسرے عالموں کی سیر کرائی گئی تو گویا آج کی زبان میں سواری کے لیے بجلی کا گھوڑا عنایت ہوا اور بجلی کی شرح رفتار آج کی دنیا کو مسلّم ہے کہ ایک سکنڈ یعنی چشم زدن میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی ہے۔ اس سے براق کی سُرعت رفتار کا خود اندازہ ہو سکتا ہے۔

بُراق کی رانوں پر دو پر تھے اور انہی پروں میں اس کی سرعت سیر کا راز مضمر تھا۔ بُراق کی پیٹھ خوب لمبی تھی اور کان بھی بہت لمبے تھے (ابن سعد) شیخ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ میں نے ابن سعد کے سوا کسی دوسرے کی روایت میں پَروں کا ذکر نہیں پایا۔" براق زین اور لگام سے آراستہ تھا۔

بُراق کی فرح و انبساط

جب آپ سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔ جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے شوخی کرتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا شخص جو خدائے قُدّوس کے نزدیک ان سے زیا[illegible] مکرّم و مقبول ہو تجھ پر سوار نہیں ہوا۔" یہ سن کر وہ ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا (ترمذی)

معلوم ہو کہ براق کی شوخی مسرّت و انبساط سے ہمکنار تھی۔ اس کو اس بات کی غیر معمولی

خوشی تھی کہ آج دنیا اور آخرت کے سردار اور نبیوں کے سرتاج نے مجھے اپنی سواری کا شرف سعادت بخشا ہے۔ بُراق تو غیر ذی رُوح تھا۔ حجر و شجر جیسی بے جان چیزیں جو فہم و ادراک سے بالکل عاری سمجھی گئی ہیں وہ بھی آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا احساس رکھتی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ کوہِ اُحُد پر تشریف لے گئے۔ حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ پہاڑ (ازراہِ مسرت و افتخار) جنبش میں آگیا۔ آپ نے اس پر پاؤں مار کر فرمایا اے اُحد! ٹھیر جا۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید[عہ] ہیں (صحیح بخاری)

سواری میں ترادف

اکثر روایتوں میں براق پر جبریل علیہ السلام کے سوار ہونے کا ذکر نہیں لیکن بعض میں مذکور ہے کہ جبریلؑ نے آپ کو براق پر اپنے پیچھے سوار کیا چنانچہ ابویعلیٰ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق لایا گیا اور میں جبریلؑ کے پیچھے سوار ہوا۔ اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے پیچھے سوار کرایا۔ اسی طرح حارث نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ براق لایا گیا۔ آپ جبریلؑ کے پیچھے سوار ہوئے اور وہ دونوں کو لے کر چلا (فتح الباری)

مولنٰا اشرف علیؒ فرماتے ہیں کہ روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اوّل اوّل جبریل علیہ السلام خود بھی اس مصلحت سے سوار ہو لیے ہوں کہ آپ کو طبعاً خوف معلوم نہ ہو۔ پھر اتر کر رکاب تھام لی ہو اور دونوں حالتوں میں گاہ گاہ حسب ضرورت آپ کو تھامنے کے لیے ہاتھ پکڑ لیتے ہوں۔"

اب براق نے برق تاباں کی سی تیزی کے ساتھ قطع مسافت شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں جس کی ابویعلیٰ اور بزار نے تخریج کی ہے یہ بھی مذکور ہے کہ جب وہ پہاڑ پر پہنچتا تو اپنے پچھلے پیر اٹھا لیتا اور جب پہاڑ سے اُترتا تو اپنے اگلے پاؤں اٹھاتا (فتح الباری)

عجائباتِ برزخ کا مشاہدہ

دلائل بیہقی کی ایک روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ ہادیِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے

[عہ] مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما دونوں آیندہ چل کر تیغ جفا سے شہید کیے گئے ۱۲

پہلے کوائف برزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اور ایسے لوگ دکھائے گئے جن کو ان کے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک سزائیں دی جا رہی تھیں۔

مجاہدین فی سبیل اللہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کی فصل ایک ہی دن میں پک کر تیار ہو جاتی ہے اور وہ اسے ہر روز کاٹ لیتے ہیں اور جب کاٹ چکتے ہیں تو وہ پھر ویسی ہی تیار ہو جاتی ہے۔ آپ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سرفروشی کی۔ ان کی ہر ایک نیکی سات سو گونہ تک بڑھ جاتی ہے۔ یہ لوگ جتنا بھی خرچ کریں حق تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزاق ہے (دلائل بیہقی)

تارکینِ صلوٰۃ ومانعینِ زکوٰۃ

پھر آپ ایک ایسی جماعت پر گزرے جن کے سر پتھر سے کچلے جاتے ہیں۔ جب یہ سر کچلے جا چکتے ہیں تو حالت سابقہ پر عود کر آتے ہیں اور اس سلسلہ میں ذرا بھی انقطاع نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا جبریلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی اُمت کے بے نماز ہیں۔ انہیں فریضہ صلوٰۃ کی طرف توجہ نہیں" پھر آپ ایک جماعت پر گزرے جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے پٹے ہوئے تھے اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے تھے۔ تھوہر اور جہنم کے پتھر ان کی غذا تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور ظلم کرنا اس ذات بے چون کے شایاں نہیں۔

حرام کار

پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس پہنچے جن کے پاس ہنڈیا میں پکا ہوا نفیس گوشت رکھا تھا اور دوسری ہنڈیا میں کچا سڑا ہوا گوشت تھا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ پکے ہوئے نفیس و خوش ذائقہ سالن کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ پاس کا کچا متعفن گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے کہا یہ آپ کی اُمت کے وہ مرد ہیں جن کے گھر میں حلال طیب بیوی موجود ہے لیکن وہ اس کو چھوڑ کر پرائی ناپاک عورت کے پاس جاتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں میں ایسی عورتیں بھی ہیں جو اپنے حلال طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی ناپاک مرد کے پاس جاتی ہیں (طبرانی و بزار)

غیبت کرنے والے اور دروغ گو

اس کے بعد آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ یہ لوگ اپنے چہروں اور سینوں

کو نوچ رہے تھے۔ آپ نے حضرت رُوح الامین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کرکے لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبرو کے پیچھے پڑے رہتے ہیں (احمد و ابوداؤد)

اسی طرح آپ ایک اور جماعت کے پاس پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا کھڑا ہے۔ کھڑے ہونے والے کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے کہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ باچھ کٹ کر کندھے تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر دوسری باچھ میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے۔ اتنے میں پہلی باچھ اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ دروغ گو آدمی ہے۔ اسے جھوٹ بکنے میں باک نہیں (بخاری)

حقوق العباد سے غافل

پھر آپ ایک شخص کے پاس پہنچے جس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ اس کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے مگر زیادہ بوجھل ہونے کی وجہ سے اُٹھا نہیں سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اور لکڑیاں لا لاکر گٹھے پر رکھتا چلا جاتا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ جبرئیل ؑ نے کہا یہ آپ کی اُمت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کے قرض، امانتیں اور دوسرے حقوق ہیں لیکن یہ حقوق العباد کی طرف سے بے اعتنائی برتتا ہے اس لیے دن بدن زیادہ گراں بار ہوتا جا رہا ہے (طبرانی و بزار)

علمائے سُوء

پھر آپ ایسے لوگوں پر گزرے جن کی زبانیں اور ہونٹ آہنی مقراضوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ جب زبانیں اور ہونٹ کٹ چکتے ہیں تو پھر حالتِ سابقہ پر عود کر آتے ہیں اور کٹنے اور بگڑنے کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے جواب ملا کہ یہ آپ کی اُمت کے ہادیانِ بے عمل اور ایسے علمائے سُوء ہیں جو لوگوں کو آپ کی سنت سنیہ کے راستہ سے ہٹا کر گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ (ترمذی، طبرانی، بزار، بیہقی فی شعب) اور دوسری روایت میں جبرئیل ؑ نے کہا کہ یہ آپ کی اُمت کے وہ خطیب ہیں جو دوسروں سے کہتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے۔ کتاب اللہ پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے (کنز العمال بحوالہ ابن ابی داؤد فی المصاحف و ابن حبان)

بدگو، حرام خور

پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے سے پتھر پر ہوا جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بیل اسی پتھر میں جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا۔

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو بڑی بات منہ سے نکال کر نادم ہوتا ہے لیکن اس کو واپس لینے پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے بہت سے خوان دیکھے کہ جن پر پاکیزہ گوشت رکھا تھا لیکن ان کو کھانے والا کوئی نہیں تھا اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا تھا جن پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے تھے۔ جبریلؑ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال روزی کو چھوڑ کر حرام کھاتے اور اسی کے دلدادہ ہیں۔

یتیموں کا مال کھانے والے

اسی طرح آپ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ کٹھلوں کے مشابہ تھے جب کھڑے ہونے لگتے تو پیٹ کی گرانی کے باعث فوراً گر پڑتے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ لوگ سود خوار ہیں۔ اور آپ ایسے لوگوں پر بھی گزرے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی مانند تھے یہ لوگ آگ کی چنگاریاں نگل رہے تھے اور نگلنے کے بعد یہ چنگاریاں اسفل کی طرف سے خارج ہو رہی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں (طبرانی وبزار)۔

سود خور

آپ نے فرمایا کہ میرا گزر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جن کے شکم اتنے بڑے تھے جتنا کوئی مکان ہو۔ ان شکموں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو شکموں سے باہر دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔ (احمد وابن ماجہ)

حسن کی نمائش کرنے والیاں

اسی طرح آپ نے ایسی عورتیں بھی دیکھیں جو پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس قماش کی عورتیں ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ عورتیں زیب و زینت کر کے گھر سے نکلتی ہیں اور پرائے مرد کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں (بیہقی)

چغل خور

اور آپ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا کہ جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹ کاٹ کر انہی کو کھلایا جاتا تھا۔ آپ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ لوگ چغل خوری اور غیبت چینی کے عادی ہیں۔ اسی طرح آپ نے ہر قسم کے مجرموں اور بداعمالوں کو مختلف قسم کی سزائیں بھگتتے دیکھا اور وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ (بیہقی)۔

جنت کی استدعا خالق کردگار سے

آگے چل کر ایک روح افزا اور طرب انگیز وادی میں پہنچے جہاں ایک طرف سے نہایت پاکیزہ سرد ہوا آرہی تھی اور کستوری کی سی خوشبو تھی جس نے مشام جان کو معطر کر دیا۔ اتنے میں ایک طرف سے کچھ آواز آئی۔ آپ نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ جنت کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے کہ اے میرے خالق کردگار! مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس سے مجھے مسرور فرما کیونکہ میرے بالاخانے اور استبرق اور سندس قسم کے ریشمی لباس اور بیش بہا جواہرات اور چاندی سونے کے ظروف، شہد دودھ، شراب طہور، سواریاں، تزک و احتشام اور انواع اقسام کے سامان عیش و راحت بہت کثرت کو پہنچ گئے۔ اب میرے وعدے کی چیز مجھے عطا فرمائی جائے (یعنی اہل بہشت کو میرے اندر آباد کر کہ ان نعمتوں کو استعمال کریں)

رب قدیر کا ارشاد ہوا کہ ہم نے تیرے لیے تجویز کر رکھا ہے کہ ہر مسلم و مسلمہ اور مومن و مومنہ جسے مجھ پر اور میرے رسولوں پر اور یوم قیامت پر ایمان ہے اور میرے ساتھ (میری ذات صفات یا عبادت میں) کسی کو شریک نہیں کرتا اور مجھ سے ڈرتا (تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتا) ہے وہ امن میں ہوگا اور جو کچھ مجھ سے مانگے گا وہ اس کو عطا کروں گا۔ اور جن اعمال حسنہ کا میرے پاس ذخیرہ کرے گا میں اسے ان کی جزا دوں گا اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔ میں رب متعال ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ بے شک مومن فوز و فلاح کو پہنچ گئے"۔ جنت نے کہا میں اس انعام و اکرام پر مطمئن و مسرور ہوں"۔

جہنم کی آواز

پھر سرور موجودات صلی اللہ علیہ وسلم ایک وادی میں پہنچے۔ وہاں ایک وحشت ناک آواز گوش زد ہوئی اور بدبو محسوس ہونے لگی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل امین نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ کہہ رہی ہے اے رب قدیر! (دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ سے جو وعدہ تو نے کیا تھا اس کا ایفا فرما کیونکہ میری زنجیریں، طوق، شعلے، گرم پانی، پیپ، سانپ، بچھو اور انواع و اقسام کے دوسرے عذابوں کی بڑی فراوانی ہے۔ میرا قعر بہت عمیق ہو گیا اور حرارت بڑی شدت اختیار کر گئی"۔ رب العالمین نے ارشاد فرمایا میں نے تیرے لیے تجویز کر رکھا ہے کہ ہر مشرک، مشرکہ، کافر، کافرہ اور ہر متکبر عنید جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تیرے حوالے کروں گا"۔ دوزخ نے کہا میں اس

عطیہ و نوازش پر خوش ہوں (طبرانی و بزار عن ابی ہریرۃؓ)

اُمَمِ سابقہ اور خیرالاُمّت کا مشاہدہ

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شب معراج بعض ایسے انبیاء پر آپ کا گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور ایسوں کو بھی دیکھا جن کے پیرو قلیل التعداد تھے اور ایسے انبیاء بھی نظر آئے جن کی کسی نے پیروی نہیں اختیار کی تھی۔ جب آپ ایک جمّ غفیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لوگ ہیں۔ اس کے بعد آپ سے کہا گیا کہ اپنا سر اوپر کی طرف اُٹھا کر دیکھیے"۔ سو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اتنا بڑا ہجوم ہے کہ جس نے تمام آفاق کو گھیر رکھا ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی اُمّت میں ستر ہزار اشخاص ایسے ہیں جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے"۔ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ ستر ہزار وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (ترمذی) یعنی شرک و بدعت سے بچتے ہیں۔

مدینہ منورہ، طور سینا اور بیت اللحم میں نماز گزارنا

آگے چل کر جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ یہاں اُتر کر نماز پڑھیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اُتر کر نماز ادا کی۔ جبریل بولے کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون جگہ ہے؟ اس کے بعد خود ہی کہنے لگے کہ آپ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے جو آپ کا دارالہجرت ہوگا۔ پھر میں سوار ہوا اور کچھ مسافت طے کرنے کے بعد جبریلؑ نے کہا کہ اُتریے اور نماز پڑھیے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے کہا یہ طور سینا ہے جہاں خدائے قدوس نے موسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔ پھر میں سوار ہوا۔ جب آگے بڑھا تو جبریلؑ نے کہا اتریے اور نماز پڑھیے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ بیت اللحم ہے جہاں مسیح (علیہ السلام) پیدا ہوئے تھے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا (نسائی، بزار، ابن ابی حاتم، طبرانی واخرجہ ایضاً البیہقی وصححہ)

ربط براق کی حکمت

ثابت بُنانیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المقدس پہنچ کر میں نے بُراق کو اس حلقے سے باندھ دیا جس سے انبیاء (علیہم السلام اپنی سواریاں) باندھا کرتے تھے (رواہ مسلم) شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ براق کو باندھنا اس حکم عادت کے ماتحت

تھا جو اللہ تعالیٰ نے چارپایوں میں جاری کر رکھی ہے۔ اور اگر آپ اس کو باندھے بغیر یوں ہی کھڑا کر دیتے تو بھی وہ کھڑا رہتا لیکن عادت مستمرہ ایسا کرنے سے مانع تھی (الیواقیت الجواہر) اور امام نووی ؒ نے ربطِ براق کے باب میں فرمایا ہے کہ جب اعتماد ذاتِ خداوندی پر ہو تو اسباب و ذرائع سے فائدہ اُٹھانا اور احتیاط کا سر رشتہ ہاتھ میں رکھنا توکل کے منافی نہیں۔" اور امام سُہیلی ؒ فرماتے ہیں کہ براق باندھنے میں اس بات کی تنبیہ و تعلیم تھی کہ صحت توکل کے ساتھ احتیاط برتنا دانش مندی کی دلیل ہے چنانچہ وہب بن منبہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر قدیم آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مُترادف و ہم معنی مضمون پایا ہے کہ پہلے اونٹ کے گھٹنے باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو۔" حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین تھے لیکن اس کے باوجود آپ سفر میں زادِ راہ ساتھ لیتے اور لڑائی میں سلاح بند ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ نے غزوۂ اُحد میں دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ ربطِ براق بھی اسی قبیل سے تھا۔

انبیاء اور ملائکہ کی امامت

ہمارے ہادی و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچ کر براق سے اس مقام پر اُترے تھے جس کو آج باب محمد کہتے ہیں۔ جب آپ وہاں سے فنا مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں ایک جم غفیر موجود پایا۔ یہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ احباب مقدسین آپ کے خیر مقدم کے لیے جمع ہوئے تھے۔ اب ایک مؤذن (جبریل علیہ السلام) نے اذان دی۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے صفیں درست کیں اور اقامت کہی گئی۔ اس وقت ہر شخص یہ دیکھنے کے لیے منتظر تھا کہ کون امام بنتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل (علیہ السلام) نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت پا کر جبریلؑ مجھ سے پوچھنے لگے کیا معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔" انہوں نے کہا کہ تمام انبیاء سلف نے جو آج تک مبعوث ہوئے اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی ہے (نسائی، بیہقی، تفسیر ابن ابی حاتم)

تین اولوا العزم رسولوں کی بازدید

دوسری روایت میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جبریلؑ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھی (بیہقی) اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا بدن دُبلا

اور بال گھونگریالے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں اور میں نے دیکھا کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ شکل و صورت میں عُروہ بن مسعود ثقفی رض (صحابی رئیس طائف) سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اور میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ تمام دوسرے آدمیوں کی نسبت تمہارے ساتھی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیادہ مشابہ ہیں (صحیح مسلم عن ابی ہریرہ)

ملائکہ کا استفسار

نماز کے بعد ملائکہ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ آپ کے ہمراہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا کیا ان کے لیے رب العالمین عز اسمہٗ کی طرف سے پیام بھیجا گیا تھا؟ جبریلؑ نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر تحیت نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہترین خلیفۃ اللہ ہیں (بیہقی عن ابی سعید) اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فراغت نماز کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا اے محمدؐ! یہ دوزخ کے داروغہ مالک ہیں ان کو سلام کیجئے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے خود ہی آپ کو سلام کیا۔ (صحیح مسلم)

قیام ساعت پر مذاکرہ

الغرض یہ مبارک روحانی اجتماع اور خدائی تقریب جس میں ملأ اعلیٰ اور قدوسیانِ عالمِ بالا نے بھی شرکت کی ہزار عید سے بڑھ کر فرح و سرور کی ساعتِ سعید تھی۔ انبیاء اور ملائکہ نے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء میں نماز پڑھی تو یہ سب شہنشاہِ احکم الحاکمین کی طرف سے مأمور ہو کر آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ یہ وہ مبارک وقت تھا جب کہ ایام اللہ کا ایک خاص موسم بہار پر تھا اور قیادتِ محمدی کی روحانیت کبریٰ بزبانِ حال لاکھوں کروڑوں سعید روحوں کے درمیان اپنی صدائے عظمت سے نغمہ انداز عالم تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رض کا بیان ہے کہ شبِ معراج قیامِ قیامت کے معیّن زمانہ کی نسبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام سے مذاکرہ ہوا۔ تینوں حضرات نے جناب خلیل اللہ سے دریافت کیا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ انہوں نے بھی نفی میں جواب دیا۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کا ٹھیک ٹ

(یعنی سال، مہینہ اور تاریخ) تو مجھے معلوم نہیں اور اس کو علام الغیوب عزّ اسمہٗ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ میں قیامت سے کچھ زمانہ پیشتر دنیا میں آؤں گا اور دجال کو قتل کردوں گا۔ (ابن ماجہ)

انبیاء علیہم السلام مثالی جسموں میں

اوپر لکھا گیا ہے کہ انبیائے کرام نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی۔ اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بعض انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں پر بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا سب اپنی قبروں میں تھے وہ پہلے بیت المقدس میں اور اس کے بعد آسمانوں پر کس طرح پہنچ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے عنصری یعنی خاکی جسم تو واقعی قبروں میں تھے لیکن مثالی جسم اوّلاً بیت المقدس میں اور پھر آسمانوں پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ دوسروں کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی بظاہر مثالی جسم میں بیت المقدس تشریف فرما تھے البتہ آسمان پر جو اُن سے آپ کی ملاقات ہوئی تو وہاں وہ جسم عنصری کے ساتھ موجود تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان کی طرح بیت المقدس میں بھی جسم عنصری کے ساتھ قدوم فرما ہوں اور بحکم الٰہی امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جشن تہنیت میں شرکت فرمائی ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مثالی جسم میں معراج ہوئی تھی مگر یہ گمان سراسر بیہودہ ہے کیونکہ اگر آپ کو مثالی جسم میں معراج ہوئی ہوتی تو پھر براق پر سوار ہونے کی کوئی حاجت نہ تھی کیونکہ خود مثالی جسم پر روحانیت کا اس درجہ غلبہ ہوتا ہے کہ اسے کہیں جانے آنے میں کسی سہارے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مثالی جسم کی سیر و عروج پر قریش کے لیے بھی کوئی وجہ انکار و اعتراض نہ تھی۔

عالم مثال اور مثالی جسم

یہاں ضمناً یہ بتلا دینا بھی مناسب ہے کہ مثالی جسم کسے کہتے ہیں اور عالم مثال کیا ہے؟ معلوم ہو کہ کتاب وسنت کے بہت سے شواہد دلالت کرتے ہیں اور اہلِ کشف کو مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس عالم عنصری کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے جسے عالم مثال کہتے ہیں۔ عالم مثال زمین و آسمان میں کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں بلکہ وہ اسی عالم حس کا دوسرا پہلو ہے۔ عالم مثال مادی اور مجرد عالموں کے درمیان ایک ذو جہتین عالم ہے۔ یہ عالم مجرد (ملائکہ و ارواح) کی طرح اس درجہ

لطیف ہے کہ ظاہری حواس اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ اس کے ادراک و احساس کے لیے حاسۂ باطنی یا نگاہ کشفی کی ضرورت ہے۔ دوسری جہت کے اعتبار سے یہ مادی عالم سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ مقدار یعنی طول، عرض، عمق، رنگ وغیرہ جسمانی خواص سے خالی نہیں ہے۔ غرض وہ مجرد اور مادی کے درمیان ایک تیسری چیز ہے۔ جتنی چیزیں اس عالم شہادت میں پائی جاتی ہیں ان سب کے نمونے عالم مثال میں موجود ہیں۔ اسی لیے اس کو عالم مثال کہتے ہیں۔

عالم مثال کا انکشاف مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ مخصوص نہیں

عالم مثال کا انکشاف کچھ اہل اللہ اور حق پرستوں یا اہل مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ ایسے عوام پر بھی جزواً منکشف ہوتا ہے جو وجود باری تعالیٰ کے منکر یا خشیت الٰہی کے مفہوم سے بالکل ناآشنا ہیں۔ زندگی میں ہر انسان کو تجربہ ہوا ہوگا کہ بہت سی باتیں قبل از وقوع خواب میں معلوم ہو گئیں یا ایسے واقعات کا انکشاف ہو گیا جو پردۂ خفا میں مستور تھے۔ بسا اوقات انسان خواب میں دیکھتا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں پھر رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہاں اس شخص کا جسم گیا یا روح گئی؟ ظاہر ہے کہ جسم خاکی ہرگز نہیں گیا کیونکہ وہ تو بستر خواب پر پڑا ہے اور اگر کہا جائے کہ روح گئی تو بھی درست نہیں کیونکہ اس شخص نے تو خواب میں اپنے جسم کو چلتے پھرتے اور طرح طرح کے اشغال میں مصروف دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ نہ تو روح کے اعضاء ہیں اور نہ چلنا پھرنا اور کسی کام میں مصروف ہونا اس کے افعال و خواص میں داخل ہے۔ پس جب وہ نہ روح تھی نہ جسم تو پھر کیا تھا جو دور دور کی سیر کرتا پھرا؟ سو معلوم ہو کہ یہ وہی مثالی جسم تھا جو عالم مثال سے تعلق رکھتا ہے۔

عالم مثال میں دنیا کی ہر چیز کا نمونہ موجود ہے

عالم مثال میں دنیا کی ہر چیز کا نمونہ موجود ہے۔ جس کی یہ صورت ہے کہ ہمارا ہر فعل نیک ہو یا بد، عالم مثال میں کوئی نہ کوئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر وہ فعل نیک ہو تو اچھی صورت قبول کرتا ہے ورنہ بری شکل اختیار کرتا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ وضو کے وقت ہاتھ پاؤں دھونے سے گناہ خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ زائل ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں گناہوں کی صورت مثالیہ مراد ہے جس نے ہمارے ارتکاب ذنوب کے بعد کوئی صورت و شکل اختیار کر لی ہے۔

جیسے جیسے حسنات کی نیکی اور سیئات کی بدی بڑھتی ہے ویسے ہی اس کی مثالی شکل کا

حسن و قبح بھی ترقی پذیر رہتا ہے۔ عالمِ مثال میں مادیات کی طرح مجردات یعنی ملائکہ اور ارواح کی بھی شکلیں موجود رہتی ہیں۔ مجردات مثالی شکلیں اختیار کر کے عالمِ شہادت میں نظر آتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی شکل میں تشریف لانا یا عارفانِ الٰہی کا بیک وقت متعدد مقامات پر پہنچنا اس پر شاہد ہے۔ منامات یعنی رؤیا و خواب، تخیلات یعنی انسانی خیالات اور ارادے جو دل سے دماغ میں آتے ہیں، کشف اور روحانی واقعاتِ مشکلہ وغیرہ سب عالمِ مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔

عالمِ برزخ

یہاں موقع کی رعایت سے عالمِ برزخ کا جان لینا بھی مناسب ہے۔ عالمِ آخرت دو زمانوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا زمانہ موت سے حشرِ اجساد یعنی مُردوں کے جی اُٹھنے تک ہے۔ دوسرا قیامت سے ابدالآباد تک۔ پہلے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں۔ برزخ عالمِ اجسام سے لطیف اور عالمِ ارواح سے کثیف ہے اور یہ عالمِ عناصر اور عالمِ ارواح کے درمیان ایک واسطہ و ذریعہ ہے۔ موت کے بعد میت کا راحت پانا یا دُکھ اٹھانا اسی عالمِ برزخ سے متعلق ہے۔ دنیاوی زندگی میں جسم اور روح کے درمیان ایک مضبوط اتصالی علاقہ قائم ہے۔ یہ علاقہ مرنے کے بعد ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس انقطاعِ تعلق کے بعد روح اور بدن ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ نہیں ہو جاتے بلکہ ان میں احساس و ادراک کا تعلق اب بھی قائم رہتا ہے۔ اس تعلق کا نام بھی برزخ ہے جو کسی جگہ اور مقام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ محض ایک کیفیت کا نام ہے۔ حیاتِ برزخ کا ابتدائی اہم مرحلہ منکر و نکیر کا سوال ہے جس کے بعد ثواب یا عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ اسی کو قبر کا عذاب یا ثواب کہتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں جہاں میت گاڑی جاتی ہے بلکہ یہ تو صورتِ قبر ہے۔ قبر حقیقت میں عالمِ برزخ کا نام ہے۔

عالمِ مثال اور عالمِ برزخ کا فرق

عالمِ مثال اور عالمِ برزخ میں یہ فرق ہے کہ اوّل الذکر میں کوئی حِس نہیں بخلاف عالمِ برزخ کے کہ اس میں احساس موجود ہے۔ مثالی شکل میں احساس اسی وقت ہوتا ہے جب وہ بوقتِ حاجت کسی ذی روح کی شکل اختیار کرے لیکن یہ احساس ہنگامی اور عارضی ہوتا ہے۔ ضرورت اٹھ جانے کے بعد جب روح جسمِ مثالی سے علیحدہ ہو گی تو حِس بھی مفقود ہو جائے گی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عالمِ برزخ صرف روح اور جسم سے متعلق ہے لیکن عالمِ مثال کا تعلق تمام کائنات سے ہے

چنانچہ وہ انسانی اعمال و افعال، عقاید اور نیکی و بدی سے بھی متعلق تھے[عہ]۔

دودھ نوش فرمانا

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مصروفیتوں سے فارغ ہو کر مسجدِ اقصیٰ سے باہر نکلے تو پیاس نے غلبہ کیا۔ آپ نے پانی پینے کی خواہش کی۔ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے دو ظرف پیش کیے۔ ایک شراب کا اور دوسرا دو[illegible] کا۔ آپ نے دودھ کا برتن لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت (صحیح دینی مسلک) کو اختیار فرمایا ہے"۔ اور امام احمدؒ کی حدیث میں بروایت ابن عباس ایک ظرف دودھ کا اور دوسرا شہد کا مروی ہے۔ اور شدّاد بن اوس کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد مجھ کو پیاس لگی۔ اس وقت میرے سامنے یہ برتن حاضر کیے گئے۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے، جبریلؑ سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے"۔

گو اس وقت تک اسلام میں شراب حرام نہ ہوئی تھی لیکن چونکہ خمر فطرت فاسدہ، سامان نشاط اور باعثِ سُکر ہے، آپ نے اس کو پسند نہ کیا اور نظر انداز فرما دیا۔ البتہ دودھ کو جو فطرت صالحہ ہے پسند فرمایا جس طرح دین روحانی غذا کا ذریعہ ہے اسی طرح دودھ سے جسمانی غذا حاصل ہوتی ہے اور گو غذائیں اور بھی بہت ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے اور جسم اور جوہر دماغ کا مقوی ہے۔ اور دودھ کے ساتھ جو شراب پیش کی گئی تو ممکن ہے کہ وہ جنت کی شراب طہور ہو چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ گو دودھ حلال اور شراب حرام تھی تاہم ان دو میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس تفویض اختیار میں یا تو یہ حکمت تھی کہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی، یا وہ شراب جنت سے آئی ہوگی اور جنت کی شراب حرام نہیں ہے (فتح الباری)

سیڑھی کا نصب کیا جانا

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے آسمان پر کس طرح پہنچے۔ آپ فرماتے ہیں :-

---

عہ من افادات المولٰنا اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ مع الاضافات ۱۲

فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرِیْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَآءَ الدُّنْیَا (بخاری ومسلم عن قتادہ عن انس)	پھر جبریل مجھ کو لے گئے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا پر پہنچے۔

اس ارشاد سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی بُراق ہی کی سواری پر تشریف لے گئے گو درمیان میں بیت المقدس وغیرہ مقامات پر اُترتے رہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ جب خواجۂ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی مصروفیتوں سے فارغ ہوئے تو آپ کے لیے ایک سیڑھی کھڑی کی گئی جس سے چڑھ کر آپ آسمان پر پہنچے۔ آپ کا عروج سماوی بذریعہ بُراق نہیں ہوا تھا جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ براق کو تو آپ نے مسجد اقصیٰ کے دروازے پر مکہ واپس جانے کے قصد سے باندھ دیا تھا۔ حافظ سیوطیؒ نے بھی اسی پر جزم کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (المعراج الکبیر)

ان بیانات کی تائید مفصلۂ ذیل روایتوں سے ہوتی ہے۔ بیہقی نے حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر (بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد) میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا جس کی راہ سے بنی آدم کی روحیں (بعد از مرگ) چڑھتی ہیں۔ سو اس زینہ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز مخلوق کی نظر سے نہ گزری ہوگی۔ تم نے کسی میت کا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھنا مشاہدہ کیا ہوگا۔ سو وہ میت اسی زینہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہے"۔

شرف المصطفیٰ میں ہے کہ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا۔ اس کے داہنے بائیں فرشتے اوپر تلے اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور کعب کی روایت میں ہے کہ آپ کے لیے ایک سونے کا اور ایک چاندی کا زینہ رکھا گیا یہاں تک کہ آپ اور جبریلؑ اس پر چڑھے۔ اور ابن اسحٰق کی روایت میں آپ کا ارشاد ہے کہ جب میں بیت المقدس کی مصروفیت سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا اور میرے رفیق سفر جبریلؑ نے مجھ کو اس پر چڑھایا یہاں تک کہ دروازۂ آسمان پر پہنچے۔ (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ لمولٰنا اشرف علیؒ)

مولٰنا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بُراق اور زینہ کی روایتوں میں اس طرح جمع ممکن ہے کہ کچھ دور ایک پر سفر کیا ہو کچھ دور دوسرے پر جس طرح مکرم مہمان کے روبرو کئی سواریاں حاضر کی جاتی ہیں۔ اس کو اختیار رہتا ہے کہ جس پر چاہے سواری کرے یا تھوڑی مسافت

سب پر قطع کرے۔ اس کے بعد مولانا ممدوح لکھتے ہیں ہر چند کہ براق نہایت تیز رفتار ہے مگر اس کی سرعت اور بطور راکب کے دستِ اختیار میں ہوگا کیونکہ براق پر سوار ہونے کے بعد مختلف مواقع و مقامات پر نزول اور مختلف مناظر پر مفصل اطلاع و مرور ظاہراً اعتدال فی السیر پر دلالت کرتا ہے (نشر الطیب)

آسمانِ اوّل پر ورود

حضرت سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آسمانِ دنیا تک پہنچے۔ جبریل علیہ السلام نے آسمان کے محافظ فرشتے سے کہا کہ دروازہ کھول۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ محافظ نے کہا مرحبا! تشریف لائیے۔ اہلِ آسمان اس بشارت پر مسرور ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ آسمان کا کوئی فرشتہ نہیں جانتا کہ خدائے قدوس زمین پر کیا چاہتا ہے جب تک اس کو معلوم نہ کرایا جائے (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انس رض)

ابن وحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آسمانوں کے دروازے بند رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے ان کو کھول کر نہیں رکھا گیا تھا حالانکہ کھول رکھنے میں آپ کا زیادہ اکرام تھا لیکن کھلے رکھنے کی صورت میں شاید آپ یہ گمان کرتے کہ آسمانوں کے دروازے ہمیشہ کھلے ہی رہتے ہوں گے۔ پس عین وقت پر کھولے گئے تاکہ آپ کو احساس ہو کہ محض میری خاطر کھولے گئے ہیں۔ (المعراج الکبیر)

شیخ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں: "فرشتوں کا یہ سوال کرنا کہ "آپ کے ساتھ کون ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے جبریل ع کے ساتھ ان کے کسی رفیق کا بھی احساس کیا ورنہ وہ یوں سوال کرتے کہ کیا کوئی آپ کے ساتھ بھی ہے؟ اور یہ احساس یا تو مشاہدہ سے حاصل ہوا کیونکہ آسمان شفاف ہیں یا کسی معنوی امر مثلاً زیادتِ انوار وغیرہ سے مُدرک ہوا ہو۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ملائکہ کے اس سوال میں کہ کیا ان کو طلب کیا گیا ہے، یہ حکمت تھی کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ اطلاع دینی چاہی کہ ملاءِ اعلیٰ میں بھی آپ کی شہرت و ناموری ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ملائکہ میں یہ بات مشہور تھی کہ آپ کسی وقت طلب کیے جائیں گے۔ ورنہ وہ یوں سوال کرتے کہ محمدؐ کون ہیں؟ (فتح الباری)

نہر کوثر

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے وہاں ایک نہر دیکھی جس کے

کناروں پر مروارید اور زبرجد کے محل بنے تھے۔ اس میں ہاتھ ڈالا تو اس کی مٹی بالکل خالص کستوری کی مانند تھی۔ پوچھا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ کہا یہی نہر کوثر ہے جو خدا نے تمہیں آپ کے لیے تیار کر رکھی ہے (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انس رضؓ)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں ایک نہر پر پہنچا جس کے کناروں پر یاقوت، مروارید اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور نہر پر جابجا نہایت لطیف قسم کے سبز پرند تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ نہر کوثر ہے جو واہب پروردگار نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر جاری ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ یہاں کے برتن سونے اور چاندی کے ہیں۔ میں نے ایک برتن لے کر کوثر کا پانی پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور کستوری سے زیادہ خوشبو تھا (تفسیر ابن ابی حاتم)

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ اس سے دو نہریں نکلی ہیں۔ ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت (بیہقی عن ابی سعیدؓ)

مولٰنا اشرف علیؒ لکھتے ہیں کہ دوسری احادیث سے حوض کوثر کا جنت میں ہونا منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی اصل جنت میں اور یہاں اس کی شاخ ہوگی جیسا اس کی ایک شاخ میدان قیامت میں ہوگی۔

ابوالبشرؑ سے ملاقات

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے آسمان پر آدم (علیہ السلام) کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں، ان کو سلام کیجیئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا اور کہا اے فرزند صالح اور نبی صالح! مرحبا۔ اس کے بعد میرے لیے دعائے خیر کی۔ میں نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام کی داہنی اور بائیں جانب بہت سی دھندلی صورتیں ہیں۔ [illegible] دائیں طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ صورتیں جو ان کے دائیں بائیں ہیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے آپ دائیں طرف دیکھ ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (بخاری عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذر)

اور بزار کی حدیث میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوشبو آتی ہے۔ جب داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے

ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں"۔ اور بیہقی نے ابوسعید خدری رضؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ ان کی اولاد کی روحیں ان کے پیش کی جاتی ہیں۔ مومن کی روح ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ روح طیبہ و نفس طیبہ ہے اس کو علیین میں رکھو اور جب فاجر اولاد کی روح سامنے لائی جاتی ہے تو فرماتے ہیں کہ روح خبیثہ اور نفس خبیثہ ہے اس کو سجین میں رکھو"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے جو روحیں پیش کی جاتی ہیں یہ وہ روحیں نہیں جو ہنوز جسموں میں داخل نہیں ہوئیں بلکہ وہ ارواح مراد ہیں جو قبض ارواح کے بعد جسموں سے خارج ہو جاتے ہیں (فتح الباری)

ایک اشکال کا حل

مولٰنا اشرف علیؒ لکھتے ہیں :-

آدم علیہ السلام کے داہنے بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ ارواح کی مثالی صورتیں تھیں اور بزار کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمان پر موجود اور مستقر نہ تھے بلکہ اپنے اپنے ٹھکانے پر تھے اور اس ٹھکانے اور مقام آدم علیہ السلام کے درمیان دروازہ تھا، اس دروازہ سے صورتوں کا عکس اس مقام پر پڑتا ہوگا یا وہ ہوا جو آتی تھی آخر وہ بھی جسم ہے اس میں انطباع وانعکاس کی خاصیت ہوگی جیسے ہوا شعاعوں سے متکیف ہوکر رؤیت کے قابل ہو جاتی ہے کیونکہ اس روایت میں دروازہ کا ہونا مذکور ہے۔ یہ ظاہرا اس کا قرینہ ہے کہ وہ دروازہ وہاں تک ان صورتوں کے اثر پہنچنے کا واسطہ تھا۔ پس اس میں اشکال نہ رہا کہ نص قرآنی اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی روحیں آسمان پر نہیں جا سکتیں۔ پھر آسمان دنیا پر کافروں کی یہ روحیں جو بائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟ (نشر الطیب)

لفظ صالح پر توارد

علامہ ابن حجر عسقلانی رحؒ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء نے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیٔ صالح سے خطاب کیا اور آپ کے تمام اوصاف میں سے اسی صفت پر اکتفا کیا اور سب کا اس پر توارد ہوا کیونکہ صلاح ایک ایسی صفت ہے جو خیر کی تمام خصلتوں پر مشتمل ہے۔ اسی بنا پر ہر نبی نے اس صفت کا اعادہ کیا اور صالح وہ ہے جو ان تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد پر قیام کرے جو اس پر لازم ہیں۔ اور لفظ "ابن صالح" (صالح فرزند) میں آدم علیہ السلام کا حضرت امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوّت پر اظہار

فخر ہے (فتح الباری)

انبیاء کے ارواح کا تمثّل

مولنا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قبل جمیع انبیاء میں بھی آدم علیہ السلام سے مل چکے تھے اور وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح آپ نے دوسرے آسمانوں میں دوسرے انبیاء کو بھی دیکھا۔ سب کے متعلق یہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسم سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا تھا یعنی غیر عنصری جسد سے (جس کو صوفیہ مثالی جسم کہتے ہیں) روح کا تعلق ہوگیا۔ اور جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق۔ اور ظاہراً یہ مثالی جسم جو دو جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا۔ اسی لیے بیت المقدس میں ملاقات ہونے کے باوجود آپ نے ان انبیاء کو آسمان پر نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسٰی علیہ السلام چونکہ آسمان پر مع الجسد ہیں، ان کو آپ نے مع الجسد دیکھا لیکن ان کو جو بیت المقدس میں دیکھا وہ مع الجسد نہیں تھا بلکہ بالمثال تھا کہ مثالی جسد کے ساتھ روح کا تعلق قبل الموت بھی بطور خرق عادت ممکن ہے اگرچہ اس کا بھی امکان ہے کہ بیت المقدس میں مع الجسد ہوں اور وہ آسمان سے آگئے ہوں یا دونوں جگہ مع الجسد ہوں کہ پہلے آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں اور پھر یہاں سے آسمان پر پہنچ گئے ہوں۔ مگر خلاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم (نشر الطیب)

یحیٰی اور عیسٰی علیہما السلام سے ملاقات

آپ فرماتے ہیں کہ جبریل مجھ کو ساتھ لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ کہا گیا کون ہے؟ کہا جبریل۔ محافظ نے کہا ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔ کہا مرحبا! کیا خوب آنا ہوا۔ غرض دروازہ کھلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ یحیٰی اور عیسٰی (علیہما السلام) موجود ہیں اور وہ دونوں باہم خلیرے[عہ] بھائی ہیں۔ جبریل نے کہا یہ عیسٰی اور یحیٰی ہیں ان کو سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ دونوں

[عہ] یحیٰی علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں۔ اس اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام جناب یحیٰی علیہ السلام کی خالہ زاد بہن کے لڑکے یا بھانجے تھے۔ چونکہ نانی بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لیے عیسٰی علیہ السلام کی نانی کو ماں قرار دے کر مجازاً خلیرا بھائی فرمایا گیا۔ عرب میں اس قسم کا استعمال عام طور پر رائج ہے (نشر الطیب)

نے جواب دے کر کہا مرحبا! اے برادر صالح و نبی صالح۔ اس کے بعد انہوں نے میرے حق میں دعاے خیر کی۔

یوسف علیہ السلام کی بازدید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر جبریلؑ مجھ کو تیسرے آسمان پہلے گئے اور دروازہ کھلوایا۔ وہاں بھی محافظ فرشتہ سے وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے اور دوسرے آسمان پر ہوئے تھے جب دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ وہاں یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ جبریلؑ نے کہا یہ یوسفؑ ہیں ان کو سلام کیجیئے۔ میں نے سلام کیا اور یوسف (علیہ السلام) نے جواب دے کر کہا مرحبا اے برادر صالح و نبی صالح۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے دعاے خیر کی (رواہ مسلم عن ثابت البنانی عن انسؓ)

علامہ ابن حجرؒ رقم فرما ہیں کہ بیہقی نے ابوسعید خدریؓ سے اور ابن عائذ اور طبرانی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک مرد سے ملا جو خلق اللہ سے زیادہ حسین تھا اور اسے حسن میں لوگوں پر اسی طرح تفوق بخشا گیا تھا جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

حالانکہ ترمذی نے انسؓ سے روایت کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں فرمایا جو حسین اور خوش آواز نہ ہو اور تمہارا نبی ان سب سے زیادہ حسین و خوش جمال اور سب سے زیادہ خوش الحان ہے۔" پس حدیث معراج اس پر محمول ہو گی کہ اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوسرے لوگ مراد ہیں چنانچہ اس بیان کی تصدیق اس شخص کے قول سے ہوتی ہے جس کا بیان ہے کہ متکلم اپنے عموم خطاب میں داخل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے جس کی امام بخاری نے تخریج کی ہے ابن منیر نے یہ مراد لی ہے کہ جو حسن و جمال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا گیا تھا اسی کا کچھ حصہ یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ واللہ اعلم (فتح الباری)

موسیٰ علیہ السلام کا مرحبا کہنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ہم چوتھے آسمان پر گئے۔ وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمانوں پر ہو چکے تھے اور دروازہ کھولا گیا۔ وہاں میں نے ادریس علیہ السلام کو پایا۔ انہوں نے

بھی مرحبا کہہ کر میرے لیے دعا کی۔ پھر ہم پانچویں آسمان پر گئے۔ وہاں ہارون (علیہ السلام) کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہہ کر میرے لیے دعائے خیر کی۔ اس کے بعد چھٹے آسمان پر پہنچے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے مرحبا کہہ کر میرے حق میں دعا کی اور کہا الٰہی! میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کسی کو مجھ پر فضیلت دی جائے گی (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انس) جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام روئے۔ آواز آئی کیوں روتے ہو؟ کہا اے خدا! میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا ہے اس کی اُمت کے لوگ میرے اُمتیوں سے زیادہ جنت میں جائیں گے (مسلم عن قتادہ عن انس بن مالک بن صعصعہ)

غبطہ کا محمود ہونا

امام نووی "شرح مسلم" میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا رونا اپنی امت پر حزن و حسرت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تابعین پر غبطہ کے طور پر تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امر خیر میں غبطہ محمود ہے۔ غبطہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کریں کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی۔ البتہ دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا سے بچنا چاہیئے ورنہ یہ حسد ہوگا اور حسد حرام ہے"۔

موسیٰ علیہ السلام کی شفقت

علماء نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا گریہ و بکا (معاذ اللہ) کسی حسد سے ہمکنار نہ تھا کیونکہ حسد سے تو آحاد المسلمین بھی محفوظ ہیں چہ جائیکہ اُس ذاتِ گرامی کی طرف سے اس کا احتمال ہو جسے خدائے جلیل نے برگزیدہ فرمایا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا صدمہ تھا کہ ان سے وہ اجر فوت ہو گیا جس سے رفع درجہ مترتب ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ امت موسوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھائی اور انتہائی شدت اختیار کی جس کی وجہ سے ان کے ثواب میں نقص ہوا اور اجر میں کمی رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کو انہی افراد کی برابر اجر ملتا ہے جنہوں نے اس کی متابعت کی ہو۔ گو اُمتِ محمدی کے مقابلہ میں امت موسوی کی مدت طویل ہوئی تاہم موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تعداد میں پیروانِ اُسوۂ محمدی سے کم رہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کا آپ کو لڑکا کہنا ازراہ تنقص نہ تھا بلکہ قدرتِ الٰہی کی عظمت اور اس کے غیر معمولی فضل و کرم کے اظہار کے لیے تھا کہ اس مولائے کریم نے اس چھوٹی عمر میں

حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمالات عطا فرمائے جن سے کسی نبی کو زیادہ عمر رکھنے کے باوجود نہ نوازا تھا اور اس اُمت کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نماز کے بارہ میں وہ شفقت وعنایت ظاہر ہوئی جس کا کسی دوسرے نبی سے اظہار نہ ہوا تھا ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جس کی طبری اور بزار نے تخریج کی ہے اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے ۔ چنانچہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جن پیغمبروں کے پاس سے گزرا ان میں موسیٰ (علیہ السلام) کو جاتے وقت سب سے سخت اور آتے وقت سب سے شفیق پایا ۔

اور ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں بہت زیادہ رحمت وشفقت ودیعت رکھی تھی اور یہ اسی رحمت کا اقتضاء تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کے لیے آبدیدہ ہوئے ۔ اور ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑکا کہنا اپنے مقابلہ میں آپ کی صغر سنی کی طرف اشارہ تھا اور خطابی نے کہا کہ جب تک انسان کے بدن میں قوت باقی رہے عرب اسے لڑکا ہی کہا کرتے ہیں (فتح الباری)

ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے سہارا لگائے دیکھنا

حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے ۔ وہاں میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ۔ جبریلؑ نے کہا یہ آپ کے جدّ امجد ابراہیمؑ ہیں ان کو سلام کیجئے ۔ میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا اے فرزند صالح اور نبیؐ صالح ۔ میں نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں ان کا ہمشکل فرزند ہوں ۔ اس وقت ابراہیمؑ بیت المعمور کی طرف پشت کا سہارا لیے بیٹھے تھے ۔ مجھے بتایا گیا کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر دوبارہ نہیں آتے (مسلم عن ثابت البنانی عن انسؓ) دوسری روایت میں ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو پھر دوبارہ نہیں آتے (نسائی عن قتادہؓ عن انس عن مالک بن صعصعہ)

اُجلے لباس والے اُمتیوں کے ہمراہ بیت المعمور میں داخلہ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیمؑ بہت حسین ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں اور میری اُمت کے بھی دو طبقے موجود ہیں ۔ ایک وہ جن کے سفید اُجلے لباس ہیں اور دوسرے وہ جن کے کپڑے میلے کچیلے ہیں ۔

میں بیت المعمور میں داخل ہوا۔ اُجلے لباس والے بھی میرے ساتھ گئے اور دوسرے روک دیے گئے۔ سو میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی (دلائل بیہقی عن ابی سعید) اور فرمایا کہ بیت المعمور آسمان میں ایک مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے اوپر کی جانب اس کی بالکل سیدھ میں واقع ہے۔ اس میں ستر ہزار ملائکہ روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی (رواہ محمد بن جریر طبری عن قتادہ) یعنی اگلے دن اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں (کذا فی المشکوٰۃ عن مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ شافع ہر دوسرا علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ شب معراج ابراہیم خلیل اللہ نے مجھ سے کہا اے محمدؐ! اپنی اُمت کو میری طرف سے سلام کہنا اور ان کو اطلاع دینا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور اس کا پانی شیریں ہے۔ بہشت ایک وسیع چٹیل میدان ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کا پڑھنا اس میں درخت لگانا ہے (ترمذی)

مختلف آسمانوں کے ساتھ انبیاء کے اختصاص کی حکمت

اس میں اختلاف ہے کہ ہر نبی کو اس آسمان سے کیا خصوصیت تھی جہاں جہاں پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک سے ملاقات فرمائی اور پھر جن انبیاء کرام سے آپ ملاقی ہوئے وہی اس ملاقات کے لیے کیوں مخصوص ہوئے؟ دوسروں کو اس شرف سے کیوں سرفراز نہ کیا گیا؟ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی قوم کے ساتھ وہی معاملات پیش آ رہے تھے جو ان انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کی طرف سے پیش آئے تھے اس لیے وہی اس ملاقات کے لیے مخصوص فرمائے گئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں امام سہیلیؒ اور علامہ ابن منیرؒ سے ان مناسبات و خصوصیات کو بالتفصیل قلم بند کیا ہے راقم یہاں ان کا ملخص درج کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام

آدم علیہ السلام کی ملاقات میں اس حقیقت پر انتباہ تھا کہ جس طرح ابو البشر علیہ السلام جنت سے نکال کر دنیا میں پہنچائے گئے اسی طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جائیں گے۔ دونوں حضرات کو یکساں مشقت کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں وطن مالوف کے فراق کا صدمہ سہنے پر مجبور ہوئے اور پھر دونوں کا مآل یہ ہے کہ اپنے اپنے اس وطن کو جہاں سے نکالے گئے واپس لائے جائیں گے

اس کے علاوہ آدم علیہ السلام کے آسمان اوّل پر موجود ہونے میں یہ حکمت تھی کہ وہ انبیاء میں سب سے اوّل اور آباء کرام میں سب سے مقدم اور سب کی اصل و بنیاد ہیں اس لیے سماءِ اُولیٰ ہی ان کے استقرار کے لیے مناسب و موزوں تھا۔

عیسٰی اور یحییٰ علیہما السلام

جس طرح عیسٰی اور یحییٰ علیہما السلام نے یہود کی طرف سے ایذائیں اٹھائیں اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کے بعد یہودیوں کے ہاتھوں سے دُکھ سہنے پڑے جس طرح یہودیوں نے یحییٰ نبیؑ کو شربتِ شہادت پلایا اور مسیح علیہ السلام کو مصلوب کر کے ان کا چراغِ حیات گل کرنے کی کوشش کی اسی طرح وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی جان لینے میں برابر کوشاں رہے اور آپ کو پیہم تکلیفیں پہنچائیں۔ اس کے علاوہ عیسٰی اور یحییٰ علیہما السلام آپ کو دوسرے آسمان پر ملے کیونکہ وہ زمانہ کے لحاظ سے دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کو سب سے زیادہ قریب ہیں۔

یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام سے آپ کی یہ مناسبت تھی کہ جس طرح ان کے بھائیوں نے انہیں کوئیں میں ڈالا، اسی طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم قریش کے ہاتھوں سے سخت دکھ اُٹھائے اور جس طرح برادرانِ یوسفؑ نے انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی، اسی طرح قریش نے بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشِ ہستی محو کرنے کی انتہائی کوششیں کیں اور جس طرح یوسف علیہ السلام انجام کار اپنے بھائیوں پر غالب آئے اسی طرح خدائے قدیر نے امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جبابرۂ قریش پر غلبہ نصیب کیا چنانچہ آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ میں بھی آج تمہارے متعلق وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج تم پر کوئی الزام نہیں) یوسف علیہ السلام سے ایک مناسبت یہ ہے کہ اُمتِ محمدی یوسف علیہ السلام ہی کی شکل و صورت میں بہشت میں داخل ہوگی (فتح الباری)

ادریس علیہ السلام

ادریس علیہ السلام کے ساتھ آپ کی یہ مناسبت تھی کہ جس طرح وہ جنت میں داخل کر کے رفیع منزلت سے بہرہ مند کیے گئے اور حق تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا، اسی طرح آپ کو ایسی بلندی پر پہنچایا گیا جہاں پر کوئی نبی اور کوئی ملک مقرب نہیں پہنچا تھا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے نبی علیہ السلام

تو اپنے عین حیات یعنی شب معراج جنت میں داخل ہوئے تھے لیکن ادریس علیہ السلام کو بعد مرگ جنت کا داخلہ میسر ہوا تھا۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ جس طرح ادریس علیہ السلام نے ملوک عالم کو خطوط بھیج کر توحید کی طرف بلایا تھا اسی طرح آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شاہان عالم کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے تھے۔ (المعراج الکبیر)

ہارون علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ یہ مشابہت تھی کہ جس طرح ان کی قوم نے پہلے ان کو ایذائیں دیں اور پھر ان کی محبت پر مائل ہوئی، اسی طرح قریش بھی سالہا سال کی ایذارسانیوں اور عداوت کوشیوں کے بعد اتمام کار پیرو بن کر آپ کی محبت سے سرشار ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام سے یہ مناسبت تھی کہ جس طرح حضرت کلیمؑ کو ان کی قوم نے ایذائیں دیں، اسی طرح آپ کی قوم بھی آپ سے برسر عناد رہی اور شیوۂ جور وجفا اختیار کیے رکھا چنانچہ آپ نے فرمایا ہے لَقَدْ اُوْذِیَ مُوْسٰی بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ (موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ ایذائیں دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا)۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

جس طرح ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے ہیں، اسی طرح آپ نے بھی مناسک حج ادا کیے اور بیت اللہ کا احترام ملحوظ رکھا اور ساتویں آسمان پر ان سے ملاقات کرنے میں ایک مناسبت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ ہجری میں مکہ معظمہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے آباء کرام میں سے آخری باپ ہیں۔ پس مناسب ہوا کہ آپ ان کی ملاقات سے از سر نو مانوس ہوں کیونکہ اس کے تھوڑا زمانہ بعد آپ دوسرے عالم کی طرف توجہ فرمانے والے تھے۔ مزید برآں گو خلیلؑ کی منزلت اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ بلحاظ درجات سب سے افضل ہوں، لیکن حبیب کا درجہ خلیل کے مقام سے بھی بلند ہے۔ اسی کے اظہار کے لیے آپ حضرت خلیلؑ کی منزلت سے بلند ہو کر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی تک پہنچے (فتح الباری)

مناسبت کے متعلق ایک اور بیان

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں کہ تذکرۂ صدر روایات میں صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات آدم، یحییٰ، عیسیٰ، یوسف، ادریس، ہارون، موسیٰ، ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات فرمانے کا ذکر ہے جو آپ کے

استقبال اور خیر مقدم کے لیے اپنے اپنے مقام پر موجود تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی اس ترتیب میں ابتداء، انتہا اور اوسط کی یہ مناسبت ہے کہ جناب ابوالبشر علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پدرِ اول اور جناب خلیل علیہ السلام پدرِ آخر ہیں اور بیچ کے چھ پیغمبر آپ کے اخوان یعنی دینی بھائی تھے۔ گو دوسرے جلیل القدر اور اولوالعزم انبیاء بھی آسمانوں پر موجود تھے، لیکن ان نام بردہ حضرات کا انتخاب اس فطری مناسبت کے باعث ہوا جو ان میں فرداً فرداً اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی حیثیت سے موجود تھی (نشر الطیب)

نوح علیہ السلام سے ملاقات نہ ہونے کی علت

جن انبیاء و مرسلین نے شبِ معراج خاتمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اپنے مستقر پر خیر مقدم کیا، نوح علیہ السلام کے سوا ان میں تمام اولوالعزم رسول داخل تھے۔ بظاہر مقام حیرت ہے کہ ایسا جلیل القدر رسول جس نے تمام انبیاء و رسل سے زیادہ طویل زمانہ تبلیغ و رسالت کے فرائض ادا کیے اور راہِ خدا میں بڑے بڑے دکھ اٹھائے، آپ کے شرفِ دید سے کیوں محروم رہا۔ اس کی وجہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ شبِ معراج رحمت و برکت اور خوشی کی رات تھی اس لیے مصلحتِ خداوندی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ وہ جلیل القدر نبی علیہ السلام حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم میں شرکت نہ فرمائے جس نے اپنی قوم کے لیے بارگاہِ الٰہی سے عذاب و ہلاکت کی درخواست کی تھی۔ نوح علیہ السلام قریباً ہزار برس تک خلوت اور جلوت میں ترغیب و ترہیب کے مختلف پہلوؤں سے اپنی ضلالت پسند قوم کو سمجھاتے رہے، لیکن ان کی امتِ دعوت کے افراد ایسے قسی القلب تھے کہ انہوں نے نصیحت قبول کرنا تو درکنار سننا بھی گوارا نہ کیا۔ آخر نوح علیہ السلام نے قرنہا قرن کے بعد ان پر ہلاکت و بربادی کی بددعا کی، چنانچہ طوفان نے سب کو قعرِ ہلاک میں ڈال کر نابود کر دیا۔

سدرۃ المنتہیٰ کے قرب میں ورود

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جبریلؑ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے۔ حکمِ الٰہی سے اس پر جو چھانا تھا وہ چھا چکا تو اس کی ہیئت بدل گئی۔ پھر کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کی تعریف کر سکے (مسلم عن ثابت البنانی عن انسؓ) اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ سدرہ پر کچھ رنگ چھائے ہوئے تھے جن کی حقیقت میں نہیں جانتا (بخاری و مسلم عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذر) خدائے قدیر نے سورہ نجم میں فرمایا اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (جب سدرہ کو لپٹ

ہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں) راوی کہتا ہے کہ اس سے سونے کے پروانے مراد ہیں۔ (مسلم، ترمذی، نسائی عن عبداللہ بن مسعودؓ) لیکن یہ محض تشبیہ ہے ورنہ سونے کے پروانے دراصل ملائکہ ہیں جن سے طلائی چمک دمک پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں پروانوں کی بجائے فرشتوں کا لفظ مذکور ہے۔ مندرجہ بالا روایتوں کا ماحصل یہ ہے کہ جب اس درخت پر خدائے قدوس کی خاص تجلی ہوئی تو اس کا روپ ہی بدل گیا اور حسن و جمال اس انتہا کو پہنچ گیا کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

سِدرَۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ

معلوم ہو کہ یہ درخت فرشتوں کے اوپر جانے یا ان کے معلومات کی آخری حد ہے اسی لیے اس کو منتہیٰ کہتے ہیں چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز زمین سے اوپر جاتی ہے وہ سدرہ پر پہنچ کر رک جاتی ہے اور جو چیز اوپر کی طرف سے آتی ہے وہ بھی یہیں رہ جاتی ہے (مسلم عن عبداللہ بن مسعود) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی متنفس اس حد سے آگے نہیں جا سکا۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ سدرہ پر تمام دنیا کا علم منتہیٰ ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کا کسی کو علم نہیں (ترمذی)

احادیث متذکرۂ صدر کا مفہوم یہ ہے کہ سدرہ ساتویں آسمان میں ایک درخت ہے۔ عالم بالا سے جو رزق اور احکام وغیرہ آتے ہیں وہ پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ڈاک خانہ کی سی ہے کہ خطوط کی آمد و برآمد وہیں سے ہوتی ہے۔ غرض سدرۃ المنتہیٰ کو نیچے اور اوپر کی حد فاصل سمجھنا چاہیے۔ نیچے کے لوگ اس سے اوپر نہیں جا سکتے اور اوپر والے اس سے نیچے نہیں اترتے۔ اسی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہے۔

رُوح الامین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنا

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جبریل امین حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیشہ انسانی شکل و صورت میں وحی لے کر آیا کرتے تھے اور آتے وقت عموماً دحیہ کلبیؓ نام ایک صحابی کی شکل و ہیئت اختیار کی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ابتدائے نبوت میں آپ نے جبریلؑ سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی اصلی صورت بھی دکھاؤ چنانچہ آپ نے ان کو غار حرا کے پاس ایسی حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اور جسم اور پروں نے آسمان کے دونوں کنارے چھپا رکھے تھے۔

اسی طرح شب معراج میں بھی آپ نے حضرت جبریلؑ کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا چنانچہ سورۂ نجم کی ان آیات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (ترجمہ):۔

> "اور انہوں نے تو (معراج کے وقت) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جہاں (نیک بندوں کے) رہنے کی جگہ بہشت ہے جبریلؑ کو ایک دفعہ اور بھی (ان کی اصلی صورت پر) دیکھا تھا جبکہ اُس بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ اس وقت بھی (پیغمبرؐ کی) نظر نہ کسی طرف کو بہکی نہ حد سے بڑھی۔ بیشک انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیاں دیکھیں"

لیکن اس رؤیت ثانیہ کی تفصیل کسی حدیث، تفسیر، یا سیرت کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری اور یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت رُوح الامینؑ دوسری مرتبہ کس مصلحت و ضرورت سے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ہم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے تو مجھ پر ایک کہرسی چھا گئی۔ میں سجدہ میں گر پڑا۔ آواز آئی کہ میں نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا اُسی روز تم پر اور تمہاری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ اب تم اور تمہاری اُمت ان کو قائم کرو۔ پھر میں ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس پہنچا۔ انہوں نے (اس بارہ میں) مجھ سے کوئی امر دریافت نہ کیا۔ وہاں سے میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا (نسائی عن یزید بن ابی ملک عن انسؓ) موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا خدا نے آپ کو کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا مجھے رات دن میں پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔" موسیٰؑ نے کہا آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر جا کر درخواست کیجیے تاکہ خدائے برتر اس میں تخفیف کر دے۔" میں نے جبریل امینؑ سے کہا آپ اس بارہ میں کیا صلاح دیتے ہیں؟ جبریلؑ نے کہا ہاں! آپ جا کر التماس کر سکتے ہیں۔" چنانچہ میں (بارگاہ ایزدی میں درخواست کرنے کے لیے) اُسی مقام پر جہاں مناجات کی تھی پہنچا (یعنی جہاں نماز کا حکم ہوا تھا) اور التماس کی الٰہی! پچاس نمازوں میں تخفیف فرما دے کہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ حق تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انسؓ) پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا اور ان سے دس نمازوں کی تخفیف کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا بارگاہ خداوندی میں دوبارہ جائیے اور تقلیل رکعات کی درخواست کیجیے۔ خدا نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں۔ وہ اس کو بھی ادا نہ کر سکے

[illegible]

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ
نمازیں [illegible] کو قائم کرو تو میں نے جان لیا کہ

خلافِ بندگی تھی وقت سے پہلے خود عرض کرتے ہیں مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے پر وہ تخفیف کی درخواست کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو کم ہوتے ہوتے پانچ تک پہنچیں

حضرت خلیلؑ نے شب تخفیف کا کیوں مشورہ نہ دیا؟

علامہ ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب تخفیف کا مشورہ دیا، اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے آپ کو کوئی مشورہ نہ دیا، اس لئے کہ حضرت خلیل جو مقام خلت اور تسلیم و رضا کے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت زیادہ رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ خلت رضا و تسلیم کا مقام ہے، اور مقام رضا طلب تخفیف کے منافی ہے اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کلیم تھے اور ان کا مقام دلال و انبساط کا مقام تھا وہ بے تکلفی اور التماس سے بار بار مراجعت کر سکتے تھے (خصائص کبریٰ)

رسول ثقلینؐ کا خدا سے ہم کلام ہونا

صحیح مسلم میں حدیث کی سب سے پہلی جو حدیث ہے وہ قتادہ عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ کی روایت سے مروی ہے فرضیت نماز کے تذکرہ میں مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں بار بار حضرت حق سے تخفیف کی درخواست کر چکا ہوں یہاں تک کہ مجھے شرم محسوس ہونے لگی لیکن اب میں حکم ربی پر رضامند ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ پھر جب میں وہاں سے چلا تو ایک منادی نے ندا کی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد کہ مجھے ایک پکارنے والے نے آواز دی، اس دعویٰ کی قوی دلیل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ شب معراج اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ہم کلام ہوا (فتح الباری)

مولانا اشرف علی لکھتے ہیں کہ یہ جو حدیثوں میں کعب کا قول ہے اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّمُوْسٰى (اللہ تعالیٰ نے رؤیت اور کلام محمد اور موسیٰ علیہما السلام میں تقسیم کر دیا۔ کذا رواہ الترمذی) اس سے کلام کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اس سے کلام کی عادت مراد ہے جو مرۃ بعد اخریٰ ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام شاید ایک ہی بار واقع ہوا (نشر الطیب)

دو مزید عطیے

اس موقع پر حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مزید نوازشوں سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ایک سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں دوسرے اُن مسلمانوں کی بخشش جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھیراتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج تین چیزیں عطا ہوئیں۔ نماز پنج گانہ، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کی اُمت میں سے اُن لوگوں کے کبیرہ گناہوں کی بخشش جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی)

لیکن جائے افسوس ہے کہ نفی کے سیکڑوں (ہزاروں دلائل کی موجودگی میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شرک جلی میں گرفتار ہے۔ ان لوگوں نے حضور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ خداوندی میں خدائے واحد کا شریک بنا رکھا ہے اور برملا کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمیع و بصیر ہیں اور نہ صرف سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ ان کے زعم میں اللہ کا ہر ولی غیب داں، سمیع و بصیر اور حاجت روائے خلق ہے۔ دعا ہے کہ خدائے موفق ان لوگوں کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

جنت کی سیر

جنت جو مادی چیز ہے، عالمِ آخرت میں مومن متقیوں کا دار الجزا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو عالمِ اول کے فنا ہونے کے بعد اس عالم کے نیکوکار اور قابلِ مغفرت لوگوں کا مسکن بنے گا۔ جنت وسعت میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔ اس کی جسمانیت اتنی لطیف ہے کہ اس کو ظاہری نگاہ نہیں دیکھ سکتی البتہ کشفی نظر سے دکھائی دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ دیکھنے کے بعد میں جنت میں داخل کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں (جو محل ہیں ان) کے گنبد مروارید کے ہیں اور اس جگہ کی مٹی کستوری کی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حسب بیان ابن دحیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر جنت آپ کے حق میں کرامت عظیمہ تھی، کیونکہ آپ اپنی اُمت کو جنت کی خریداری کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ	اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے مومنوں کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں۔

پس ربّ ودود نے چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام کا معاینہ کرا دے جس کے حصول کی آپ اپنی اُمّت کو ترغیب دیا کرتے تھے تاکہ جنت کا وصف مشاہدہ پر مبنی ہو۔ آپ کو جنت دکھلانے کا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے عینی مشاہدات کے مقابلہ میں آپ پر دنیا کی خسّت و بے حقیقتی بخوبی منکشف ہو جائے (المعراج الکبیر)

دوزخ کا سامنے کیا جانا

حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی سیر سیاحت کے بعد دوزخ کو میرے سامنے کیا گیا۔ اس میں اللہ کا غضب اور عذاب ہے۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو ان کو بھی کھا لے۔ جب میں دوزخ کو دیکھ چکا تو اس کو بند کر دیا گیا (بیہقی عن ابی سعید) الفاظ حدیث سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ اپنی جگہ پر رہے اور دوزخ اپنی جگہ پر۔ درمیان سے حجاب اُٹھا کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔

حسب زعم ابن دحیہ دوزخ آپ کو اس لیے دکھلایا گیا کہ جب فردائے قیامت کو دوسرے تمام انبیاء نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے تو ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمّتی اُمّتی پکاریں گے۔ اس تفاوت کا باعث یہ ہوگا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام نے دوزخ کو پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کی اچانک نمود پر حواس باختہ ہو کر نفسی نفسی پکارنے لگیں گے (المعراج الکبیر)

حق تعالیٰ فرمائے گا اے جبریلؑ! میرے سامنے دوزخ کو لاؤ۔ جبریل اس کو لینے جائیں گے اور ستر ہزار مہاروں سے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ جب مخلوق سے سو برس کی راہ پر ہوگا تو ایک سانس لے گا جس سے مخلوق کے دل اُڑ جائیں گے۔ پھر دوسرا سانس لے گا جس سے تمام مقرب فرشتے اور نبیٔ مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ پھر تیسرا سانس لے گا جس سے عقلیں زائل ہو جائیں گی۔ ابراہیم خلیل اللہ گھبرا کر کہیں گے اے خداوند! بذریعہ اپنی خلّت کے آج اپنے سوا کسی کی نسبت سوال نہیں کرتا اور موسیٰ علیہ السلام کہیں گے بوسیلہ اپنے کلام کے آج اپنے سوا کچھ سوال نہیں کرتا۔ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے خدایا! ببرکت اس کے کہ تو نے میرا اکرام فرمایا ہے آج اپنی جان کے سوا کسی کے لیے کچھ نہیں مانگتا حتیٰ کہ مریمؑ جن سے میں پیدا ہوا ہوں ان کی نسبت بھی سوال نہیں کرتا (تلبیس ابلیس مصنفہ امام ابن جوزیؒ)

الغرض دوسرے انبیاء علیہم السلام نے قیامت سے پہلے جہنم اور اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ نہ کیا ہوگا، اس لیے وقتِ اضطراب ہو جائیں گے اور اس حواس باختگی اور پریشانی میں انہیں اپنی اُمتوں کے لیے کچھ عرض معروض کرنے کی طرف سے ذہول ہو جائے گا لیکن چونکہ جہنم اور اس کی

ہولنا کیوں کا حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے پورا پورا احساس ہوگا، آپ پر کسی اضطراب اور بدحواسی کا اثر نہ ہوگا اور آپ پوری دل جمعی کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں اپنی اُمت کے لیے شفاعت خواہ ہوں گے (المعراج الکبیر)

خازنِ جہنم کا تبسّم سے اجتناب

دوزخ کی زہرہ گدازی کا یہ عالم ہے کہ دوزخ کے داروغہ مالک کو مذاق و دل لگی تو کجا تبسّم تک کی کبھی نوبت نہیں آئی جو فرحتِ قلب اور حظِ نفس کی علامت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں شبِ معراج اہلِ سما میں سے جس کسی کے پاس گیا اس نے مجھے مرحبا کہا اور ہنسا سوائے ایک شخص کے کہ جب میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب تو دیا لیکن نہ مرحبا کہا اور نہ ہنسا۔ جبریلؑ نے کہا محمدؐ! یہ جہنم کے خازن مالک ہیں۔ جب سے پیدا ہوئے کبھی نہیں ہنسے۔ اگر وہ کسی اور کو دیکھ کر ہنسے ہوتے تو آپ کی ملاقات کے وقت بھی ضرور ہنستے اور اظہارِ فرحت کرتے (فتح الباری)

مقادیر کی کتابت

حضرت مفخرِ موجودات علیہ التحیۃ والسلام فرماتے ہیں کہ (لقاء ابراہیم علیہ السلام کے بعد) مجھ کو پھر عروج کرایا گیا یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں قلموں کی آواز (جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے) سنی (بخاری عن ابن شہاب عن ابن حزم عن ابن عباس و ابی حبۃ الانصاریؓ)

مولٰنا اشرف علیؒ لکھتے ہیں: "معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزمرہ کے جزئی احکام تھے جو احکامِ تکوینی کے متعلق لوحِ محفوظ سے نقل کیے جاتے ہیں۔" اور قاضی عیاض مالکیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ نگارش مالک الملک عزّ اسمہٗ کے فیصلے اور اس کی وحی ہے جو لوحِ محفوظ سے نقل کی جاتی ہے یا جو کچھ رب العزت اپنی مخلوق میں کسی تدبیر کا ارادہ کرے، اس کو قلم بند کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث مسلکِ اہلِ سنت کی مؤید ہے جن کا ایمان ہے کہ وحی اور مقادیر قلموں سے لکھے جاتے ہیں۔ اس باب میں کتابِ عزیز کی آیات اور احادیثِ صحیحہ میں جو کچھ مندرج ہے ظاہر پر محمول ہے لیکن اس کی کیفیت، صورت اور جنس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں اگر خدائے عزیز ملائکہ و رُسل میں سے کسی کو کسی بات پر مطلع فرما دے تو اسے بھی اتنی مقدار کا علم ہو سکتا ہے۔ کوتاہ نظر اور ضعیف الایمان لوگوں کے سوا نہ تو کوئی اس کی تاویل کرتا ہے اور نہ اسے محال سمجھتا ہے کیونکہ جس امر کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو اور دلیلِ معقول اس کی شہادت دے رہی ہو وہ محال

نہیں ہو سکتا (المعراج الکبیر)

اور شیخ عبدالحق دہلوی رح رقم فرماہیں کہ ملائکہ ان قلموں سے اقدار الٰہی کی کتابت کرتے ہیں۔ اگرچہ قضا اور تقدیر الٰہی قدیم ہے لیکن مقادیر کی کتابت حادث (یعنی نو پیدا) ہے اور کتاب لوح محفوظ کہ جہاں کائنات ثبت ہے اس وقت سے موجود ہے جب کہ ہنوز زمین اور آسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ حدیث کے الفاظ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ میں اسی طرف اشارہ ہے (مدارج)

منتہائے عروج

علامہ نجم الدین غیطی المعراج الکبیر میں لکھتے ہیں :-

"امام رضی الدین قزوینی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاپوش مبارک نے عرش معلیٰ کو پامال کیا تھا اور کیا رب السمٰوات والارض نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ اے میرے حبیب! عرش عظیم کو اپنے نعل مبارک سے مشرف فرما؟

امام رضی الدین رح نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نعل مبارک کا عرش الٰہی کو پامال کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ آپ کا عرش کی بلندی تک پہنچنے کا بھی کسی خبر صحیح یا حسن سے ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض بے اصل قصہ ہے۔ احادیث میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ آپ کا انتہائی عروج سدرۃ المنتہیٰ تک تھا۔ اس سے آگے پہنچنا صحیح طور پر ثابت نہیں۔ البتہ ضعیف اور منکر روایتوں میں مذکور ہے لیکن وہ روایتیں کسی طرح قابل اعتماد اور درخور اعتنا نہیں۔" (المعراج الکبیر مطبوعہ مصر، صفحہ ۹۰)

کیا خیر البشر ؐ نے باری تعالیٰ کو دیکھا؟

صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آتا ہے کہ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج باری تعالیٰ عز اسمہٗ کو برأی العین دیکھا تھا یا نہیں؟ یہاں جانبین کے دلائل حوالۂ قرطاس کیے جاتے ہیں :-

قائلین رؤیت کے دلائل

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا (ترمذی)

اور امام احمدؒ نے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ (میں نے اپنے پروردگار عز وجل کو دیکھا)۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی

مروی ہے کہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ بصر سے اور دوسری مرتبہ قلب سے (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال ابن حجر واسنادہ قوی) اور عبداللہ بن ع نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے خُلت حضرت ابراہیم خلیل اللہ ؑ کو، کلام موسیٰ ؑ کو اور رویت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اور عبدالرزاق نے بواسطہ معمر روایت کی کہ امام حسن بصریؒ اس پر قسم کھاتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے پیرو بھی اسی کے قائل ہیں۔ کعب احبار اور زہری اور معمر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ سے بھی اثبات رویت منقول ہے۔ امام احمدؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا قول اُم المومنینؓ کا جواب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے رَاَیْتُ رَبِّیْ (میں نے اپنے رب کو دیکھا)

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبداللہ نے معراج کی جو روایت کی ہے اس کے اخیر میں ہے:۔

حَتّٰى جَآءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"۔ (بخاری کتاب التوحید)	آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو صاحب عزت جبار اُتر کر یہاں تک قریب ہوا کہ اُس کے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

لیکن حضرات محدثین نے شریک کی اس روایت کے اتنے ٹکڑے پر سخت اعتراضات کیے ہیں۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے باب المعراج میں شریک کی یہ سند اور متن کا کچھ حصہ درج کر کے اس کو ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد مسلمؒ نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے:۔

فَقَدَّمَ فِيْهِ وَاَخَّرَ وَزَادَ وَنَقَصَ۔	شریک نے اس روایت میں واقعات کو مقدم و مؤخر کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔

اسی طرح امام خطابی لکھتے ہیں:۔

لیس فی ھذا الکتاب یعنی صحیح البخاری حدیث	صحیح بخاری میں باعتبار ظاہر بھی اور ذوق سلیم پر شاق گزرنے کے لحاظ سے بھی کوئی

اشنع ظاهراً ولا اشنع مذاقاً من هٰذا الفصل فانه يقتضي تحديد المسافة بين احد المذكورين وبين الأخر وتمييز مكان كل واحد منهما هٰذا الى ما في التدلى من التشبيه والتمثيل له بالشئ الذي تعلق من فوق الى اسفل

حدیث فاصلے کی اس روایت سے زیادہ بیہودہ نہ مل سکے گی کیونکہ یہ خدائے عزیز اور صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم میں فاصلے کی حد بندی کرتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے مکان متمیز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے بموجب اُتر کر قریب ہونے میں اس چیز سے مشابہت اور تمثیل لازم آتی ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف لٹکی ہو۔

اور علامہ عبدالحق کتاب "الجمع بین الصحیحین" میں رقم طراز ہیں:-

زاد فيه يعني شريك زيادة مجهولةً واتى فيه بالفاظ غير معروفة وقد روى الاسراء جماعة من الحفاظ فلم يأتِ احد منهم بما اتى به شريك وشريك ليس بالحافظ

اس روایت میں شریک نے مجہول زیادت کا اضافہ کیا ہے اور غیر معروف الفاظ بیان کیے ہیں حالانکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے بھی معراج کے واقعات روایت کیے ہیں لیکن شریک کے بیان کردہ الفاظ کسی نے نقل نہیں کیے۔ اصل یہ ہے کہ شریک حافظ حدیث نہیں تھے۔

اور علامہ ابن حزمؒ نے شریک کی اس روایت کی نسبت لکھا ہے:-

لم نجد للبخاري ومسلم في كتابيهما شيئاً لا يحتمل مخرجاً الا حديثين ثم غلبه في تخريجه الوهم مع إتقانهما وصحة معرفتهما وفي هٰذا الحديث الفاظ معجمة۔

ہم نے دو حدیثوں کے سوا بخاری اور مسلم کی کسی کتاب میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ بخاری پر اس حدیث کی تخریج میں وہم غالب آگیا حالانکہ وہ دونوں قوی الحفظ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کی صحت کو بخوبی پرکھ سکتے تھے۔ یہ حدیث اشکال الفاظ پر مشتمل ہے۔

(فتح الباری جلد ۱۳ کتاب التوحید ص ۳۷۳)

قُرب مکانی یا زمانی مُراد نہیں

لیکن اگر حدیث کے اس حصے کو بھی صحیح باور کر لیا جائے تو قاضی عیاض رح کی تصریح کے بموجب اس سے کوئی اعتقادی خرابی لازم نہیں آتی چنانچہ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف یا حق سبحانہٗ کی طرف سے قرب واتصال کی اضافت میں نہ تو قرب مکانی مراد ہے اور نہ قرب زمانی ہی ہو سکتا ہے۔ یہ قرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی عظیم منزلت اور شرف رتبہ کو ظاہر کرتا ہے اور اگر رب العزت کی طرف نسبت کریں تو اس سے منجانب اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تانیس واکرام مقصود ہے۔ اس قرب اور نزدیکی کا وہی مطلب ومفہوم سمجھنا چاہیئے جو اس حدیث قدسی میں قرب سے مراد ہے:۔

"جس شخص نے میری طرف ایک بالشت قرب چاہا، میں اس کے ایک گز قریب ہو جاتا ہوں، اور جو مجھ سے ایک گز نزدیکی ڈھونڈے میں اُس سے ایک باع (یعنی دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کی مقدار) نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کے پاس دوڑ کر پہنچتا ہوں (رواہ مسلم)

اُمّ المومنین صدیقہ طاہرہؓ کا انکار رؤیت

اب نفیٔ رؤیت کے دلائل سنیئے۔ بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ مسروق تابعیؒ نے ایک مرتبہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ مادرِ من! کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں یہ سن کر تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں اگر کسی نے ان میں سے ایک بھی کہی تو اس نے خدا پر بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ تین باتیں کیا ہیں؟ فرمایا جو تم سے یہ بیان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں اس نے جھوٹ کہا، اور جو شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ آنحضرتؐ نے خدا کو نہیں دیکھا البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دو بار دیکھا تھا۔ مسروق عرض پیرا ہوئے اُمّ المومنین! خدا نے تو خود فرمایا ہے وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی۔ بولیں سب سے پہلے خود میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جبریل تھے۔ میں نے دو دفعہ کے سوا اُن کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بزرگ حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی اس تفسیر کا مخالف نہیں۔ ان دونوں کو رؤیت بصری سے سخت انکار تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بھی یہی مسلک تھا۔ حضرت ابو ذرؓ کے متعلق لوگ مختلف البیان ہیں۔ لیکن صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تھا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (وہ تو نور ہے میں اُس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں) اور مسلم کی دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں نے صرف ایک نور دیکھا اور امام احمدؒ نے بھی ابو ذرؓ سے یہی روایت کی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ایک نور دیکھا۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ نور سے ابو ذرؓ کی کیا مراد تھی لیکن رویت میں اور آنکھوں میں نور حایل ہو گیا (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۲۹۔ ۴۳۰)

دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ

پھر قائلین رؤیت میں بھی اس بارہ میں اختلاف ہے کہ صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم نے ربِ جلیل کو آنکھوں سے دیکھا یا دل سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا۔ رؤیت قلبی کے متعلق بھی روایتیں موجود ہیں۔ چنانچہ ابن خزیمہ نے روایت کی کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا تھا (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۲۹)

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مطلق اور مُقیّد دونوں طرح کے قول مروی ہیں۔ پس واجب ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ مسلم نے بطریق ابی العالیہؒ روایت کی کہ ابن عباسؓ نے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اور وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی کی تفسیر میں کہا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور مسلمؒ نے بطریق عطاء روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے ربِّ ودود کو دل سے دیکھا۔ اور اس سے بھی بہت زیادہ صریح وہ ہے جو ابن مردویہ نے عطا رہی کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا۔

پس ابن عباسؓ کے اثبات اور حضرت عائشہؓ کی نفی میں جمع اس طرح ہو سکتی ہے کہ نفی کو رؤیت جبری پر اور اثبات کو رؤیت قلبی پر محمول کیا جائے اور کہا جائے کہ آپ نے رب العالمین کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔

اس کے بعد علامہ عسقلانی رح لکھتے ہیں کہ رؤیت قلبی سے یہ مراد ہے کہ جو بینائی آپ کو حاصل ہوئی وہ اس طرح قلب میں پیدا کر دی گئی جس طرح دوسروں کے لیے آنکھ میں پیدا کی گئی ہے اور عقل کے رُو سے رؤیت کے لیے کوئی شے اور جگہ مخصوص نہیں اگرچہ عادت یہی جاری ہے کہ بینائی آنکھ میں پیدا کی گئی ہے (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۴۲۹-۴۳۰)

درمیانی راستہ

شیخ عبدالحق دہلوی رح لکھتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت نے توقف کی راہ اختیار کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ ہم اثبات یا نفی میں سے کسی طرف بھی جزم نہیں کرتے۔ قرطبی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ دلیل قاطع کسی جانب نہیں۔ قائلین رؤیت و عدم رؤیت نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے، وہ باہم متعارض ہیں، اس لیے کسی پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے قطع نظر یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ اس میں ادلۂ ظنیہ پر اکتفا کیا جائے بلکہ معتقدات میں سے ہے جن میں قطعیات کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

لیکن راقم الحروف کے نزدیک سب سے احوط طریق اور معتدل راستہ بین بین کا ہے یعنی رؤیت قلبی کا اعتقاد رکھنا۔ اس سے تمام روایتوں میں جمع و تطبیق ہو جاتی ہے اور نزاعات مٹ جاتے ہیں۔ داخلۂ جنت سے پہلے کسی انسانی آنکھ کو اس کی صلاحیت نہیں بخشی گئی کہ رب العالمین عزّ اسمہٗ کو برأی العین دیکھ سکے۔ اسی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کی طلب دیدار پر منجانب اللہ جواب ملا تھا لَنْ تَرَانِیْ (تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) چونکہ خدائے حکیم کو دار دنیا میں اس کلی اصول کا توڑنا منظور نہ تھا اور حضرت سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و محبوبیت بھی اس کی مقتضی تھی کہ آپ نوازش خاص سے سرفراز فرمائے جائیں، اس لیے خدائے ودود نے شب معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو یہ صلاحیت بخش دی کہ اپنے خالق کردگار کا اسی طرح دیدار کرے جس طرح اہل جنت اِن دو آنکھوں سے ذات باری کو عیاناً دیکھیں گے۔ اسی صلاحیت پذیری کے لیے عروج سماوی سے پہلے آپ کے دل مبارک کو سونے کے ظرف میں آب زمزم سے دھونے کا تکلف و اہتمام کیا گیا تھا تاکہ قلب شریف میں عالم ملکوت اور ذات باری کے مشاہدہ کی کامل استعداد پیدا ہو جائے۔

سماوی عروج خدائے قدوس کی طرف نہ تھا

عوام الناس میں مشہور ہے کہ شب معراج خدا نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت مہمان اپنے پاس بلایا تھا مگر یہ خیال سخت بیہودہ اور مضحکہ خیز ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی

رحمہ اللہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں :۔

"حق تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عالم ملکوت کی سیر کرائی کہ آپ کو ان آیات بیّنات کا معائنہ کرائے جو عالم بالا ہی کے ساتھ مخصوص تھیں اور وہ عجائبات دکھائے جو خدائے قدیر کی قدرت بے پایاں پر دال ہیں۔ گویا خدائے حکیم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو محض ان آیات بیّنات کے مشاہدہ کی غرض سے سیر کرائی۔ یہ سیر میری طرف نہ تھی کیونکہ میں لامکان ہوں اور کسی مکان میں میری سمائی نہیں اور جس حالت میں کہ میں ہر جگہ اپنے بندوں کے ساتھ ہوں میرا اپنے بندۂ خاص کو اپنی طرف بلانا کوئی معنی نہ رکھتا تھا (الیواقیت والجواہر)

شیخ عبدالحق کا استعجاب

شیخ عبدالحق دہلوی رح لکھتے ہیں کہ اخبار و آثار کے اعتبار سے علماء کا کلام یہی ہے جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ خلجان رہ جاتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات میں سے بلند ترین مقام اور آپ کے کمالات میں سے اقصیٰ کمال تھا یہاں تک کہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو اس شرف میں آپ کی شرکت نصیب نہ ہوئی۔ پس سخت حیرت کی بات ہے کہ آپ کو اس بلند ترین مقام تک رسائی ہو لیکن آپ دیدار الٰہی سے جو آپ کا سب سے اعلیٰ مطلوب تھا مشرف نہ ہوں (مدارج)

اس کی نسبت گزارش ہے کہ اسراء اور عروج سماوی کے جو مقاصد و اغراض تھے وہ آپ کو سب کے سب علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو گئے یہاں تک کہ آپ دیدار الٰہی سے بھی جو آپ کا سب سے اعلیٰ مطلوب تھا مشرف ہوئے۔ لیکن دیدار خداوندی کے لیے یہ ضرور نہ تھا کہ آپ اس ذات بیچوں کو سر ہی کی آنکھوں سے دیکھیں بلکہ اس کے بجائے آپ کی چشم دل کو نعمت دیدار سے مشرف کیا گیا۔ ٹھیک اس طریق پر جس طرح آپ اپنے خالق یکتا کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر فائز المرام ہوتے۔ حصول مقصد کے لحاظ سے ان دو حالتوں میں سر مو فرق نہیں۔

مراجعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے بیت المقدس تک براق پر جانا تو متفق علیہ حدیثوں سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک کے عروج اور سدرۃ المنتہیٰ سے مکہ مکرمہ تک کی واپسی کے متعلق مختلف روایتیں ہیں جن میں کوئی بھی ایسی نہیں جس سے آپ کے ذہاب و ایاب کی کیفیت پر کامل وثوق ہو سکے۔ ان میں ایک روایت وہ ہے جسے علامہ کمال دمیری رح نے کتاب "حیات الحیوان" میں نقل کیا ہے کہ حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر آسمانوں کی سیر کی اور براق ہی پر مراجعت فرما گئے۔ البتہ حضرت حذیفہؓ کے قول کی سند معلوم نہیں ہوئی لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ رقم فرما ہیں کہ کمال میرٹھی جیسے محقق کی نقل سیر و تاریخ کے باب میں غالباً کافی ہے۔"

گھر والوں سے معراج کا تذکرہ

حضرت علیؓ کی بڑی بہن محترمہ اُمّ ہانی ہند بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت پانے کے بعد محو خواب ہو گئے اور ہم بھی سو گئے۔ صبح سے پیشتر آپ نے ہم کو بیدار کیا۔ نماز فجر کے بعد آپ نے فرمایا "اُمّ ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ نماز عشاء ادا کی جیسا تم نے دیکھا تھا۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی اور اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے جیسا تم دیکھ رہی ہو۔" (سیرت ابن ہشام)

مجمع قریش میں معراج کا تذکرہ

جب آپ گھر سے باہر جانے لگے تو حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے گزارش کی یا رسول اللہ! رات کے سفر کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے گا ورنہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔" آپ نے فرمایا اس کا اظہار ضروری ہے۔" اُمّ ہانی نے ایک لونڈی سے کہا کہ آپ کے پیچھے پیچھے جا اور آکر مجھے بتلا کہ اس بارہ میں آپ نے لوگوں سے کیا گفتگو فرمائی ہے۔ آپ قریش کے ایک مجمع میں جا کر واقعات معراج کا تذکرہ فرمانے لگے۔ لوگوں کو سخت تعجب ہوا اور کہا محمدؐ! کیا اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو جو ہم کو یقین دلائے؟ ہم نے ایسی اعجوبہ بات کبھی نہیں سنی تھی۔"

دو قافلوں کی نشان دہی

آپ نے فرمایا اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں ملک شام کو جاتے ہوئے فلاں وادی میں سر راہ تمہارے فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا۔ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور انہوں نے میرے بتلانے پر اس اونٹ کو پکڑا تھا۔ پھر واپسی پر جب ضجنان کے مقام پر فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو سوتے پایا۔ وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا برتن تھا جو ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے اس کا پانی پی کر اس کو پھر ڈھک دیا۔ اس وقت وہ قافلہ بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کو آ رہا ہے۔ ابھی جا کر دیکھ سکتے ہو۔ سب سے آگے خاکستری رنگ کا ایک اونٹ ہے جس پر دو بورے لدے ہیں۔ ایک سیاہ دوسرا دھاری دار (سیرت ابن ہشام)

بلا اجازت پانی پینے کا اعتراض

قارئین کرام نے اوپر پڑھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قافلہ کے برتن میں سے پانی پی کر اس کو ڈھک دیا۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانی جو آپ نے پیا وہ غیر کی ملک تھا اور اس وقت تک اعدائے دین کے املاک اور خون مباح نہ ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالک کے بے اجازت از خود پانی کیوں پیا؟

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جاہلی عرب میں مسافروں کو عام اجازت تھی کہ وہ دوران سفر میں جہاں کہیں ریوڑ پائیں حسب ضرورت دودھ لے لیں۔ ریوڑوں کے مالک اپنے چرواہوں کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ مسافروں کو دودھ مہیا کرنے میں کامل فیاضی اور سیر چشمی سے کام لیں پس جس صورت میں کہ ابن السبیل کو دودھ لینے کی عام اجازت تھی پانی تو ان کے لیے بدرجۂ اولیٰ مباح تھا جس کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔

آپ کے بیان کی تصدیق

جب آپ نے اتنی تفصیل بیان کی تو چند لوگ اس کا امتحان کرنے کے لیے شام کے راستہ کی طرف اٹھ دوڑے۔ وہی قافلہ آتا دکھائی دیا۔ آپ کے ارشاد کے بموجب سب سے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ تھا جس پر دو بورے لدے ہوئے تھے۔ ایک بورا سیاہ تھا اور دوسرا دھاری دار۔ پھر انہوں نے پانی کے برتن کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے پانی بھر کر ڈھانک دیا تھا سو ڈھکا ہوا برتن تو ملا مگر پانی نہیں تھا۔ اور اس قافلہ کے لوگوں سے بھی دریافت کیا گیا جن کا اونٹ بھاگ جانے کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا وہ مکہ میں آ چکے تھے۔ انہوں نے کہا واقعی ایسا ہی ہوا۔ اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا ہم نے کسی شخص کی آواز سنی جو ہم کو اونٹ کی طرف پکار رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا (سیرت ابن ہشام)

صدیق کے خطاب مستطاب سے حضرت ابوبکرؓ کی سرفرازی

جب مکہ بھر میں واقعہ معراج کا چرچا ہوا تو قریش کو از سر نو مذاق و دل لگی کا ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ بالخصوص ابوجہل کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ تھی۔ دوسرے بت پرستوں نے تو واقعہ کو محض سامان خندہ زنی بنایا تھا لیکن ابوجہل کے کلیجے پر غصے اور حسد کے مارے سانپ لوٹ رہے تھے۔ بعض بت پرست حضرت عبداللہ بن عثمان معروف بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کیوں صاحب! اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے کہ اب انہوں نے کیا شگوفہ چھوڑا ہے؟ پوچھا انہوں نے کیا کہا ہے؟ بولے کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا اور میں ایک طویل سفر سے فارغ ہو کر راتوں رات واپس بھی آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ ایسا کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ بولے کیا تم اس بیان میں ان کی تصدیق کرتے ہو کہ اتنی مسافت پر جا کر رات کے ایک حصے میں واپس بھی آ گئے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! میں تو اس سے کہیں زیادہ بعید امر میں یعنی آسمانی خبروں کے متعلق جو صبح شام ان کے پاس آتی رہتی ہیں ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ صبح یا شام کا وقت رات کی مقدار سے بھی کم ہوتا ہے۔ جب حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا علم ہوا تو آپ نے ان کو "صدیق"

کا قابلِ فخر لقب عطا فرمایا (مستدرک حاکم) اس دن سے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔

جبریلؑ کی آمد مسلم ہے تو آپؐ کا مسکن جبریلؑ پر پہنچنا محال نہیں

دوسری روایت میں ہے کہ اعدائے دین کی ایک جماعت جناب ابوبکرؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی تم نے سنا ہے کہ تمہارے دوست نے ایک اور دلچسپ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے آسمان پر بلایا گیا اور میں تمام آسمانوں کی سیر کر آیا ہوں۔ اب تک تو صرف نبوت کا دعویٰ تھا۔ یہ بیان اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے" حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بڑھ کر نہیں بلکہ گھٹ کر ہے۔ جب میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان کے فرشتے ان کے پاس آتے ہیں تو اگر یہ بھی کبھی آسمان والوں کے پاس پہنچا دیے گئے تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے؟ جبریل علیہ السلام ملأ اعلیٰ کے رہنے والے ہیں جب میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کے مسکن پر تشریف لے جانے کا دعویٰ کریں تو کیا میں اس قول میں ان کی تصدیق نہ کروں گا؟

بیت المقدس کا متمثل ہو کر سامنے آنا

قریش حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے مایوس اور لاجواب ہوئے تو خود حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بمقام حجر پہنچے اور کہنے لگے کہ آسمانوں کا حال تو ہمیں معلوم نہیں البتہ بیت المقدس کو ہم نے بارہا دیکھا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم وہاں پہلے کبھی نہیں گئے۔ اچھا بیت المقدس کا نقشہ اور اس کی آبادی کی ہیئت تو بیان کرو" چونکہ آپ رات کے وقت وہاں تشریف لے گئے تھے اور شہر اور مسجد اقصیٰ کو نظر تعمق سے دیکھنے کا کوئی موقع نہ ملا تھا اور نہ اس کی ضرورت ہی تھی، آپ کو بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا نقشہ بیان کرنے میں تامل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے بیت المقدس کی ایسی باتیں مجھ سے دریافت کرنی شروع کیں جو مجھ کو یاد نہ تھیں میں ان سوالات پر ایسا گھبرایا کہ اس سے پہلے مجھ پر کبھی ایسی گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی لیکن خدائے قادر و توانا نے بیت المقدس (کا نقشہ) میرے سامنے کر دیا میں اس کی طرف دیکھتا جاتا تھا اور ان کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا تھا (صحیح مسلم) حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ بیت المقدس میرے لیے متخیل (متمثل) کیا گیا اور میں دیکھ دیکھ کر لوگوں کو اس کے نشان بتلا رہا تھا۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ مسجد اقصیٰ کے کتنے دروازے ہیں میں نے ان کو (غیر ضروری ہونے کی وجہ سے) گنا نہیں تھا۔ اب میں نے دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کیا اور ان کی تعداد بتا دی (ابن سعد) پوچھنے والوں کا سرگروہ (حضرت جُبیر صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ) مُطعِم بن عدی تھا (خیلی)

بائبل سے استشہاد

سر ولیم میور سابق گورنر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ واقعۂ معراج صرف روحانی خواب تھا نہ کہ جسمانی سیر و عروج۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابن ہشام کے صفحہ ۲۶۷ میں بھی جو کچھ لکھا ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ معراج [illegible]لم رؤیا میں ہوئی تھی“ لیکن جائے حیرت ہے کہ جس صورت میں عیسائی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کا بدن اور روح کے ساتھ آسمان پر چڑھ جانا تسلیم کرتے ہیں تو انہیں داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی سے کیوں انکار ہے؟ عیسائی لوگ تو رفع جسمانی کے عقیدہ میں مسلمانوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ اہل اسلام کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بُراق نام ایک برق سیر سواری لائی گئی تھی لیکن عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کسی سواری اور وساطت کے بغیر آسمان پر اُٹھائے گئے۔ بائبل کے عہد نامۂ جدید میں جہاں کہیں رفع مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے وہاں کوئی وساطت مذکور نہیں، چنانچہ اعمال میں ہے:۔

> ”یہ کہہ کر وہ ان کے دیکھتے دیکھتے اوپر اٹھا لیا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے وقت جب وہ آسمان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے تو دو مرد سفید [illegible]شاک پہنے ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے گلیلی مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو؟ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے اسی طرح پھر آئے گا جس طرح تم نے اسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے“ (اعمال باب اول ورس ۱۰ - ۱۱)

دوسرے منکروں کے عذرہائے لنگ

بعض لوگ انکار و اعراض کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ کوئی ثقیل جسم کسی مشین کے بغیر اوپر کی طرف نہیں چڑھ سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ آفتاب اور ماہتاب جیسے ثقیل اجسام کو ہر روز چڑھتے اور اُترتے نہیں دیکھتے؟ کیا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ان سے زیادہ ثقیل

تھا؟ بعض لوگ معراج جسمانی کی صحت سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں کسی سواری یا اس کے سوار کی اتنی سرعتِ سیر جو مسلمان بیان کرتے ہیں خلاف قیاس ہے۔ ان کے زعم میں یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی خاکی جسم اس غیر معمولی تیزی کے ساتھ فلک الافلاک تک پہنچ جائے اور وہاں کی سیر و سیاحت میں مشغول رہ کر چند گھنٹوں میں واپس بھی آ جائے۔ اور پھر وہ خاکی جسم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح بغیر کسی سواری کے نہیں گیا بلکہ بُراق نام کی برق سیر سواری پر ہر جگہ پہنچا۔

زمین کی حرکت اور آفتاب کی سُرعتِ سیر

اس کے متعلق التماس ہے کہ عقلاً تیز روی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے یہ امر مسلّم ہے کہ بعض کواکب بہت عظیم ہونے کے باوجود نہایت سریع السیر ہیں۔ مثلاً زمین کی حرکت کو دیکھو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ میں اٹھاون ہزار میل مسافت طے کرتی ہے یعنی ایک منٹ میں قریباً ہزار میل اس تیز رفتاری کے باوجود نہ زمین کے اجزا میں کوئی تفرق پیدا ہوتا ہے اور نہ سُکانِ ارض کو اس کے متحرک ہونے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اور سنیئے: جغرافیہ کی درسی کتابوں میں لکھا ہے کہ آفتاب زمین سے ستر لاکھ حصے بڑا ہے۔ اس کے باوجود ہم روزمرہ طلوع کے وقت برأی العین دیکھتے ہیں کہ آفتاب کا نچلا کنارا اوپر کے کنارے کی جگہ پر حرکت فلکی یا ارضی کی مزاحمت کے باوجود دو تین منٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ کروڑوں میل کا بُعدِ مسافت دو تین منٹ میں طے کر لیتا ہے۔ یہ تیز رفتار خود آفتاب میں موجود ہو یا آسمان اور زمین میں سے کسی ایک کی حرکت کے باعث ہو، ہمارا مدعا بہرحال ثابت ہے۔

پس جس صورت میں کہ تیزیٔ حرکت کی کوئی انتہا نہ نکلی تو فعّالٌ لما یرید کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ کسی جسم کو اس سے بھی زیادہ تیز روی کی طاقت بخشے۔ جو لوگ قرآن کو کلامِ الٰہی یقین کرنے کے باوجود معراج جسمانی کے منکر ہیں، ان سے یہ سوال ہے کہ کیا وہ کتابُ اللّٰہ کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ ملکۂ یمن کا تخت چشم زدن میں یمن سے شام پہنچ گیا تھا؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خود میرے زمانہ میں متعدد ایسی بزرگ ہستیاں موجود ہیں جو آناً فاناً مسافت بعیدہ پر پہنچ جاتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح جلد ۴ ص ۱۷۰)

ان سب باتوں سے قطع نظر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء و عروج اس دار دنیا سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ عالمِ برزخ سے متعلق تھا جہاں کے حالات کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کر سکتے۔ فلاسفہ نے معراجِ جسدی کے عقلاً محال ہونے پر جو اعتراض کیے ہیں وہ بھی مع جوابات علامہ ممدوح کی کتاب الجواب الصحیح (جلد ۴ صفحات ١٦٦ - ١٦٨) میں مندرج ہیں۔

آیات قرآنی سے معراج جسمانی پر استدلال

جمہور اہل سنت وجماعت کا مسلک یہ ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم اور روح کو معاً ہوئی تھی اور اس کی دلیل اجماع امت ہے۔ اس اجماع کا مستند یہ امور ہیں۔ اول یہ آیت قرآنی

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (١٧ : ١)	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اس غرض سے سیر کرائی کہ اسے اپنے کچھ نشانہائے قدرت دکھائے۔ وہ بلاشبہ سمیع و بصیر ہے۔

سُبْحَانَ کا لفظ تنزیہ یا اظہار تعجب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سیر انتہا درجہ کی تعجب خیز تھی اور حیرت انگیز ہونے کی وجہ سے خالق ذوالجلال کی اعجوبہ نمائیوں پر دلالت کرتی تھی اس لیے واقعۂ اسراء و معراج کا تذکرہ اس لفظ کے ساتھ شروع کیا گیا۔ یہ آیت عروج جسمانی کی بیّن دلیل ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے بندہ کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک (کہ چالیس دن کی مسافت ہے) سیر کرائی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس کی دلیل قول ربانی ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝ (٩٦ : ١٠)	کیا تم نے اس شخص (ابوجہل) کے حال پر نظر کی کہ جب ہمارا بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اسے منع کرتا ہے۔

اور فرمایا:-

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ	اور جب خدا کا (مقبول) بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو (جنات قرآن

عَلَيْهِ لِبَدًا ۝

(۷۲ : 19)

سننے کے لیے) اس پر بھیڑ لگا کر ایک دوسرے سے چمٹے جاتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں بھی بندہ کا لفظ جسم اور روح دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اگر معراج حالت خواب میں روحانی حیثیت سے ہوتی تو جس وقت قریش نے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی یا بیت المقدس اور اپنے قافلہ کے حالات دریافت کیے تھے، اس وقت آپ بسہولت جواب دے دیتے کہ میں اس سیر و عروج کے بحالت بیداری واقع ہونے کا کب مدعی ہوں جو تم ایسے سوالات کر رہے ہو، اور آپ بیت المقدس کی ہیئت اور کیفیت بیان کرنے میں مضطرب نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ نہ صرف قرآن و حدیث کے اسلوب کلام میں بلکہ ہر بول چال کے اندر جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے اور اس کے بیان کرتے وقت خواب کا کوئی ذکر نہ ہو تو محاورۂ زبان کے مطابق اس بیان کے ہمیشہ یہی معنیٰ ہوتے ہیں کہ یہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا تھا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں اسرا کی غرض و غایت یہ بتائی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشان ہائے قدرت کا مشاہدہ کرایا جائے لیکن مکہ معظمہ میں تو کوئی ایسے نئے نشان ہائے قدرت ظاہر نہ ہوئے تھے جو آپ کو دکھائے گئے ہوں اور دوسرے لوگوں نے اس کی دید پر قدرت نہ پائی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو بالضرور ایسے نشان دکھائے گئے جن کے دیکھنے سے دوسری آنکھیں محروم تھیں۔ پس وہ وہی نشان ہائے قدرت تھے جو آپ نے عالم برزخ میں اور آسمانوں پر مشاہدہ فرمائے۔ انہی مشاہدات کے متعلق رب العالمین عزاسمہٗ نے قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝
أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝
وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝
عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝
عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝
إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا
يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ

(پیغمبر علیہ السلام کے) قلب نے اپنی دیکھی ہوئی چیز میں کوئی جھوٹ داخل نہیں کیا تو کیا ان کی دیکھی ہوئی چیز میں ان سے نزاع کرتے ہو؟ انہوں نے ان (جبرئیلؑ) کو ایک اور مرتبہ بھی (ان کی اصلی صورت میں شب معراج) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے۔ اسی سدرہ کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (یعنی انوار الٰہی جو ہر طرف سدرہ کو احاطہ

وَمَا طَغٰى ۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔
(۵۳ : ۱۱ - ۱۸)

کیے ہوئے تھے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نہ تو ادھر ادھر ہٹی اور نہ (مقصد سے) تجاوز ہوئی۔ انھوں نے (شب معراج) اپنے پروردگار کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

یاد رہے کہ کوئی انسان فرشتوں اور جنوں کو ان کی اصلی شکل و صورت میں نہیں دیکھ سکتا۔ ان کی عیاناً دید صرف نورِ نبوت کے ذریعہ سے ممکن تھی۔ چنانچہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ غارِ حرا میں جبکہ انھوں نے مشرق سے مغرب تک تمام آفاق کو گھیر لیا تھا اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کا آیۂ مذکورہ اور ان احادیث میں مذکور ہے جو پہلے درج ہو چکی ہیں۔ ورنہ جبرئیل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں نظر آیا کرتے تھے جو ایک نہایت خوش جمال صحابی تھے۔

شیخ محی الدینؒ کا استدلال

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے کتاب "فتوحات مکیہ" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے اثبات میں منجملہ دوسرے دلائل حقہ کے یہ ایک لطیف دلیل بھی زیب رقم کی ہے کہ اگر معراج نبوی محض روحانی ہوتی تو آپ کو پیاس نہ لگتی کیونکہ مجرد روحوں پر بھوک پیاس کا کچھ اثر نہیں۔ حالانکہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دو مرتبہ پیاس لگی اور آپ نے دونوں مرتبہ دودھ نوش فرمایا (الیواقیت والجواہر)

معراج جسمانی سے ام المومنین عائشہؓ کا مزعومہ انکار

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

قال ابن اسحٰق وحدثنی بعض آل ابی بکر ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تقول ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحه (بخاری)

ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گم نہیں پایا گیا بلکہ آپ کی روح مطہرہ کو سیر کرائی گئی تھی۔

لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ ابن اسحاق کو خود بہت سے محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔ پھر ابن اسحاق نے اپنے راوی کا نام بھی ظاہر نہیں کیا بلکہ صرف خاندان ابوبکرؓ کا ایک شخص کہہ دیا ہے اور اس راوی نے حضرت عائشہؓ کا نام لے دیا ہے، حالانکہ اس کے اور حضرت صدیقہؓ کے درمیان دو راوی اور ہونے چاہئیں۔ بہرحال اگر خود ابن اسحاق کو ثقہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی سرے سے تین راوی ہی غائب ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی روایت کہاں تک قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے بلکہ اس کے برخلاف اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی تھی۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

الذی یدل علیہ	یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا
صحیح قولھا انہ	صحیح قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج
بجسدہٖ	جسم مبارک کے ساتھ تھی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے محض اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے کردگار کو شبِ معراج آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر ان کے نزدیک معراج خواب کا واقعہ ہوتا تو وہ رؤیت کا انکار نہ کرتیں۔

فرقہ معتزلہ کا انکار

اسلام کا ایک گم کردہ راہ فرقہ جو آج کل معدوم ہے معتزلہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر تھے۔ وہ اپنے انکار کی دو دلیلیں پیش کرتے تھے۔ ایک تو اُمّ المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ مشہور قول کہ شبِ معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ جب حضرت امیر معاویہؓ سے معراج نبوی کی نسبت دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک رویائے صالحہ تھا چنانچہ ربِ عزیز اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ سو خود ربّ العالمین نے معراج کو خواب کا واقعہ بتایا ہے”۔

حضرت صدیقہؓ کے قول کی نسبت ابھی لکھا جا چکا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال انہی کا ارشاد گرامی تھا تو اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ کا جسم مبارک روح سے مفقود و مفارق نہیں ہوا تھا بلکہ دونوں مجتمع تھے یعنی معراج صرف روح کو نہیں تھی بلکہ جسم اور روح دونوں کو ہوئی۔ اور امیر معاویہؓ کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیائے صالحہ

یعنی رویائے چشم آپ کا چشم دید واقعہ تھا۔ تمام نشان ہائے قدرت بیداری میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ رؤیا رؤیت کے معنیٰ میں ہے۔ رؤیا اور رؤیت دونوں رائی کے مصدر ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے رائی رؤیًا (ایسا دیکھا جو دیکھنے کا حق ہے) پس یہ دید عینی تھی۔ اور اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو کسی شخص کو انکار کی گنجایش اور ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر کافر منکر اور فاسق و فاجر بھی نیند کی حالت میں طرح طرح کے خواب دیکھ لیتا ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اس سے بہت ارفع تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے شب معراج جو کچھ دیکھا وہ سب آپ کی بیداری کے عینی مشاہدات تھے۔ اور جو اس ارشادِ ربانی سے استدلال کیا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ (۱۷ : ۶۰)

اور ہم نے اس نظارہ کو جو آپ کو (شبِ معراج عیاناً) دکھایا اور اس درخت (تھوہر) کو جس پر قرآن میں نفرین کی گئی ہے لوگوں کی آزمایش (کا ذریعہ) ٹھیرایا۔

اس کے متعلق التماس ہے کہ اوّل تو احتمال ہے کہ اس آیت میں غزوۂ بدر یا عُمرۂ مکہ کا خواب مراد ہو جیسا بعض مفسرین نے لکھا ہے اور اگر واقعۂ معراج ہی مراد ہو تو رؤیا بمعنیٰ رؤیت ہے کیونکہ جس طرح قُربیٰ اور قرابت دونوں قرب کے مصدر آتے ہیں اسی طرح رائی کے رؤیا اور رؤیت دونوں مصدر زبانِ عرب میں مستعمل ہیں۔

اور آیت میں رؤیا کے بمعنیٰ رؤیت استعمال کیے جانے کی تائید اس کی شان نزول سے بھی ہوتی ہے چنانچہ مسند ابو یعلیٰ موصلی، تفسیر ابراہیم بن منذر، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں اس آیت کی جو شان نزول کئی صحابہ سے منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شب معراج کی صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے معراج کا واقعہ بیان کیا تو وہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ پھر اس کی نشانی اور علامت طلب کی تو آپ نے بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس وقت حضرت سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کامل درجہ کا ساحر ہے تو اس وقت آیۃ مذکورہ نازل ہوئی۔

اس آیت میں جو واقعۂ معراج اور تھوہر کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو لوگوں کی آزمایش کا سبب بنا دیا۔ سو حق پرستوں نے معراج جسمانی کی تصدیق کی اور باطل پرستوں نے اس واقعہ کو

جھوٹ جانا اور درخت زقوم کی نسبت قرآن میں فرمایا گیا تھا کہ یہ دوزخیوں کی غذا ہوگی۔ اس بیان پر بھی اہلِ حق ایمان لائے اور منکروں نے یہ اعتراض کیا کہ ہرا درخت آتشِ دوزخ میں کیونکر ہوگا؟ ان دونوں باتوں نے اہلِ ایمان اور اہلِ باطل میں امتیاز کی ایک نئی دیوار کھڑی کر دی۔

ایک اور شبہہ کا حل

بعض لوگوں کو شریک کی حدیث سے جس کے آخر میں ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ (پھر میں جاگ گیا) کا لفظ ہے شبہ پڑ گیا ہے کہ شاید معراج کا سارا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں پیش آیا، مگر یہ غلط ہے کیونکہ شریک محدثین کے نزدیک حافظِ حدیث نہیں۔ دوسرے اس لفظ کی زیادت دوسرے حفاظ کے خلاف ہے جنہوں نے معراج کی حدیثوں میں اس لفظ کو نقل نہیں کیا، اس لیے یہ زیادت غیر مقبول ہے (روح المعانی)

یا تعددِ واقعہ پر محمول کر کے اس زیادت کو قبول کر لیا جائے کہ جاگ اُٹھنے کا لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روحانی عروج کے متعلق فرمایا ہوگا کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جسمانی معراج سے پہلے آپ کو روحانی عروج بھی بہت دفعہ ہوا تھا۔

عروج سماوی بھی جسم کے ساتھ بیداری میں ہوا

صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین کی بہت بڑی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراء اور معراج کے دونوں سفر جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں طے فرمائے۔ وہ بزرگانِ ملت جن سے خاص طور پر اس کی صراحت مروی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابی بن کعب، حضرت بُریدہ اسلمی، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حُذیفہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت سمرہ بن جُندب، حضرت شداد بن اوس، حضرت صُہیب، حضرت ابو اُمامہ باہلی، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوسعید خُدری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوحبّہ سنجاری، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہم اور سعید بن جُبیر، سعید بن مسیّب، ضحاک، قتادہ، ابن شہاب، ابن زید، حسن بصری، ابراہیم تیمی، مسروق، عکرمہ، ابن جُریج، طبری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ اور یہی تمام فقہائے متاخرین، محدثین، متکلمین اور مفسرین کا مذہب و مسلک ہے۔

مخالفین کا استدلال

لیکن ایک قلیل جماعت کا خیال ہے کہ بیت المقدس تک تو اسراء جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا تھا لیکن وہاں سے آسمان تک صرف روح کو معراج ہوئی۔ ان کا استدلال سورۂ بنی اسرائیل کی یہ پہلی آیت ہے :-

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کر رکھی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مسجد اقصیٰ ہی غایتِ اسراء بتائی گئی ہے اور اسی قدر اسراء پر عظیم قدرتِ باری تعالیٰ پر اظہارِ تعجب کیا گیا ہے اور اسی معراج پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف ہونے کی مدح کی گئی ہے۔

اس کی نسبت گزارش ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں صرف اس سیر کا ذکر ہے جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کرائی گئی۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر جانے کا تذکرہ رب العالمین کی لسانِ وحی نے سورۂ النجم میں فرمایا ہے۔ عروجِ سماوی کا بیان آیتِ اسراء کے متصل شاید اس وجہ سے نہ کیا گیا کہ دونوں میں بلحاظ وقوع اتصال نہ تھا بلکہ بیچ میں بیت المقدس کے مقام پر انقطاع ہو گیا تھا۔ گویا دونوں سیاحتیں الگ الگ تھیں۔ معراج سماوی کی نسبت ارشادِ خداوندی ہے :-

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ (۵۳: ۱۳-۱۸)	نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو (شب معراج) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جہاں (نیک بندوں کی) آرام گاہ بہشت ہے جبریلؑ کو ایک دفعہ اور بھی (ان کی اصل صورت میں اپنے پاس) دیکھا جبکہ سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (یعنی نور)، تو بھی نہ پیغمبر کی نظر بہکی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ کچھ شک نہیں کہ پیغمبر نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے

سماوی آیات کا اعظم واکمل ہونا

بلکہ اصل یہ ہے کہ مکہ سے بیت المقدس تک کی سیر میں آپ نے جو نشان ہائے قدرت دیکھے، وہ ان آیات بینات کے مقابلہ میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے، جتنے اہم وکثیر نشان ہائے قدرت آسمانوں پر پہنچ کر آپ کے مشاہدہ میں آئے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آیات سماویہ خصوصًا ایسی حالت میں کہ آسمانوں پر انبیائے کرام بھی قیام فرما تھے، آیاتِ ارضیہ سے اعظم واکمل ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو مسجد اقصیٰ سے آگے آسمانوں پر بھی لے جایا گیا۔ اسی بنا پر تفسیر روح المعانی میں لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں) کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:۔

اَیْ لِنَرْفَعَهٗ اِلَی السَّمَآءِ حَتّٰی یَرٰی مَا یَرٰی مِنَ الْعَجَائِبِ	تاکہ اپنے بندے کو آسمانوں کی طرف اٹھائیں یہاں تک کہ وہ وہاں کے عجائبات قدرت کا معائنہ کرے۔

صاحب المعراج کا اپنا ارشاد گرامی

سورۂ نجم کی ان آیتوں کے علاوہ جو اوپر درج ہوئیں صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو جو آپ نے اپنے عروج کے باب میں فرمایا:۔

فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِیْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَآءَ الدُّنْیَا (پھر جبریلؑ مجھ کو لے گئے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے) (بخاری ومسلم عن قتادہ عن انسؓ) دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَی السَّمَآءِ (پھر ہم کو آسمان پر چڑھایا) (مسلم عن ثابت البنانی عن انسؓ) تیسری حدیث میں ہے:۔ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ (پھر جبریلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو آسمان کی طرف لے چڑھے) (بخاری ومسلم عن ابن شہاب عن انسؓ)

ظاہر ہے کہ سورۂ نجم کی متذکرہ صدر آیتوں میں یا ان ارشادات نبویہ میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ آسمانوں پر آپ کی روح مطہر کو معراج ہوئی تھی بلکہ ان سے آپ کا بہ نفس نفیس تشریف لے جانا آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہے۔

سرور انبیاءؑ کی خصوصیت

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:۔

فَاِنَّهٗ مَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا وَقَدْ	کوئی رسول ایسا نہیں گزرا جسے اس براق پر

أُسْرِيَ بِهٖ رَاكِبًا عَلٰى ذٰلِكَ الْبُرَاقِ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَصَّ عَنْهُمْ فِيْ اِسْرَائِهٖ بِاُمُوْرٍ تَعْرِفُهَا اَهْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

(الیواقیت والجواہر ص ۱۸۵)

سوار کرکے معراج کرائی گئی ہو۔ البتہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دوسرے رسولوں سے جن امور میں امتیاز واختصاص بخشا گیا تھا، [redacted] اہل اللہ عزوجل پر روشن ہیں۔

لیکن راقم الحروف کے زعم میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جس طرح دین اسلام آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی کرتے کرتے حضرت ختمی مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا اور آپ تمام انبیاء و رُسُل کے سرتاج قرار پائے، اسی طرح روحانی کمالات کی انتہائی منزلیں اور قربِ خداوندی کے تمام تر مدارج بھی معراج جسمانی کی بدولت آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم کر دیے گئے۔ علاوہ ازیں خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہر زمانہ اور ہر انسان کے لیے عام ہے، اس لیے تکمیل دین اور اتمام نعمت کے لیے ضرورت تھی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ابدی شریعت کی تکمیل کے لیے آیات بینات کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے آپ کو معراج سے ممتاز فرمایا گیا۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جس میں کوئی دوسرا رسول آپ کا شریک سہیم نہیں۔ نجم الدین غیطی لکھتے ہیں :۔

عارف باللہ عبدالعزیز مدوی سے دریافت کیا گیا کہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بھی کسی نبی کو اسراء سے نوازا گیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اسرار بالجسم کا مرتبہ انبیائے سلف میں سے کسی کو نہیں بخشا گیا۔ یہ حضرت خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تھی۔

اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی ؒ نے بھی اپنے "خصائص کبریٰ" اور "خصائص صغریٰ" میں معراج کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے (المعراج الکبیر صفحہ ۵۵)

فصل ۲.۴۔ جنّات کی سعادتِ ایمانی اور حضرت سلطان الانبیاءؐ سے ملاقاتیں

دنیا کی تمام قوموں میں کسی نہ کسی حیثیت سے یہ اعتقاد چلا آرہا ہے کہ جس طرح انسان سطحِ ارضی پر بود و باش رکھتے ہیں، اسی طرح ایک غیر مرئی مخلوق بھی زمین پر آباد ہے جس کو جن کہتے ہیں۔ لغتِ عرب میں جن کے معنیٰ پوشیدگی کے ہیں چونکہ انسانی بصارت اس مخلوق کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے جنّ کے نام سے موسوم ہوئی۔

تمام آسمانی مذاہب کے پیرو جنات کے قائل ہیں

مسلمانوں کی طرح تمام اہلِ کتاب یہود، نصاریٰ وغیرہما جنات کے قائل رہے ہیں۔ تورات کتاب پیدائش کے تیسرے باب میں حضرت آدم علیہ السلام کو سانپ کا دھوکا دینا مذکور ہے۔ علمائے یہود بالاتفاق اس سانپ سے شیطان مراد لیتے ہیں اور کتاب اوّل سموئیل کے باب ۱۹ ورس ۹ میں ہے: "اور خداوند کی طرف سے وہ بُری روح ساؤل پر چڑھی"۔ بُری روح سے جن اور اسی قسم کی غیر محسوس مخلوق مراد ہے، جسے لطافت کی بنا پر روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح انجیل متی کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ شیطان حضرت مسیحؑ کو فریب دینے آیا اور ان کو ہیکل کے کنگرے پر لے گیا اور پھر اونچے پہاڑ پر لے گیا اور وہاں سے دنیا کی ساری بادشاہتیں اور شان و شوکت دکھا کر کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سجدہ کرو تو یہ سب کچھ تمہیں دے دوں گا۔" تب مسیح نے فرمایا کہ اے شیطان دور ہو۔ سجدہ اور بندگی کا مستحق صرف خدائے برحق ہے۔" اور انجیل متی کے آٹھویں باب ورس ۱۶ میں ہے کہ جب شام ہوئی تو مسیحؑ کے پاس بہتوں کو جن پر جن چڑھے تھے لائے اور اس نے ان بدروحوں کو کلام الٰہی سے دور کیا یعنی کچھ پڑھ کر پھونک دیا۔" اور انجیل متی باب ۹ ورس ۳۲ میں ہے کہ جس وقت وہ باہر نکلے تو لوگ ایک گونگے کو جس پر جن چڑھا تھا، اس کے پاس لائے۔ جب وہ بدروح نکال دی گئی تو گونگا بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب سے کہا کہ اسرائیل میں کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا۔ مگر فریسیوں نے کہا کہ یہ تو جنات کے سردار کی مدد سے جنّوں کو نکالتا ہے۔"

جنّات کا اُصولِ پیدائش

بعض علماء نے لکھا ہے کہ چار چیزیں پیدائش کی اصل ہیں۔ ہوا، آگ، پانی، مٹی۔ ان میں سے مٹی اور پانی کو تو ہم دیکھتے ہیں لیکن ہوا اور آگ دکھائی نہیں دیتی۔ آگ نور، شعلہ اور دُھوّاں تین چیزوں سے مرکّب ہے۔ نور ضیاء محض کو کہتے ہیں۔ دُھوّاں ظلمت محض ہے اور شعلہ جو مابیج متوسط ہے، شر محض ہے۔ جنّات کو خالق کردگار نے مارج یعنی بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا ہے۔ پس جنّات کو نوریت کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ اور ظلمت دُخانی کے لحاظ سے شیاطین کے ساتھ مناسبت ہے۔ اسی بناپر ان میں مطیع بھی ہیں اور نافرمان بھی۔ مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ جس طرح ہوا اور آگ نظر نہیں آتی اسی طرح جو مخلوق ان دونوں عنصروں سے مرکّب ہے، وہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔

خشکی پر رہنے والے ذی رُوح (انسان، چار پائے، وحوش، طیور، حشرات) مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ مچھلیاں اور مینڈک وغیرہ پانی کی نبات اور سبزہ سے پیدا کیے گئے ہیں بس مخلوقات کی چار قسمیں چار اصلوں سے معرضِ وجود میں آئیں۔ ان میں سے دو جنسیں یعنی ملائکہ اور جنّات بلندی کی طرف چڑھنے والی ہیں کیونکہ ان کی اصلیں (ہوا اور آگ) اوپر کو صعود کرتی ہیں اور دو جنسیں یعنی حیوانات بَرّی اور حیوانات بحری اپنی اصلوں کے ہبوط کے باعث نیچے کو اُترنے والی ہیں اس لیے اوپر کو نہیں جا سکتیں۔ اور پھر ہر جنس کے لیے ضرور ہے کہ جب اس کی پیدائش مکمل ہو جائے تو وہ اپنی اصل کی شکل و صورت چھوڑ کر کوئی دوسری شکل جو اصل کے مشابہ نہ ہو اختیار کرے۔ غور کرو کہ انسانی پیدائش میں گارے اور مٹی کی صورت اُس سے کس طرح زائل ہوئی اور اس نے کس طرح گوشت، پوست اور چہرے میں تبدیل ہو کر انسان کی مخصوص صورت و وضع اختیار کر لی۔ اسی طرح ہوا کی صورت ملائکہ اور جنّات کے اجساد سے زائل ہو گئی ہے اور انہیں لطیف وضع و ہیئت میں مختلف شکلیں بخش دی گئی ہیں۔ ملائکہ اور جنّات اپنی غایتِ لطافت کے باعث ہماری نظروں سے اسی طرح مخفی ہیں جس طرح ہم ہوا کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اجسام لطیفہ میں جو ہوا اور آگ سے بنائے گئے ہیں، اجسام کثیفہ کی نسبت (جو مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے) طاقت و استحکام زیادہ ہے۔ اس لیے ایسی مخلوق بہت زیادہ قوی اور طویل العمر ہوتی ہے اور بجلی اور ہوا کی طرح آناً فاناً دور بھی پہنچ جاتی ہے۔

جنّات کے اقسام

جنّات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ اُن کا مادہ کامل طور پر لطیف نہیں بلکہ کثیف مادہ بھی ان کی ترکیب میں داخل ہے۔ مگر وہ غلبۂ لطافت

کے باعث دکھائی نہیں دیتے۔ اس قسم کے جنات میں خیر و شر دونوں مادے ودیعت رکھے گئے ہیں اس لیے وہ بھی انسان کی طرح احکام الٰہی کے مکلّف و مامور ہیں۔ ان کے لیے بھی ثواب و عذاب ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں انسان کے ساتھ ان کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اس قسم میں ناری مادہ زیادہ ہے اس لیے ان کی سرشت میں غرور و سرکشی بھی زیادہ ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں ہوائی مادہ زیادہ ہے۔ ان کے بھی مختلف اقسام ہیں۔ عرب میں انہی اقسام و صفات کے لحاظ سے جدا جدا نام بھی تھے چنانچہ وہ جنات جو انسانوں کے ساتھ رہتے تھے، عامر کہلاتے تھے۔ جو جن لڑکے بالوں کو پریشان کرتے ہیں ان کو ارواح کہتے تھے۔ انہی ارواح کو ہندی میں بھوت پریت کہتے ہیں، اور جو زیادہ سرکش اور موذی ہیں ان کو شیطان کہا جاتا تھا اور جو ایذا رسانی میں ان سے بھی بڑھ کر ہوں ان کو مارد اور عفریت کہتے تھے یعنی وہ جنات جنھیں فارسی زبان میں دیو کہتے ہیں اور جو جنات جنگلوں میں آوازیں دیتے ہیں ان کو ہاتف سے موسوم کر رکھا تھا اور جو جنگل بیابان میں بھولوں کو راستہ بتا دیتے ہیں، ان کو رجال الغیب کہا کرتے تھے۔

جنات کے جن اقسام میں ردی مادہ زیادہ ہو ان کو شر کی طرف زیادہ اور خیر کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ اس قسم کے انواع میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی جاری ہے اور بعض اقسام تو ایسے ہیں جن کو مزاج انسانی سے بہت ہی مناسبت ہے۔ ان کے نام، ان کا تمدن، ان کی زبان اور ان کے ادیان و مذاہب غرض ہر چیز ملک کی عام انسانی آبادی کی مانند ہے۔ یہ جس شکل میں چاہتے ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔

انسان پر جناتی تسلط جنات اپنی لطافت کے باعث انسان پر متسلط اور اس کے خیالات میں دخیل ہو سکتے ہیں اور یہی شیطان کا گمراہ کرنا ہے۔ اسی طرح جن صالحین امت پر ملائکہ کا تسلط ہو، ان سے ملکی صفات اور انسانی قدرت سے بالاتر افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ نصوص و مشاہدات سے اس امر کا امکان بلکہ وقوع ثابت ہے کہ بعض انسانی امراض میں شیاطین کو دخل ہو سکتا ہے۔ وہ بے ہوش کر سکتے ہیں۔ وہ آدمی کو اٹھا لے جا سکتے ہیں۔ وہ پتھر برسا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اکثر اوقات فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، اس لیے ایسے واقعات بکثرت وقوع پذیر نہیں ہوتے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ جنوں کی پیدائش انسان سے پہلے ہوئی تھی۔

رجم شیاطین بعثت نبوی سے پہلے آسمان تک بھی جنات کی رسائی تھی۔ جب احکام

فرشتوں پر نازل ہوتے اور ملائکہ میں باہم ان کا تذکرہ ہوتا تو جنات وہ باتیں سن کر کاہنوں کو آ سناتے۔ کاہن ان میں اپنی طرف سے بیس جھوٹ ملاتے اور تختِ غیب دانی پر بیٹھ کر کوس اَنَا وَلَا غَیْرِی بجانے لگتے۔ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو بڑے قوی ہیکل فرشتے چوکیدار بنا کر ہر طرف تعینات کر دیے گئے تا کہ کوئی جن آسمانی کلام سننے کو آئے تو وہ ان کو شہب سے دفع کریں۔ شُہُب شہاب کی جمع ہے اور شہاب اُس بلند شعلۂ آتش کو کہتے ہیں جو آتش بازی کے انار کی شکل میں آسمان پر دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اُسے رجم شیاطین بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ جونہی کوئی جن کلام ملائکہ سننے کے لیے اپنے سابق مقام پر جا بیٹھتا اس پر شعلۂ آتش چھوڑا جاتا اور اسے جلا کر فنا کر دیا جاتا۔ اس انقلاب کا مقصد یہ تھا کہ جنات کوئی آسمانی کلام نہ سن سکیں اور حق و باطل میں اختلاط نہ ہونے پائے یعنی وحیٔ آسمانی کلام شیطانی سے ممیز رہے۔

وحیٔ الٰہی کی غیر معمولی حفاظت

اور صرف اس پر اکتفا نہ کی گئی بلکہ کلام الٰہی کی حفاظت کے لیے یہ بھی انتظام ہوا کہ نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں طرف محافظ فرشتے متعین کر دیے جاتے تا کہ وہاں جنات و شیاطین کا گزر نہ ہو مبادا جبریل امینؑ کی زبان سے کلام وحی سن کر کسی دوسرے سے جا کہیں یا القاے وسوسہ کی کوشش کریں۔

الغرض بعثت کے بعد رمی بالشہب کی سخت بھرمار ہوئی۔ چونکہ یہ امر خارقِ عادت تھا بعض لوگوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں دنیا کی بربادی کا سامان تو نہیں؟ آخر اس امر کی تفتیش کی گئی کہ یہ رمی بالکواکب ہے یا رمی بالشہب؟ آخر جب یہ ثابت ہوا کہ یہ رمی بالکواکب نہیں بلکہ شعلہ زنی ہے تو معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی غیر معمولی انقلاب برپا ہوا ہے (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لابن تیمیہؒ)

ابلیس سے جنات کا شکوہ

الغرض جب جنات نے معمول کے خلاف آسمان تک اپنی رسائی نہ دیکھی اور رمی بالشہب کی بھرمار ہوئی تو انھوں نے ابلیس سے اس کا شکوہ کیا۔ اس نے کہا اس کی علت بجز اس کے کچھ نہیں کہ دنیا میں کوئی امر عظیم حادث ہوا ہے اس لیے اطراف و اکناف عالم میں پھیل جاؤ اور ہر جگہ پھر کر اس کی علت معلوم کرو۔ جنات کی مختلف ٹولیاں مختلف اقطار عالم میں پھیل پڑیں۔ کچھ جنات حجاز بھی آئے۔ وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بازار عکاظ کو جاتے وقت بطن نخلہ میں پہنچے اور وہیں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دو پہاڑوں کے درمیان اپنے اصحاب کے ساتھ نماز صبح پڑھتے دیکھا۔ جب انھوں نے آپ کی قراءت سن کر قرآن کا اعجاز معلوم کیا تو آپس میں کہنے لگے کہ بس وہ نیا سبب جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوا

یہی ہے۔ پس وہ اپنی قوم میں واپس گئے اور کہنے لگے اے قوم! ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا ہے جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم تو آئندہ کسی کو اپنے پروردگار کا شریک ٹھیرائیں گے نہیں"۔ پس حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ جن نازل فرمائی۔ اس واقعہ کو جیسے میں کسی سابق فصل میں مختصراً لکھ آیا ہوں امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور محدثین کرام کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصیبین کے جن تھے جو دیار بکر کا ایک شہر ہے (روح المعانی)

جنّات کو قرآن سُننے کا اِشتیاق

یہ واقعہ جو مکہ معظمہ میں رونما ہوا لیلۃ الجن (جنوں کی رات) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورۂ جن کی انیسویں آیت کا ترجمہ یہ ہے "جب بندۂ خدا (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی عبادت کرنے کھڑے ہوئے (تو جنات نے سماعِ قرآن کے شوق میں اتنا ازدحام کیا کہ) نزدیک تھا کہ ایک دوسرے سے چسپیدہ ہو جائیں"۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جنات نے حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا کہ کس خشوع و خضوع سے اپنے خالق کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر انتہائی خلوص کے ساتھ اس کا کلام پاک پڑھ رہے ہیں۔ پھر کبھی جھکتے ہیں کبھی اپنے مولیٰ کریم کے آگے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں اور آپ کے اصحاب ہیں کہ دست بستہ صف باندھے پیچھے کھڑے ہیں اور جس طرح اللہ کا محبوب پیشوائے اُمت کرتا جاتا ہے، وہ بھی اُس کا اتباع کرتے جا رہے ہیں۔ تو جنات نے یہ عجیب حالت دیکھ کر قرآن مجید سننے کے اشتیاق میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بھیڑ لگا رکھی تھی اور کچھ بیچ ایک دوسرے سے چپٹے جاتے تھے (مدارک)

دوسری روایت میں ہے کہ وہ جنات جب یہاں آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو معتقد اور مومن ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور یہ واقعہ اپنے ہم قوموں کے گوش گزار کر کے سب کو قبولِ ایمان کی ترغیب دی۔ لیکن آپ کو ان کے آنے جانے کی خبر نہ ہوئی۔ رواہ ابن المنذر عن عبدالملک (روح المعانی)

درخت کا جنّوں کی آمد سے مطّلع کرنا

مسروق تابعیؒ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کی آمد کا کیونکر علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخت نے اس کی اطلاع دی تھی (صحیح مسلم معہ شرح مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۱۸۴)

امام نووی رحؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدائے قدیر جس جماد میں چاہے قوت تمیز پیدا کر دے۔ اور اس کی نظیر یہ ارشاد ربانی ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو خوفِ الٰہی سے گر پڑتے ہیں۔ ۲ : ۷۴) اسی طرح ارشادِ ربانی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح و تقدیس کو نہیں سمجھتے۔ ۱۷ : ۴۴) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو کہ مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ اور ان دو درختوں کی حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے پاس آ گئے تھے اور ستون کے رونے کی حدیث اور طعام کا تسبیح پڑھنا وغیرہ واقعات اس سلسلہ میں قابل توجہ ہیں (مسلم مع شرح جلد اوّل ص ۱۸۵)

تین سو جنّوں کا حضرت فخرِ عالمؐ کی مُلاقات کو آنا

کعب احبار کا بیان ہے کہ نصیبین کے جن بطن نخلہ سے واپس گئے تو اپنی قوم میں پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ چنانچہ وہاں کے جنات تین سو کی تعداد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے اور حجون میں قیام کر کے اپنا قاصد بارگاہِ نبوی میں بھیجا۔ اس نے آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور التماس کی کہ میری قوم آپ کی ملاقات کے لیے حجون میں حاضر ہے۔ ان کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے وعدہ فرمایا کہ ان شاء اللہ میں رات کا کچھ حصہ گزرنے پر حجون پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سورۃ الرحمٰن پڑھ کر سنائی۔ جب آپ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتے تو وہ ہر مرتبہ کہتے کہ ہم اپنے رب کی کسی آیت کی تکذیب نہیں کرتے۔ اے ہمارے رب! تو ہی ہر حمد کا مستحق ہے۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل میں نبوت کے گیارھویں سال پیش آیا اور دوسری روایت میں ہے کہ ہجرت سے تین سال پیشتر وقوع پذیر ہوا تھا (روح المعانی)

طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے جبر سے روایت کی کہ جنات کے وفود دو مرتبہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور حسب بیان خفاجی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے جنوں کو چھ مرتبہ تعلیم و افادہ سے مشرف فرمایا تھا (روح المعانی)

جنّوں کے ایک وفد کی آمد کا تذکرہ سورۂ احقاف میں بھی ہے۔ اس وفد نے واپس جاکر اپنی قوم سے کہا تھا کہ بھائیو! ہم ایک عجیب کتاب سُن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ (قرآن ۴۶ : ۳)

انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نظر انداز کرکے جناب موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر تمام اہلِ کتاب متفق ہیں۔ یا یہ وجہ تھی کہ انجیل اکثر شرائع میں تورات کے تابع ہے اور تورات قرآن کی طرح مستقل کتاب ہے۔ پس وفد کا مقصود یہ تھا کہ جیسی مستقل کتاب موسیٰ کلیم علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اسی طرح مستقل کتاب یہ آئی ہے۔

نبی علیہ السلام کو جنّات کا مدعو کرنا

بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جنّات کی ایک جماعت نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ چنانچہ امام احمد، مسلم، ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد علقمہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ حضرات میں سے کوئی بزرگ لیلۃ الجن میں سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ البتہ ایک اور رات ہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ اچانک مفقود ہو گئے۔ ہم نے آپ کی بہتیری تلاش کی لیکن آپ کو کہیں نہ پایا۔ وادیوں اور دَرّوں میں پھر پھرا کر دیکھا لیکن کوئی سُراغ نہ ملا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ خدانخواستہ آپ کو کوئی جن نہ اُٹھا لے گیا ہو یا آپ کو خفیۃً قتل نہ کر دیا گیا ہو۔ ہم نے ساری رات سخت قلق اور انتہائی اضطراب میں گزاری۔ ہمارے لیے یہ ایسی منحوس رات تھی کہ مسلمانوں کے لیے اس سے بدتر رات کبھی کوئی نہیں آئی تھی۔ صبح ہوئی تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ آپ حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے گزارش کی یارسول اللہ! شب گزشتہ آپ کو نہ پایا تو ہم لوگ آپ کی تلاش میں سرگرداں رہے لیکن آپ کہیں نہ ملے۔ ہم نے رات ایسے رنج و اضطراب میں بسر کی کہ آج تک قوم کو ایسی شرانگیز رات سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ رات کو جنّوں کا قاصد آکر مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد آپ ہم لوگوں کو اُس مقام پر لے گئے اور ان کے قیام گاہ اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زادِ راہ کے لیے درخواست کی تو میں نے کہا کہ ہر ہڈی (یا گوشت) جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور تمہارے ہاتھ لگ جائے تمہارا توشہ ہے اور اونٹ اور بکری کی مینگنیاں تمہارے چارپایوں کا چارا ہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

صحابہ سے فرمایا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کی غذا ہے۔ یہ جنّات جزیرہ کے رہنے والے تھے (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۴)

- بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ تو مومن جنّات کا طعام ہے لیکن غیر مومن جنات کی غذا کے متعلق دوسری حدیثوں میں مروی ہے کہ ان کا کھانا وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (شرح مسلم)

فصل ۲۰۵۔ طائف کا تبلیغی سفر

جب دعوتِ الٰہی کے منادِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفاتِ ابی طالب کے بعد دیکھا کہ اہلِ مکہ کو ہنوز قبولِ حق سے اعراض ہے اور دعوتِ توحید کا جواب نہ صرف اینٹ پتھر سے دیا جاتا ہے بلکہ از سرِ نو آپ کی جان لینے کے منصوبے ہو رہے ہیں تو ارادہ کیا کہ سردست قرب وجوار میں جا کر اغیار ہی کو اسلام کی طرف بلائیں۔ چنانچہ ابو طالب کی وفات کے چند ماہ بعد یعنی نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں اپنے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر قبیلۂ بنو بکر میں تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے ہاں نہ ٹھیرنے دیا۔ پھر قبیلۂ قحطان میں قدم رنجہ فرمایا۔ وہ بھی شرارت و بداندیشی سے پیش آئے۔ وہاں سے شہرِ طائف کا قصد کیا جو قبیلۂ ثقیف کی مرز و بوم تھی۔ گو مکہ معظمہ کی طرح طائف بھی آپ کے لیے بھڑوں کا چھتا بنا ہوا تھا تاہم آپ تن بہ تقدیر یہاں پہنچے۔ طائف مکہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی طرف ایک زرخیز، سبزہ زار اور خوش سواد مقام ہے۔

رؤسائے طائف کی بداخلاقی

آپ طائف میں دس دن ٹھیرے اور وہاں کے ہر سربرآوردہ آدمی سے ملے۔ سب سے پہلے رؤسائے بنو ثقیف کے پاس گئے۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبدیالیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو۔ آپ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اپنی آمد کی غرض بیان کی۔ لیکن یہ تینوں بھائی سخت بداخلاقی سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ امر محال ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا پیامبر منتخب کیا ہو۔ دوسرا بولا کیا اللہ کو اپنی تبلیغ رسالت کے لیے تمہارے سوا کوئی اور شخص نہ مل سکا تھا۔ تیسرے نے کہا کہ میں تم سے ایک بات بھی نہیں کرتا کیونکہ اگر تم جیسا کہ کہتے ہو واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہاری بات کی تردید کرنے میں انتہا درجہ کا خطرہ ہے اور اگر تم اپنے دعوے میں کاذب ہو اور اللہ پر افترا پردازی

کر رہے ہو تو تم اس قابل ہی نہیں کہ تم کو اپنا مخاطب بناؤں"۔ آپ ان کے پاس سے اُٹھ آئے اور ثقیف کی طرف سے مایوس ہو کر مراجعت فرما ہوئے۔ (ابن سعد و ابن جریر طبری)

لونڈے اور اوباش حبیب رب العالمینؐ کے تعاقب میں

غرض اہل طائف نہ صرف بداخلاقی سے پیش آئے اور سختی سے تبلیغ کی ممانعت کی بلکہ لونڈوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ابلیسی لشکر ہر طرف سے ٹوٹ پڑا اور گالیاں دینے اور شور مچانے لگا۔ اس کے بعد آپ کی ذاتِ اقدس پر بے پناہ سنگ باری شروع کر دی۔ آپ جدھر کا رُخ کرتے، یہ اشقیاء برابر آپ کا تعاقب کر کے پتھراؤ اور دریدہ دہنی کرتے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو آنحضرتؐ کی ڈھال بنا رکھا تھا اور ان کی یہ کوشش تھی کہ جو پتھر بھی آئے وہ آقا کے جسمِ اطہر پر پڑنے کی بجائے ان کے لگے لیکن جب چاروں طرف سے بے پناہ سنگ باری ہو رہی تھی تو زید بیچارے آپ کو کہاں تک محفوظ رکھ سکتے تھے۔

نعلین کا خون میں مخفی ہو جانا

اتنے پتھر پڑے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر لہولہان ہو گیا اور نعلین مبارک خون میں چھپ گئیں۔ جب سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہو کر ذرا آرام فرمانے لگتے تو خدا ناترس حملہ آور بازو مبارک تھام کر کھڑا کر دیتے۔ اس کے بعد جب آپ چلنے لگتے تو پھر سنگ باری شروع کر دیتے اور ہنسی اُڑاتے، گالیاں دیتے ؎

ز در اغیار و از دیوار سنگِ یار می آید
بلائے دردمنداں از در و دیوار می آید

گو حضرت زیدؓ بھی زخموں سے نڈھال تھے لیکن چونکہ اصل نشانہ آپ ہی کی ذاتِ والا تھی جسمِ مبارک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو مجروح نہ ہوا اور جس سے خون کے فوارے نہ چھوٹ رہے ہوں۔ آخر آپ نے ایک باغ کے اندر انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی اور لونڈوں اور اوباشوں سے پیچھا چھوٹا۔ (تاریخ ابن جریر طبری، سیرۃ ابن ہشام، الروض الانف)

منجمد خون میں سے پیروں کا بمشکل نکلنا

طائف میں رؤسائے مکہ کے بھی باغ تھے جس کی وجہ سے اکثر ان کی آمد و رفت یہاں رہتی تھی۔ یہ باغ جس میں سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام پناہ گزیں ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا عُتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کی مِلک میں تھا اور عُتبہ اور شیبہ اس وقت باغ میں موجود تھے۔ باغ میں اطمینان کی سانس لینی نصیب

ہوئی تو حضرت زید ؓ نے اپنی چادر سے اولاً آپ کے جسمِ اطہر کا خون پونچھا اور پھر اپنے زخم صاف کرنے لگے۔ چونکہ آنحضرت ؐ کے نعلین میں خون بہت جم گیا تھا۔ آپ وضو کرتے وقت اپنے پیر مشکل نکال سکے (تاریخ ابن جریر، مدارج)

بارگاہِ رب العزت میں مناجات

وضو سے فراغت پا کر آپ قبلہ رو ہو بیٹھے اور ہاتھ اٹھا کر رب السموات والارض کی بارگاہِ معلّیٰ میں التماس کی۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ
قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ
عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ
اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ
اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى
عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ
تَكُنْ سَاخِطًا عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ
غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ
اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ
الَّذِيْ اَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ
وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ
وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ اَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ
غَضَبَكَ وَتُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ
وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ

(ابن جریر طبری)

الٰہی! میں اپنے عجز و بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر و بے بضاعتی کا تجھ ہی سے شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! اے کمزوروں اور ناتوانوں کے مربی! تو ہی میرا آقا و پروردگار ہے۔ اے میرے مولیٰ! اے کریم کارساز! کیا تو مجھے ایسے بیگانوں کے سپرد کرے گا جو مجھ سے نفرت کریں گے یا دشمنوں کے حوالے کر کے انہیں میرے نیک و بد کا مالک بنا دے گا؟ بار خدایا! اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی پروا نہیں۔ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات بزرگ و زیبا کے وسیلہ سے جس سے آسمان روشن ہوئے تاریکیاں دور ہوئیں اور دنیا اور آخرت کے کام اصلاح پذیر ہوئے تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل کرے اور اپنی خفگی کا مورد بنائے اور تجھی کو جب تک چاہے عتاب کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ راضی ہو اور تیری امداد و تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔

مجروح و دردمند دل سے نکلے ہوئے الفاظ

اس مناجات کے ایک ایک لفظ پہ غور کرو کہ کس مجروح و دردمند دل سے نکلی ہے۔

اللہ کا رسول کس عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے رب قدیر کو پکارتا اور اس کی نصرت بخشی کا طالب و ملتجی ہے اس نے کس طرح اپنے آپ کو اپنے مولائے کریم کی مرضیٔ مبارک کے سپرد کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دعا و مناجات کسی مامور من اللہ کے سوا جس کا معاملہ براہِ راست رب السمٰوات والارض کی جناب سے قائم ہو اور اس کے رحم و کرم کو اپنی امیدوں کا آخری سہارا یقین کرتا ہو کسی اور شخص کی زبان سے نہیں نکل سکتی۔ غنڈوں کا یہ سلوک ایک ابتلاء تھا جس میں خدا کے تمام برگزیدہ رسول مبتلا کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی اور وہی لوگ جو اس بدسلوکی کے مجرم ہیں کچھ عرصہ کے بعد نہایت شرم و خجالت کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوں گے اور آپ کے جاں نثاروں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔ رؤسائے طائف جنہوں نے لفنگوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا اُن کے قبولِ اسلام کا واقعہ ان شاء اللہ العزیز "شمائل کبریٰ" میں جو راقم الحروف کی زیرِ تالیف کتاب ہے نظر سے گزرے گا۔

عیسائی غلام کا مشرف بایمان ہونا

گو امیر معاویہ رض کا نانا عُتبہ اور عُتبہ کا بھائی شیبہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے لیکن شریف الطبع اور عالی حوصلہ آدمی تھے۔ خصوصاً عُتبہ تو ایک سنجیدہ اور شرافت مآب انسان تھا۔ سفہائے ثقیف نے آپ پر جو سنگ باری کی، اُس کا دونوں بھائیوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو اس مجبوری اور پریشان حالی میں دیکھا تو بلحاظ خویشی و قرابت ان کے جذبات رحم و ہمدردی حرکت میں آ گئے اور عداس نام نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا تذکرہ نزولِ وحی کی فصل میں حوالۂ قرطاس ہو چکا ہے انگور کا ایک خوشہ طبق میں رکھوا کر روانۂ خدمت کیا۔ آپ لوگوں کے قبولِ حق کے بڑے مشتاق تھے، اس لیے اس خیال سے کہ شاید عُتبہ اور شیبہ خوش ہو کر محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور اس ذریعہ سے ان پر تبلیغ حق کی راہ کھل جائے اس تحفہ کو قبول فرما لیا۔

طائف کے سفر میں ایک متنفس کو بھی قبولِ ہدایت کی توفیق نہ ہوئی تھی۔ اس لیے آپ واپسی کے وقت ملول و محزون تھے۔ البتہ نینوا کے عیسائی غلام عداس کی قسمت میں ایمان کی سعادت لکھی تھی۔ وہ اس سے شرف اندوز ہوا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ جب عداس نے انگور کا خوشہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ گو عداس آپ کے دعوائے نبوت کا شہرہ سنا کرتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ دشمنانِ دین کی غلامی میں انتہائی بے بسی کے دن کاٹ رہا تھا، آپ کے درِ سعادت پر حاضر ہو کر قدم بوسی کا کبھی

شرف حاصل کر سکا تھا جب آپ نے بسم اللہ پڑھی تو عداس کہنے لگا میں نے یہاں والوں کی زبان سے یہ کلام کبھی نہیں سنا۔" آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں نینوا کا باشندہ اور مذہباً عیسائی ہوں۔" آپ نے فرمایا ہاں نینوا مرد صالح یونس بن متّیٰ علیہ السلام کا وطن۔ عداس بولا آپ یونس نبی کو جانتے ہیں؟ فرمایا یونسؑ میرے بھائی ہیں۔ میری طرح وہ بھی پیغمبر تھے۔"

عداس کا نبی اقدسؐ کے ہاتھ پاؤں چومنا

یہ سُن کر عداس نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! مدت مدید گزری جب میں نے آپ کا وصف پاک انجیل میں دیکھا تھا اور آپ کی رسالت کی تعریف توراۃ میں نظر سے گزری تھی اور جان لیا تھا کہ آپ اہل مکہ میں مبعوث ہوں گے۔ وہ آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو جلاوطن کر دیں گے اور انجام کار حق تعالیٰ آپ کو نصرت بخشے گا۔ پھر آپ مکہ میں آئیں گے اور آپ کا دین دُور دُور تک پھیل جائے گا۔ اب مجھے اپنے دین میں داخل کیجئے کہ مدت سے اس سعادت کے ادراک کا آرزو مند تھا۔ ع

ویراست کہ سودائے تو در سینۂ ماست

غرض وہ مشرف با یمان ہوا۔ جب وہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم رہا تھا تو عتبہ اور شیبہ دور سے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے (غلام تو ہاتھ سے گیا۔ جب عداس نے قبول اسلام کے بعد معاودت کی تو دونوں بھائی کہنے لگے کم بخت! تجھ پر کون سی آفت سوار ہوئی تھی کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں چوم رہا تھا؟ عداسؓ نے کہا آپ صاحبوں کو معلوم ہو کہ اس وقت روئے زمین پر اس عظیم المرتبہ ہستی کی برابر کوئی انسان نہیں۔ میں نے ان کی زبان مبارک سے جو بات سنی وہ نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔" انہوں نے عداس کو ڈانٹا کہ خبردار کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا۔ تیرا مذہب تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب سے بہتر ہے (تاریخ طبری، روضۃ الاحباب، مدارج النبوت

پہاڑوں کے موکّل فرشتہ کی عرضداشت

بخاری اور مسلم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی کہ ایک دفعہ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی گزرا ہے جو یوم اُحُد سے زیادہ سخت ہو؟ فرمایا وہ دن سب سے زیادہ سخت تھا جب کہ میں طائف سے مراجعت کی تھی۔ میں (باغ سے نکل کر) غمزدہ آ رہا تھا۔ جب قرن ثعالب کے مقام پر پہنچا تو اچانک بادل کے ایک ٹکڑے نے آ کر میرے اوپر سایہ کر لیا۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریلؑ دکھائی دیے۔ انہوں نے

مجھے آواز دی کہ آپ کی قوم کے سر پہ آوردو۔ جبال نے آپ سے جو کچھ کہا وہ رب العالمین نے سنا اور اُس سلوک کا بھی مشاہدہ فرمایا جو آپ سے روا رکھا گیا۔ حق تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں ان کے بارہ میں اُس کو حکم دیں۔ اتنے میں مجھے فرشتۂ جبال نے آواز دی کہ اسے محمدؐ! مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپکے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ کی مرضی مبارک ہو تو میں طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملا کر وہاں کی جملہ آبادی کو تہس نہس کر دوں"؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں ایسا نہیں چاہتا بلکہ مجھے خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ انہی کے اصلاب میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیرائیں گے"۔ ؎

دُکھ پا کے بھلا بُروں کا تو نے چاہا
تعریف کے قابل ہے یہ ہمت تیری
ایذا اعدا سے اور تیرے مونہہ سے دعا
اللہ رے کیا ہے شانِ رحمت تیری

سفرِ طائف کے متعلق میوّر کی رائے

طائف کے سفر کی نسبت سر ولیم میوّر لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سفرِ طائف میں آپ کی بڑی عظمتِ شان ظاہر ہوتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا انسان جسے اس کی قوم نے نظرِ حقارت سے دیکھا اور رد کر دیا وہ خدا کی راہ میں اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جس طرح یونس نبیؑ نے نینوا جا کر حق کی دعوت دی تھی اسی طرح یہ بھی وطن سے نکل کر ایک بُت پرست شہر میں تبلیغ کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ وہ توبہ کریں اور خدا کے نبی پر ایمان لا کر اس کی تائید کریں۔ یہ واقعہ اس حقیقت پر بھی ایک زبردست روشنی ڈالتا ہے کہ آپ کو اس بات کا کامل وثوق تھا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں (لائف آف محمدؐ)

فصل ۲۰۶۔ طائف سے مراجعت اور آلِ مُطعم کی حمایت وجوار

طائف سے مراجعت فرمانے کے بعد حضور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چند روز نخلہ میں ٹھیرے۔ اس وقت مکہ معظمہ جانا سخت مخدوش اور خطرات سے لبریز تھا۔ حضرت زیدؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! آپ مکہ کو جہاں ہر وقت آپ کی جان کو خطرہ ہے کس طرح واپس جائیں گے؟

خدا دورِ ابتلاء کے بعد اپنے نبی کو غلبہ دے گا

آپ نے فرمایا زید! حق تعالیٰ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے۔ وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا اور موجودہ دورِ ابتلاء کے بعد اپنے نبی کو غلبہ دے گا۔ اس کے بعد آپ حراء کو روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ قریش کی مخالفت نے تبلیغ کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں اس لیے قرینِ مصلحت یہ ہے کہ عرب کی رسم کے مطابق کسی رئیس کی حمایت حاصل کر کے فریضۂ تبلیغ ادا کیا جائے۔ اتفاق سے یہاں مکہ کے بعض باشندوں سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے ایک مکی سے کہا کیا تم میرا پیغام پہنچا دو گے؟ اس نے کہا پہنچا دوں گا۔ فرمایا جا کر اخنس بن شریق سے کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش ہے کہ تم مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دو تاکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا پیام سناؤں۔ قاصد نے پیغام پہنچایا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں عرب کا حلیف ہوں اس لیے ان کی مخالفت میں کسی کو اپنے پاس نہیں بلا سکتا۔"

سُہیل بن عمرو کا انکار

اس کے بعد حضرت سُہیل بن عمرو کو جو ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے یہی پیغام بھیجا۔ انہوں نے بھی حامی نہ بھری۔ حالانکہ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی طالبِ جوار و حمایت ہوتا تو اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس انکار میں ان کے خاندانی وقار کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ انجام کار آپ کو (حضرت جبیر[عہ] صحابیؓ کے والد) مُطعِم بن عدی کا خیال آیا۔ آپ اُس کی نرم دلی سے واقف تھے۔ اُس کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا۔ مُطعِم نے غیر مسلم ہونے کے باوجود آپ کی درخواست قبول کی اور آپ کو مکہ معظمہ بلا بھیجا۔ مُطعِم کو معلوم تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنا تمام قریش کو مخالفت کی دعوت دینا ہے اس لیے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جائیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کا انتظار کریں۔

مُطعِم کا اعلانِ جوار

جب آپ کو مُطعِم کا پیغام ملا تو آپ نے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا یہاں تک کہ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ مطعم بن عدی نے اُونٹ پر کھڑے ہو کر آواز بلند پکارا کہ اے گروہِ قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے۔ کوئی شخص ان کی ایذا رسانی کا قصد نہ کرے۔" آپ نے حرم میں نماز ادا کی اور کاشانۂ اقدس کو تشریف لے گئے۔ اس وقت مُطعِم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے آپ پر تلواروں کا سایہ کیے ہوئے تھے۔

[عہ] جُبیرؓ ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد) اس سے شاید یہ غرض تھی کہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے کہ اگر کسی نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تعرض کیا تو آلِ مطعم کی تلواریں آپ کی تائید میں بے نیام ہو جائیں گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب ابو جہل نے آپ کو مسجد حرام میں دیکھا تو مطعم بن عدی سے پوچھنے لگا کہ تم نے ان کو اپنی حمایت میں لیا ہے یا ان کی پیروی اختیار کی ہے؟ اس نے کہا حمایت میں لیا ہے۔ ابو جہل بولا جس کو تم نے پناہ دی ہے اس کو ہم بھی پناہ دیتے ہیں (ابن جریر طبری)

طوفان ہائے جور و ستم کا ازسرِ نو مسلط ہونا

لیکن حمایت و تائید کا یہ عہد کچھ دیرپا ثابت نہ ہوا کیونکہ آپ قریش کی خواہش کے مطابق اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد قوم کا طوفانِ معاندت ازسرِ نو پوری شدت کے ساتھ اُمنڈ آیا اور آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر عرصۂ حیات بدستور تنگ کر دیا گیا لیکن آپ اس سے مطلق ہراساں نہ ہوئے بلکہ قبائل کا دورہ کر کے اشاعتِ اسلام میں سرگرم رہے۔

مُطعِم سے آنحضرتؐ کا نسبی تعلق

یہاں ضمناً آپ سے مُطعِم بن عدی کا نسبی تعلق بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ہاشم، مُطّلِب، عبد شمس اور نوفل۔ جناب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی، بنو مُطّلِب مُطّلِب کی، اور بنو اُمیہ عبد شمس کی اولاد ہیں۔ حضرت عثمان ذو النورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما بنو اُمیہ میں سے تھے اور مطعم بن عدی نوفل کی اولاد تھا۔ بنو مُطّلِب ہاشمیوں کی طرح حالتِ کفر میں بھی حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و ناصر رہے اور آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا لیکن عبد شمس اور نوفل کی اولاد آپ سے علیحدہ رہی یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ذوی القربیٰ کا حصہ تقسیم فرمایا تو ہاشمیوں کی طرح بنو مطلب کو بھی دیا۔ حضرت عثمان اور حضرت جُبَیر (بن مُطعِم بن عدی) رضی اللہ عنہما جو علی الترتیب عبد شمس اور نوفل کی اولاد تھے، حاضر خدمت ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بنو ہاشم کی وجہ ترجیح سے تو مجالِ انکار نہیں کیونکہ خدائے برتر نے آپ کو ان میں پیدا کیا ہے لیکن جب بنو مُطّلِب اور ہم دونوں حضورؐ سے ایک سی قرابت رکھتے ہیں تو پھر مُطّلِب کی اولاد کو ہم پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو مُطّلِب اور بنو ہاشم ہمیشہ باہم متحد و متفق رہے ہیں (بخاری)

فصل ۲۰۷۔ فریضۂ تبلیغ میں ابولہب اور ابوجہل کی مزاحمت

ابولہب کی دریدہ دہنی

ہنود کی طرح عربوں میں بھی میلوں کا بڑا رواج تھا۔ ان میں عُکاظ، مجنّہ، اور ذوالمجاز کے میلے زیادہ مشہور تھے۔ داعیِٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اِن میلوں میں بھی قدم رنجہ فرماتے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے۔ مگر ایامِ حج میں قبایلِ عرب کے پاس یا میلوں میں جہاں کہیں بھی آپ تبلیغ کی غرض سے تشریف لے جاتے آپ کا برگشتۂ بخت چچا عبدالعزیٰ معروف بہ ابولہب جو بُت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے آپ کا سخت دشمن تھا عام طور پر ساتھ جاتا اور جب آپ تقریر شروع کرتے تو یہ برابر سے کہتا رہتا کہ یہ شخص صابی ہے۔ دین سے پھر گیا ہے۔ جھوٹا ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے (مسند امام احمد و طبقات ابن سعد)

پنڈلی اور قدم مبارک کا مجروح ہونا

الغرض ابولہب نے معمول بنا لیا تھا کہ آپ وعظ و تلقین کے لیے جہاں کہیں بھی شہر سے باہر تشریف لے جاتے یہ حرماں نصیب مخالفت و تردید کے لیے آپ کا تعاقب کرتا اور اُس وقت تک آپ کا پیچھا نہ چھوڑتا جب تک آپ دعوت و تبلیغ سے فراغت پا کر مراجعت نہ فرماتے۔ مجمع طارق کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ کیا دیکھتا ہوں کہ سوق ذی المجاز میں حضرت سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے اسلام کی دعوت دیتے جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے ابولہب پتھر مارتا ہوا آ رہا ہے جس سے آپ کی پنڈلی اور قدم مبارک لہولہان ہو گیا ہے (روح المعانی)

ابولہب کی سنگ باری

ایک صحابی ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آغازِ شباب میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ گیا۔ اس وقت داعیِٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم قبایلِ عرب میں کھڑے ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بنی فلاں! میں اللہ کا رسول ہوں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ ربِ جلیل تمہیں حکم دیتا ہے کہ اُسی ذاتِ برتر کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے مدد مانگنا چھوڑ دو۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو تمہاری حاجت روائی کر سکے۔ اس کے بعد فرمایا میری رسالت پر ایمان لاؤ اور میری طرف سے مزاحمت کرو تاکہ میں بفراغِ خاطر خلقِ خدا کے سامنے وہ آسمانی تعلیمات پیش کر دوں جن کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔"

جب آپ اتنا کہہ چکے تو ایک خوش رو لمبی زلفوں والا آدمی جس نے عدنی حُلّہ زیب تن کر رکھا تھا پکار اُٹھا اے بنی فلاں! یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہوگیا ہے۔ تم سے لات اور عُزّیٰ کی پرستش چھوڑانا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ تم اپنا دین چھوڑ کر اس کی دعوت کو جو سراسر ضلالت اور گمراہی ہے قبول کرو۔ اس لیے اس کی کوئی بات نہ سنو اور ہرگز اطاعت نہ کرو"۔ حضرت ربیعہ بن عباد رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے والد سے دریافت کیا کہ یہ پیچھے پیچھے جاکر مخالفت کرنے والا کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا ابولہب ہے (مسند احمد و تاریخ طبری)

اور امام احمدؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ جب تک آپ تقریر کرتے رہے ابولہب آپ پر خاک پھینکتا اور پتھر و ڈھیلے مارتا رہا۔

اسی طرح ابن عبداللہ محاربی کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذوالمجاز میں دیکھا۔ اس وقت آپ بلند آواز سے فرما رہے تھے کہ لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے"۔ ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک شخص جس کے ہاتھ میں پتھر تھے چلا اُٹھا کہ لوگو! یہ شخص (معاذ اللہ) کذّاب (بہت جھوٹا) ہے۔ اس کی بات نہ سننا۔ میں نے دریافت کیا کہ پہلے صاحب کون ہیں اور یہ مخالفت کرنے والا کون ہے؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ تبلیغ کرنے والا تو خاندان عبدالمطلب کا ایک جوان ہے اور مخالف مبلّغ کا اپنا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے (کنز العمال بحوالہ ابن ابی شیبہ)

ابولہب کی محرومی

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی بے محل نہ ہوگا کہ اگر کسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محض نسبی رشتہ کی وجہ سے محبت ہو تو وہ عنداللہ بیکار اور ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے والد ابو طالب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ محبت تھی؟ لیکن اس لحاظ سے کہ وہ محبت برادر زادہ ہونے کے باعث تھی مفید نہ ثابت ہوئی۔ حق تعالیٰ کے نزدیک محبت وہی مقبول ہے جو آپ کے رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رکھی جائے۔ اسی طرح ابولہب کو بھی آپ کی قرابت کچھ سُودمند نہ ہوئی بلکہ آپ کی عداوت نے اُسے جہنم کے اُس طبقہ کا مستحق کر دیا جس سے اسفل درجہ کوئی بھی متصوّر نہیں۔ مولٰنا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

ہیچ سودے نہ کرد آں نسبتش
شد مقر در سقر چو بولہبش

ابوجہل کی ذلیل حرکت

ابوجہل نے بھی مخالفت و مزاحمت کا وہی رنگ اختیار کر رکھا تھا جو

اوپر مذکور ہوا چنانچہ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم ذوالمجاز کے میلے میں گئے۔ میں ہنوز مشرفِ ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ آپ نے ایک مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کی جس میں فرمایا دیکھو بھائیو! یقین کرو کہ اللہ رب العالمین عزّ اسمہٗ کے سوا کوئی ہستی قابلِ پرستش نہیں۔ اسی کی عبادت کرو اور بُت پرستی سے باز آ جاؤ۔" جب تک آپ وعظ فرماتے رہے ابوجہل خاک اُٹھا اُٹھا کر پھینکتا اور یہ کہتا رہا کہ اس شخص کے چکمے میں نہ آنا۔ یہ تو تمہیں تمہارے معبودوں لات اور عزّیٰ کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے (مسند احمد)

انبیاء علیہم السلام کا بحث ومناظرہ سے اجتناب

یہاں ضمناً یہ معلوم کر لینا بھی مناسب ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخالفوں سے کوئی لمبی چوڑی بحثیں اور طویل مناظرے نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس سے سننے والوں کو بہت کم نفع ہوتا ہے۔ اس مقدس جماعت کا معمول تھا کہ جب اعداء بالمقابل مخالفانہ لب ولہجہ اختیار کرتے تو یہ خاموش ہو جاتے اور جب ان کی زبان درازی ختم ہو جاتی تو پھر بولنے لگتے۔ یہ نفوسِ طاہرہ اپنے ارشاداتِ حقّہ کا تو بار بار اعادہ فرماتے تھے لیکن مخالفوں کی ژاژ خائی کے درپے جواب نہ ہوتے تھے۔ ہاں اگر کبھی فریق مقابل کسی علمی اور عقلی دلیل سے استدلال کرتا تو یہ اس کا جواب دے کر ایک ہی آدھ بات میں اس کو لاجواب کر دیتے۔ اس طرح دشمن کے مونہہ پر ایسی مُہرِ سکوت لگتی کہ پھر اسے یارائے گفتار نہ رہتا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نمرود کو جس طرح لاجواب کیا اور جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے فرعون سے جو گفتگو فرمائی وہ اس حقیقت کی درخشاں مثالیں ہیں۔ نجران کے پادریوں سے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مکالمہ ہوا وہ ان شاء اللہ العزیز "شمائل کبریٰ" میں سپردِ قرطاس ہوگا۔ جب نجرانی پادریوں کا لسان قائد آپ کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا اور آپ نے دیکھا کہ یہ ہٹ دھرمی پر تُلا ہوا ہے تو آپ نے حسبِ ارشادِ خداوندی مسیحی وفد سے مباہلہ کا مطالبہ کر کے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

خرافات کا جواب خاموشی سے

ہم لوگ تھوڑی سی تردید کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ادنیٰ سی مخالفت پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے فضائے تحمل کا نشیمن نہایت بلند تھا۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ابولہب یا ابوجہل کے خرافات کا کچھ جواب نہ دیتے تھے بلکہ جب تک وہ اپنی دریدہ دہنی میں مصروف رہتے آپ خاموش کھڑے رہتے اور جب ان کی مخالفت کا طوفان تھم جاتا اور آپ دیکھتے کہ جو کچھ انہیں کہنا تھا کہہ

چلے تو پھر اپنی دعوت شروع کر دیتے۔ اگر آپ کی جگہ کوئی قاصر الفہم اور کم ہمت منادہوتا تو دخل در معقولات پر دشمنوں سے اُلجھ پڑتا بلکہ بسا اوقات ہاتھا پائی اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچ جاتی لیکن آپ اعدار کے تمام تر خرافات کا جواب صرف خاموشی سے دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب اُن کی خرافات گوئی اور دشنام دہی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو انہیں سکوت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا۔

آج کل کے بے سُود مناظرے

آج کل مناظروں کا جو رواج ہے یہ کچھ منفعت بخش نہیں۔ پس مناسب یہی ہے کہ جب اہلِ باطل بولیں تو انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی الگ کہنے لگیں۔ اہلِ باطل کے جواب کی طرف توجہ وانہماک سود مند نہیں۔ ہمیں بھی انبیاء و مرسلین کے طریقِ ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے حق کا تو اعادہ بار بار کرنا چاہیئے لیکن زیادہ درپے جواب نہ ہونا چاہیئے۔

حجاج میں دعوت و تبلیغ کا خوشگوار اثر

حضرت بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزیز خواہش تھی کہ دعوتِ حق کی آواز اطرافِ عالم کے کونے کونے میں پہنچ جائے لیکن چونکہ مکہ معظمہ کے اعدائے دین آغازِ دعوت ہی سے اس مبارک کوشش میں مزاحمت جاری کر رکھی تھی اور وہ تبلیغِ حق کا جواب ہمیشہ زبانِ تیغ سے دیتے تھے اس لیے آپ نے انجام کار فیصلہ کر لیا تھا کہ ایامِ حج میں اہلِ مکہ کو نظر انداز کر کے ان قبائل کو دینِ حق کی دعوت دینے میں منہمک رہیں جو ملک کے مختلف حصوں سے واردِ مکہ ہوتے ہیں۔ گو یہ دعوت اُس وقت بظاہر کامیاب اور نتیجہ خیز نہ ہوتی تھی لیکن اس سے بھی آپ کا مقصدِ تبلیغ کسی حد تک پورا ہو جاتا تھا کیونکہ جب حاجی لوگ اپنے وطن میں پہنچ کر لوگوں کو یہ خبر سناتے کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت ظاہر ہوئے ہیں جو بت پرستی کی ممانعت کرتے اور ایک خالق کردگار کی عبادت پر زور دیتے ہیں تو آپ کی اجمالی تعلیم بلکہ تمام تر تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ملک کے کونے کونے میں پہنچ جاتا اور بہت سے سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقیقت اور مدعی نبوت کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوتا۔ چنانچہ کئی ایک صحابۂ کرام ایسے تھے جو آپ کا ذکر خیر سن کر تحقیق و تفتیش کے لیے عازمِ مکہ ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر واپس گئے۔

فصل ۲۰۷۔ قبیلۂ بنو شیبان کو دعوتِ حق

جوں جوں اسلام کا سیلِ صداقت پھیل رہا تھا، قریش کی طرف سے دینِ حنیف کے (معاذ اللہ) استیصال کی امکانی کوششیں بھی روبہ ترقی تھیں اور گو اس سلسلہ میں داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروانِ اسلام پر ہر طرف سے ظلم و تعدی کے طوفان اُٹھ رہے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّكَ کا غیر مشروط حکم پہنچا ہوا تھا جس میں مقتضائے وقت اور مصلحت اندیشی وغیرہ کی کوئی قید نہ تھی اس لیے آپ ہر مشکل و مزاحم کو نظر انداز کر کے حکم خداوندی کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف تھے۔

جب مکہ مکرمہ سے باہر دعوتِ اسلام کی بنیاد پڑی اور سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائلِ عرب کا دورہ شروع کیا تو آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر قبیلۂ بنو شیبان میں تشریف لے گئے۔ چنانچہ حاکم، ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں روایت کی کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ابن عباس رض سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو قبائلِ عرب کے سامنے پیش کریں تو آپ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں اور ابوبکر رض بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ ہم قبائلِ عرب میں سے ایک قبیلہ میں پہنچے۔ چونکہ حضرت ابوبکر رض بڑے نسّاب تھے اور انہیں قبائلِ عرب کے نام و نسب سے پوری واقفیت تھی اس لیے حسب الحکم وہی آگے بڑھے اور دریافت کیا کہ کون سی قوم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں۔ پوچھا تم کون سے ربیعہ ہو؟ انہوں نے کہا بنو ذہل ہیں۔

اس وقت مثنیٰ بن حارثہ، مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ اور نعمان بن شریک رؤسائے قبیلہ وہیں موجود تھے۔ سب سے پہلے مفروق بن عمرو سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابوبکر رض نے ان سے فرمایا کہ جس پیغمبر کا تم نے تذکرہ سنا ہوگا، وہ یہی ہیں۔ مفروق نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر آپ سے دریافت کیا کہ اے قریشی بھائی! تمہاری کیا تعلیم ہے؟ آپ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رض نے کھڑے ہو کر آپ پر سایہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ معبودِ برحق صرف ذاتِ ربّ السموات والارض کو مانو۔ بت پرستی چھوڑ دو اور مجھے اللہ کا فرستادہ یقین کرو۔ قریش دینِ حق کی تبلیغ سے مانع ہیں۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہے۔

حق کی مخالفت کرتے ہیں اور باطل کے مددگار ہیں۔ مگر خدائے قدیر اپنے دین کو سربلند کرے گا بہتر ہے کہ آپ حضرات دینِ حق قبول کر کے اس کے پشت پناہ بن جائیں تاکہ میں اپنا فرضِ منصبی کہ تبلیغ ہے آزادی سے انجام دے سکوں۔ مفروق نے کہا آپ اس کے بعد ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے سورۂ انعام کی ۱۵۱ ویں آیت پڑھی: قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ الخ (ترجمہ) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہئیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ کسی کو خدا کا شریک مت ٹھیراو۔ والدین کا حق خدمت ادا کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تم کو اور ان کو روزی دیتے ہیں اور بے حیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ بھٹکو خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی۔ اور آدمی کی جان جس (کے مارنے) کو اللہ نے حرام کر دیا ہے ہلاک نہ کرو مگر مطالبۂ حق کی بنا پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ (دنیا میں رہنے کا طریقہ) سمجھو۔"

مفروق نے کلامِ الٰہی سن کر کہا واللہ! یہ اہلِ زمین کا کلام نہیں۔ اس کے بعد مفروق نے پوچھا کہ آپ ان امور کے علاوہ لوگوں کو کس امر کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا اور قرابت داروں کی امداد کرنے کا اور بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے اور تم لوگوں کو ایسی ایسی نصیحتیں کرتا ہے تاکہ ان باتوں کا خیال رکھو (۱۶ : ۹۰)۔ مفروق نے کہا آپ ہمیں مکارمِ اخلاق و محاسنِ اعمال کی دعوت دیتے ہیں مگر افسوس آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی اور مخالفت کرتی ہے۔ اسی قبیلہ کے دوسرے سردار ہانی بن قبیصہ نے کہا مجھے آپ کے کلمات بہت پسند آئے اور میں ان کو سن کر بہت محظوظ ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ تھوڑا زمانہ گزرے گا کہ ربِّ قدیر مسلمانوں کو ملک فارس اور انہار کسریٰ کا مالک بنا دے گا اور ان کی بیٹیاں مسلمانوں کے نکاح میں آئیں گی اور لوگ اللہ کی تقدیس و تسبیح کریں گے۔"

الغرض چاروں رؤسائے قبیلہ متاثر ہوئے۔ سب نے کلامِ الٰہی کی بلاغت کی داد دی اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور پاکیزگی کا اعتراف کیا۔ مثنیٰ کہنے لگے کہ انہوں نے جیسا پاکیزہ کلام سنایا ویسی ہی پاک تعلیم بھی پیش کی۔ اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہا کہ آپ کی باتوں میں انتہا درجہ کی کشش و جاذبیت ہے اور کلام نہایت حیرت انگیز ہے اور

مجھے کامل وثوق ہے کہ آپ خدا کے سچے پیامبر ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ سردست ہم آپ کا دین قبول کرنے سے معذور ہیں کیونکہ ہم جس دین کے پیرو ہیں وہ مدتہائے دراز سے ہمارا خاندانی دین چلا آتا ہے اس کو دفعۃً نہیں چھوڑ سکتے اور ایسا کرنا زود اعتقادی میں داخل ہوگا۔ اس کے علاوہ ہم میں اور کسریٰ شاہ فارس میں معاہدہ ہے کہ نہ ہم کسی مصلح و مجدد کو پناہ دیں گے اور نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے چونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ آپ کی دعوت مفاد کسریٰ کے خلاف ہو اس لیے ہم بالفعل اس کے قبول کرنے سے معذور ہیں۔ البتہ ہم قرب و جوار کے عربی حکمرانوں کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت و حمایت کا عہد کر سکتے ہیں۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ اعتراف حق کے باوجود قبول حق سے اعراض کرتے ہیں تو ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا کہ خدائے قدیر اپنے دین کی خود ہی مدد فرمائے گا اور حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاہم یہ دعوت بے نتیجہ نہ رہی چنانچہ اس واقعہ کے دس گیارہ سال بعد یعنی ۹ھ میں حضرت مثنیٰؓ اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینۃ الرسول حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (فتح الباری، اسد الغابہ، استیعاب)

فصل ۲۰۹ - مزید تبلیغی دورے

تبلیغی جدوجہد کی وسعت

جس دن مُطعِم بن عدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا اعلان کیا تھا اور آپ مراجعت فرمائے بلد الامین ہوئے۔ آپ اسی روز اپنے فرض منصبی پر کمربستہ ہو گئے اور قبایل کے دورے کر کے تبلیغ دین شروع کر دی۔ آپ نے اجتماع کا کوئی موقع و محل ایسا نہ چھوڑا جس میں مالک الملک عز اسمہٗ کا پیام حق نہ پہنچایا ہو۔ موسم حج میں حجاج کے قیام گاہوں پر اور عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں تشریف لے جاتے۔ عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھے۔ عکاظ، طائف اور نخلہ کے درمیان بتایا جاتا ہے۔ مجنّہ بھی وہاں سے قریب ہی کسی جگہ واقع تھا اور ذوالمجاز کی جائے وقوع عرفات سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر بیان کی جاتی ہے۔ غرض جہاں کہیں بھی کسی اجتماع کا پتہ چلتا وہاں پہنچ کر آپ خدائے برتر کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے۔

قبایل کی درندگی

آپ ہر قبیلہ میں جا کر کہتے کہ فرمان خداوندی کی تبلیغ میں میرا ساتھ دو۔ اس کے عوض میں تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے جہاں کی ابدی نعمتیں

زوال پذیر نہیں۔" مگر کوئی قبیلہ دعوتِ حق کو لبیک نہ کہتا۔ اسی طرح آپ ایک ایک قبیلہ میں پہنچتے اور فرماتے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تو دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ تمہیں عرب کی حکومت ملے گی اور عجم تمہاری اطاعت کرے گا اور تمہیں نہ صرف دنیوی عروج نصیب ہوگا بلکہ دارِ آخرت میں جنت کی بادشاہت سے بھی سرفراز ہو گے۔" مگر ابولہب ہر جگہ مخالفت کے لیے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ آپ کی تبلیغ کے جواب میں آپ پر افترا پردازیاں کر کے لوگوں کو بھڑکا دیتا اور کہتا کہ اس جھوٹے صابی کی بات نہ سننا، یہ تو خلقِ خدا کو لات اور عزیٰ کی عبادت سے محروم کر دینا چاہتا ہے۔" یہ سن کر زیرِ تبلیغ قبائل برانگیختہ ہو کر نہ صرف آپ کی بات مسترد کر دیتے بلکہ معاً ایذا رسانی اور دشنام دہی پر اُتر آتے اور کہتے کہ یہ تمہارا چچا ہے اور قریش تمہاری اپنی برادری کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ تمہاری حالت سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اگر تمہاری دعوت صدق و درستی سے ہمکنار ہوتی تو یہ لوگ تمہاری مخالفت میں اتنی سرگرمی نہ دکھاتے۔ مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ابلیس کی اغوا کوشی اور بچھو کی نیش زنی اُن کا مقتضائے فطرت ہے۔

جب اہلِ قبائل کی طرف سے آپ پر زیادہ تشدد ہوتا تو آپ فرماتے الٰہی! اگر تو نہ چاہتا تو ان کا رویہ ایسا سخت نہ ہوتا۔ آپ نے جن قبائل میں جا کر توحیدِ الٰہی کا پیغام پہنچایا اور انہوں نے آپ سے کج خلقی اور درندگی کا برتاؤ کیا، یہ تھے۔ (۱) محارب بن خُصَفہ (۲) بنو فزارہ (۳) بنو غسان (۴) بنو مُرّہ (۵) بنو سُلیم (۶) بنو عبس (۷) بنو نضر (۸) بنو بکّار (۹) بنو حارث بن کعب (۱۰) بنو عُذرہ (۱۱) بنو حضارمہ (۱۲) بنو کندہ (۱۳) بنو کلب (۱۴) بنو حنیفہ (۱۵) بنو عامر بن صعصعہ (ابن سعد)

چند خاص قبیلوں میں آنحضرتؐ کی تبلیغی مساعی

آپ نے چند خاص قبیلوں میں جا کر جو تبلیغ کی اب اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے: آپ نے قبیلۂ کندہ کی منزل گاہ پر جا کر اس کے سردار مُلیح سے ملاقات کی اور اسے فاطر السمٰوات والارض کے احکام کی طرف بلایا۔ اس نے آپ کی بات مسترد کر دی اور سخت بے اعتنائی کے ساتھ دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اسی طرح آپ بنو کعب کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ بنو کلب کی ایک شاخ بنو عبداللہ میں بھی پہنچے۔ ان کو ربِ جلیل کی طرف بُلایا اور یہ بھی فرمایا کہ اے بنو عبداللہ! خدائے برتر نے تمہارے جد کو بہت اچھا نام عطا فرمایا ہے۔ تم لوگ حق کی طرف رجوع کرو۔ مگر انہوں نے بھی آپ کی دعوت کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی۔ وہاں سے آپ بنو حنیفہ کے پاس پہنچے جو یمامہ کے

رہنے والے تھے اور ان کو توحید کی طرف بلایا۔ وہ انتہائی کج خلقی سے پیش آئے اور غیر معمولی درشت لہجہ میں آپ کو جھڑک دیا اور بڑے غرور سے آپ کی دعوت رد کردی۔ مسیلمہ کذاب اسی قبیلہ کا رئیس تھا جس نے ہجرت کے چند سال بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھا دیکھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس بھی تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف بلایا۔ اس قبیلہ کا ایک رئیس جسے بیحرہ بن فراس کہتے تھے بڑا تیز طرار قسم کا آدمی تھا۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کہنے لگا کہ اگر یہ شخص میرے ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو تابع فرمان بنالوں۔" اس کے بعد آپ سے کہنے لگا ہاں صاحب! یہ تو فرمائیے کہ اگر ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ ہماری مدد سے دشمنوں کو مغلوب کرکے ملک پر متسلط ہوجائیں تو کیا آپ اپنے بعد ہمارے لیے حکومت و خلافت کا عہد کردیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ خلافت کا معاملہ ربِ قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے گا میرا جانشین بنائے گا۔" بیحرہ بولا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنا سینہ ہدف بنائیں اور حکومت آپ کے بعد دوسرے لوگ لے جائیں۔ ہم کو یہ منظور نہیں ہے۔ (ابن جریر طبری)

غرض آپ نے ایسے لوگوں کی امداد قبول کرنے سے انکار کردیا جاس لیے اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے کہ راہِ حق کے پیرو ہوکر فلاحِ ابدی سے ہمکنار ہوں گے بلکہ جاہ پرستی کے سوا ان کا کوئی مطمعِ نظر نہ تھا۔ اگر آپ کی بجائے کوئی خود غرض داعی ہوتا تو ایسے وقت میں جبکہ در و دیوار سے انکار و اعراض کی صدائیں اٹھ رہی تھیں، حصولِ امداد کا یہ ایک سنہری موقع تھا لیکن آپ کو وثوقِ کامل تھا کہ قیوم السمٰوات والارض خود دعوتِ دین کو پروان چڑھائے گا' اس لیے جاہ پرستی کے مطالبہ کو ناقابلِ قبول دیکھ کر وہاں سے مراجعت فرما ہوگئے۔

غیر معمولی استقلال

حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مشکلات اور مسلسل ناکامیوں کے باوجود سالہا سال تک اس تن دہی اور جانفشانی کے ساتھ فرضِ تبلیغ میں منہمک رہے کہ اگر آپ کی جگہ کوئی غیر مامور اور غیر مؤید من اللہ داعی ہوتا تو تھک کر اور مایوس ہوکر بیٹھ جاتا لیکن آپ کی اولوالعزمی اور علوِ ہمت میں کوئی ادنیٰ انحطاط بھی رونما نہ ہوا اور جبینِ استقلال میں کبھی ادنیٰ شکن بھی نہ پڑی۔

لیکن ان ناکامیوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ کی یہ دعوت بالکل بے نتیجہ اور غیر مثمر رہی

کیونکہ گو عربی قبایل کی فضا اسلام کے خلاف یکساں مسموم تھی تاہم انفرادی حیثیت سے بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی موجود تھے جن کی فطرتِ سلیمہ دعوتِ حق کو لبیک کہنے پر بالکل مستعد تھی اور ان کے قلب سلیم کا زنگ بسہولت زائل ہو سکتا تھا چنانچہ آپ کی دعوت توحید نے انفرادی طور پر بہتیرے قبایل کو متاثر کیا کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ اور اس کے گرد و نواح میں مختلف قبایل کے جو افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔

فصل ۲۱۰۔ اہلِ یثرب کی بیعتِ اسلام

قریش کی مسلسل عناد پسندیوں اور پیہم ایذا رسانیوں کے بعد جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فی الحال میری قوم قریش کی طرف سے تائید و نصرت دین کے کوئی آثار نہیں تو آپ کے دل میں اس بات کی آرزو ہوئی کہ کاش مسبب الاسباب کسی دوسری جماعت ہی کو کھڑا کر دے جو مؤید و ناصر دین بنے۔ آپ اس نیت سے ایام حج اور دوسری تقریبوں میں قبایل عرب میں پہنچ کر تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرتے۔ لیکن ایک تو قریش نے بے پناہ تشہیر کر کے آپ کے خلاف ملک میں سخت جذبۂ نفرت پھیلا رکھا تھا۔ دوسرے ابولہب آپ کی تبلیغی جدو جہد کو ناکام بنانے کے لیے ہر قبیلہ میں پہنچ جاتا تھا۔ آپ جس قبیلہ میں بھی جاتے وہ آپ کو بات کرنے سے روک دیتا بلکہ استماعِ حق کی جگہ ایذا رسانی اور دشنام گوئی پر اتر آتا (طبقات ابن سعد)

اہلِ یثرب کو قسّام ازل کی انعام بخشی

قسّام ازل نے یہ نعمت اہلِ یثرب کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔ ان کے سوا عرب کے تمام گروہ و قبایل اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہے۔ اسلام کے نیر درخشاں کا طلوع گو مکہ معظمہ میں ہوا لیکن ضیا پاشی مدینہ کے افق سے ہوا۔

مدینۂ نبویہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طیبہ، طابہ اور مدینۃ النبی (نبی کا شہر) کے ناموں سے بدل دیا۔ مؤخر الذکر نام مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔ روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (ابن اثیر) اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ یثرب اہلِ مدینہ کے معبودیت کا نام تھا۔ لغظ انصار

ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار مدینہ منورہ کے اُن صحابہؓ کو کہتے ہیں جنہوں نے ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجروں کی مہمانداری کی اور اپنے ہاں ٹھیرا کر عون ونصرت کا حق ادا کیا۔ انصار دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ ایک کو اوس کہتے تھے، دوسرے کو خزرج۔ اوس اور خزرج دو بھائی تھے جن کی اولاد انہی کے نام پر اوس اور خزرج مشہور ہوئی۔ شرفِ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں کشت وخون کا بازار گرم رہتا تھا۔ لیکن مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان دونوں کی باہمی عداوتیں دور کر کے ان میں اخوت کی ایسی مستحکم بنیاد قائم کر دی کہ پھر ان میں کبھی تصادم نہ ہوا۔

جنگِ بُعاث

ان دونوں قبیلوں کی آخری آویزش جنگ بُعاث (یا بُعاث) کے نام سے مشہور ہے۔ بُعاث بنو قریظہ کے قریب مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک مقام تھا۔ یہاں اوس اور خزرج میں جو رزم وقتال ہوا اس میں جانبین سے بہت آدمی مارے گئے۔ آخر خزرج کو فتح ہوئی۔ اوس ایسے منہزم ہوئے کہ ان کے نظامِ قومیت کا ڈھانچہ بالکل بگڑ گیا۔ لیکن حُضَیر نے جو اوس کا رئیس اور مشہور صحابی حضرت اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ کا باپ تھا، اپنے قبیلہ میں از سرِ نو ایسی جنگی رُوح پھونکی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ آخر دونوں لشکر دوبارہ متصادم ہوئے تو اوس کو فتح ہوئی۔ خزرج کا قائد عمرو بن نعمان بیاضی میدان جدال وقتال کی نذر ہو گیا اور حُضَیر بھی مجروح ہو کر زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔ یہ لڑائی ہجرت سے پانچ سال پیشتر برپا ہوئی تھی۔ (فتح الباری)

چند خزرجیوں کو دعوتِ اسلام

مالک الملک کو منظور ہوا کہ اہلِ یثرب قبولِ اسلام سے منور ہو کر اسلام کے دست وبازو بنیں تو نبوت کے گیارھویں سال وہاں کے چند افراد حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ داعیٔ توحید علیہ الصلوٰ[redacted] والسلام ان کی آمد کی خبر سُن کر حسبِ معمول بغرضِ تبلیغ ان کے کھوج میں نکلے۔ چنانچہ عقبہ کے پاس جو حرا اور منیٰ کے درمیان پہاڑ کی ایک گھاٹی ہے آپ نے ان کو پا لیا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم خزرج کے آدمی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہود کے حلیف [redacted] انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا آپ لوگ میرے پاس بیٹھ کر میری ایک بات سنیں گے؟ انہوں نے کہا ہاں"۔ وہ لوگ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے یہ جتلا کر کہ میں خدائے برتر کا آخری پیامبر ہوں اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر اُن کو سنایا۔ [redacted] بڑے متاثر ہوئے۔ آپ نے فرمایا میری قوم

قریش تبلیغ حق سے مانع ہے۔ اگر تم لوگ ایمان لا کر دینِ حق کی تائید کرو تو دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہو گے"۔

آئینہ ہائے دل کا ایمان سے جگمگانا

یہ سن کر ان کے آئینہ ہائے دل پرتوِ ایمان سے جگمگا اٹھے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور قریب کے یہود نے جو اہلِ کتاب تھے اور اپنے آسمانی علم کی بدولت مدینہ اور اس کے مضافات میں بہت کچھ عزت و نمود حاصل کر رکھی تھی ان کی بت پرستی کے باعث ان کو حقیر سمجھتے تھے۔ یہود کی عادت تھی کہ جب کبھی کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو اپنے مخالف فریق سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ ہم اس نبی کی پیروی کر کے تم لوگوں کو اسی طرح تس نہس کر دیں گے جس طرح عاد اور ارم قعرِ ہلاک میں ڈالے گئے تھے"۔

جب سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خزرجیوں کو اسلام کی تبلیغ کی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر ہے۔ دیکھو اس دعوت کو لبیک کہو۔ مبادا دوسرے لوگ اس کارِ خطیر میں تم سے سبقت لے جائیں۔ غرض انہوں نے یہ دعوت قبول کی اور صدقِ دل سے سب کے سب حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایسی قوم چھوڑ آئے ہیں جس میں عداوتِ باہمی اور شر و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی برکت سے ان میں اتحاد و اتفاق کی روح پیدا کر دے گا۔ ہم جا کر آپ کا پیغام لوگوں کو پہنچائیں گے اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے اوروں کو بھی اس کی طرف مدعو کریں گے۔ اگر ربِ قدیر نے ان لوگوں کو اسلام پر جمع کر دیا تو پھر ان کی نظر میں آپ کے برابر کوئی اور معزز و محترم ہستی نہ ہو گی۔

انصاری سابقینِ اسلام

قبیلۂ خزرج کے قدح خوارانِ بادۂ توحید جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی یہ چھ حضرات تھے: اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم۔ مقدم الذکر دو بزرگ قبیلۂ بنو نجار میں سے تھے جو خزرج کی ایک شاخ تھا (ابن جریر) ابن اثیر نے یہ تعداد سات بتائی ہے اور عامر بن عبد حارثہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن موسیٰ بن عقبہ نے بروایت عروہ یہ نام بتائے ہیں: اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک،

معاذ بن عفراء، یزید بن ثعلبہ، ابو الہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ۔ کہا جاتا ہے کہ عبادہ بن صامت اور ذکوان بھی ان میں داخل تھے (فتح الباری) ان حضرات نے واپس جا کر اپنی قوم سے ساقیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی بعثت کا غلغلہ یہاں تک بلند ہوا کہ قبیلۂ خزرج کا کوئی مکان اور کوئی جلسہ ایسا نہ رہا جو آپ کے تذکرہ سے خالی ہو۔ (ابن جریر، ابن سعد، ابن ہشام)

بیعت عقبۂ اُولیٰ

اگلے برس یعنی نبوت کے بارھویں سال حج کے موسم میں بارہ آدمی آئے اور حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ میں جا کر اُن سے ملاقات فرمائی۔ بارہ میں سے پانچ تو وہ تھے جو پہلے سال بھی آئے تھے یعنی اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم۔ اور سات یہ حضرات تھے: معاذ بن حارث، ذکوان بن عبد قیس، عبادہ بن صامت، ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، ابو الہیثم مالک بن تیہان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم (ابن جریر، ان سات میں سے دو بزرگ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت عبادہؓ بن صامت کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کی رات ہمارے پاس قدوم فرما ہوئے اور فرمایا آؤ تم لوگ ان امور میں میری بیعت کرو: اللہ تعالیٰ کے لیئے کسی کو شریک نہیں کرو گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ حرام کاری سے بچو گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ کسی پر بہتان نہیں باندھو گے اور نیکی میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔" اس کے بعد فرمایا تم میں سے جس کسی نے ان باتوں کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی فعل قبیح کا مرتکب ہوا اور اسے دنیا میں اُس فعل کی سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے لیے کفارۂ گناہ ہو جائے گی اور ستار العیوب نے جس کی پردہ پوشی کر لی تو اُس کا انجام رب قدیر کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو اس کو معذب کرے یا معاف کر دے۔" حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ ہم نے ان سب اُمور پر آپ سے بیعت کر لی (بخاری)

حضرت مصعبؓ کی مدینہ کو روانگی

بیعت کے بعد مسلموں نے درخواست کی کہ قرآن پڑھانے اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔" اس خدمت کے لیے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ جوہر شناس نے

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جو سابقینِ اسلام میں تھے منتخب فرمایا اور انہیں ان کے سات روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ بھی جو ایک نابینا صحابی تھے، ان کے ساتھ بھیجے گئے (بخاری) یہ مدینہ جا کر حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ کے مکان پر فروکش ہوئے جو وہاں کے بڑے معزز رئیس تھے۔ مصعبؓ وہاں مُقریٔ کے لقب سے مشہور ہوئے (ابن جریر) یہ جاتے ہی ہمہ تن تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنی پاک نفسی اور قوتِ قدسیہ کے جذبہ سے بیسیوں طالبانِ حق کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ان کا روزانہ معمول تھا کہ خزرج کے ایک ایک گھر میں جاتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ رفتہ رفتہ بنو خزرج میں اسلام کو اتنی مقبولیت نصیب ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں قریباً چالیس آدمی اسلام سے مشرف ہو گئے (ابن خلدون)

حضرت مُصعَبؓ بنو عبدالاشہل کے باغ میں

اب قبیلۂ اوس کے مشرف بایمان ہونے کا واقعہ سنیئے: ایک دن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسعد بن زرارہ اور چند دوسرے مسلمانوں کی رفاقت میں بنو عبدالاشہل کے باغ میں گئے جو قبیلۂ اوس کی شاخ تھے اور وہاں قرآن خوانی شروع کی۔ کسی نے جا کر سعد بن مُعاذ کو جو قبیلۂ اوس کے سردار اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اس کی خبر کر دی۔ انہوں نے اپنے عم زاد بھائی اُسَید بن حُضَیر کو بھیجا اور کہا کہ اسعد میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ میں ان کے مقابلہ میں خود نہیں جا سکتا۔ اس لیے تم جا کر مصعبؓ کو ڈانٹ دو اور کہہ دو کہ تمہیں ہمارے گھروں میں آ کر نادان لوگوں کے بہکانے کا کوئی حق نہیں اور تنبیہ کر دو کہ پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کریں"۔ اُسَید مسلح ہو کر چلے۔ اسعد بن زرارہ دور سے دیکھ کر حضرت مُصعبؓ سے کہنے لگے دیکھیئے! قبیلۂ اوس کے دو بڑے سردار ہیں سعد بن مُعاذ اور اُسَید بن حُضَیر۔ ان میں سے آخر الذکر آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ اگر یہ آپ کی بات مان جائیں تو ان سے اسلام کو بڑی تقویت ہو گی۔

اُسَید کا آ کر گالیاں دینا

اتنے میں اُسَید آ پہنچے اور چھوٹتے ہی گالیاں دینی شروع کیں اور خشم آلود لہجہ میں کہا تم ہمارے احمقوں کو بہکانے آ گئے ہو۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو فی الفور یہاں سے چل دو"۔ حضرت مُصعَب رضی اللہ عنہ نے جو حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور نہایت متین مبلّغ تھے نرمی سے جواب دیا کہ کاش! آپ بیٹھ کر کچھ سُن لیں۔ اگر معقول ہو تو قبول فرمائیں، نامعقول ہو تو مسترد کر دیں"۔ اُسَید نے کہا اچھا بتاؤ کیا کہتے ہو اور نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے حقانیتِ اسلام پر مختصر سی تقریر کی اور قرآن پڑھ کر سنا

اُسیدؓ کے دل میں نورِ ایمان کی جلوہ گری

اُسیدؓ جو اسلام کی حقیقت معلوم کرتے ہی اس کے شیدائی بن چکے تھے، قرآن سننے کے بعد اور بھی گرویدہ ہوگئے۔ غرض نورِ ایمان نے جلوہ گری کی اور بے اختیار منہ سے نکلا واہ! یہ کیسا اچھا مذہب ہے اور کیسی اعلیٰ ہدایت ہے"۔ اس کے بعد دریافت کیا کہ دینِ اسلام میں کیونکر داخل ہو سکتا ہوں؟ داعیِ اسلامؓ نے فرمایا غسل کرکے پاک کپڑے پہنو اور توحید و رسالت کا اقرار کرکے نماز پڑھو۔ حضرت اُسیدؓ نے حسب الحکم غسل کیا۔ اُجلا لباس منگوا کر پہنا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر سعادتِ ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے اور نماز پڑھی۔

قبولِ اسلام کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضرت اُسیدؓ بولے ایک اور صاحب سُعد بن معاذ ہیں۔ اگر وہ بھی آپ کے پیرو بن گئے تو پھر قبیلۂ عبد الاشہل کا ہر شخص اس مذہب کی پیروی کرے گا اور میں جاکر انہیں ابھی آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیے بغیر ان سے کہنے لگے کہ بھائی! میں نے ان کو بخوبی سمجھا دیا ہے اور وہ مان بھی گئے ہیں۔ لیکن وہاں ایک بات درپیش ہے کہ جس کے باعث تمہارا بذاتِ خود جانا ضروری ہوگیا ہے"۔

سعد کا نومسلموں پر سختی کرنا اور حضرت مُصعبؓ کو ڈانٹنا

سعد بولے اُسید! تم سے کبھی کوئی کام سرانجام نہ ہوسکا"۔ اور نیزہ لے کر باغ میں پہنچے اور جاتے ہی نومسلموں پر سختی شروع کردی اور حضرت مصعبؓ کو سخت سُست کہہ کر بولے کہ اس ذلیل شخص کو جو بے وقوفوں کو گمراہ کر رہا ہے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ہماری جگہ پر آکر اس قسم کی دہشت انگیز باتیں کرے۔ اگر اس نے دوبارہ ادھر کا رُخ کیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا"۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک عاشقِ حق پر اس تشدد اور درشت کلامی کا کیا اثر ہو سکتا تھا؟

دوسرے دن حضرت مُصعب بن عُمیرؓ اور اسعد بن زرارہؓ اسی باغ کے قریب دعوتِ اسلام میں بامصروف ہوئے۔ لوگوں نے پھر سعد بن معاذ کو اس کی خبر کی۔ سعد غضب ناک ہو کر وہاں پہنچے اور جناب مُصعبؓ کو پھر سختی سے ڈانٹنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کہنے لگے بھائی! ناراض ہونے سے پہلے ذرا اتنا تو سُن لو کہ یہ صاحب کہتے کیا ہیں؟ اگر یہ کوئی ایسی بات کہیں جو ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتی ہو تو پھر اس سے کوئی بہتر چیز پیش کرکے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا دو اور اگر وہ بات جو یہ پیش کرتے ہیں بھلی ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے

تو پھر سخت کلامی بے معنی ہے۔" سعد بولے اچھا یہ کہیں کیا کہتے ہیں؟

سعدؓ اور تمام شہل دائرہ اسلام میں

داعیِ اسلام رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے محاسن اسلام پیش کیے کہ سعدؓ کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا۔ فوراً مشرف بایمان ہوئے اور مذہبی جوش و وارفتگی کی دولت سینے میں لیے اپنے قبیلہ میں پہنچے اور بآواز بلند سوال کیا "اے بنو اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟" انہوں نے کہا تم ہمارے سردار، ہم میں سب سے زیادہ عاقل اور معاملہ فہم، اور سب سے زیادہ عالی نسب رئیس ہو۔" بولے خدا کی قسم! مجھ پر تم لوگوں سے ہم کلام ہونا اس وقت تک حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ پر ایمان نہ لاؤ۔" یہ سن کر عبدالاشہل کا سارا قبیلہ نعمت ایمان سے سعادت اندوز ہوگیا۔ اس رُوح پرور واقعہ سے مدینہ منورہ کے در و دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور اسلام شہر اور اس کے مضافات میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا (تاریخ ابن جریر طبری، سیرت ابن ہشام)

ان ایام میں حضرت مصعبؓ ہی مدینہ کے مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ اوس اور خزرج کو جن کے دل میں پرانے جذبات عناد اب تک پرورش پا رہے تھے، ایک دوسرے کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا گوارا نہ تھا (وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ)

فصل ۲۱۱- مدینہ منورہ میں نماز جمعہ کا قیام

شنبہ اور یک شنبہ کا یوم اجتماع قرار پانا

جمعہ کے معنی اکٹھا ہونا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک ایسا دن مقرر کریں جس میں سب لوگ جمع ہو کر خالق کردگار کی عبادت کریں۔ لیکن خدائے حکیم نے کوئی دن نہیں بتایا تھا بلکہ اس کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ یہود نے اس خیال سے شنبہ کا دن مقرر کیا کہ فاطر السموات والارض اس دن مخلوق کی پیدائش سے فارغ ہوا تھا۔ یہود نے ارادہ کیا کہ ہم اس دن کاروبار سے دست بردار کر عبادت کے لیے فارغ ہوا کریں اور عیسائیوں نے اس لحاظ سے اتوار کا دن منتخب کیا کہ اس روز خالق اکبر نے دنیا کی پیدائش شروع کی تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہی دن دنیا کی پیدائش کے شکریہ کے لیے موزوں ہے۔

مسلمانوں کا یوم اجتماع

عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن منذر نے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ

سے روایت کی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک مرتبہ مسلمانان یثرب کا اجتماع ہوا۔ نماز جمعہ ہنوز فرض نہیں ہوئی تھی۔ انصار کہنے لگے کہ یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ ہر ہفتہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک یوم اجتماع ہے۔ آؤ، ہم بھی ایک ایسا دن مقرر کر لیں جس میں تمام کلمہ گو ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کی یاد کیا کریں۔ آخر یہ مصلحت ٹھیری کہ جہاں شنبہ یہود کا اور اتوار نصاریٰ کا بڑا دن ہے، ہم یوم عروبہ کو جو شنبہ سے پہلا دن ہے، اپنا یوم عبادت مقرر کریں کیونکہ رب العالمین نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان جمعہ کے دن پیدا کیا گیا تھا۔ اس لیے نعمت پیدائش کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جمعہ ہی عبادت و اجتماع کے لیے موزوں ترین دن ہے۔ غرض یہود و نصاریٰ نے آفرینش دنیا کے آغاز یا اختتام کا لحاظ کیا اور مسلمانوں نے انسانی پیدائش کو ملحوظ رکھا۔ اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا انتخاب ہی عند اللہ بھی صحیح تھا۔

نماز جمعہ کا آغاز

اس فیصلہ کے بموجب تمام انصار کرام رضوان اللہ علیہم حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ حضرت اسعدؓ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ جو حضرات اس اجتماع میں شریک ہوئے، حضرت اسعدؓ نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی، اور سب نے کھانا کھایا اور یہ خوشگوار اجتماع نہایت خیر و خوبی سے اختتام پذیر ہوا۔

محمد بن سیرینؒ کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اسعد بن زرارہؓ ہی قیام جمعہ کے بانی تھے۔ چنانچہ حسب روایت ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان اور بیہقی عبدالرحمن بن کعب کا بیان ہے کہ جب میرے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ پر رحمت بھیجتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ میں نے والد ماجد سے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ اسعد رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے نماز جمعہ قائم کی تھی۔

مصعبؓ کو قیام جمعہ کا فرمان نبوی

حضرت اسعدؓ کا یہ عمل عند اللہ ایسا مقبول ہوا کہ اس کو منجانب شرعی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اس کے بعد شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصعب بن عمیرؓ کو باقاعدہ قیام جمعہ کا حکم بھیج دیا۔ دار قطنی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہی جمعہ پڑھنے کے مامور ہو چکے تھے

لیکن مکہ معظمہ میں آپ کو غلبہ کفر کی وجہ سے اجتماع پر قدرت حاصل نہ تھی۔ پس آپ نے حضرت مُصعبؓ کو لکھ بھیجا کہ جب جمعہ کے دن سُورج ڈھل جائے تو دوگانہ نماز سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔" پس اسعد بن زرارہ ؓ نے مدینہ منورہ میں از خود اور مُصعبؓ نے شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام کے فرمان کے ماتحت سب سے پہلے جمعہ قائم کیا۔

روزِ جمعہ کی فضیلت

مروی ہے کہ جب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو انصار عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم نے بھی یہود و نصاریٰ کی طرح عبادت کے لیے جمعہ کا دن مقرر کیا ہے۔" آپ نے حضرت اسعدؓ کے صدق اخلاص اور ان کے اس انتخاب کی تحسین کی اور فرمایا یہی وہ دن ہے جس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن دنیا میں آئے۔ اسی دن انتقال فرمایا۔ اسی دن تمام انسانوں کی روحیں قبض کی جائیں گی۔ اسی دن تمام ذی رُوح زندہ کیے جائیں گے۔ اسی دن حساب کتاب شروع ہوگا۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہر مرتبہ جب جمعہ کی صبح ہوتی ہے تو انسانوں اور جنوں کے سوا ہر ذی روح کو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ کہیں آج قیامت نہ برپا ہو جائے۔ لیکن جب آفتاب نکل آتا ہے تو پھر یہ اندیشہ جاتا رہتا ہے کیونکہ قیامت جمعہ کو علی الصباح برپا ہوگی۔" حکیم کردگار نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے غافل کر رکھا ہے کہ معیشت دنیوی کا سلسلہ درہم برہم نہ ہو جائے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

بعض نے کہا ہے کہ اس دن کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس روز حضرت آدمؑ اور حواؑ زمین میں مجتمع ہوئے تھے۔ اور سعید بن منصور اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ ؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا نبی اللہ! جمعہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس میں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی طینت جمع ہوئی تھی (روح المعانی)

فصل ۲۱۲۔ قریش کے پاس مسلمانانِ مدینہ کی سفارت

اوپر لکھا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے ابتدائی تین سال خاموشی اور امن و سکون

سے گزارے تھے کیونکہ اوائل میں نہ تو آپ علانیہ دعوت و تبلیغ کے مامور تھے اور نہ آپ نے بت پرستی اور کفر و شرک کی مذمت کی تھی۔ اس لیے بت پرست حلقوں میں آپ سے برسرِ پرخاش ہونے کا جذبہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن جونہی قوم کی بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی گئی سب لوگ دشمن ہو گئے۔ اس کے بعد دس سال کا طویل زمانہ جن مشکلات و مصائب میں کٹا، اس کی دردناک تفصیل کسی قدر پہلے گزر چکی ہے۔ اہل باطل اربابِ صدق و یقین کو اس وقت تک برابر جسمانی اور روحی صدمے پہنچاتے رہے، جب تک کہ قدح خواران بادۂ توحید نے مکہ کی سرزمین کو الوداع نہ کہہ دیا۔

اہل مدینہ اور قریش میں زمانۂ دراز سے بھائی چارہ اور مصاہرت کا تعلق چلا آتا تھا اور آپس میں بڑے گہرے مراسم قائم تھے۔ جب کچھ دنوں کے بعد مدینہ منورہ کے نومسلموں کو معلوم ہوا کہ قریش نے نہ صرف فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے پہلوتہی کی ہے بلکہ آپ کو اور آپ کے مخلص پیرووں کو طرح طرح کی ایذائیں بھی دے رہے ہیں تو قبیلۂ بنو مُرّہ بن مالک کے مشہور شاعر ابوقیس بن اسلت سے ایک طویل قصیدہ لکھوایا اور ایک چٹھی کے ساتھ قریش مکہ کے پاس بھجوا دیا۔

اس خط اور قصیدہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و احترام ملحوظ رکھنے کی تاکید اور حضور سے برسرِ پرخاش رہنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ قصیدہ میں یہ بھی مذکور تھا کہ اہل مکہ آنحضرتؐ ہی کے یمن و برکت سے اصحاب فیل کے دست ہلاک سے محفوظ رہے تھے۔ اس قصیدہ کے پینتیس شعر تھے۔ ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو کتاب السیر میں حرف بحرف درج کیا ہے۔ لیکن قریش مکہ جن پر اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی مخالفت کا بھوت بہت بری طرح سوار تھا اس قصیدہ سے کچھ بھی سبق آموز اور عبرت پذیر نہ ہوئے اور یہ سفارت ناکام رہی (ابن خلدون)

فصل ۲۱۳۔ عمرو بن جموحؓ دائرۂ اسلام میں

انصار کے قبیلہ بنو سلمہ کے سادات و اعیان میں ایک رئیس کا نام عمرو بن جموح تھا۔ یہ بہت ضعیف العمر شیخ کبیر تھے۔ ان کے فرزند معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان حضرات میں داخل تھے جنہوں نے عقبہ میں رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

عمروؓ کے گھر میں لکڑی کا ایک بُت تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ اس بُت کا نام مناۃ تھا۔ مشرف بایمان ہونے کے بعد ان کے بیٹے مُعاذؓ اور مُعاذ بن جبلؓ اور قبیلۂ بنوسلمہ کے بعض دوسرے نومسلموں کا یہ معمول ہو گیا کہ رات کے وقت اُس بُت کو اُٹھا کر نجاست کے کسی گڑھے میں اس طرح ڈال دیتے کہ سر نیچے اور پاؤں آسمان کی طرف ہوتے تھے۔ جب علی الصباح عمروؓ کو پوجا کے وقت وہ بت اپنی جگہ پر نہ ملتا تو کہنے لگتے معلوم نہیں رات کو ہمارے معبود پر کس جفا کار نے دست درازی کی ہے؟ پھر اس کی تلاش میں نکلتے یہاں تک کہ اس کو پا کر نجاست سے صاف کرتے اور نہلا کر خوشبو لگاتے اور کہتے کہ خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کس نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں اسے اچھی طرح ذلیل کروں۔

کئی دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اُس کو تلاش کر کے لاتے اور غسل دے کر اور خوشبو لگا کر رکھتے۔ آخر جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیا تو ایک دن تلوار لا کر اس کے سر کے اوپر لٹکا دی اور کہنے لگے واللہ! میں نہیں جانتا کہ کون ایسا ظالم ہے جو تیرے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی قدرت اور قابلیت ہے تو آیندہ اس تلوار سے اپنے حفظ و دفاع میں مدد لینا۔" جب رات ہوئی تو مسلمان جوانوں نے وہ تلوار تو غائب کر دی اور ایک مرے ہوئے پلے کو بُت کے گلے میں رسی سے باندھ کر نجاست کے ایک کوئیں میں لٹکا دیا۔ جب صبح کو تلوار اور بُت دونوں کو مفقود پایا تو از سرِ نو تلاش میں نکلے۔ سرِ راہ ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے سامنے اپنا دکھڑا رونے لگے۔ مسلمان نے ملامت کی اور سمجھایا کہ تم نے بُت پرستی کر کے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کر رکھا ہے؟ اور اسلام کے محاسن بیان کر کے قبولِ ایمان کی دعوت دی۔ عمروؓ اسی روز حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنے مشرف بایمان ہونے کی خوشی میں ایک نظم کہی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

وَاللہِ لَوْ کُنْتَ اِلٰھًا لَمْ تَکُنْ
اَنْتَ وَ کَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِیْ قَرَنٍ

(وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ جلد اول ص ۱۵۹)

فصل ۲۱۴ تہتّر انصارِ مدینہ کے ہمراہ حضرت مُصعَبؓ کا وُرودِ مکّہ

نبوت کے تیرھویں برس حج کے موسم میں اوس اور خزرج کے تہتّر اکابر و اعیان حضرت براء بن

مَعرُور رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کرنے اور اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب مدعو کرنے کے لیے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ واردِ مکہ ہوئے (ابن خلدون) محمد ابن جریر طبری نے تہتر کے بجائے ستر کی تعداد بتائی ہے۔ اس جماعت میں عَقَبۂ اُولیٰ والے بعض افراد کے علاوہ یہ حضرات بھی داخل تھے۔ سعد بن ربیع، مُنذِر بن عَمرو، عبداللہ بن رواحہ، بَرا، بن مَعرُور، حضرت جابر انصاری رضؓ کے والدِ محترم عبداللہ بن عَمرو بن حرام اور قبیلۂ خزرج کے سب سے بڑے سردار سعد بن عُبادہ۔ ان کے علاوہ قبیلۂ اوس کے تین حضرات بھی تھے۔ اُسَید بن حُضَیر، سعد بن خیثمہ اور ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہم (ابن خلدون) مزید برآں حضرت کعب بن مالک اور عباس بن عُبادہ بن نضلہ انصاری رضی اللہ عنہما بھی قابل ذکر ہیں (ابن جریر)

ان کے معلّم دین حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستان نبوت پر حاضر ہو کر اپنی یک سالہ تبلیغی کارگزاری بالتفصیل حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی۔ آپ نے تمام واقعات نہایت دلچسپی اور پوری توجہ کے ساتھ سنے اور حضرت مُصعَب رضؓ کی قابلِ تحسین کارگزاری اور سعی مشکور پر نہایت محظوظ ہوئے (ابن سعد)

ماں کا غضب آلود پیغام

حضرت مُصعَبؓ کی ماں نے جسے اپنے کفر و شرک میں انتہا درجہ کا غلو تھا، اور جس کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر آچکا ہے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا کہ "اے نافرمان فرزند! تو شہر میں آیا لیکن اب تک مجھے ملنے نہ آیا"۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خدا کے برگزیدہ رسولؐ سے پہلے کسی کی ملاقات کو نہیں جا سکتا"۔ دربار رسالت کا شرف ملاقات حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے۔ ماں نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تو اب تک اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے برگشتہ ہے"۔ فرمایا میں دین حق کا پیرو ہوں۔ ماں کہنے لگی کیا تو اُن پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھول گیا جو حبشہ میں سہنی پڑیں؛ افسوس تو نے میری ہمدردی اور غمگساری کی کوئی قدر نہ کی"۔

قبول اسلام سے بشدّت انکار

حضرت مُصعَبؓ ماں کے تیور دیکھ کر سمجھ گئے کہ مجھے دوبارہ قید کرنے کی فکر میں ہے۔ کہنے لگے اب جو کوئی میری طرف بڑھے گا اس کی جان کی خیر نہیں"۔ یہ دیکھ کر ماں بولی بس تو میری آنکھوں سے دور ہو جا اور یہ کہہ کر رونے لگی۔ حضرت مُصعَبؓ کا دل بھی بھر آیا اور کہنے لگے اماں! میں تمہیں محبت اور خیر خواہی کی راہ سے مشورہ دیتا ہوں کہ اپنی ضد چھوڑ دو اور اس بات کو تسلیم کرو کہ سچا معبود صرف ایک خدا ہے اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسولِ برحق ہیں۔" بولی مجھے لات و عزّیٰ کی قسم! میں تمہارے نئے مذہب میں داخل ہو کر اپنے تئیں احمق نہ بناؤں گی۔ جا میں تجھ سے اور تیرے مذہب سے بیزار ہوں۔ میں تیری طرح اپنا آبائی دین ہرگز ترک نہ کروں گی۔" حضرت مصعبؓ وہاں سے چلے آئے اور تین مہینہ تک مکہ معظمہ میں قیام فرما رہے۔ آخر یکم ربیع الاول کو اپنے آقا حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی راہ لی (طبقات ابن سعد)

براءؓ کا کعبہ کی طرف نماز پڑھنا

یثرب کے جو ستر یا کچھ زیادہ مسلمان مکہ معظمہ آئے تھے ان کا قصد تھا کہ حج سے فارغ ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دید حاصل کریں گے لیکن امیر قافلہ حضرت براء بن معرورؓ نے ایک خواب دیکھا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ وہ اوروں سے پہلے سرکار رسالت میں حاضر ہو کر اپنے خواب کا ذکر کریں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اہل مدینہ بغرض حج شہر سے نکلے تو براءؓ کہنے لگے بھائیو! سنو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ معلوم نہیں تم لوگ اس میں میری موافقت کرتے ہو یا نہیں"۔ رفقائے سفر نے پوچھا وہ کیا خواب ہے؟ براءؓ نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میں کعبہ کو اپنی پیٹھ کی طرف نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا ہمیں تو نبی علیہ السلام کا یہی حکم پہنچا ہے کہ شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس لیے ہم لوگ ارشاد نبوی کے خلاف کسی طرح نہیں جا سکتے براءؓ نے کہا میں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کروں گا۔" ساتھیوں نے کہا ہم اس میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو براءؓ نے کعبہ کا رُخ کر کے نماز پڑھی لیکن دوسروں نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور براءؓ کے اس فعل پر عیب گیری کی۔

بارگاہِ نبوّت کی حاضری

جب یہ قافلہ مکہ معظمہ پہنچا تو براءؓ نے کعب بن مالکؓ سے کہا برادر زادے! تم ذرا میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو تاکہ میں حضور سے اپنے اس فعل کے متعلق دریافت کروں۔" یہ دونوں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے نکلے۔ انہوں نے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تھا اس لیے پہچانتے نہ تھے۔ انہوں نے مکہ کے ایک آدمی سے آپ کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا تم لوگ انہیں پہچانتے ہو؟ بولے نہیں اس نے کہا اچھا ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں وہ تو ہمیشہ بغرض تجارت ہمارے ہاں جایا کرتے ہیں۔ وہ بولا مسجد حرام میں جاؤ۔ وہ صاحب تمہیں اپنے چچا کے

پاس بیٹھے ملیں گے۔" یہ دونوں مسجد میں گئے اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب عباس رضؓ کے پاس بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں سلام کرکے بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباس رضؓ سے پوچھا، اے ابا الفضل! ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یہ اپنی قوم کے سردار براء بن معرور ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔"

آنحضرتؐ کا ارشاد کہ تم نے قبلہ بدلنے میں جلدی کی

براءؓ نے التماس کی کہ اے نبی اللہ! جب میں اس سفر کے لیے گھر سے نکلا تو اس سے پیشتر میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں کعبۂ معلّیٰ کی طرف پیٹھ نہیں کرتا اس لیے میں نے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی شروع کی لیکن میرے ساتھیوں نے میرے اس اقدام میں میری مخالفت کی۔ اس بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں اپنے قبلۂ سابق پر قائم ہوں۔ اس لیے بہتر تھا کہ تم ابھی صبر کرتے اور قبلہ بدلنے میں جلدی نہ کرتے۔" اس ارشاد کے بعد براءؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے از سرِ نو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی شروع کی (ابن جریر طبری)

سچا خواب شرعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتا

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ خواب اگرچہ سچا ہو تاہم اُسے دلیل شرعی کی حیثیت حاصل نہیں۔ بعض لوگ احکام شریعت اور نص کی موجودگی میں کسی رؤیا سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ یہ سخت درجہ کی گمراہی ہے۔ اگر رؤیا کسی حکم شریعت سے متصادم نہ ہو تو اس پر عمل پیرا ہونا جائز ہے ورنہ اس کو اضغاثِ احلام اور وساوسِ شیطان میں داخل سمجھنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آغاز بعثت سے لیکر سولہ مہینے بعد از ہجرت تک برابر بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبۂ معلّیٰ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم آگیا۔ تب سے کعبہ ہی اہل ایمان کا قبلہ چلا آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قبولِ اسلام

دعوت و تبلیغ ایک خاص پیغمبرانہ عمل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جو خلافت و نیابتِ الٰہی کے شرف سے سرفراز ہوئے تو ان کا مقصدِ بعثت، امر معروف و نہی منکر کے سوا (جسے تبلیغ بھی کہتے ہیں) کچھ نہ تھا۔ لیکن ہم نے آج امر معروف و نہی منکر کو بالکل طاقِ نسیان پر رکھ چھوڑا ہے اور اس حقیقت سے بالکل خالی الذہن ہو گئے ہیں کہ تبلیغ بھی اسلامی فرائض میں داخل ہے۔ اگر ہم دس سال تک کسی غیر مسلم ملاقاتی سے ملتے رہیں تو اس کے سامنے کبھی اسلام پیش نہ کریں گے اور ہمیں یہ کہنے کی کبھی جرأت نہ ہو گی کہ تمہارے کفر و شرک کی سزا ابدی جہنم ہو گی۔ لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت اس سے بالکل

مختلف تھی۔ وہ غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنے اور مسلم عوام کو شریعت کا پابند بنانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جابر رضہ کے باپ عبداللہ بن عمرو ہمارے رفیقِ سفر تھے لیکن ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ ہم نے عبداللہ سے کہا اے جابر کے باپ! تم بھی ہماری قوم کے ایک سردار ہو لیکن ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اگر تم اپنے موجودہ کیش صنم پرستی کے پیچھے پڑے رہے تو تم فردائے قیامت کو ضرور جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔" غرض ہم نے عبداللہ کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتایا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملاقات کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ چنانچہ عبداللہ فی الفور ہمارے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

(ابن جریر طبری)

جمالِ جہان آرائے مصطفوی کا انتظار

جب حضرت براء بن معرور اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد الحرام میں جا کر ملاقات کی تھی تو آپ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تم لوگوں سے ایامِ تشریق کے وسط میں عقبہ میں ملوں گا۔ آخر جب مسلمانانِ مدینہ نے حج سے فراغت پائی اور وہ رات آئی جس میں آپ نے ان سے ملاقات کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو عقبہ جانے کا قصد کیا۔ انہوں نے اپنے مشرک رفقائے سفر سے خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی موعودہ ملاقات کی اطلاع بالکل مخفی رکھی تھی۔ رات کو اپنے غیر مسلم ساتھیوں کے ساتھ ہی اقامت گزیں رہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تو چپ چاپ نہایت اختفار کے ساتھ منہ سر لپیٹ کر اور اپنے بت پرست ساتھیوں سے بے خبر قیام گاہ سے نکلے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہو کر طلوع جمال جہان آرائے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ یہ کل ستر آدمی تھے۔ ان کے ساتھ دو خواتین بھی تھیں۔ (محمد بن جریر طبری) ابن ہشام نے یہ تعداد ۷۳ بتائی ہے۔

مسلمانانِ مدینہ کا عہد و پیمان

جب شیفتگانِ حق و صدق گھاٹی میں پہنچے تو اس کے تھوڑی دیر بعد خیر الابرار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عم محترم عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ گو حضرت عباس رضہ ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن وہ اس دعوت کی کامیابی کے دل سے متمنی تھے۔ اس سے پیشتر حضرت عباس رضہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یثرب کے نومسلم کثیر تعداد میں اس غرض سے آئے ہوئے ہیں کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دیں۔

حضرت عباس رض نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا اے گروہ خزرج! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قدر و منزلت سے اچھی طرح واقف ہو اور مکہ میں ان کی جس درجہ مخالفت ہے اس سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ یہاں سے منقطع ہو کر تمہارے پاس چلے جائیں۔ لیکن اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ جس امر کی طرف ان کو مدعو کرتے ہو اس کا لازماً ایفا کرو گے اور تمہاری طرف سے ان کی مخالفت کرنے والوں کا ہر قیمت پر دفعیہ ہوتا رہے گا تو تم اس بوجھ کو اپنے دوش ہمت پر اٹھاؤ اور اگر اس قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی ہو کہ جب یہ اپنے وطن سے مفارقت کر کے تمہارے پاس چلے جائیں تو تم کل کلاں انہیں دشمنوں کے حوالے کر کے خدانخواستہ ان کی ذلت کا سامان کرو تو ابھی وقت ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنے مستقبل کی کوئی اور راہ تجویز کر لیں گے"۔

حاضرین نے حضرت عباس رض سے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اچھی طرح سن لیا ہے۔ اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس کی یا رسول اللہ! آپ کو جو کچھ فرمانا ہے خود اپنی زبان مبارک سے فرمائیے۔ آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں اور حاضرین کو خدائے عزیز و برتر کی طرف بلاتے ہوئے اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی اور فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لینا چاہتا ہوں کہ جس طرح تم اپنے اہل و عیال کے محافظ اور خبر گیراں ہو، اسی طرح میری بھی تائید اور نصرت کرتے رہو گے"۔

یہ سن کر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور التماس کی یا رسول اللہ! ہمیں اسی ذات برتر کی قسم کہ جس نے آپ کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کا اسی طرح ساتھ دیں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی خبر رکھتے ہیں اور آپ کی بھی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی جانوں کی کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ہم ہمیشہ حضور کے سینہ سپر رہیں گے۔ آپ ہم سے اس بات پر بیعت لے لیجیے (ابن جریر طبری)

بیعت عقبۂ ثانیہ

حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا اے گروہ خزرج! سنو کیا اس بات کو سمجھتے ہو کہ تم کس بات پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے ہو؟ ضرورت ہے کہ کوئی قول و قرار کرو تو پہلے خوب سوچ لو کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا عرب وعجم سے جنگ کا اعلان کرنا ہے۔ اگر بالفرض یہ حالت ہوگئی کہ آنجناب کا ساتھ دینے میں تمہارا مال برباد ہو جائے۔ عزت وناموس خطرے میں ہو جائیں تلف ہوں تو ایسا نہ ہو کہ کل کو ہجوم مصائب ومشکلات سے گھبرا کر انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔ اگر اس وقت تم نے ایسا کیا تو دنیا اور آخرت کا زیان تمہارے شامل حال ہوگا۔ اور اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے وعدے پر پورے اترو گے اور آپ کی خاطر ہر قسم کا نقصان جان ومال گوارا کرو گے تو بیعت کر لو۔ یہ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کے لیے مثمر خیر اور بابرکت ہوگا“

تمام حاضرین نے بیک آواز کہا کہ ہم ہر قسم کے نقصان جان ومال کو گوارا کریں گے مگر پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے“ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ ذرا یہ تو فرمائیں کہ اگر ہم نے اپنے وعدے پورے کیے اور جانی اور مالی قربانیاں دیں تو ان خدمات کے معاوضہ میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جنت۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! تو پھر بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھائیے۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے بیعت کر لی (ابن جریر) اس بیعت کو عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں۔

انصار سے حضرت صادق مصدوقؐ کا وعدہ

اب قبیلۂ عبدالاشہل کے حلیف حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! ہمارا اور یہود کا باہم معاہدہ ہے۔ آیندہ ہم ان سے کوئی پیمان مودت نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہم سے کوئی وعدہ فرمائیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم حسب وعدہ آپ کا پوری طرح ساتھ دیں اور جان نثاری کا حق ادا کریں اور اس کے بعد خدا نے قاہر آپ کو دشمنوں پر غالب کر دے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تو نہیں چلے آئیں گے؟ یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا نہیں۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا بلکہ تمہارا خون میرا خون میری آبادی تمہاری آبادی اور تمہاری بربادی میری بربادی ہوگی۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا۔ غرض میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے (ابن جریر) چنانچہ آیندہ چل کر واقعات نے بتا دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انصاری جان نثاروں سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ اخیر دم تک کس طرح حرف بحرف پورا کیا یہاں تک کہ آج آپ کا مرقد منور بھی اپنی مرز و بوم مکہ معظمہ کی بجائے اسی مدینہ منورہ میں ہے۔

قریش سے بدلہ لینے کی اجازت طلبی

قریش مکہ سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے جان نثاروں کے ساتھ کئی سال سے جو بہیمانہ سلوک کر رہے تھے مسلمانانِ مدینہ کو اس کا حال بخوبی معلوم ہو چکا تھا چنانچہ جب کبھی ان سفاکیوں کی یاد ستاتی تو ان کا نہاں خانۂ دل کلبۂ حزن و ملال بن جاتا تھا۔ اس لیے بیعت کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم آج ہی قریش سے ان کی جفاکاریوں اور اپنے دینی بھائیوں کی مظلومیوں کا بدلہ لے لیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں"۔ آپ نے فرمایا مجھے سر دست تلوار بے نیام کرنے کی اجازت نہیں ہے (ابن جریر طبری)

بارہ نقباء کا انتخاب

اس کے بعد سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانان یثرب کے دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے میں سے بارہ آدمی بحیثیت نقیب منتخب کر لو۔ چنانچہ ان بارہ نقباء کا انتخاب عمل میں آیا (۱) اسعد بن زرارہ (۲) رافع بن مالک (۳) براء بن مَعرُور (۴) عُبادہ بن صامت (۵) عبداللہ بن عَمرو بن حرام (۶) سعد بن ربیع (۷) عبداللہ بن رواحہ (۸) سعد بن عُبادہ (۹) مُنذِر بن عَمرو بن خنیس (۱۰) اُسید بن حُضَیر (۱۱) سعد بن خیثمہ (۱۲) ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہم (فتح الباری) ابن ہشام نے بھی بارہ نقباء کے اسمائے گرامی حوالۂ قرطاس کیے ہیں لیکن بارھواں نام ابوالہیثم بن تیہان کے بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنیر دیا ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ اہل علم نے بارھواں نام رفاعہ کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان بتایا ہے۔ ان بارہ میں سے پہلے نو خزرجی اور تین مؤخرالذکر یعنی اُسید بن حُضَیر، سعد بن خیثمہ اور ابوالہیثم بن تیہان (یا رفاعہ بن عبدالمُنذِر) قبیلۂ اوس کے چشم و چراغ تھے (سیرت ابن ہشام) یہ تمام حضرات رئیس القبایل تھے۔ اس بیعت کے بعد آپ نے انصار کو مراجعت کی اجازت بخشی (طبری)

یثرب کو شرف قدوم بخشنے کی درخواست

رخصت کے وقت انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! اگر حضور ہمارے ساتھ ہی ہمارے شہر کو تشریف لے چلیں تو ہماری بڑی سعادت ہے۔ ہم ہر طرح سے جان نثاری کریں گے"۔ آپ نے فرمایا کہ نہ تو ہنوز مکہ سے نکلنے کا حکم ہے اور نہ ابھی میری ہجرت کا کوئی مقام متعین ہوا ہے۔ اس لیے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب اور جہاں کے لیے حکم ربی ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا"۔ انصا کی یہ جماعت ماہ ذوالحجہ میں آئی تھی۔ رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بقیۂ ذوالحجہ اور اگلے سال کے دو مہینے محرم اور صفر مکہ ہی میں رہے۔ اس کے بعد ربیع الاول میں ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے۔

(ابن جریر و ابن ہشام)

سیرت ابن ہشام میں اوس اور خزرج کے ان ۷۳ مردوں اور عورتوں کے اسماء گرامی بھی زیب رقم کیے گئے ہیں جنہوں نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ میں یہاں ان کے اندراج کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ بدری سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں غزوۂ بدر میں حضرت مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف رفاقت میسر ہوا تھا۔ چونکہ امت محمدی میں اصحاب بدر کا درجہ سب سے بلند و برتر ہے، اسلیے اس فضیلت کا اظہار مناسب خیال کیا گیا۔

قبیلۂ اوس کے مبایعین کرام

قبیلۂ اوس کے یہ بلند فطرت حضرات داخل بیعت ہوئے۔ (۱) اُسید بن حُضیر (۲) ابو الہیثم مالک بن تیہان بدری۔ (۳) سلمہ بن سلامہ بن وقش بدری (۴) ظہیر بن رافع بن عدی (۵) ابو بردہ ہانی بن دینار بدری (۶) نہیر بن ہیثم (۷) سعد بن خیثمہ بدری (۸) رفاعہ بن عبد المُنذِر بدری (۹) عبد اللہ بن جُبَیر بدری (۱۰) معن بن عدی بدری (۱۱) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔

خزرجی اہل بیعت

خزرجیوں کے ان مقدسین کو حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شرف بیعت و ارادت نصیب ہوا: (۱) ابو ایوب خالد بن کلیب بدری (۲) معاذ بن حرث (ابن عفراء) بدری (۳) ان کے بھائی عوف بن حرث (ابن عفراء) بدری (۴) رفاعہ بن حرث بن سواد (۵) عُمارہ بن حزم بدری (۶) ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ (۷) سہل بن عتیک بدری (۸) اوس بن ثابت بدری (۹) ابو طلحہ زید بن سہل بدری (۱۰) قیس بن ابی صعصعہ بدری (۱۱) عمرو بن غزیہ (۱۲) سعد بن ربیع بدری (۱۳) خارجہ بن زید بدری (۱۴) عبد اللہ بن رواحہ بدری (۱۵) بشیر بن سعد بدری (۱۶) عبد اللہ بن زید بدری (۱۷) خلاد بن سوید بدری (۱۸) ابو مسعود عُقبہ بن عمرو (۱۹) زیاد بن لبید بدری (۲۰) فروہ بن عمرو بدری (۲۱) خالد بن قیس بدری (۲۲) رافع بن مالک (۲۳) ذکوان بن عبد قیس بدری (۲۴) عباد بن قیس بدری (۲۵) حرث بن قیس بدری (۲۶) براء بن معرور (۲۷) ان کے فرزند بشر بن براء بدری (۲۸) سنان بن صیفی بدری (۲۹) طفیل بن نعمان بدری (۳۰) معقل بن مُنذِر بدری (۳۱) یزید بن منذر بدری (۳۲) مسعود بن یزید (۳۳) ضحاک بن حارثہ بدری (۳۴) یزید بن خذام (۳۵) جبار بن صخر بدری (۳۶) طفیل بن مالک بدری (۳۷) کعب بن مالک (۳۸) سلیم بن عمرو بدری (۳۹) قطبہ بن عامر بدری (۴۰) یزید بن عامر بدری (۴۱) ابو الیسر کعب بن عمرو بدری (۴۲) صیفی بن سواد (۴۳) ثعلبہ بن غنمہ بدری (۴۴) عمرو بن غنمہ بدری (۴۵)

عبداللہ بن انیس (۴۶) خالد بن عمرو (۴۷) عبداللہ بن عمرو بدری (۴۸) جابر بن عبداللہ بن عمرو (۴۹) معاذ بن عمرو بن جموح بدری (۵۰) ثابت بن جذع بدری (۵۱) عمیر بن حرث بدری (۵۲) معاذ بن جبل بدری (۵۳) اوس بن عباد بن عدی (۵۴) عبادہ بن صامت بدری (۵۵) عباس بن عبادہ بن نضلہ (۵۶) ابوعبدالرحمٰن بن یزید بن ثعلبہ (۵۷) عمرو بن حرث (۵۸) ابوالولید رفاعہ بن عمرو بن زید بدری (۵۹) عقبہ بن وہب بدری (۶۰) سعد بن عبادہ (۶۱) منذر بن عمرو بن خنیس بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

دو خواتین کی بیعت

ان کے علاوہ دو خواتین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ ان سے زبانی ترکِ معاصی کا اقرار کرا لیتے اور پھر فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ دو میں سے ایک خاتون اُمِّ منیع اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں اور دوسری اُمِّ عُمارہ نسیبہ بنت کعب جو ایک بڑی بہادر انصاریہ خاتون تھیں۔ اُمِّ عُمارہ رضی اپنی بہن اور اپنے شوہر زید بن عاصم اور دو بیٹوں حبیب بن زید اور عبداللہ بن زید کے ہمراہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئیں اور بڑی شجاعت و جانبازی کا ثبوت دیا۔

مُسیلمہ کذّاب مدعیٔ نبوت نے ان کے فرزند گرامی حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو زندانِ بلا میں ڈال رکھا تھا۔ مُسیلمہ اُن سے ہر روز سوال کرتا کہ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ وہ کہتے بے شک! پھر پوچھتا کہ کیا تم اس امر کی بھی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں"؟ تو فرماتے کہ میں نہیں سنتا۔ آخر جب مسیلمہ نے دیکھا کہ حبیب (رضی اللہ عنہ) ہر مرتبہ اس کی (خانہ ساز) نبوت کو ٹھکرا دیتے ہیں تو اس نے غضب ناک ہو کر ان کے جسم مبارک کا ایک ایک عضو قطع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ تمام اعضا الگ الگ کر دیے اور وہ اس کے ہاتھ سے شربت شہادت پی کر رہگزینِ عالمِ جاوداں ہو گئے۔

جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑی گئی تھی، محترمہ اُمِّ عُمارہ رضی اپنے فرزند گرامی حضرت عبداللہ رضی کے ہمراہ شریک غزا ہوئیں۔ انہوں نے اس جانبازی سے اعداء کا مقابلہ کیا کہ جب وہاں سے مراجعت فرما ہوئیں تو ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم تھے (سیرت ابن ہشام) لیکن انجام کار ان کے فرزند حضرت عبداللہ نے مسیلمہ کذّاب کو وحشی کی مدد سے جہنم واصل کر کے اپنے شہید بھائی کا انتقام لے لیا۔ انہوں نے تلوار کا وار کیا تھا اور وحشی نے اپنا حربہ چلایا تھا۔

(تجرید اسماء الصحابہ)

راقم الحروف نے مسیلمہ کذّاب کے مبسوط حالات کتاب "ائمۂ تلبیس" میں حوالۂ قرطاس کر دیے ہیں۔

حضرت سعد بن عُبادہ رضؓ اشقیائے قریش کے نرغہ میں

یثرب کے اہل ایمان قریش کی عناد پسندیوں کے پیش نظر رات کو نہایت اخفا اور راز داری کے ساتھ قیام گاہ سے نکلے تھے اور رات کی تاریکی میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی بے خبری میں واپس آکر محوِ خواب ہو گئے تھے اور صبح کو ان ہی کے ساتھ بستر خواب سے اُٹھے تھے لیکن معلوم نہیں کہ یہ راز کیونکر فاش ہو گیا۔ علی الصباح صنادید قریش کو اطلاع ملی کہ رات کو یثرب کے بہت سے لوگوں نے تمہارے خلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے" یہ سُن کر وہ سخت برہم ہوئے اور تحقیقِ حال کے لیے اُس مقام پر پہنچے جہاں یثرب کا قافلہ ٹھیرا ہوا تھا۔ وہ خزرج کے غیر مسلموں سے کہنے لگے اے گروہِ خزرج! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے خلاف رزم خواہ ہونے کے لیے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے بیعت کی ہے۔"

یثرب کے بت پرستوں کو جو مسلمانوں کے ساتھ حج کو آئے تھے، اس بیعت کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ انہوں نے قسمیں کھانی شروع کیں اور غیر مسلموں کے سردار عبداللہ بن اُبَی نے جو ہجرت نبوی کے بعد رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا اس اطلاع کی بڑے زور سے تردید کی اور کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو مجھ سے کبھی مخفی نہ رہ سکتا تھا (ابن سعد و ابن جریر طبری)۔

عمایدِ قریش اس جواب پر مطمئن ہو کر واپس چلے گئے لیکن جب ان کے کان میں بھنک پڑی کہ واقعی رات کو بیعت ہوئی تھی تو پھر ٹوہ میں لگ گئے۔ آخر ان کو حق الیقین معلوم ہوا کہ وہ اطلاع بالکل درست تھی۔ اب وہ خزرج کے تعاقب میں گئے۔ قافلہ تو نکل گیا تھا لیکن سعد بن عُبادہ اور مُنذِر بن عمرو جو کسی طرح منقطع ہو کر قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے، اُنہیں حاجز میں مل گئے۔ منذر تو اُنکی گرفت سے نکل گئے مگر حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور انہی کے کجاوے کے تسموں سے ان کی مُشکیں باندھ کر مارتے ہوئے اور سر کے بالوں سے جو بڑے بڑے تھے گھسیٹتے ہوئے مکہ لائے۔ اب جو کوئی آتا ان کو مارنا پیٹنا اور بالوں سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیتا۔

جُبیر بن مطعم اور حارث بن اُمیّہ کا آکر چھوڑانا

حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ جب قریش

مجھے مار رہے تھے تو ایک خوش جمال سُرخ وسپید آدمی مجھے اپنی طرف آتا دکھائی دیا میں اُس کو دیکھ کر خوش ہوا اور دل میں کہا کہ اگر مجھے کسی شخص سے حُسنِ سلوک کی اُمید ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا۔ لیکن جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے اس زور سے میرے منھ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ میرا منھ پھر گیا۔ اس وقت مجھے یقین ہوا کہ یہ سب کے سب شقی اور سیاہ باطن ہیں۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور میرے حال پر رحم کھا کر مجھ سے دریافت کیا کہ مکہ میں کسی سے تمہاری شناسائی ہے؟ میں نے کہا ہاں جُبیر بن مُطعم اور حارث بن اُمیّہ (بن عبدشمس بن عبدمناف) کو جانتا ہوں یہ دونوں تجارت کے لیے ہمارے شہر یثرب جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے۔" وہ بولا تو پھر لوگوں سے کیوں نہیں کہتے کہ فلاں فلاں آدمی میرے ملاقاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ خود شہر میں آیا اور دونوں سے مل کر انہیں بتلایا کہ خزرج کا ایک آدمی بُری طرح پٹ رہا ہے اور تم دونوں کا نام لیتا ہے۔" انہوں نے نام پوچھا تو اُس نے بتایا کہ اس کا نام سعد بن عبادہ ہے۔" [redacted] کہنے لگے کہ سعد بن عُبادہ تو قبیلۂ خزرج کے رئیس اعظم ہیں اور ان کے ہم پر احسان ہیں۔"

غرض ان دونوں نے آکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ظالموں کے پنجۂ عذاب سے چھوڑایا۔ آگے جا کر اہلِ قافلہ کو پتہ چلا کہ سعد بن عُبادہ رض قافلہ میں موجود نہیں ہیں۔ قافلہ ٹھیر گیا اور چند آدمی ان کی تلاش میں مکہ معظمہ کی طرف لوٹے۔ اتنے میں حضرت سعد رض بھی آتے دکھائی دیے۔ انہوں نے قریش کی ظلم رانی اور اپنی مظلومی کے حالات سنائے۔ سب کو اس حادثہ کا سخت قلق ہوا جس حسین و مقبول صورت شخص نے ان کے تھپڑ مارا تھا وہ سُہیل بن عَمرو رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ہنوز کفر کی وادیوں میں راہِ ہدایت گم کر رکھی تھی (محمد بن جریر طبری)

مسلمانوں نے ان سفاکیوں کا کوئی بدلہ نہ لیا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے راہِ حق میں جو صدمہ اُٹھایا اور مصیبت سہی اس کا اجر تو انہیں واہب کردگار کی جناب میں ملے گا لیکن اشقیائے قریش کی حالت پر افسوس ہے کہ انہوں نے ایک جرم ناآشنا غریب الوطن کو تنہا پا کر اُس سے ایسا غیر انسانی سلوک کیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ سیاہ دل اپنی شقاوت کا مظاہرہ کرنے سے کبھی نہیں چُوکتے تھے جب کبھی ان کو موقع ملتا مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے میں انہیں ذرا باک نہ تھا۔ اگر اُن کا حریفِ مقابل نبیٔ مرسل کی بجائے کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ فتح مکہ کے دن اس کے ہاتھوں سے اپنی سالہا سال کی پیہم سفاکیوں اور جفاکاریوں کا مزہ چکھ لیتے۔ دنیاوی حملہ آور حصولِ فتح کے بعد مکہ کی اینٹ سے اینٹ

بجا دیتا اور فراعنۂ قریش کو دار پر کھینچ کر ان کے ایک ایک بچہ تک کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیتا۔ لیکن خوش قسمتی سے قریش کو اپنا مدمقابل خدا کا سچا رسول ملا تھا جس نے فتح مکہ کے دن ان پر قابو پا کر عفو عام کا اعلان کر دیا۔

یثرب کے نومسلموں کی مظلومی

ان ایام میں مہاجرین حبشہ میں سے کچھ حضرات مکہ واپس آ چکے تھے اور بلد الامین کے اندر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یثرب میں اسلام رو بترقی تھا اور رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمانان یثرب کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ قریش یہ دیکھ کر مار دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ جتنا بس چلے پیروان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیادہ سے زیادہ اذیتیں دیں۔ چنانچہ اب انہوں نے مقامی مسلمانوں کی طرح انصار کو بھی پکڑنا اور مارنا شروع کر دیا۔ ان جرم ناآشناؤں نے قریش کے ہاتھ سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ تیرہ سال کے زمانۂ نبوت میں اہل حق و صدق کو جن مشکلات کا سامنا رہا، ان میں یہ دو وقت بھی زیادہ مصیبت کے تھے۔ ایک وہ جبکہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مظلومی سے ملول ہو کر انہیں حبشہ کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ دوسرا اب جبکہ قریش نے بعض مسلمانوں کے حبشہ سے واپس آنے کے بعد اہل مدینہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے دیکھا اور اس وجہ سے انصار مدینہ کو ستایا اور مقامی مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ ظلم توڑنے شروع کیے۔ یہ آخری مصیبت تھی جو مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے قریش کے ہاتھوں سے اٹھانی پڑی (محمد بن جریر طبری)

فصل ۲۱۵۔ معجزۂ شق القمر

عمائد قریش کا مطالبہ کہ ہمیں بھی کوئی نشان صدق دکھایا جائے

عہد حاضر میں تو قریب قریب دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان بغرض حج مکہ کا سفر کرتے ہیں لیکن ظہور اسلام سے پہلے کعبۂ معلیٰ صرف اہل عرب کا مرجع تھا۔ ہجرت سے پہلے عرب کے جو قبایل مکہ معظمہ آتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تبلیغ کے لیے تشریف لے جایا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ آدھی رات کے وقت اسی غرض سے کسی قبیلہ کی طرف چلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ

تھے۔ اتفاق سے چند رؤسائے قریش آپ کو راستہ میں مل گئے۔ وہ آپ کو قبایل کی طرف جاتے دیکھ کر کہنے لگے محمدؐ! تم چپکے چپکے باہر کے لوگوں کو اپنا پیرو بناتے ہو لیکن ہم لوگوں کو اپنی سچائی کی کوئی نشانی دکھا کر اپنے ساتھ ملانے کی کیوں کوشش نہیں کرتے۔

چاند کا دو ٹکڑے ہو کر نیچے اُترنا

آپ نے فرمایا تم لوگ تو میری بات سننا ہی گوارا نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں تمہیں میرے حق و صدق کا کیونکر یقین ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوئی نشانِ صدق دکھاؤ تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ ابوجہل چاند کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا اچھا اگر تم سچے ہو تو ہمارے سامنے اس چاند کو دو ٹکڑے کرکے دکھا دو۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے سچا نبی یقین کروگے؟ ابوجہل اور قریش کے دوسرے سردار بولے ہاں تمہیں سچا نبی مان لیں گے۔" آپ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ معاً چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے مشرق کی طرف اتر آیا اور دوسرا مغرب کی جانب ہو گیا۔ پہاڑ دونوں کے بیچ میں تھا۔ پھر دونوں حصے اوپر کی طرف چڑھے اور آپس میں مل گئے (بخاری، مسلم وغیرہما)

دور سے آنے والے مسافروں کی تصدیق

یہ دیکھ کر بجائے قریش قبولِ حق کی بجائے آپس میں کہنے لگے کہ واقعی "ابن ابی کبشہ" بڑا ساحر ہے۔ اس نے چاند پر اور ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔" انہی میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اگر یہ شخص جادوگر ہے اور اس نے چاند پر اور تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے تو جادوگری تمام ملک کے لوگوں پر تو اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کرنا چاہیے کہ انہوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا یا نہیں۔" چنانچہ اس کے بعد جو مسافر مکہ معظمہ وارد ہوئے ان میں سے اکثر نے بیان کیا کہ ہم نے فلاں رات نصف شب کے وقت چاند کو دو ٹکڑے ہوتے اور زمین کی طرف اترتے اور پھر اوپر کو چڑھ کر مل جاتے دیکھا تھا (بیہقی فی الدلائل)

قرآن میں شق القمر کا تذکرہ

معجزۂ شق القمر کا تذکرہ سورۂ قمر کی پہلی آیت میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً	قیامت قریب آگئی اور (پیغمبرؐ کے معجزہ سے) چاند شق ہو گیا (جو قریب

يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ؕ

قیامت کی ایک نشانی ہے) اور یہ لوگ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

بعض الحاد پسند لوگ اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ قیامت کو چاند پھٹ جائے گا" لیکن اس صورت میں اول تو ماضی کو بغیر کسی قرینہ کے مستقبل کے معنی میں لینا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس آیت کے بعد یہ مذکور نہ ہوتا کہ یہ کافر کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ قیام قیامت کے بعد اس کا انکار ایک بے معنیٰ چیز ہے اور قیامت برپا ہونے کے بعد اس کو سحر مستمر کہنا بھی خلاف قیاس ہے۔ اس کے علاوہ صحیح روایتیں بھی اس خیال کی پُر زور تردید کر رہی ہیں۔

انشقاق قمر دو باتوں کا نشان تھا

انشقاق کمر دو باتوں کا نشان تھا۔ ایک تو حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کا اور دوسرا اِس امکان کا کہ آسمان قیامت کے قریب پھٹ جائے گا کیونکہ منکرین قیامت کے نزدیک قبروں سے جی اُٹھنا اور آسمانوں کا پھٹنا دونوں امر محال تھے۔ سو حق تعالیٰ نے سورۂ قمر میں فرمایا کہ قیامت قریب آگئی اور چاند بھی پھٹ گیا جو نبوت محمدی کی دلیل اور اس امکان کی علامت ہے کہ قیامت کے قریب آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ معجزہ قرآن کی طرح احادیث نبویہ کی روایاتِ متواترہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ زرقانی شارح مؤطا نے شرح مواہب لدنیہ کی جلد اوّل صفحہ ۳۵۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔

ملحدوں کے اعتراضات

ملحدوں نے اِس معجزہ پر دو اعتراض کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آفتاب، ماہتاب اور دوسرے اَجرامِ عُلویہ میں خرق والتیام (پھٹنا اور مل جانا) ممکن نہیں۔ مگر یہ اعتراض صحیح نہیں۔ حکماء میں سے صرف مشائین اِس بات کے قائل ہیں لیکن وہ اپنے دعوے کی تائید میں کبھی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ صدرالدین شیرازی نے شرح ہدایت الحکمۃ معروف بہ صدرا میں دو مقام پر ثابت کیا ہے کہ چاند، سورج اور ستارے قابلِ خرق والتیام ہیں اور حکمائے فرنگ نے بھی جو فیثاغورث اشراقی کی وضع پر ہیئت کو قائم کرتے ہیں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ زمین کی طرح اَجرامِ فلکیہ بھی قابلِ خرق والتیام ہیں۔

الحاد پسندوں کا دوسرا اعتراض

الحاد پسندوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ وقوع

میں آتا تو بلادِ دور دست کے لوگ بھی اسے دیکھتے اور ان کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ملتا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اہلِ مکہ نے مسافتِ بعیدہ کے رہنے والوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو بعضوں نے اس کا وقوع برأی العین تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ انشقاقِ قمر نصف شب کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے وقت عادۃً بہت کم لوگ بیدار ہوتے ہیں۔ مزید براں ظاہر ہے کہ دنیا کے اکثر مقامات میں اس وقت دن ہوگا جیسا کہ علم ہیئت سے ثابت ہے اور بہتیری جگہوں میں چاند ابر میں چھپا ہوگا۔ ایسے مقامات کے لوگ اس تغیرِ حال پر کسی طرح مطلع نہیں ہو سکتے تھے۔ اس سے قطع نظر سال کے کم از کم نصف مہینوں میں لوگ مسقف مکانوں میں سوتے ہیں اور ان کی نظر چاند پر نہیں ہوتی اور کسوف و خسوف کی طرح کسی کو پہلے سے چاند کے پھٹنے کا انتظار بھی نہ تھا جو اس کے لیے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے۔ پس اکثر اشخاص کا اس پر مطلع نہ ہونا اور اس کو اپنی تاریخوں میں درج نہ کرنا مستبعد اور موجبِ حیرت نہیں۔ (تاریخ حبیب اللہ)

یوشعؑ کے لیے آفتاب کا ٹھہر جانا

بائیبل میں یوشع علیہ السلام کے لیے آفتاب کا ٹھہر جانا مذکور ہے۔ یہ واقعہ دوسرے بلاد کے لوگوں کے مشاہدہ میں نہیں آیا اور نہ کسی نے اپنی تاریخ میں درج کیا حالانکہ یہ واقعہ دن کا تھا۔ پس جس طرح دوسری قوموں کی تاریخوں میں اس واقعہ کا عدمِ اندراج اس واقعہ کو غلط نہیں ٹھہرا سکتا اسی طرح معجزۂ شق القمر کے وقوع کی بھی جو نصف شب کے وقت تھا تھا نفی نہیں ہو سکتی۔

بایں ہمہ تاریخ فضلی میں ہندوستان کے ایک راجہ کا اپنے محل پر سے چاند کا شق ہونا اور نجومیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہونا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا ایک نشانِ صدق ہے اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایلچی بھیجنا اور اسلام قبول کرنا مذکور ہے اور کتاب سوانح الحرمین میں بھی یہ واقعہ مندرج ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہر دھار کا راجہ تھا (تاریخ حبیب اللہ)

عہدِ نبوت میں کسی منکر کو مجالِ انکار نہ ہوئی

غرض معجزۂ شق القمر میں کسی ریب و اشتباہ کو دخل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ قمر جس میں اس معجزہ کا تذکرہ ہے اکثر تبلیغی مجمعوں میں پڑھا کرتے اور اس معجزہ سے اپنی صداقت پر استدلال کیا کرتے تھے اور بڑے بڑے دشمنانِ رسالت اس سورہ کو ہمیشہ سنا کرتے تھے لیکن کسی منکر کو کبھی مجالِ انکار نہ ہوئی اور جب کبھی کہا تو یہی کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاند پر اور ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔ جو حضرات اس معجزہ کے عقلی دلائل اور اس کی تفصیلی بحث

دیکھنے کے مشتاق ہوں وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی رح کی کتاب "الجوابُ الصحیح لمَن بدّلَ دینَ المسیح" (جلد اول صفحات ۱۵۵-۱۵۸، اور جلد ۴ ص ۱۵۸) کی طرف رجوع کریں۔

فصل ۲۱۶۔ دار الامان مدینہ کو صحابۂ کرام کی ہجرت فرمائی

اب مکۂ مکرمہ میں دعوت حق کی مظلومی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور لبیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ یہ دیکھ کر حضور شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اپنے مظلوم پیرووں کے لیے کوئی ملجأ و مأمن تجویز کریں۔ گو حبش کو ہجرت کرنے والے اصحاب کرامؓ بھی سالہا سال سے غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، تاہم وہاں انہیں ستانے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن جو پیروان حق مکہ میں تھے، ان پر چاروں طرف سے مشرکوں کی یورش اور دشمنان دین کا نرغہ تھا اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ان کی جان کے لالے پڑے رہتے تھے۔ اس لیے مؤخر الذکر صحابہؓ نے بھی اپنے آقا و مولیٰ روحی فداہُ سے ترک وطن کی اجازت طلب کی اور آپ نے رضامندی بھی ظاہر فرما دی، لیکن ہنوز یہ مسئلہ حل طلب تھا کہ نیا دار الہجرت کون سا مقام ہو؟

مزید عازمین ہجرت حبشہ کیوں نہ بھیجے گئے؟

ابن سعد، ابن جریر، ابن ہشام وغیرہ مؤرخوں اور سیرت نگاروں میں سے کسی نے یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ پہلی دو ہجرتوں کے بعد حبش کو مزید مہاجروں کی روانگی کیوں مستحسن نہ خیال کی گئی؟ راقم الحروف کے زعم میں اس کے متعدد وجوہ تھے جن میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ دوسرے مقامات کے مسلمانوں کی طرف سے دعوتیں آئی ہوئی تھیں اور ان کی خواہش کی تعمیل تبلیغی نقطۂ نظر سے حبشہ جانے سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یثرب کے نو مسلموں نے آپ سے اپنے جاں نثاروں سمیت یثرب کو قدوم فرما ہونے کی درخواست کی تھی۔ اسی طرح دوس نام ایک طاقتور قبیلہ یمن کے ایک کنارے پر آباد تھا جس کے پاس ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اس قلعہ کے سردار حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا قلعہ پیش کیا تھا اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی تھی کہ حضور مع اصحاب کرام وہاں قدم رنجہ فرما کر اطمینان سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔ مگر آپ نے وہاں جانا منظور نہ فرمایا (صحیح مسلم)۔ اسی طرح قبیلۂ ہمدان کے سردار نے بھی آپ کی حفاظت و حمایت پر آمادگی ظاہر کی تھی (مستدرک حاکم)۔

عالمِ رؤیا میں مقامِ ہجرت کا مشاہدہ

لیکن آپ فرمانِ خداوندی کے بغیر از خود کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ہر قلب مسئلہ میں حکمِ الٰہی کا انتظار فرماتے تھے۔ اس بنا پر جب متلاشیانِ امن نے دار الہجرت کے متعلق استفسار کیا تو باوجودیکہ مسلمانانِ یثرب کی طرف سے خاص طور پر مظلوم صحابہ کے لیے مدینہ آنے کی دعوت آچکی تھی، آپ نے چند روز تک کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن بالآخر جس بات کا انتظار تھا، آپ کو عالمِ رؤیا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ سے خدام اور جان نثاروں سمیت کسی ایسے مقام کو ہجرت کر رہے ہیں جو خوش سواد نخلستان ہے۔ اس سے آپ نے خیال فرمایا کہ اہلِ ایمان کا نیا دار الہجرت یمامہ یا ہجر ہوگا۔ لیکن درحقیقت یہ مدینہ کی بابرکت سرزمین تھی (صحیح بخاری)

آخر جب وحیِ الٰہی نے صراحۃً رہبری کی اور معلوم ہوا کہ وہ پُر فضا باغ و بہار مقام یثرب کا مبارک خطہ ہے تو آپ نے فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کا دار الہجرت یثرب ہوگا پس جو کوئی جانا چاہے وہاں کا قصد کرے۔ اس اذنِ ہجرت کے بعد بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس حکم کے بموجب سب سے پہلے (۱) حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضؓ اور ان کے بعد (۲) حضرت عامر بن ربیعہ عنزی بدری رضؓ جن کے ساتھ ان کی بیوی (۳) لیلیٰ بنت ابی حثمہ بھی تھیں، وارد مدینہ ہوئے (ابن سعد و ابن ہشام) ان کے بعد (۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور (۵) حضرت عمار بن یاسر اور (۶) حضرت بلال بن رباح بدری رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے مہاجرین و مہاجراتِ اوّلین

ابن ہشام کے سوا شاید اہلِ سیر میں سے کسی نے اُن مہاجرین اور مہاجرات کی فہرست درج نہیں کی جنہوں نے ہجرتِ نبوی سے پہلے ستم کدۂ مکہ کو چھوڑ کر بیت الامن مدینہ کا راستہ لیا۔ گو ابن ہشام نے ساٹھ سے زائد نفوسِ مقدسہ کی فہرست دی ہے لیکن تشنۂ تکمیل ہونے کے علاوہ اس میں ہمیں بعض جلیل القدر مہاجروں کے اسمائے گرامی بھی دکھائی نہیں دیتے۔ اس لیے میں نے باقی ماندہ مہاجرین عظام کے اسمائے گرامی سخت کدو کاوش کے ساتھ مختلف ماخذوں سے فراہم کرکے اس مبارک فہرست کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ کوئی نام قلم انداز نہیں ہوا جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تلاش و تتبع کو دخل ہے، اُن نفوسِ مطہرہ کی تعداد جنہوں نے ہجرت

نبوی سے پیشتر مکہ کو الوداع کہہ کر یثرب کی مبارک سرزمین میں بود و باش اختیار کی تھی۔ ان میں سے چھ نام اوپر درج ہوئے۔ دوسرے حضرات کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:۔

متذکرہ صدر بزرگان ملت کے بعد (۷) حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب بدری (۸) اور ان کی بیوی جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور ان کے بھائی (۹) حضرت ابو احمد روانہ ہوئے۔ عبداللہ اور ابو احمد رضی اللہ عنہما حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ ان کے ساتھ ان کی تینوں بہنیں (۱۰) محترمہ زینب بنت جحش جو آیندہ چل کر اُمہات المومنین کے پاک زمرہ میں داخل ہوئیں اور (۱۱) اُم حبیبہ یا اُم حبیب بنت جحش (زوجۂ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف) اور (۱۲) حضرت مصعب بن عمیر رض کی بیوی حمنہ بنت جحش اور (۱۳) جناب عبداللہ رض کے فرزند محمد بن عبداللہ بن جحش بھی تھے۔ امام سہیلی رح نے "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ (۱۴) زینب بنت ابی سلمہ بن عبدالاسد مخزومیہ بھی انہی کے ساتھ تھیں۔

ان کے بعد شاید یہ مقدسین کرام دار الہجرت پہنچے۔ (۱۵) حضرت عکاشہ بن محصن (۱۶) ان کے بھائی عمرو بن محصن (۱۷) اُن کی ہمشیر اُم قیس بنت محصن (۱۸) حضرت شجاع بن ابی وہب بدری (۱۹) حضرت عقبہ بن وہب بدری (۲۰) حضرت اربد بن حمیرہ بدری (۲۱) حضرت منقذ بن نباتہ (۲۲) حضرت سعید بن رقیش اسدی (۲۳) حضرت یزید بن رقیش اسدی بدری (۲۴) حضرت محرز بن نضلہ اسدی بدری (۲۵) حضرت قیس بن جابر اسدی (۲۶) حضرت مالک بن عمرو اسدی (۲۷) حضرت صفوان بن عمرو اسدی (۲۸) حضرت ثقیف بن عمرو عدوانی بدری (۲۹) حضرت ربیعہ بن اکثم اسدی بدری (۳۰) حضرت زبیر بن عبیدہ اسدی (۳۱) حضرت تمام بن عبیدہ اسدی (۳۲) حضرت سخبرہ بن عبیدہ اسدی (۳۳) حضرت جذامہ بنت جندل (۳۴) محترمہ اُم حبیب بنت ثمامہ (۳۵) حضرت آمنہ بنت رقیش (۳۶) حضرت سخبرہ بنت تمیم رضی اللہ عنہم۔

ان کے بعد غالباً یہ بزرگ ہستیاں قدوم فرمائے دار الامان ہوئیں (۳۷) حضرت عمر بن خطاب بدری (۳۸) ان کے فرزند گرامی حضرت عبداللہ بن عمر (۳۹) ان کے بھائی حضرت زید بن خطاب (۴۰) ان کی صاحبزادی محترمہ حفصہ رض جو بعد میں اُمہات المومنین کے مبارک گروہ میں شامل ہوئیں (۴۱) محترمہ حفصہ رض کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ سہمی بدری۔ لیکن ان کے متعلق بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ براہ راست حبشہ سے مدینہ پہنچے تھے (۴۲) حضرت فاروق اعظم رض کے بہنوئی حضرت سعید بن زید بدری جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں (۴۳) اور حضرت

سعید کی بیوی محترمہ فاطمہ بنت خطّاب جو حضرت عمرؓ کی ہمشیر تھیں۔ یہ بزرگوار بھی حضرت عمرؓ کے قافلہ کے ساتھ تھے (۴۴) حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی (۴۵) حضرت عمرو بن سُراقہ عدوی بدری (۴۶) حضرت عبداللہ بن سراقہ عدوی بدری (۴۷) حضرت واقد بن عبداللہ تیمی بدری (۴۸) حضرت خولی بن ابی خولی بدری (۴۹) حضرت مالک بن ابی خولی جعفی بدری (۵۰) حضرت ایاس بن بُکیر بدری (۵۱) حضرت عاقل بن بکیر لیثی بدری (۵۲) حضرت عامر بن بکیر لیثی بدری۔ (۵۳) حضرت خالد بن بکیر لیثی بدری رضی اللہ عنہم۔

غالباً ان کے بعد (۵۴) حضرت عمرو بن عبدالمُطّلب بدری (۵۵) حضرت زید بن حارثہ (۵۶) حضرت اُسامہ بن زید (۵۷) حضرت اُسامہ کی والدہ حضرت اُمّ ایمن (۵۸) حضرت ابومسرح آنسہ بدری (۵۹) حضرت ابوکبشہ سلیم بدری (۶۰) حضرت عُبیدہ بن حارث بن مُطّلب بدری (۶۱) ان کے بھائی حضرت طُفیل بن حارث بن مُطّلب بدری اور (۶۲) حضرت حُصَین بن حارث بن مطّلب بدری (۶۳) حضرت سویط بن سعد بن حرملہ قرشی بدری (۶۴) حضرت کُلیب بن عُمیر عبدی بدری جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطّلب کے فرزند تھے (۶۵) حضرت خبّاب بن ارت تمیمی (۶۶) حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم عامری بدری (۶۷) حضرت شفاء بنت عبداللہ عدویہ (۶۸) جناب علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد (۶۹) حضرت فاطمہ بنت قیس (۷۰) حضرت مُصعب بن عُمیر (۷۱) امیر معاویہؓ کے ماموں حضرت ابوحذیفہ بن عُتبہ بن ربیعہ بدری (۷۲) ابوحذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہم۔

غالباً ان کے بعد ان بزرگانِ ملّت نے خدائے برتر کی رضا جوئی کے لیے اپنے وطن مالوف سے مفارقت اختیار کی۔ (۷۳) حضرت عثمان ذوالنورین بن عفّان اُموی بدری (۷۴) ان کی زوجہ طاہرہ سیّدہ رُقیّہ سلام اللہ علیہا بنت حضرت سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم (۷۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زُہری بدری (۷۶) امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں (۷۷) حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی (۷۸) اور ان کی بیوی محترمہ زینب بنت عبداللہ ابومعاویہ (۷۹) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری (۸۰) حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی (۸۱) حضرت شمّاس بن عثمان مخزومی بدری (۸۲) حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم (۸۳) حضرت عمرو بن عوف بدری جو عمرو بن سُہیل کے مولی تھے (۸۴) حضرت سُہیل بن بیضاء فہری بدری (۸۵) حضرت صفوان بن بیضاء فہری (۸۶) حضرت عمرو بن ابی عمرو مزنی (۸۷) حضرت تمامہ بن

عدی قرشی بدری (۸۸) حضرت معمر بن حارث جمحی بدری (۸۹) حضرت مسعود بن ربیع بدری (۹۰) حضرت عثمان بن مظعون جمحی (۹۱) اور ان کی بیوی محترمہ خولہ بنت حکیم (۹۲) حضرت عثمان کے بھائی حضرت قُدامہ بن مظعون بدری (۹۳) حضرت عبداللہ بن مظعون بدری (۹۴) ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمان بدری (۹۵) حضرت عُمیر بن ابی وقاص بدری (۹۶) حضرت ابو برزہ اسلمی۔ (۹۷) حضرت ابو مرثد غنوی بدری (۹۸) حضرت ابو فکیہہ یسار ازدی (۹۹) حضرت ابو یحییٰ خباب بدری مولیٰ عُتبہ بن غزوان (۱۰۰) حضرت وہب بن سعد بن ابی سرح عامری بدری (۱۰۱) حضرت عمرو بن ابی سرح فہری بدری (۱۰۲) حضرت عیاض بن زہیر فہری بدری (۱۰۳) حضرت عبداللہ بن مخرمہ عامری بدری (۱۰۴) حضرت سعد بن مالک زُہری بدری (۱۰۵) حضرت سعد بن خولہ قُرشی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ذی ثروت تارکینِ وطن کا مفلس و نادار ہو جانا

ان مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

اور ان حاجت مند مہاجروں کا حق ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے (جبراً و ظلماً) جدا کر دیے گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ (کے دین) کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ صادق (الایمان) ہیں۔ (۵۹ : ۸)

ان مہاجرین کرام کو حق تعالیٰ کی لسان وحی نے فقراء اس لیے کہا کہ یہ لوگ مکہ سے اُنہی کپڑوں میں نکلے جو ہر ایک نے پہن رکھے تھے مکہ معظمہ میں ان میں سے اکثر حضرات متمول تھے لیکن جب مدینہ پہنچے تو مفلس و نادار ہو کر پہنچے۔

حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت میں التوا

چونکہ مدینہ منورہ کے اندر بہت زیا[illegible] مہاجروں کے لیے کافی گنجائش نہ سمجھی گئی اس لیے اوائل میں مہاجرین کرام کی زیادہ تعداد قُبا میں اقامت گزیں ہوئی جو مدینہ منورہ کی بیرونی آبادی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قبا ہی کے ایک رئیس رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں ٹھیرے تھے۔ قُبا کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دوسروں کے ساتھ روانگی کی تیاری کی تھی لیکن خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیر جاؤ شاید مجھے بھی جانے کی اجازت مل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ تو

اکٹھے چلیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر نہایت محظوظ ہوئے اور خوشی کے لہجہ میں کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا واقعی اس کی اُمید ہو سکتی ہے کہ آپ کو بھی ترکِ وطن کی اجازت مل جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں بڑی امید ہے۔" یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے آپ کی رفاقت کے لیے اپنا جانا ملتوی کر دیا (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ کا بآوازِ بلند ترکِ وطن کا اعلان فرمانا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا تمام مہاجر چھپ چھپ کر گھروں سے نکلے تھے اور ساتھ کچھ نہ لے جا سکے تھے حضرت عمرؓ نے چلتے وقت تلوار، نیزہ اور تیر و کمان لے کر کعبہ معلیٰ کا رُخ کیا۔ اس وقت تمام رؤساء قریش صحن کعبہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آ کر نہایت اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم میں پوری دل جمعی اور تعدیل ارکان کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد بآوازِ بلند فرمایا کہ اُن لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جنہوں نے پتھروں کے ٹکڑوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اے گروہِ قریش! تم لوگوں کو معلوم ہو کہ میں مکہ سے جا رہا ہوں جس کسی کو اپنا بیٹا یتیم اور بیوی کو رانڈ کرنا منظور ہو وہ میرے پیچھے آئے اور جانے سے روک لے۔" کسی کی مجال نہ ہوئی کہ کچھ مزاحمت کرتا یا کسی بات کا جواب دیتا۔ حضرت عمرؓ دوسرے دن علی الصباح مع اہل و عیال روانہ ہو گئے (مدارج)

اندوختۂ عمری کے عوض میں متاعِ ایمانؓ کا سودا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا جس کسی نے ہجرت کرنی چاہی یا خفیہ جانے کا قصد کیا اور قریش کو پتہ چل گیا، انہوں نے ضرور مزاحمت کی۔ جب قریش کو حضرت ابو یحییٰ صُہیبؓ کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو قریش کی ایک جماعت نے پیچھا کیا جب قریب پہنچے تو حضرت صُہیبؓ اپنی سواری سے اُتر پڑے اور ترکش سے تیر نکال کر کہنے لگے قریش کے لوگو! تم مجھے جانتے ہو کہ میں ایک مشہور تیر انداز ہوں۔ اگر تم میرے قریب آئے تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خالی کروں گا۔ پھر تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ جب میں بالکل تھک جاؤں گا اس وقت مجھے پکڑ سکو گے۔ لیکن اتنے میں تمہاری بیسیوں لاشیں زمین پر نظر آئیں گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ ہاں اگر مال چاہتے ہو تو مکہ میں جہاں میرا مال رکھا ہے، سب بتلائے دیتا ہوں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ غرض انہوں نے اپنا تمام سرمایہ انہیں بتا کر اس کے عوض میں متاعِ ایمان کا سودا خرید لیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔

(ابن سعد، ابن ہشام، لباب النقول)

جب حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے محلہ قبا میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے ہاں قیام فرما ہوئے تو صہیبؓ وہاں پہنچے اور التماس کی یارسول اللہ! قریش مجھے تنہا دیکھ کر سد راہ ہوئے تھے۔ بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض میں اپنی جان لے کر حاضر ہوا ہوں۔" ارشاد ہوا ابو یحییٰ! تمہارا سودا بہت پر منفعت رہا (ابن ہشام، مستدرک حاکم) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :-

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ (۲ : ۲۰۷) (مستدرک حاکم)

اور لوگوں میں سے (کچھ نیک نفس بندے) ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں

ہجرت کے بعد شہر کے ایک حصہ کی ویرانی

مہاجرین عظام کی روانگی کے بعد شہر مکہ کا ایک حصہ بالکل ویران ہو گیا، ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا عتبہ بن ربیعہ نے ان خالی مکانوں کو دیکھ کر چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ہر ایک مکان کو گو وہ کتنی ہی مدت تک آباد اور خوش عیش رہا ہو آخر ایک دن غمکدہ بننا پڑتا ہے۔ اس کے بعد عتبہ بہت کچھ افسوس کر کے کہنے لگا کہ یہ سب کارستانی ہمارے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے جس نے ہم لوگوں میں نااتفاقی ڈال دی اور ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا (ابن ہشام)

حضرت عباسؓ کے التوائے ہجرت میں مصلحت

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کئی سال تک مکہ میں مقیم رہے۔ نہ تو وہ علانیہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور نہ ہجرت کی۔ شاید یہ تاخیر بھی مصلحت پر مبنی تھی۔ وہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے پنہانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں جو ضعفائے اسلام کفرزار مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے، حضرت عباسؓ تنہا ان کے ماویٰ و ملجا تھے (اسد الغابہ)

چند دوسرے صحابہؓ کی ہجرت میں ناگزیر تعویق

چند صحابہ کرامؓ کو بعض ناگزیر حالات کے ماتحت ترک وطن میں تعویق و تاخیر کرنی پڑی تھی۔ حضرت ہشام بن عاص رضؓ اپنے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کئی سال پہلے مشرف با یمان ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دوسروں کے ساتھ ہجرت مدینہ کا قصد کیا تو

باپ اور اہلِ خاندان نے انہیں قید کر دیا۔ عرصہ تک محصور و مقید رہے۔ غزوۂ خندق کے بعد جونہی ہجرت کا موقع ملا راہیِ مدینہ ہوئے (مستدرک حاکم)

حضرت مقداد بن عمروؓ بعض دشواریوں کے باعث مکہ نہ چھوڑ سکے۔ پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد جب کفر و اسلام میں باہم تصادم شروع ہوا تو یہ اور حضرت عُتبہ بن غزوانؓ مکہ کے ایک تجسس دستہ فوج کے ساتھ ہو لیے جو عکرمہ بن ابی جہل کے زیرِ قیادت مدینہ کو جا رہا تھا۔ راہ میں مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے جس کے سرگروہ حضرت عبیدہ بن حارث تھے مڈ بھیڑ ہوئی۔ یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور پھر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے (اسد الغابہ)

حضرت نعیم بن عبداللہ نحامؓ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خاندان بنو عدی کے چشم و چراغ تھے۔ جب مسلمان جوق جوق مدینۃ الرسول کے دارالامن میں پناہ گزیں ہونے لگے تو انہوں نے بھی دوسرے جاں نثارانِ رسولؐ کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا مگر وہ بنو عدی میں بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کے باعث اس قدر محبوب تھے کہ انہیں اپنے محسن کی مفارقت کسی طرح گوارا نہ ہوئی، اس لیے تمام عمائد و اعیانِ قوم نے مل کر ان سے التجا کی کہ آپ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے۔ آپ اسلام پر قائم رہیے۔ کوئی عدوِ اسلام آپ سے تعرض نہیں کر سکتا۔" اس وجہ سے ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ آخر سنہ ۶ ہجری میں اپنے چالیس اہلِ خاندان کے ساتھ ترکِ وطن کر کے مدینہ منورہ پہنچے (اسد الغابہ و اصابہ)

حضرت مسطح بن اُثاثہؓ بھی جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، ابتدا میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ تاہم وہ غزوۂ بدر سے پہلے اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مرثد بن ابی مرثد بھی ابتدا میں نہ جا سکے تھے لیکن غزوۂ بدر سے پہلے وہ بھی ہجرت کی دولتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہو گئے۔

فتح مکہ تک سلسلۂ ہجرت کا قیام

معلوم ہو کہ ہجرت کا سلسلہ برابر کئی سال تک قائم رہا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں فی الفور اتنی قوت نہ پیدا ہوئی تھی کہ اسلام ان مسلمانوں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکتا جو مدینۃ الرسول کے علاوہ اطراف و اکنافِ ملک میں بود و باش رکھتے تھے اور یہ حفاظت اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک مخالف قوتیں پارہ پارہ نہ ہو جائیں اور مخالفوں کے سب سے بڑے مرکز و مستقر مکہ معظمہ پر اہلِ اسلام کا عمل و

دخل نہ ہو جائے۔ اس لیے ہجرت کا سلسلہ اُس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کعبۂ معلیٰ پر توحید کا عَلَم نصب نہ ہو گیا۔ آخر فتح مکہ کے دن حسبِ روایت بخاری امام الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَاجِهَادٌ وَنِيَّة (فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے) اس اعلان کا باعث یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے کسی خاص مأمن کی حاجت نہیں رہی تھی، کیونکہ تسخیر مکہ کے بعد قریب قریب سارا جزیرۃ العرب مسلمانوں کے لیے دار العافیت بن گیا تھا۔

فصل ۲۱۷۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کے مصائبِ ہجرت

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا اصل نام ہند ہے، پہلے حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی اُن حضرات میں داخل ہیں جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ دونوں نے پہلے حبشہ کو اور وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینۃ الرسول کو ہجرت کی۔ مدینہ منورہ کی ہجرت میں حضرت اُم سلمہؓ کو جن ہولناک مصائب سے سابقہ پڑا وہ خود ان کی زبان سے سنیئے:۔

فرماتی ہیں کہ ہجرت کے وقت ہمارے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ میرے شوہر ابو سلمہؓ نے مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو اس پر سوار کرایا اور اس کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلے۔ اتنے میں بنو مغیرہ کو جو میرے میکے کا خاندان ہے معلوم ہوا کہ ابو سلمہ ہماری بیٹی کو مدینہ لیے جاتا ہے تو عجلت سے پہنچے اور مجھے اور میرے فرزند کو ابو سلمہ کے قبضہ سے چھین کر مکہ واپس لے گئے۔

بیٹے کا ماں سے چھینا جانا جب ابو سلمہؓ کے خاندان بنو عبدالاسد نے سنا کہ ابو سلمہؓ کو اس کی بیوی سے محروم کر دیا گیا ہے تو میرے میکے کے لوگوں کے پاس پہنچے اور میرے بیٹے سلمہ کو مجھ سے چھین کر بنو مغیرہ سے کہنے لگے کہ اگر تم لوگ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم بھی اپنے پوتے کو تمہاری لڑکی کے پاس نہ رہنے دیں گے۔ غرض ہم تینوں ایک دوسرے سے جدا کر دیے گئے اور میری یہ حالت تھی کہ غم کے مارے کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ اس اثنا میں ابو سلمہؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ میں عالمِ اضطرار میں روز مرہ علی الصباح گھر سے نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر دن بھر رویا کرتی اور شام کو گھر واپس آ جاتی۔ اسی حالتِ زار میں ایک

سال کا زمانہ گزر گیا۔

میکہ والوں کی طرف سے مدینہ جانے کی اجازت

آخر ایک دن میرے ایک عزیز کو میری حالت پر رحم آگیا اور خاندان کے بزرگوں کو جمع کر کے کہنے لگا تم نے ناکردہ گناہ کو اس کے بچے اور شوہر سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ میرے بزرگوں کو بھی ترس آگیا اور مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے دی میں نے اپنے سسرال والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ میں مدینہ جارہی ہوں۔ میرے بچہ کو میرے پاس بھیج دو۔" انہوں نے میری درخواست منظور کی۔ لیکن اب بڑی مشکل یہ تھی کہ ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ آخر میں اپنے بزرگوں سے منت سماجت کرنے لگی کہ مجھے تنہا ہی بھیج دو۔ میں اللہ کے بھروسہ پر اکیلی ہی سفر کروں گی۔" انہوں نے منظور کر لیا۔ میں سلمہؓ کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئی اور دیارِ رسولؐ کا راستہ لیا جب موضع تنعیم میں پہنچی تو وہاں کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ مل گئے۔ وہ میرا ارادہ معلوم کر کے پوچھنے لگے تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا صرف میں اور میرا بچہ۔ مجھے مدینہ پہنچانے کے لیے کوئی آدمی نہ مل سکا تو مجبوراً تنہا چل کھڑی ہوئی۔

حضرت عثمانؓ بن طلحہ کی شریف النفسی

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ عثمانؓ نے میری پریشان حالی پر رحم کر کے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور ہمیں مدینہ کو لے چلے۔ عثمانؓ کی نیک نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب منزل آتی اور ہمیں ٹھیرنا ہوتا تو وہ اونٹ کو بٹھا کر جھٹ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے اور میں پورے تستّر اور اطمینان کے ساتھ اتر آتی اور جب چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو تیار کر لاتے اور جب میں باطمینان بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چلنے لگتے۔ جب مدینہ طیبہ قریب آیا اور ہم بنو عمرو بن عوف کی آبادی سے گزرنے لگے تو عثمانؓ نے کہا کہ تمہارے شوہر ابو سلمہؓ اسی جگہ قبا میں ہیں۔ میں اونٹ سے اتر کر آبادی میں داخل ہوئی اور خدا خدا کر کے ان سے ملاقات کی اور عثمانؓ مکہ واپس آ گئے۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن طلحہؓ کے اس فیاضانہ و شریفانہ برتاؤ کی مدت العمر ثنا خواں رہیں۔ (اسد الغابہ)

یاد رہے کہ حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے اور محترمہ ام سلمہؓ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کی دختر فرخندہ اختر تھیں۔ حضرت عثمان بن طلحہؓ کے قبول اسلام کا واقعہ ان شاء اللہ العزیز کتاب "شمائل کبریٰ" میں آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

فصل ۲۱۸ - ابوجہل کا اپنے مہاجر بھائی کو مدینہ منورہ سے واپس لانا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی اکثریت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکی تھی اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا قصد فرمایا تھا تو حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔ حضرت سلمہ بن ہشام مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہ ابوجہل کے عم زاد بھائی تھے لیکن ماں دونوں کی ایک تھی۔

حضرت سلمہؓ کی گرفتاری حضرت سلمہؓ کی ہجرت کا واقعہ یہ ہے کہ دونوں نے رات کو حضرت عمرؓ سے صلاح کی کہ علی الصباح سرف کے مقام پر اکٹھے ہو کر مدینہ کا قصد کریں۔ اس قرارداد کے بموجب حضرت عمر فاروق اور حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہما تو مقام معہود پر پہنچ گئے لیکن حضرت سلمہ بن ہشامؓ کے عزم ہجرت کی اطلاع قریش کو ہو گئی اس لیے وہ گھر سے نکلتے ہی پکڑ کر قید کر دیے گئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ نے جناب سلمہ بن ہشامؓ کا بہت انتظار کیا۔ آخر ناامید ہو کر روانہ ہو گئے۔

جب ابوجہل کو حضرت عیاشؓ کی ہجرت کا علم ہوا تو وہ اپنے ایک غیر مسلم بھائی حرث بن ہشام کو ساتھ لے کر ان کے واپس لانے کے لیے مدینہ منورہ پہنچا۔ حضور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بلد الامین ہی میں تھے کیونکہ یہ ہجرت نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ابوجہل اور حرث وہاں پہنچ کر حضرت عیاشؓ سے ملے اور کہنے لگے بھائی! ایک دفعہ ہمارے ساتھ مکہ چلو اور اپنی ماں کو تسکین دے کر چلے آؤ۔ تمہاری والدہ تمہارے فراق میں بیمار پڑی ہیں اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کو نہیں دیکھ لیں گی، نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ سر میں کنگھی کریں گی۔ عیاشؓ ابوجہل کے چکمہ میں آ گئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عیاش کو واپس لیے جاتے ہیں تو آ کر ان سے ملے اور فرمایا عیاش! یہ سراسر فریب ہے۔ جب مکہ کی دھوپ تمہاری ماں کو تکلیف دے گی تو خود بخود اٹھ کر سایہ میں چلی جائے گی اور ضرورت ہو گی تو کنگھی بھی کرے گی۔ غرض میری رائے میں

تمہارا واپس جانا کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہے۔

حضرت عیّاشؓ پر ابوجہل کی ملمّع سازی کا جادو

لیکن عیاش رضی اللہ عنہ پر ابوجہل کی ملمع سازیوں کا جادو چل چکا تھا۔ کہنے لگے میں والدہ کی قسم پوری کر کے جلد واپس آ جاؤں گا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا اگر تم کسی طرح نہیں مانتے تو میری تیز رفتار اونٹنی لے جاؤ۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو جھٹ اس پر سوار ہو کر ان کی گرفت سے بچ جانا۔" حضرت عیاشؓ نے جناب فاروق اعظمؓ کی اونٹنی لی اور اس پر سوار ہو کر دونوں کے ساتھ چل پڑے۔

راستہ میں ایک جگہ ابوجہل حضرت عیاشؓ سے کہنے لگا بھائی! میرا اونٹ تو تمہارے ناقۂ باد پیما کے ساتھ چلتے چلتے بے دم ہو گیا۔ بہتر ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لو۔ عیاشؓ اس چال کو نہ سمجھ سکے۔ انھوں نے ابوجہل کو اپنے ساتھ سوار کرنے کے لیے اپنی اونٹنی بٹھائی۔

حضرت عیّاشؓ کا مشکیں کس کر مکہ معظمہؓ لایا جانا

یہ دونوں بھی اپنے اونٹوں سے اترے اور جب دیکھا کہ اب آسانی سے قابو پا سکتے ہیں تو بڑی چابک دستی سے انہیں جا دبوچا اور مشکیں کس کر مکہ لے چلے اور جو کوئی راہ میں ملتا، اس سے کہتے کہ جس طرح ہم اس احمق کو گرفتار کر لائے ہیں تم لوگ بھی اپنے احمقوں کو پکڑ لاؤ" ابوجہل ان کو گھر میں ماں کے پاس نہ لے گیا بلکہ اپنے حقیقی بھائی سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ زندان بلا میں ڈال دیا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ معظمہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ چند روز کے بعد آپ بھی ہجرت فرما کے مدینہ پہنچ گئے۔ آخر جنگ بدر کے بعد جب سیف اللہ خالد بن ولید کے حقیقی بھائی حضرت ولید بن ولید مدینہ سے مکہ لائے گئے تو ان کو بھی قید کر کے ان دونوں کے ساتھ ملحق کر دیا گیا لیکن کچھ مدت کے بعد حضرت ولیدؓ کو موقع مل گیا اور وہ قید سے نکل کر مدینہ منورہ جا پہنچے۔ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عیاشؓ اور سلمہؓ کا حال دریافت فرمایا۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ان دونوں پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں ایک ہی بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیے گئے ہیں۔

فصل ۲۱۹۔ شفیقِ عالمؐ کا ارشاد کہ کون بہادر ہے جو عیاش اور سلمہؓ کو قید سے چھوڑا لائے؟

ہجرت کے بعد ایک دن نبی علیہ السلام نے حضراتِ مہاجرین مکہ سے خطاب کر کے فرمایا تم میں کون ایسا بہادر ہے جو مکہ جائے اور عیاش اور سلمہؓ کو ظالموں کے پنجۂ ظلم سے نکال لائے۔ سیف اللہ خالد بن ولید کے بھائی حضرت ولید بن ولیدؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ غلام اس خدمت کے لیے حاضر ہے۔"

حضرت ولیدؓ کی مکہ کو روانگی

آپ نے فرمایا بہتر ہے تم جاؤ۔ وہاں کا لوہار سعادتِ ایمان سے مشرف ہو چکا ہے۔ اس کے ہاں جا کر ٹھیرو اور بڑے اخفاء اور رازداری کے ساتھ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ مجھے رسول اللہؐ نے بھیجا ہے دونوں میرے ساتھ نکل چلو" غرض آپ نے حضرت ولیدؓ کو رخصت کیا۔ ولیدؓ عزم و ثبات میں قدم رکھ کر عازمِ مکہ ہوئے۔ گو جان ہتھیلی پر تھی لیکن اپنے آقا و مولیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ و برکت پشتیبانی کر رہی تھی۔ ولید خفیۃً مکہ معظمہ پہنچ کر چپکے چپکے اس ٹوہ میں رہے کہ آج کل دونوں بلاکش کس جگہ محبوس ہیں۔ اتفاق سے ایک عورت کو دیکھا کہ کھانا سر پر رکھے جا رہی ہے۔ پوچھنے لگے بہن! تم کہاں جاتی ہو؟ بولی فلاں فلاں دو قیدی ہیں اُن کو کھانا کھلانے جا رہی ہوں۔" یہ بھی نظر بچا کر اس عورت کے پیچھے ہو لیے اور وہ مکان دیکھ آئے جس میں دونوں قید تھے۔

دیوار سے چڑھ کر قیدیوں کی زنجیر کاٹنا

اس مکان کی چھت نہ تھی۔ صرف چار دیواری تھی جس کا دروازہ مقفل رہتا تھا۔ جب رات کی سیاہ چادر فضائے عالم پر محیط ہوئی اور خلقِ خدا محوِ خواب ہو گئی تو حضرت ولیدؓ دیوار پر سے چڑھ کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ دونوں بلاکشوں سے مل کر رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا اور لوہار کی ہدایت کے بموجب دونوں کی آہنی زنجیر کے نیچے جو زیادہ موٹی نہیں تھی ایک بڑا پتھر رکھا اور زنجیر کی ایک کڑی پر تلوار رکھی اور ایک اور پتھر لے کر پوری قوت سے تلوار پر مارا۔ اس سے زنجیر کٹ گئی۔ حضرت ولیدؓ نے دونوں کو باہر لا کر اونٹ پر سوار کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو خالد

بن ولید کو جو ہنوز دولت ایمان سے بہرہ مند نہ ہوئے تھے کچھ آدمیوں کے ساتھ تعاقب میں روانہ کیا مگر ناکام رہے اور یہ تینوں عاشقان رسولؐ بخیر و خوبی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت ولید سے بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا (ابن سعد، ابن ہشام)

فصل ۲۲۰۔ مہاجرین عظام کے فضائل

انسان تھوڑی مدت تک مالی نقصانات اور جسمانی اذیتیں اور انواع و اقسام کے مصائب و آلام تو برداشت کر سکتا ہے بلکہ ایک مرتبہ جان پر کھیل کر حق فدویت بھی ادا کر سکتا ہے مگر یہ کام بہت مشکل ہے کہ اپنی مختصر سی زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل و عیال سے علیحدہ ہو جائے۔ خویش و اقارب کو چھوڑ دے۔ مال و منال سے دست بردار رہے اور اپنے تمام مالوفات زندگی پر بیکسی اور غریب الوطنی کو ترجیح دے۔

وطن، اہل و عیال اور جائداد سے دست برداری

حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دنیوی سود و بہبود سے بے نیاز اور خالی الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے اپنے وطن، اہل و عیال اور جائداد و املاک ہر چیز کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنا بڑا ایثار اور جذبۂ فدویت ہے کہ جس کی نظیر دوسرے مذاہب و ادیان کے تاریخی صفحات اور مذہبی طومار پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

حضرات مہاجرین میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ اس مقدس جماعت میں بلا استثنا ہر ایک کا دامن ایمان نفاق کے داغ سے پاک تھا۔ شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کا قول ہے کہ مہاجروں میں کوئی بھی (معاذ اللہ) منافق نہیں تھا۔ نفاق صرف انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا۔ جب مدینہ مطہرہ میں اسلام کو غلبہ و عروج نصیب ہوا اور وہاں کے دونوں مقتدر قبیلوں اوس اور خزرج کے مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسی محفوظ جائے پناہ مل گئی کہ جس کے ذریعے وہ اپنی حفاظت کر سکیں تو مضافات مدینہ کے اعراب اور بعض اہل مدینہ بظاہر حلقۂ ایمان میں داخل ہو گئے۔ یہی لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ اسی بنا پر نفاق

کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے مکی سورتوں میں نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جن حضرات کو ایمان کی دولت جاوید سے حصہ ملا تھا وہ خالصۃً للہ مشرف بایمان ہوئے تھے۔ انہیں اللہ اور اس کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل و عیال اور مال و دولت بلکہ جانِ عزیز سے بھی زیادہ محبوب تھے (منہاج السنہ للشیخ ابن تیمیہؒ)

مہاجرین کرام سے خدائی وعدہ

سورۂ نحل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس میں فرمایا تھا:-

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۴۱)

جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھی جگہ (امن و راحت) عطا کریں گے اور آخرت کا ثواب تو یقیناً اس سے بڑھ کر ہے۔ کاش وہ اس (کی تفصیل) کو جانتے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دنیا میں اچھی جگہ دینے کا وعدہ ہر قسم کی خیر و برکت کو شامل تھا۔ مہاجر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ہر طرح سے آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرنے لگے اور عزت و شوکت ہر ایک کے شاملِ حال رہی۔ جو بھی کسی نے کاروبار کیا اسی میں فروغ و ترقی نصیب ہوئی۔ مہاجرین میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو تو بالخصوص وہ عروج و اقبال نصیب ہوا کہ درویشانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود چار دانگ عالم میں ان کے اوج اور عظمت کا ڈنکہ بج گیا۔ پھر خلفائے راشدین میں حضرات شیخین (ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما) کی خلافت و حکومت سب سے زیادہ کامیاب اور منتظم تھی۔ حضرات مہاجرین کو دنیوی کامرانی اور فروغ سے جو حصۂ وافر ملا اس سے کہیں بڑھ کر وہ حسبِ وعدۂ خداوندی دارِ آخرت میں بڑے بڑے مدارجِ عُلیٰ پر فائز ہوں گے۔ پس جو حرماں نصیب افراد خلفائے ثلاثہ کو خصوصاً اور مہاجرین عظام کو عموماً (معاذ اللہ) مرتد اور منافق گمان کرتے ہیں وہ قرآن حکیم کے منکر اور خود فاقد الایمان اور راندۂ درگاہ ہیں۔

خلاصۂ اُمت حضرات مہاجرین ہیں

ربِّ ذی المنن اپنے کلام پاک میں سورۂ حشر کی آٹھویں، نویں اور دسویں آیت میں فرماتا ہے:-

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

(فَے کا مال منجملہ اور حق داروں کے) محتاج مہاجروں کا (حق) ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کیے گئے

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۸) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۹) وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۰)

(۵۹: ۸ - ۱۰)

اور وہ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہیں اور خدا اور اس کے رسول (یعنی دینِ حق) کی مدد پر مستعد ہیں یہی تو سچے (مسلمان ہیں اور (فئے میں) اُن کا بھی حق) ہے کہ مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ ان سے پہلے دارِ ہجرت میں رہتے اور ایمان میں داخل ہو چکے تھے) جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ دیا جائے یہ اس سے اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور (اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجر بھائیوں کو) اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو کوئی اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے اُن (مہاجرین و انصار) بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

آٹھویں آیت میں ربِ ذوالمنن نے فرمایا ہے کہ مہاجر جو ظلماً اپنے گھروں سے نکالے گئے سچے مسلمان اور صادق لوگ ہیں۔ نویں آیت میں مذکور ہے کہ انصار مہاجروں سے محبت کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انصار کی جو فضیلت ہے وہ مہاجروں کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے ہے۔ دسویں آیت میں ارشاد فرمایا کہ مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان قیامت تک پیدا ہوں گے اُن پر لازم ہے کہ وہ مہاجرین و انصا کے لیے دعا گو رہیں۔ ان تینوں آیتوں کے مطالعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ حضرات مہاجرین ہی خلاصۂ اُمت ہیں باقی سب ان کے طفیلی ہیں۔

ان آیات سہ گانہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُمتِ مرحومہ تین طبقوں پر منقسم ہے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ خدا نے تین درجے قائم کیے ہیں۔ پہلا درجہ مہاجروں کا۔ یہ درجہ ختم ہو چکا۔ اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا درجہ انصار کا، وہ بھی ختم ہو چکا اور اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ تیسرا درجہ اُن مسلمانوں کا ہے جو اِن دونوں کے بعد ہوں اور دونوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ یہ درجہ باقی ہے۔ اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ اِس درجہ میں داخل رہ کر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے لیے دعائے مغفرت و ترقی درجات کرتا رہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو کوئی ان کا دعا گو نہیں وہ مسلمان کہلانے کے باوجود اسلام سے بالکل بیگانہ ہے۔

محبوبِ ذوالمنن کا اعترافِ حقیقت

یہاں ایک امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ کسی مُحِب نے کہا تھا ؎

بجرمِ عشق توام می کشند غوغا ایست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا ایست

عُشاق ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ مجھ پر جو مصیبتیں آئیں، وہ محبوب کی وجہ سے آئیں اور ہمیشہ آرزومند رہے کہ محبوب بھی اس بیان کی تصدیق کرے ؎

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خون طپم و گوئی از برائے من است

مگر انھوں نے کبھی اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن ربّ السمٰوات والارض عزّ اسمہٗ نے سورۂ آلِ عمران کی ۱۹۵ ویں آیت میں جس کے الفاظ یہ ہیں فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ مہاجر لوگ میری راہ میں ستائے گئے۔ یہ وہ لطف و انعام ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک کسی محب نے اپنے محبوب کو اس سے سرفرازی نہیں بخشی تھی۔

فصل ۲۲۱۔ حضرت سید المرسلینؐ کی ہجرتِ مقدسہ

ہجرت انبیاء کا عام اصول

رب السمٰوات والارض کے برگزیدہ رسول دنیا میں مبعوث ہو کر جب دیکھتے کہ ان کی قوم پر گمراہی کی موت طاری ہے تو لوگوں

کو شیطانی تسلط اور بہیمی رذایل سے بچانے کے لیے دعوت و ابلاغ کا حق ادا کرتے۔ خالق کے ساتھ مخلوق کے بندگانہ تعلقات استوار کرنے کے لیے تمام امکانی ذرائع اختیار کرتے۔ لوگوں کے سامنے گلشن فردوس کی تصویر کھینچتے۔ جہنم کی ہولناکیوں سے خوف زدہ کرتے۔ ارتقاء انسانیت کے گر بتا کر دنیا میں روحانی انقلاب برپا کرنے کی کوشش فرماتے۔

ان مساعیٔ جمیلہ سے اثر پذیر ہو کر قلیل التعداد عالی فطرت افراد کو تو قبولِ حق کی توفیق ہوتی لیکن اُمتِ دعوت کی بہت بڑی اکثریت کوئے ضلالت میں سرگرداں رہ کر مخالفت و عناد کا شیوہ اختیار کیے رہتی۔ یہ لوگ ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہتے کہ ان کا داعی و مناد خدا کا فرستادہ نہیں۔ بنا بریں اس امید پر معجزات کا مطالبہ کرتے کہ خدا اعجاز نمائی میں اس کی مدد نہیں فرمائے گا۔ انبیاء علیہم السلام ان کو باذن اللہ معجزے دکھاتے۔ لیکن چونکہ احقاق حق ان اشقیاء کے پیش نظر نہیں ہوتا تھا، اعجاز نمائی پر بھی کٹ حجتی سے باز نہ آتے۔ جب معجزات بھی ان کے لیے دلیل راہ نہ بنتے اور دعوت توحید کا جواب بدستور زبان تیغ سے دیا جاتا تو ان نفوس قدسیہ کو حکم ہوتا کہ نافرمان اُمت کو اس کے حال زار پر چھوڑ کر ہجرت کر جائیں۔ آخر جب رسول کا بابرکت وجود ان کے درمیان سے اٹھ جاتا تو ان پر صاعقۂ عذاب نازل ہوتا۔ یہ تھا ہجرتِ انبیاء کا عام اصول۔

ہجرت سنتِ انبیاء ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خدا کے کسی نبی کو اس کے وطن کی فضا ساز گار نہ ہوئی اور اسے اپنے فرائض رسالت کی انجام دہی کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسرے موزوں مقام کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنانا پڑا۔ ابو الانبیاء حضرت خلیل علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک جس قدر نبی گزرے ان کے ہم وطنوں نے ان کی توہین و تکذیب کی۔ لیکن وہ ہمیشہ ضبط و تحمل سے کام لیتے رہے۔ آخر جب رب العالمین کا حکم آیا تو معاً گھر بار چھوڑ کر تن بتقدیر نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا وطن بابل تھا۔ وہ مدت مدید تک اپنے ہم وطنوں اور وہاں کے فرمانروا نمرود کو توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن جب تیغ جفا کے سوا دعوت و تبلیغ کا کوئی جواب نہ ملا تو آپ کو بائیبل کے الفاظ میں حکم دیا گیا کہ ”تو اپنے قرابتیوں میں سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل اور کنعان کو چلا جا۔ میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔“

چنانچہ آپ فرمان خداوندی کے ماتحت اپنے وطن کو چھوڑ کر کنعان چلے آئے۔

یوسف علیہ السلام کے تسلط اور حاکمانہ اقتدار کے بعد جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ اہل مصر اپنے پرانے دین کو چھوڑ کر قبول حق پر آمادہ ہیں تو اپنے وطن کنعان سے ہجرت کر کے مصر چلے آئے لیکن جب مرور زمانہ کے بعد اہل مصر نے یوسف علیہ السلام کے اُن احسانات کو طاق نسیان پر رکھ دیا جو انہوں نے ان کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کے لیے کیے تھے اور انہیں قطعاً نظر انداز کر کے بنو اسرائیل کو انواع و اقسام کی تکلیفات میں مبتلا کیا تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر اس غرض سے مصر کو الوداع کہا کہ کسی آزاد فضا میں رہ کر خدائے واحد کی عبادت کر سکیں۔

اسی طرح جب یہود نے مسیح علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ کے قتل کی سازش کی تو آپ نے آسمان کی طرف صعود فرمانے سے پہلے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں دین کی بنا پر ان کے وطن سے نکالا جائے کیونکہ ان کے لیے آسمانوں کی حکومت ہے"۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا "خوش رہو۔ شاد رہو کہ آسمانی حکومت میں تمہیں بہت بڑا ثواب ملے گا کیونکہ وہ نبی بھی جو تم سے پہلے تھے، اسی طرح نکالے جا چکے ہیں"۔

الغرض جب مکہ معظمہ میں حق و صدق کی مظلومی حد سے بڑھ گئی تو خدا کے آخری نبی حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیش رووں کی سنت کے مطابق حکم خداوندی کے ماتحت اپنے وطن مالوف سے ہجرت کرنے کا قصد فرمایا جہاں کے باشندوں نے احکام خداوندی کو از راہ نخوت پائے غرور سے ٹھکرا دیا تھا۔

ہجرت نبوی میں وجہ توقف

اس وقت قریب قریب تمام پیروان اسوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ جا چکے تھے اور یہاں صرف وہ ضعفاء رہ گئے تھے جن کو کسی نہ کسی مجبوری نے روک رکھا تھا۔ خود پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حکم خداوندی کے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے اور گو آپ اپنی مرضی مبارک سے کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے تاہم یہ امر بالکل یقینی تھا کہ آپ بھی جلد ہجرت کے لیے مامور ہوں گے، اسی بنا پر آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو ہجرت میں قدرے توقف کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ آخر چند روز کے بعد جب اعیان قریش نے بالاتفاق آپ کے قتل و جاں ستانی کا فیصلہ کیا تو آپ کو بھی منجانب اللہ ہجرت کا حکم آپہنچا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:-

دارالندوہ میں قریش کی باہمی مشاورت

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا حلقۂ اثر دن بدن وسیع ہو رہا ہے اور مسلمان طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور نہ صرف خود مکہ کے بہت سے لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کی ہے بلکہ عرب کے دوسرے شہروں کے لوگ بھی اسلام اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ مکہ کے جن لوگوں نے ہجرت کی ہے انہوں نے مذہب پر دنیا وما فیہا کو قربان کر دیا ہے اور نہ صرف مہاجر ہی یثرب جا کر اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) خود بھی وہیں جا کر مسلمانوں کی قیادت کرنے والے ہیں تو صورت حالات پر غور کرنے کے لیے دارالندوہ میں جو قصی بن کلاب کے مکان میں تھا ایک مخفی اجتماع کا انتظام کیا۔ اس اجلاس کے شرکاء میں قریش کے یہ افراد قابل ذکر ہیں: ابوسفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، ابولہب بن عبدالمطلب، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابوالبختری بن ہشام، طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر اور زمعہ بن اسود۔

جب اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو شرکائے مجلس میں سے ایک نے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بڑی جمعیت فراہم کر لی ہے۔ ان کے پیرو دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں اور مکہ کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں کے لوگ بھی اس دعوت پر بکثرت لبیک کہہ رہے ہیں۔ اس ترقی وعروج کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ کسی دن غلبہ پا کر ہمارے دین ومذہب کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیں گے اور از راہ انتقام ہمارا قلع قمع کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ ہمیں کل کلاں کوئی روز بد، دیکھنا پڑے۔ یہ بالکل یقینی امر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی افزائش قوت ہمارے زوال وفنا کو مستلزم ہے۔"

حضرت فخر عالمؐ کو قید کر دینے کی تحریک

دوسرا بولا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو فی الفور قید کر دو اور دروازے پر پہرے بٹھا دو اور ان سے وہی سلوک کرو جو پہلے شاعروں زہیر اور نابغہ کے ساتھ کیا گیا تھا کہ قید ہی میں ان کا دم نکل گیا تھا۔ تیسرے نے کہا یہ تدبیر ٹھیک نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب اطراف واکناف ملک سے جمع ہو کر تم پر حملہ بول دیں گے اور کاٹتے چھانٹتے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو صاف چھڑا لے جائیں گے۔

جلاوطنی کی تجویز

چوتھا کہنے لگا کہ اخراج اور جلائے وطن کی سزا ہی کافی ہے۔ محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) کے اخراج کے بعد ہمیں ہر طرح سے چین اور اطمینان حاصل ہو جائے گا اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی آ کر دوبارہ ہم میں مل جائیں گے۔ پانچواں بولا کہ یہ رائے تو پہلی سے بھی زیادہ ناقص ہے۔ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حُسنِ اخلاق اور شیرینیٔ کلام کو نہیں دیکھتے کہ جس سے ایک دفعہ بات کر لیتے ہیں اُس کو گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ اگر ان کو یہاں سے نکال دیا گیا تو وہ اپنی خوش کلامی کے زور سے قبائل کو مطیع کر کے انہیں تم پر چڑھا لائیں گے اور اپنے گھوڑوں کے سُموں سے تم کو ایسا پامال کریں گے کہ تمہارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ تدبیر کوئی ایسی ہونی چاہیے جو ہر لحاظ سے کامیاب اور بے ضرر ہو۔

قتل وجاں ستانی کا متفقہ فیصلہ

اب ابوجہل بن ہشام نے حاضرین سے خطاب کیا کہ اے عمائدِ قریش! میرے دماغ میں ایک ایسی چیز پیدا ہوئی ہے کہ جو کسی کو نہ سوجھی ہوگی اور میری رائے میں اس سے بہتر کوئی تدبیر ممکن العمل نہیں۔" سب نے کہا ابوالحکم! جلد بیان کرو وہ کیا تجویز ہے؟ ابوجہل نے کہا کہ ہم تمام قبائلِ قریش میں سے ایک ایک جوان انتخاب کر کے مسلح کریں اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) محو خواب ہوں تو رات کی تاریکی میں ان کے مکان کا محاصرہ کریں اور جب وہ اندھیرے میں نماز صبح کے لیے گھر سے نکلیں تو تمام جوان یکبارگی ٹوٹ پڑیں اور ان کا قصہ پاک کر دیں۔ چونکہ اس خون میں تمام قبائل برابر کے شریک ہوں گے۔ بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں گے اور لامحالہ خونبہا پر راضی ہو جائیں گے اور ہم آسانی سے خونبہا ادا کر کے اس قضیہ کا فیصلہ کر دیں گے۔ یہی ایک بے ضرر صورت ہے جس کی بدولت ہمیں تمام خرخشوں سے نجات مل سکتی ہے۔" سب نے ابوجہل کی تحسین کی اور اس ناپاک تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا (ابن ہشام و ابن سعد)

فیصلۂ قتل پر تقدیر ازلی کی خندہ زنی

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اس عزل بیابانی نے کس طرح دیا کو اس ابر رحمت سے محروم کر دینا چاہا جو کائنات ارضی کی تشنگیٔ سعادت کو سیراب کرنے کے لیے مکہ کے اُفق سے نمودار ہوا تھا اور کس طرح اس خلیفۃ اللّٰہ

ــہ عمرو بن ہشام معروف بہ ابوجہل کی کنیت اصل میں ابوالحکم (حکمتوں کا باپ) تھی لیکن اس کی ضلالت پسندی اور جہالت کوشیوں کے پیشِ نظر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام اس کو جیسا کہ مشہور ہے ابوجہل کی کنیت سے یاد کرنے لگے۔ چنانچہ مؤخرالذکر کنیت ایسی مشہور ہوئی کہ آج اس کو اس کی اصل کنیت سے کوئی نہیں جانتا۔

علی الارض کے سلسلۂ حیات کو منقطع کرنے کی سفیہانہ کوشش کی جس نے عالمِ انسانیت کو کفر و ثنیت کے طوق سے نجات دلائی تھی۔ ایک طرف تو قتل کے منصوبے ہو رہے تھے اور دوسری طرف قضا و قدر زیب رقم کرنے والا قلم انگشت بدنداں تھا ع

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے

اس وقت تقدیرِ ازلی کھڑی ہنس رہی تھی کہ آج ازراہ حماقت جس ذاتِ گرامی کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے، عنقریب اس کو زمینوں اور آسمانوں میں وہ عظمت اور سربلندی نصیب ہو گی کہ عرب رہتی دنیا تک اس کی ذاتِ گرامی پر فخر کرے گا اور دنیا کی کوئی سعید روح ایسی نہ ہو گی جو قیامت تک اُس کے بارِ احسانات سے سبک دوش ہو سکے اور اس کے وہ مفلوک الحالی احبائے صداقت کیش جو عالمِ بے بسی میں وطن سے بے وطن ہوئے ہیں، وہ عرب و عجم کے مالک ہو کر اپنی قوم کو آسمانِ جاہ کا آفتاب بنا دیں گے۔ مجوزین قتل میں سے اکثر انہی مقہور تارکانِ وطن کے حلف تیغ بنیں گے اور جو لوگ قتل و ہلاک سے بچ رہیں گے، نہ صرف وہ خود پیغمبر ہاشمی کی چاکری اور کفش برداری پر صد ناز و افتخار کریں گے، بلکہ ان کی تمام اولاد و احفاد بھی اسلام کا جامِ ہدایت نوش کرے گی۔

سازش قتل کے بعض شرکا،

اور یوں بھی دیکھو کہ سازش قتل کے شرکا میں بنو ہاشم کا رکن اور مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنصیب چچا ابولہب بھی داخل تھا۔ اس کے علاوہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادر زادہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو درہ میں خفیہ طور پر اپنی پھوپھی کے لیے غلہ لے جایا کرتے تھے اور ابھی دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے اور حضرت جُبَیر بن مُطعِم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت میں لے کر آستانِ مبارک تک چھوڑ گئے تھے اور ہنوز مشرف بایمان نہ ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حرب جو اپنے سارے خاندان سمیت چند سال کے بعد وابستگانِ نبوت کے زمرہ میں داخل ہونے والے تھے اور زمعہ بن اسود جو معاہدۂ قریش کے پھاڑنے میں پیش پیش تھا، بھی شریک تھے۔

یثرب چلے جانے کا حکم خداوندی

جب اکابرِ قریش نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) موت کے گھاٹ اتار دینے کا فیصلہ کیا تو رقیقہ بنت صیفی نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں فوراً آپ کو اس کی اطلاع دی اور ابن سعد

اس سے پیشتر حضرت روح الامین علیہ السلام بھی آپ کو قریش کے فیصلۂ قتل سے مطلع کر گئے یہ حکم خداوندی پہنچا چکے تھے کہ آپ آج ہی رات کے پچھلے حصے میں یثرب کا راستہ لیں۔

اس سفر میں رفاقت کے لیے کسی ایسے جان نثار کی ضرورت تھی جو آپ کا خاص دوست وہمدم اور محرمِ راز ہو۔ آپ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتا ہو اور اخلاص کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا شجاع وجانباز ہو اور شجاعت وجانبازی کے ساتھ نہایت عقیل اور مدبر بھی ہو۔ اس لیے اس سفر کی رفاقت کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

حضرت ابوبکرؓ کو فرمانِ ہجرت سے مطلع فرمانا

آپ نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عثمان معروف بہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو صحیح معنیٰ میں آپ کے جان نثار رفیق خاص اور راز دار تھے اس کی اطلاع دینے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر چادر ڈالے آرہے ہیں۔ اس وقت بڑی شدت کی گرمی پڑ رہی تھی آپ نے وہاں پہنچ کر حسب معمول اندر آنے کی اجازت چاہی. اس وقت حضرت صدیقؓ ایک چوبیں تخت پہ بیٹھے تھے۔ تخت سے اُتر کر کھڑے ہوگئے اور کہا تشریف لائیے" (بخاری وابن جریر طبری)

سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز دو مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت کبھی قدم رنجہ نہ فرمایا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو یقین ہوا کہ کوئی اہم امر درپیش ہے۔ جب آپ مکان میں داخل ہوئے تو جناب صدیقؓ نے تعظیم بجالا کر بڑے احترام کے ساتھ آپ کو تخت پر بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے"۔ حضرت صدیقؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میرے گھر والوں کے سوا کوئی نہیں ہے. آپ بلا تأمل ارشاد فرمائیے (بخاری وابن ہشام)

فرطِ مسرت سے حضرت ابوبکرؓ کی اشک باری

آپ نے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے اور میں آج ہی رات یثرب جانے والا ہوں"۔ حضرت صدیقؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا مجھے بھی شرف ہمرہی حاصل ہوگا؟ ارشاد ہوا ہاں آپ میرے ساتھ چلیں گے (بخاری) یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ غایت فرح میں اشک بار ہوگئے۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تک میں نے اس روز اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو روتے نہیں دیکھا مجھے

معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص خوشی سے بھی روتا ہے (ابن جریر طبری)

حضرت صدیق رضؓ کے مکان پر سفر کی تیاری

اب حضرت عائشہ رضؓ اور ان کی بڑی بہن جناب اسماء رضؓ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ تھیں، والد محترم کے حکم سے دونوں حضرات کا سامان سفر درست کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ دسترخوان میں کچھ کھانا لپیٹ دیا گیا۔ دسترخوان اور پانی کا ظرف باندھنے کے لیے حضرت اسماء رضؓ کو کوئی چیز نہ ملی تو اپنے والدِ محترم سے کہنے لگیں کہ مجھے اپنے نطاق کے سوا کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی جس سے ان کو باندھ سکوں۔" حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا کہ نطاق کے دو ٹکڑے کر ڈالو۔ ایک سے دسترخوان کو باندھ دو اور دوسرے سے پانی کا مشکیزہ۔ حضرت اسماء رضؓ نے نطاق کو طولاً چیر کر اس کی دو پٹیاں کر دیں۔ ایک سے تو مشکیزے کا دہانہ باندھا اور دوسرے سے دسترخوان جس میں کھانا تھا۔ اس دن سے حضرت اسماء رضؓ کا لقب ذات النطاقین مشہور ہوگیا (بخاری وغیرہ) نطاق عربی میں کمربند کو کہتے ہیں۔ عرب میں عورتیں اپنی ساری یا تہبند پر ایک چوڑی سی پٹی کس کر باندھ دیا کرتی تھیں۔ اسی کو نطاق کہتے تھے۔

حضرت علی کو امانتیں پہنچانے کے لیے پیچھے چھوڑنا

اب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امانتوں کے مسئلہ پر توجہ فرمائی۔ قریش آپ کے دشمن جان تھے تاہم آپ کی ذات گرامی پر اتنا اعتماد تھا کہ شہر میں جس کسی کے پاس کوئی قابل حفاظت چیز ہوتی وہ آپ کی مسلمہ دیانت و امانت کی بنا پر آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آں جنابؐ کے پاس لوگوں کی بہت سی امانتیں موجود تھیں۔ چونکہ اس وقت بذاتِ خود لوگوں کے پاس جا جا کر امانتیں پہنچانا محال تھا اس لیے آپ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضؓ کے سپرد کر دیں اور ان سے فرمایا میں تو آج رات جا رہا ہوں۔ تم فی الحال لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لیے یہیں ٹھیر جاؤ۔ اس کام سے فراغت پا کر یثرب پہنچ جانا (بخاری وابن سعد) اس وقت حضرت ابوبکر رضؓ کے گھرانے اور حضرت علی رضؓ کے سوا مکہ معظمہ میں کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز سے واقف نہ تھا۔

آستانِ نبوت کا محاصرہ

عشاء کے بعد جبریل علیہ السلام نے آکر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر جس پر معمولاً استراحت

فرماتے ہیں نہ سوئیں۔ اس وقت آپ گھر ہی میں تشریف فرما تھے۔ عازمین قتل حسب قرارداد عشاء کے بعد آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اس وقت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا عنفوانِ شباب تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ دشمن آ گئے ہیں تو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔ تم کو دشمنوں کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ حضرت علیؓ چادر اوڑھ کر صحن دار میں بستر پر دراز ہو گئے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے۔ اس وقت ابوجہل اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقولہ ہے کہ اگر تم لوگ میری پیروی کرو تو عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد پھر زندہ کیے جاؤ گے اور تم کو اردن کے ایسے باغات دیے جائیں گے اور اگر تم میری بات نہ مانو گے تو ذبح کر دیے جاؤ گے اور مرنے کے بعد تم کو زندہ کر کے آتشِ جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا"۔ آپ نے گھر سے برآمد ہو کر فرمایا ہاں میں یہ کہتا ہوں اور جو لوگ نذرِ آتش ہوں گے اُن میں تو بھی داخل ہے"۔

خدائے قدیر نے ان کی آنکھیں پٹ کر دی تھیں۔ انہوں نے آپ کو نہ دیکھا اور گمان کیا کہ شاید یہ آواز گھر کے اندر سے آئی ہے۔ آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے ان کے بیچ میں سے نکل گئے۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (۹:۳۶)

اور ہم نے ان کے سامنے اور عقب سے ایک دیوار حائل کر دی کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے تھے۔

اتنے میں کسی شخص نے جو ان کی ٹولی میں داخل نہ تھا آ کر کہا کہ تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔ اس نے کہا میں نے تو محمدؐ کو ابھی تمہارے پاس سے جاتے دیکھا ہے۔ انہوں نے اندر کی طرف جھانکا تو حضرت علیؓ کو دیکھا جو پیغمبر علیہ السلام کی چادر تانے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاید اُس شخص کی بات کو مذاق پر محمول کیا اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ لازماً وہ محمدؐ ہے جو اپنی چادر اوڑھے سو رہا ہے لیکن دن چڑھے ان کو معلوم ہوا کہ جو بات ان سے کہی گئی تھی وہ سچ تھی (ابن جریر)

اسمائے محاصرین

محاصرین کی جماعت ان افراد پر مشتمل تھی: ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی مُعیط، ابولہب بن عبدالمطلب، اُبی بن خلف، اُمیّہ بن خلف، نضر بن حارث،

ابن غیطلہ، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، بنیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور حکم بن ابوالعاص ۔ یہ لوگ کواڑ کے سوراخوں میں سے حضرت علیؓ کو لیٹے دیکھ کر بزعم خود بار ہا پوری طرح اطمینان کر لیتے رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بستر پر موجود ہیں (ابن سعد)

ان لوگوں کو گھر میں گھس کر حملہ آور ہونے میں بھی باک نہ ہوتا لیکن عرب میں سختی سے یہ رواج قائم تھا کہ کسی کے گھر میں بلا اذن و اجازت کسی حالت میں قدم نہیں رکھتے تھے اور اسے سخت معیوب سمجھتے تھے ورنہ انہیں باہر گھر کے دروازے پر انتظار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سوا کوئی متنفس اس راز سے واقف نہ تھا کہ آج مکہ کی فضا کئی سال کے لیے نیر رسالت کی ضیا پاشیوں سے محروم ہو جائے گی۔ آپ محاصرین کی سخت ناکہ بندی میں سے نکل کر سیدھے حضرت صدیق اکبرؓ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی تیار اور سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس سے پیشتر اندھیری رات میں راستہ بتانے کے لیے عبداللہ بن ارقد نام ایک غیر مسلم کو اجرت پر مقرر کر لیا تھا۔ جناب صدیقؓ نے اس سفر کے لیے دو اونٹ بھی مہیا کر رکھے تھے جو چار مہینہ سے خوب کھا کھا کر فربہ ہو رہے تھے۔ اور چلنے سے پہلے دونوں اونٹ عبداللہ بن ارقد کے حوالے کر کے تاکید کر دی تھی کہ وقت معہود پر ہمارے پاس پہنچا دینا۔ آپ نے رات کا کچھ حصہ حضرت صدیقؓ کے مکان پر گزارا۔ اس کے بعد دونوں حضرات نے ایک کھڑکی میں سے جو حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی پشت میں تھی، نکل کر کوہ ثور کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے روانگی کے وقت اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ شہر میں ہمارے متعلق قریش کے حلقوں میں جو جو چہ می گوئیاں ہوں رات کے وقت غار میں پہنچ کر بیان کر آیا کرنا' اور اپنے چرواہے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دن بھر بھیری بکریوں کو چرائیں اور رات کو ہمارے پاس غار کے موتہ پہ لے جایا کریں (ابن جریر طبری)

اس روز ربیع الاول کی پہلی تاریخ اور پنجشنبہ کا دن تھا (وفاء الوفا)

حضرت صدیقؓ کا تمام اندوختہ عمری ساتھ لے جانا

سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کچھ حصہ حضرت صدیقؓ ہی کے گھر میں بسر کیا۔ پچھلی رات کو دونوں حضرات جناب ابوبکرؓ کے مکان کی کھڑکی سے نکلے۔ چونکہ حافظ حقیقی ناصر و یاور تھا۔ معاندین کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس وقت جس قدر زر نقد تھا وہ انہوں نے ساتھ لے لیا۔ اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں

کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایمان لائے ہیں تو اس وقت ان کے پاس مال تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درہم نقد تھے۔ اس جمع کے علاوہ منافع تجارت سے ملاخل کا بھی وسیع سلسلہ جاری رہا لیکن انھوں نے قبول اسلام کے بعد اتنا زر و مال فی سبیل اللہ خرچ کیا کہ جس روز حضرت فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ارض طیبہ میں پہنچے ہیں تو اس وقت ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کاروبار تجارت بڑا وسیع تھا لیکن انفاق فی سبیل اللہ کا یہ عالم تھا کہ جس روز ان کا وصال ہوا ہے اس وقت ایک درہم بھی پس انداز نہیں کر گئے (اصابہ)

حضرت ابوبکر رضؓ کے والد ابو قحافہ عثمانؓ جو بڑے ضعیف العمر تھے، اور بصارت سے محروم ہو چکے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ اُن کی روانگی کے بعد اپنی بڑی پوتی اسماء رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے بیٹی! میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ تمہیں دوہری تکلیف میں ڈال گیا ہے۔ خود بھی چلا گیا اور سرمایہ بھی سب لے گیا ہے۔" باوجودیکہ حضرت ابو قحافہ رضؓ کا یہ گمان بالکل صحیح تھا لیکن حضرت اسماءؓ ان کی تسکین خاطر کے لیے کہنے لگیں دادا جان! وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ رضؓ کہنے لگے اچھا مجھے دکھاؤ تو جناب اسماء رضؓ نے جھٹ ایک پتھر لے کر اس پر کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ رہتا تھا وہاں رکھ دیا۔ اور پھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئیں اور کہنے لگیں دیکھ لیجیے یہ سب نقد موجود ہے"۔ ابو قحافہ اسے ٹٹول کر کہنے لگے خیر! جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو ابوبکرؓ کے جانے کا چنداں غم نہیں"۔ حضرت اسماء رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے یہ کارروائی محض دادا صاحب کے اطمینان کے لیے کی تھی ورنہ والد بزرگوار تو سب کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لیے ساتھ لے گئے تھے (ابن جریر طبری، ابن ہشام، حاکم فی المستدرک)

رؤسائے قریش کی ذلت اور خواری کی پیشین گوئی

جب آسمان رحمت کے دونوں مہر و ماہ شہر کی آبادی سے باہر نکلنے لگے تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۂ معلیٰ کی طرف رُخ کر کے فرمایا اے مکہ! تو مجھے روئے زمین کی آبادی میں سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ اگر تیرے فرزند مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں یہاں سے کبھی علیحدہ نہ ہوتا (ابن ہشام، ابن جریر، ابن سعد) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝

اور اے نبی! آپ کی اس بستی (مکہ) سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو جلاوطن کیا ہے، کتنی بستیاں قوت (اور جمعیت) میں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا

(۴۷ : ۱۳)	اور ان کو کوئی حامی و ناصر نہ مل سکا۔ (لباب النقول)

اس آیت میں رب السموات والارض عز اسمہٗ نے فرمایا کہ عہد سابق میں خدائے قہار قریش سے کہیں پُرشکوہ اور صاحب شوکت قوموں کو ذلت و خواری کے گڑھے میں ڈال کر نابود کر چکا ہے۔ اگر یہ لوگ بھی مخالفت اور سرتابی سے باز نہ آئیں گے تو وہی ذلت و خواری ان کے سر پر بھی مسلط کی جائے گی چونکہ اعیان قریش کسی طرح عناد و سرکشی سے باز نہ آئے اس لیے خدائے قدیر کے وعدہ کے موافق اس کے تھوڑے ہی دن بعد جنگ بدر میں تمام بت پرست صنادید مکہ سخت ذلت و خواری کے ساتھ چاہ ہلاک میں گرائے گئے اور ان کی لاشیں بے گور و کفن ایک گڑھے میں ڈالی گئیں اور دس سال کی مدت کے اندر فتح مکہ کے دن وہ بت بھی توڑے گئے جن کی حمایت و صیانت میں قریش نے اللہ کے برگزیدہ رسول کو جلائے وطن کیا تھا۔

محاصرین کی بدحواسی

محاصرین کی نابکار جماعت ٹولی رات بھر منتظر رہی کہ کب صبح ہو اور وہ اپنے عزیز ترین مقصد کو عملی جامہ پہنائے۔ لیکن ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جب علی الصباح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ حضرت علیؓ آپ کے بستر سے اُٹھے تو محاصرین سخت بدحواس ہوئے اور جناب علی مرتضیٰ رضہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم ان سے کہا کرتے تھے کہ یہاں سے چلے جاؤ وہ کہیں چلے گئے ہیں۔ اکابر قریش غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ حضرت علی رضہ کو بہت ڈانٹا اور مارا پیٹا و مسجد حرام لے جا کر تھوڑی دیر تک محبوس رکھا اور پھر چھوڑ دیا (ابن جریر طبری)

حق تعالیٰ نے اس روز اپنے رسولؐ پر جو وحی نازل فرمائی اس میں یہ آیت بھی تھی ؛

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ط وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝	اور اے ہمارے رسول! وہ وقت یاد کرو، جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے تاکہ آپ کو گرفتار کر رکھیں یا مار ڈالیں یا خارج البلد کر دیں۔ کافر اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ تمام تدبیر کرنے والوں سے اچھی تدبیر والا ہے۔
(۸ : ۳۰) (ابن جریر طبری)	

تلاش

اب قریش کے سر آوردہ رؤسا، حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے مکان پر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی۔ اس وقت تک عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ حضرت

اسماءؓ دروازے پر آئیں۔ ابوجہل نے پوچھا لڑکی! تمہارا باپ کہاں ہے؟ کہنے لگیں کہ وہ کہیں گئے تو ضرور ہیں لیکن وہ جاتے وقت یہ بتا کر نہیں جایا کرتے کہ کہاں جاتے ہیں"۔ ابوجہل نے غضب ناک ہو کر اس معصومہ کے چہرے پر بڑے زور سے تھپڑ کھینچ مارا (تاریخ ابن جریر طبری و کنز العمال بحوالہ ابن اسحٰق) اور وہ مجبوروں کی جان پر صبر کر کے ضبط کر گئیں۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں ہر طرف تلاش کیا جانے لگا اور جب معلوم ہوا کہ نہ آپ اپنے مکان پر ہیں اور نہ حضرت ابوبکرؓ یا عزیزوں میں سے کسی کے گھر پر تو اعدائے دین نے ہر طرف آپ کی تلاش شروع کی۔ مکہ کی بستی کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن آپ کا کہیں سُراغ نہ ملا۔ یہ گم شدگی اور اس قدر پُراسرار گم شدگی دشمنوں کے لیے بے انتہا حسرت اور پریشانی کا موجب بن گئی۔ حسرت اس پر تھی کہ آج جس فیصلہ کن انجام کی تکمیل پیش نظر تھی وہ صورت پذیر نہ ہو سکی۔ جس آرزو اور ذوق و شوق سے تعصب و انتقام کی پیاس بجھانی تھی وہ بجھائی نہ جا سکی اور حیرانی و پریشانی یہ تھی کہ اس مکان سے جس کا شب بھر محاصرہ رہا اور اس شدید نگرانی میں جس کا رات کے ہر لمحہ میں اہتمام تھا آخر یہ جانے والا کب چلا گیا؟ کیونکر چلا گیا؟ اور کہاں چلا گیا؟

غارِ ثور پر ورود

جب دونوں حضرات مکہ سے نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راہ میں کبھی تو آپ کے آگے آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے اور کبھی داہنی یا بائیں طرف چلنے لگتے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! جب دل میں یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دشمن کمین گاہ سے نہ نکل آئے تو اس کی مدافعت کے لیے آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب یہ کھٹکا پیدا ہوتا ہے کہ کوئی دشمن تعاقب میں نہ آ رہا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ اور داہنے بائیں بھی آپ کی حفاظت کے لیے ہوتا جاتا ہوں کہ مجھے حضور کی نسبت خوف لگا ہوا ہے۔

رات کی تاریکی میں پتھریلی زمین پر چلنے اور ٹھوکریں کھانے سے دونوں حضرات کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائے مبارک کا انگوٹھا بالخصوص زیادہ زخمی ہوا جس سے بہت زیادہ خون بہنے لگا یہاں تک کہ پاپوش خون سے بھر گئی (ابن جریر) حضرت صدیق اپنے مولیٰ و آقا کے پائے مبارک کو مجروح دیکھ کر سخت افسردہ خاطر ہوئے اور باوجودیکہ خود بھی زخمی ہو رہے تھے لیکن ان کا جذبۂ صدیقیت اس حالت کو قطعاً گوارا نہ کر سکا کہ آپ کے پائے مبارک مزید زخموں کی تکلیف گوارا کریں اس لیے آپ کو اپنے شانہ پر بٹھایا اور اسی طرح آپ کے

اپنے اوپر سوار کیے ہوئے جبلِ ثور تک پہنچے۔ پس زہے نصیب جناب ابوبکر صدیق کے کہ جن کے دوش پر شاہ نبوت نے قدم رکھ کر قطع مسافت فرمایا۔ جبلِ ثور وہی پہاڑ تھا جس کے غار میں دونوں حضرات کو پہنچ کر سردست اپنے آپ کو مخفی کرنا تھا (بیہقی فی الدلائل)

حضرت صدیق اکبرؓ کا ڈسا جانا

یہ غار جو مکہ معظمہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے، اس وقت ہوام و حشرات کا مسکن بنا ہوا تھا اور گمان غالب ہے کہ اس سے پیشتر کوئی انسان اس میں کبھی داخل نہ ہوا ہوگا۔ جب دونوں جہان کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں داخل ہونے کا قصد فرمایا تو جناب صدیق اکبرؓ نے آپ کو قسم دے کر بصد سوزِ دل گزارش کی یا رسول اللہ! پہلے مجھے غار میں داخل ہونے دیجیے تاکہ اگر حشرات وغیرہ کوئی موذی چیز وہاں موجود ہو تو اس کا ضرر و زیان مجھے پہنچے اور آپ اس کے گزند سے محفوظ رہیں۔" چنانچہ آپ اندر جانے سے رک گئے اور حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہو کر جھاڑو دینے لگے۔ جب اس کام سے فراغت پائی تو غار کی ایک طرف چند سوراخ نظر آئے۔ انہوں نے اپنی قبا پھاڑ پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کر دیا۔ لیکن ایک سوراخ باقی رہ گیا جس کے بند کرنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ ناچار اس پر اپنی ایڑی جما دی۔ اس کے بعد آنحضرت سے درخواست کی کہ اب آپ تشریف لے آئیے۔ آپ غار میں داخل ہوئے اور حضرت صدیقؓ کی درخواست پر ان کی گود میں سر رکھ کر استراحت فرمانے لگے۔ سانپ نے سوراخ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی کو کاٹ کھایا اور آناً فاناً ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ لیکن شدت درد کے باوجود انتہائی ضبط کیا اور اس خیال سے اپنے جسم میں ذرا بھی جنبش نہ آنے دی کہ مبادا حضور خواب سے چونک پڑیں۔ لیکن جب شدت کرب سے حضرت صدیقؓ کے آنسو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر پڑے تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا کیا ہوا؟ عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے سانپ ڈس گیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن وہاں لگا دیا۔ معاً درد موقوف اور ٹیسیں برطرف ہوئیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے آخری ایام حیات میں یہی زہر جسم میں پھر سرایت کر گیا اور وہ اسی کے اثر سے شہید ہو کر رحلت گزینِ عالم آخرت ہوئے (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

حضرت ابوبکرؓ کی ایک سعید رات اور ایک سعید دن

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری عمر بھر کی نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے عملوں کی برابر ہو جائیں۔ رات تو یہی شب ہجرت تھی (جس

کی تفصیل ابھی قلبند ہوئی) اور دن کا عمل یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بہت سے قبائلِ عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے فریضۂ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوہِ استقامت بن کر تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ مجھے اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسّی تک جو عہدِ نبوی میں بھیجا کرتے تھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ بعض صحابہؓ نے اس بارہ میں اختلاف کیا اور کہا کہ یہ اسلام پر بڑا نازک وقت ہے اس لیے تالیفِ قلوب سے کام لینا مناسب ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے بطلِ جلیل نے بھی نرمی کرنے کی صلاح دی لیکن جناب صدیق اکبرؓ نے کہا اے عمر! تم جاہلیت میں تو بڑے شجاع تھے۔ کیا اب اسلام لا کر بزدل ہو گئے ہو؟ اور فرمایا کہ وحیٔ الٰہی منقطع ہو گئی اور دین کامل ہو چکا۔ کیا دینِ حق تکمیل کے بعد از سرِ نو میری زندگی میں ناقص ہو جائے گا؟ الغرض حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے خلاف جہاد کر کے سفینۂ ملّی کو گردابِ فنا سے بچا لیا) (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ رزین)

اعداء کا غارِ ثور پر پہنچنا

جب مکہ مکرمہ اور مضافات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا کوئی سراغ نہ ملا تو دشمنانِ دین نے دو کام کیے۔ پہلا یہ اعلان کرنے کے لیے چاروں طرف آدمی دوڑا دیے کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے گا یا زندہ گرفتار کر لائے گا اس کو دونوں کے عوض میں سو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ (مستدرک حاکم) دوسرا قیافہ شناسوں کو بلایا گیا۔ شہر میں قائف یعنی نشان ہائے قدم کو دیکھ کر راستہ کا کھوج لگانے والے متعدد ماہر موجود تھے۔ انہوں نے آپ کے نقشِ قدم کو بھانپ کر رہبری شروع کی۔ اعدائے حق کا گروہ ان کے ہمراہ ہوا۔ یہ لوگ نشان ہائے قدم کی پیروی کرتے کرتے کوہِ ثور کے دہانہ تک جا پہنچے۔ قیافہ شناسوں نے کہا کہ نشانہائے قدم کے رو سے یہاں تک آنا ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں جن دو شخصوں کی تلاش ہے، انہیں یہیں کسی جگہ موجود ہونا چاہیے۔ اعدائے دین پہاڑ پر چڑھ کر نشیب و فراز میں پھرنے اور پہاڑ کے چکر کاٹ کاٹ کر متجسس نگاہوں سے ہر طرف دیکھنے لگے۔ آخر پھرتے پھراتے پہاڑ کے اُس مقام پر آ کھڑے ہوئے جہاں پہاڑ کا مونہہ بالکل سامنے ان کے قدموں کے نیچے تھا۔

حافظِ حقیقی کی عون و نصرت کا یقین

ایسے نازک وقت میں تشویش و اضطراب کا اثر ایک فطری امر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اعداء کے

قدموں کو اپنے سروں کے برابر دیکھ کر التماس کی یا رسول اللہ! دشمن ہمارے سر پر آپہنچا۔ اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ گئی تو ہم کو دیکھ لے گا۔" لیکن خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس سے آپ کے اُس استقلال، اطمانیتِ قلب اور تعلق باللہ کا پتہ چلتا ہے جو خاصانِ بارگاہِ اُحدیت کے سوا دوسروں کو میسر نہیں۔ آپ نے رُوحانیتِ عظمٰی کے پُراطمینان لہجہ میں فرمایا کہ آپ غم زدہ نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ہم دو کو دشمن کا کیا غم ہو سکتا ہے جبکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدائے برتر بھی ہے اور اس کی عون و نصرت ہماری نگہبان ہے (بخاری و مسلم) آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ آپ غمزدہ نہ ہوں اور یہ نہ کہا کہ خوف نہ کھائیے کیونکہ رسول اللہ کے غمِ جان نے ان کو اپنی جان سے بالکل بے نیاز کر رکھا تھا۔

مخبرِ صادقؐ کا ارشاد کہ شوءِ انجام مقدر نہیں ہے

حضرت صدیق اکبرؓ جب دیکھتے تھے کہ شاہِ ہر دو سرا ایک تیرہ و تار غار میں پناہ گزیں ہے اور جس طرح ماہتاب کسی وقت ابر کے پیچھے چھپ جاتا ہے، اسی طرح ماہِ نبوت غار میں مستور ہے۔ اور جس ذاتِ گرامی کا عروج سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے بلکہ شاید لامکاں تک ہوا تھا وہ آج ایک تنگ و تاریک کنجِ عزلت میں پڑا ہے تو یہ حالت ان کے دل کلفت منزل کو پارہ پارہ کر رہی تھی۔ انہوں نے بصد سوز التماس کی یا رسول اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو اس کا اثر میری ذات تک یا میرے اہل و عیال تک محدود رہے گا لیکن اگر خدانخواستہ آپ پر کوئی آنچ آئی تو ساری امت تباہ ہو جائیگی اور دنیا میں خدائے قدوس کا نام لیوا بشکل کوئی باقی رہ سکے گا۔" لیکن آپ نے انہیں ہر طرح سے تسلی دی اور فرمایا اس قسم کا انجام مقدر نہیں ہے (الروض الانف وغیرہ)

غار کے مونہہ پر مکڑی کا جالا تننا

ع دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

جہاں ایک طرف اعدائے دین محبوب رب العالمین پر قابو پانے کے لیے ہزاروں جتن کر رہے تھے، تو دوسری طرف حافظِ حقیقی کی قدرت قہرمان بھی اپنی تدبیر سے غافل نہیں تھی۔ اعداء کی آمد سے پہلے جونہی آسمانِ ہدایت کے دونوں مہر و ماہ غار میں داخل ہوئے تھے، جھٹ مکڑی نے آ کر غار کے مونہہ پر جالا تن دیا تھا۔ اس واقعہ کو امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے باسناد حسن اور دوسروں نے بھی روایت کیا ہے (فتح الباری) اسی طرح دوسری روایتوں کے بموجب جنگلی کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر غار کے مونہہ کی اندرونی جانب گھونسلہ بنایا اور انڈے دے کر ان کو سینا شروع کر دیا۔

جب اعداء غار کے سامنے بلندی پر کھڑے باہم گفتگو کر رہے تھے تو ایک قائف جس کا نام کرز بن علقمہ تھا ساتھیوں سے کہنے لگا قدموں کے نشان اس غار تک جاتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ نیچے اتر کر غار میں بھی دیکھ لیا جائے۔ لیکن اُمیّہ بن خلف بولا یہاں ان کی موجودگی محال اور خارج از امکان ہے۔ اگر کوئی آدمی غار میں جاتا تو مکڑی کا جالا ٹوٹ گیا ہوتا اور جنگلی کبوتر وحشی جانور ہے وہ غار میں نہ ٹھہرتا۔ انہی میں سے ایک شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غار کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! وہ شخص سامنے کھڑے ہو کر ہماری طرف بڑی متجسس نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ فرشتوں نے اپنے پروں سے ہمیں مخفی کر رکھا ہے (فتح الباری بروایت طبرانی)

بے نیلِ مرام مراجعت

الغرض معاندین رسالت بے نیلِ مرام نشان شناسوں کو بیوقوف بناتے ہوئے واپس چلے آئے۔ حافظ کردگار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ و صیانت کے لیے تارِ عنکبوت اور بیضۂ کبوتر سے وہ کام لیا جو سیکڑوں آہنی زرہوں اور لشکر جرار اور مضبوط قلعہ سے بھی نہ نکلتا۔ قصیدۂ بُردہ کے چند اشعار میں جن کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اسی طرف اشارہ ہے:۔

"اور میں اُس خیر و کرم کی قسم کھاتا ہوں جس کو غارِ ثور نے ایسے حال میں جمع کر رکھا تھا کہ ارباب کفر کی ہر آنکھ آپ کے دیکھنے سے اندھی تھی۔ پس آپ کہ سراپا صدق تھے اور حضرت صدیق غار میں موجود تھے لیکن تلاش کرنے والے کہہ رہے تھے کہ غار میں کوئی نہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ کبوتر اشرف کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرد نہیں پھرے اور مکڑی نے آپ پر جالا نہیں بُنا۔ حافظ حقیقی کے حفظ و صیانت نے آپ کو دوہری زرہ یا اوپر تلے دو زرہوں کے پہننے اور بلند قلعوں میں پناہ گیر ہونے سے بے نیاز کر دیا تھا۔"

ار غار کی رفاقت کا ابدی تذکرہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ رفاقت سفر کس درجہ عظیم بالشان اور ایزدِ منان کی بارگاہ میں کیسی مقبول ہوئی کہ اس ہجرتِ مقدسہ کے قریباً نو سال بعد جب منافقوں نے غزوۂ تبوک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلوتہی کی تو خدائے ذوالجلال عزاسمہٗ نے ان الفاظ میں رفاقتِ صدیقی کی یاد تازہ کر کے منافقوں پر عتاب فرمایا:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	اگر تم لوگ ہمارے نبی کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پروا کی بات

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي
الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ
عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ
لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ
وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

(۹ : ۴۰)

نہیں۔ اللہ ان کا مددگار ہے) اسی نے اپنے رسول کی مدد اس وقت بھی کی تھی جب اہل مکہ نے ان کو (ایسی بے سروسامانی کے عالم میں) جلاوطن کر دیا تھا کہ (صرف دو آدمی اور وہ بھی) دو میں دوسرے (ہمارے نبی) تھے (یعنی اس سفر میں نبی کے ساتھ صرف ایک رفیق تھا) اس وقت یہ دونوں غار میں تھے۔ جب ہمارے نبی اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ رنج (و فکر) نہ کرو۔ بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے ان پر اپنی تسکین اتار دی اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں سے تقویت دی جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکتے تھے اور کافروں کی بات کو ہیٹا کر دیا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ غالب اور صاحب تدبیر ہے۔

اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مناقب و مراتب ثابت ہوتے ہیں۔ اس جگہ ان کی رفاقت و مصاحبت کا جو تذکرہ فرمایا گیا تو اس سے خدائے خبیر و دانا کو یہ منظور تھا کہ قرآن مجید میں حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے ساتھ آپ کے رفیق غار کا ذکر خیر بھی علیٰ رغم الاعداء قیامت تک تلاوت ہوتا رہے۔

حضرت صدیق رضؓ کے محبّ نبیؐ اور محبوبِ رسولؐ ہونے کی یاد و تذکار

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہل مکہ نے پیغمبر علیہ السلام کو خارج ہونے پر مجبور کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض کو کسی نے خارج البلد نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے مقتدائے کریم کی خاطر از خود اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر اور عیش و راحت سے دست بردار ہو کر گرفتار مصائب ہوئے تھے۔ اس سے بڑھ کر عناد پیشہ لوگ ان کے اخلاص اور محبت رسولؐ کا اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ کلمہ لَا تَحْزَنْ اس حقیقت پر دال ہے کہ رسولِ رب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رض کے ساتھ کمال درجہ کی محبت اور الفت تھی اور آپ کو ان کا حزن و ملال چشم زدن کے لیے بھی گوارا نہ تھا۔ اس لیے ان کو معاً تسلی دینے لگے۔ کلام پاک میں اس کلمہ کے اندراج سے رب حکیم و خبیر کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جریدۂ عالم پر حضرت صدیق اکبرؓ کا محبّ و محبوبِ رسولؐ ہونا قیامت تک ثبت رہے۔

دونوں کے لیے معیتِ خداوندی کی استدعا

ظاہر ہے کہ جس طرح آلِ فرعون نے جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کا پیچھا کیا تھا اسی طرح قریشِ مکہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں سرگرداں ہوئے اور جس طرح اصحاب موسیٰؑ فرعونیوں کو دیکھ کر گھبرا اُٹھے تھے اسی طرح جناب صدیق اکبرؓ بھی قریش کے آدمیوں کو برلبِ غار دیکھ کر مضطرب ہوئے۔ فرق یہ تھا کہ اصحاب موسیٰؑ کی گھبراہٹ اپنی ذات کے لیے تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کا اضطراب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ کلام پاک میں ہے: قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا ہم پکڑے گئے) اور جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے جواب دیا كَلَّآ اِنَّ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا رب (معاون) ہے (وہ مجھے بچا لے گا) لیکن سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق کے اظہارِ قلق و اضطراب پر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) یعنی جناب کلیم علیہ السلام نے تو خدائے ناصر و معین کی معیت صرف اپنی ذات کے لیے بیان فرمائی تھی لیکن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے جاں نثار رفیق دونوں کے لیے طلب فرمائی۔ اس سے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلق باللہ اور حبِّ رسولؐ کی کوئی اور شہادت درکار ہے؟

حضرت حسانؓ یارِ غار کی مدح میں۔

اس رفاقت کے بعد یارِ غار کی مثل دنیا میں رائج ہوگئی۔ جب کوئی شخص کسی کا نہایت محبوب دوست ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ یہ اس کا یارِ غار ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاعرِ خاص حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے رفیقِ غار کی نسبت بھی کچھ کہا ہے؟ عرض پیرا ہوئے ہاں یا رسول اللہ! کہا ہے۔ فرمایا کہو کہ میں بھی سنوں۔ انہوں نے کہا ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد | طاف العدو به اذ صاعد الجبلا
وکان حِبُّ رسول اللہ قد علموا | من الخلائق لم یعدل به احدا

بلند غار میں رفاقت کرنے والے جو دو میں سے دوسرے تھے ایسے وقت میں جبکہ دشمن پہاڑ پر چڑھ کر دیکھ بھال کر رہا تھا۔ لوگ جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ کے دوست ہیں۔ (انبیاء کے بعد خلائق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں) (مستدرک حاکم)

غار کا سہ روزہ قیام اور سواری اور بدرقہ کا انتظام

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک غارِ حرا میں رہے اور جب اندازہ لگایا کہ نواحِ مکہ کی شورش جستجو ختم ہو چکی تو آپ نے آگے بڑھنے کا قصد فرمایا جناب ابوبکر صدیق رض اپنے فرزند عبداللہ رض کو تاکید کر گئے تھے کہ قریش کے ارادوں اور مشوروں سے برابر مطلع کرتے رہیں۔ وہ دن بھر لوگوں کے منصوبوں کا پتہ لگایا کرتے اور رات کو غار میں پہنچ کر تمام خبریں آنحضرتؐ کو جا سناتے اور رات غار ہی میں بسر کرکے طلوعِ فجر سے پہلے پہلے مکہ واپس آجاتے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی والد بزرگوار کے حکم کے مطابق کھانا طیار کرکے رات کو چوری چھپے سخت تکلیف اور انتہائی مشقت اٹھا کر لے جاتیں اور صبح صادق سے پہلے لوٹ آتیں۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے جو جناب ابوبکر صدیق رض کے آزاد شدہ غلام اور چرواہے تھے، یہ خدمت متعلق تھی کہ دن بھر مکہ معظمہ کی چراگاہ میں حضرت ابوبکر رض کی بکریاں چراتے۔ شام کو غار کے پاس لے جاتے اور بقدرِ ضرورت دودھ دوہ کر دونوں کو پلا آتے۔ اس طرح حضرت اسماء رض اور ان کے بھائی کے نقشِ قدم بھی بکریوں کے کھروں سے محو ہو جاتے اور دشمنوں کو دوبارہ غار تک جانے کی تحریک نہیں ہوتی تھی (صحیح بخاری، تفسیر درِ منثور)

حضرت ابوبکر رض نے ہجرت کی خاطر چار مہینے سے دو اونٹنیاں خوب کھلا کر طیار کر رکھی تھیں اور روانگی سے پیشتر عبداللہ بن ارقد (یا اُرَیقط) لیثی نام ایک غیر مسلم کو رہبری اور بدرقگی کے لیے اُجرت پر مقرر کر لیا تھا۔ گو یہ شخص عاص بن وائل سہمی جیسے عدوے رسالت کا حلیف اور بت پرست تھا لیکن حضرت ابوبکر رض کو اس کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا۔ دونوں اونٹنیاں اس کی تحویل میں دے دی گئی تھیں اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ یہ دونوں جانور بوقتِ معہود غار کے مونہ پر پہنچا دے گا۔ چنانچہ حسب الحکم تین راتیں گزرنے کے بعد اس نے دونوں اونٹنیاں وہاں حاضر کر دیں۔ اتنے میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ ساتھ جانے کے لیے آگئے۔ روانگی سے پہلے حضرت اسماء رض دو تین دن کا کھانا طیار کرکے غار کے پاس پہنچ گئیں (بخاری، ابن جریر طبری)

غار سے روانگی

تین دن گزار کر دونوں حضرات غار سے نکلے۔ ایک سانڈنی پر پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے مصاحبِ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے۔ دوسری پر عبداللہ بن ارقد (یا اریقط) اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا۔ عبداللہ نے

سیدھا راستہ چھوڑ کر بالا بالا کتراتے ہوئے ساحل بحر کا راستہ اختیار کیا (مدارج وغیرہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک پوری رات اور دن کا کچھ حصہ برابر چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ اس وقت راستہ بالکل خالی تھا اور ہمارے سوا کوئی راہ رَو دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناگاہ ایک لمبا پتھر دکھائی دیا۔ وہاں ابھی دھوپ نہیں آئی تھی۔ ہم اسی پتھر کے قریب ٹھیر گئے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی استراحت کے لیے دونوں ہاتھ سے جگہ صاف کی اور اپنی پوستین بچھا کر حضور انور سے درخواست کی کہ آپ ذرا آرام فرمائیں میں پاسبانی کرتا ہوں۔ آپ سو گئے۔

استراحت اور شیر نوشی

حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ جب آپ محو خواب ہو گئے تو میں اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں طرف دیکھ بھال کرنے لگا۔ ناگاہ ایک چرواہا مل گیا۔ میں نے اس سے کہا کیا ہمارے لیے دودھ دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں اور ایک بکری کو پکڑ کر لکڑی کے پیالے میں دودھ دوہا۔ میرے پاس ایک برتن تھا جو میں آپ کے پانی پینے اور وضو کرنے کے لیے ساتھ لے آیا تھا۔ اس وقت آپ استراحت فرما تھے۔ میں نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود بھی سو گیا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو میں نے دودھ میں ٹھنڈا پانی ملا کر خدمتِ بابرکت میں پیش کیا۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔ آپ کی شیر نوشی سے میرے دل کو وہ مسرت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے گزارش کی کہ ہاں اب وقت ہے کہ ہم کوچ کریں۔ ہم زوال کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے (بخاری ومسلم)

ایک شبہ کا حل

اس بیان پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب میں چرواہے ریوڑوں کے مالک نہ تھے بلکہ غلام یا اجیر ہوتے تھے اور حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خبردار! کوئی شخص کسی جانور کا دودھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دودھ کی فرمائش کرنا اور پھر شارع علیہ السلام کا اس دودھ کو نوش فرمانا کس اصول پر مبنی تھا؟

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بحث پر تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدیقؓ نے چرواہے سے دریافت کیا تھا کہ کیا تم ہمارے لیے دودھ دوہ سکتے ہو؟ اور چرواہے نے اس کا اثبات میں جواب دیا تھا۔ گویا حضرت ابوبکرؓ نے اس سے یہ دریافت فرمایا

تھا کہ کیا مالک نے تمہیں اُن لوگوں کے لیے دودھ دوہنے کی اجازت دے رکھی ہے جو تمہارے پاس مسافرانہ وارد ہوں؟ اس نے کہا ہاں میں اس کا مجاز ہوں"۔ اس سے قطع نظر عرب میں مسافروں اور راہ روؤں کو بوقت حاجت دودھ پلانے کا عام رواج تھا اور مالک اس مسافر نوازی پر احساسِ بخل کی بجائے مسرت محسوس کرتے تھے۔ اس لیے ہر راعی اپنے مالک کی طرف سے ماذون تھا کہ ابن السبیل کو دودھ دوہ دیا کرے (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

سُراقہؓ کو حصولِ انعام کی طمع اور ان کی زود پشیمانی

اوپر لکھا گیا تھا کہ جب اکابر قریش اپنی سعی و جستجو میں ہر طرح سے ناکام رہے تو انہوں نے سو سو اونٹ کے دو انعام اس شخص کے لیے مقرر کیے تھے جو سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق کار کو قتل کر دے یا زندہ گرفتار کر کے ان کے پاس پہنچا دے۔ اس سلسلہ میں قبیلہ بنو مدلج کے ایک مشہور شہسوار سُراقہ بن مالک کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان کو تلاش کر کے انعام مذکور حاصل کریں۔ سُراقہؓ اس وقت اپنے قبیلہ بنو مدلج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آ کر ان سے بیان کیا کہ میں نے ابھی ساحل بحر کی طرف کچھ سیاہی سی دیکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تھے۔ سراقہؓ کو اس بیان کی صحت کا یقین ہو گیا لیکن حصولِ انعام کی طمع میں تردید کر دی اور کہا یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ تم نے فلاں فلاں آدمیوں کو دیکھا ہوگا جو ابھی ہمارے سامنے گئے ہیں۔

اب سراقہ یہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر گئے اور اپنی لونڈی سے کہا کہ جھٹ گھوڑا تیار کر کے اور ترکش باندھ کر فلاں مقام پر لے چلو اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے۔ لونڈی سے گھوڑا لیا اور اس کو اڑاتے ہوئے سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو متجسسانہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے جا رہے تھے سُراقہ کو دیکھ لیا اور التماس کی یا رسول اللہ! ایک سوار ہمارے پیچھے آ پہنچا"۔ آپ نے فرمایا کچھ فکر نہ کرو محافظ حقیقی ہمارا مددگار ہے"

گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا

جب سراقہ گھوڑا دوڑا کر خواجۂ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو گھوڑے نے ٹھوکر لی اور سُراقہ نیچے گر پڑے۔ اتنے میں آپ آگے نکل گئے۔ سُراقہ اُٹھ کر دوبارہ سوار ہوئے اور گھوڑا اڑاتے ہوئے آناً فاناً آپ کے پاس جا پہنچے۔ آنجناب نے اونٹنی ٹھیرا کر سُراقہ کی طرف دیکھا اور دعا کی الٰہی! ہمیں اس کے شر سے بچا۔ معاً گھوڑے کے چاروں پاؤں پیٹ تک زمین میں دھنس گئے اور سُراقہ پشتِ زین

سے روئے زمین پر آ رہے ہے۔ بہتیری کوشش کی کہ گھوڑا پاؤں باہر نکالے مگر قدرت نہ پائی۔ آخر ناامید ہو کر پکارے میں جانتا ہوں کہ آپ کی دعا سے میرا گھوڑا زمین میں دھنس گیا ہے۔ اب دعا کیجیے کہ زمین سے نکل آئے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو کوئی برائی نہ پہنچے گی۔ آپ نے دعا کی مگا گھوڑے کے پاؤں باہر نکل آئے۔ اب سُراقہ نے آنحضرت؄ کو آواز دی کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں اور آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف میں خود واپس چلا جاؤنگا بلکہ ہر اُس شخص کو بھی واپس کر دوں گا جو آپ کی تلاش میں آتا دکھائی دے گا"۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے؟ سراقہ عرض پیرا ہوئے کہ آپ کی ایک نشانی چاہتا ہوں جو بطور امان نامہ میرے پاس رہے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ان کو لکھ دو"۔ جناب ابوبکرؓ نے ہڈی یا ٹھیکری یا کاغذ کے پُرزے پر لکھ کر ان کی طرف ڈال دیا۔ انہوں نے اس یادداشت کو اپنے توشہ دان میں رکھ لیا (سیرت ابن ہشام)

بخاری اور مسلم نے بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ درج کیا ہے چنانچہ ان دونوں نے براء بن عازب صحابیؓ سے روایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے براءؓ کے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ سُراقہ بن مالک نے ہمیں آ لیا۔ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! دشمن آ پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے سُراقہ پر دعا کی۔ سُراقہ کا گھوڑا پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا۔ سُراقہ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی دعا سے میرا گھوڑا دھنس گیا ہے۔ اب دعا کیجیے کہ باہر نکل آئے۔ میں اللہ کو گواہ ٹھیراتا ہوں کہ اعداء کی لپ جستجو کو آپ کی طرف سے پھیر دوں گا۔ آپ نے دعا کی تو سُراقہ نے اس مصیبت سے نجات پائی"۔

سُراقہ کی مراجعت

سُراقہ کو اس واقعہ سے یقین ہو گیا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں اور یہ کہ قریش آپ کی مخالفت کر کے خسرانِ ابدی اور ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کریں گے۔ اب سُراقہ نے نہایت مؤدبانہ گفتگو کرتے ہوئے گزارش کی کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کر رکھا ہے اور وہ منصوبے بھی ظاہر کر دیے جو قریش نے آنحضرت؄ کے خلاف گانٹھ رکھے تھے۔ اس کے بعد سُراقہ نے اپنا زاد و متاع ہدیۃً آپ کی نذر کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ البتہ اتنی خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی اطلاع نہ دیں۔

مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سُراقہ نے ایک تیر آپ کے سامنے کر کے کہا اسے

بطور نشان لیتے جائیے۔ فلاں مقام پر میرے غلام میرے اونٹ چرا رہے ہوں گے۔ ان میں سے جتنے غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو، اپنے ساتھ لیتے جائیے۔" لیکن آپ نے فرمایا کہ ہمیں کسی کی حاجت نہیں۔"

اب سراقہ نے مراجعت کی اور راستہ میں ہر اُس شخص کو جو آپ کی تلاش میں جا تا تھا، واپس کر دیا اور کہا کہ تمہارے سرگرداں ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ہر طرف سے دیکھ بھال کر آیا ہوں (بخاری، مسلم وغیرہما)، پس سُراقہ پہلے تو آپ کی گرفتاری میں کوشاں تھے لیکن اب آپ کے پاسباں ہو گئے۔

ابوجہل کی طرف سے شکوہ وشکایت اور سراقہؓ کا منظوم جواب

کہتے ہیں کہ کسی طرح ابوجہل کو اس کا پتہ چل گیا کہ سُراقہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بجائے دانستہ چھوڑ دیا اور ان کو موقع دے دیا تھا کہ اپنا سفر جاری رکھیں۔ اتفاق سے سُراقہ چند روز کے بعد مکہ معظمہ گئے اور ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے شکوہ وشکایت کے دفتر کھول دیے۔ سُراقہ نے جو ہنوز بت پرستی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے ان شکایتوں کا یہ منظوم جواب دیا:۔

أَبَا حَكَمٍ وَاللَّاتِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا
لِأَمْرِ جَوَادِي إِذْ تَسِيخُ قَوَائِمُهُ
عَجِبْتَ وَلَمْ تَشْكُكْ بِأَنَّ مُحَمَّدًا
نَبِيٌّ وَبُرْهَانٌ فَمَنْ ذَا يُكَاتِمُهُ
عَلَيْكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَإِنَّنِي
أَرَى أَمْرَهُ يَوْمًا سَتَبْدُوْا مَعَالِمُهُ

اے ابوالحکم! (ابوجہل) لات کی قسم! کاش تم میرے گھوڑے کا واقعہ دیکھتے کہ کس طرح اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں۔ تو تم تعجب کرتے اور تمہیں اس میں کوئی شک نہ رہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اور دلیلِ ہدایت ہیں۔ پھر کون ہے جو ان کی حالت کو مخفی و مستور کر سکے۔ تمہاری قوم پر لازم ہے کہ ان سے تعرض کرنا چھوڑ دے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے اوج و عروج کی علامتیں عنقریب عالم آشکارا ہونے لگیں گی۔

سُراقہ کا شرفِ ایمانی

جس سال مکہ فتح ہوا اور آپ حُنین اور طائف کے غزوات سے فارغ ہوئے تو حضرت سراقہؓ آپ سے جعرانہ میں ملے۔ اس وقت آپ کے گرد انصاری جان نثار کھڑے تھے۔ وہ انہیں رسول اللہ کی طرف جاتے دیکھ کر کہنے لگے ارے میاں! کہاں جاتے ہو؟ لیکن وہ التفات کیے بغیر بے تحاشا سرورِ انام علیہ التحیہ والسلام کے پاس جا پہنچے۔ اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اسی نشانی کے ساتھ جو ہجرت کے وقت دی گئی تھی بلند کیا اور گزارش کی یا رسول اللہ! میں سراقہ بن جعشم ہوں اور یہ آپ کی نشانی

ہے۔ پھر وہ مشرف باسلام ہوئے (سیرت ابن ہشام و مستدرک حاکم)

جب وہ مشرف بایمان ہوئے تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُراقہ! اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ (شاہِ ایران) کے کنگن پہنو گے"۔ چنانچہ جب عہد صولت فاروقی میں دارالسلطنت مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کسریٰ کے ملبوسات امیرالمؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے تو حضرت خلافت مآب رضؓ نے جناب سُراقہ کو بُلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور کنگن پہنا کر کسروی پٹکا ان کی کمر میں باندھا (اصابہ)

معلوم ہو کہ حضرت سُراقہؓ کے باپ کا نام مالک اور دادا کا نام جعشم تھا چونکہ باپ کی بجائے دادا کی طرف ابنیت کے منسوب کرنے کا بھی عرب میں عام رواج پایا جاتا تھا اس بناء پر سیرت کی کتابوں میں ان کا نام سُراقہ بن مالک اور سُراقہ بن جعشم دونوں طرح لکھا ہے۔

دودھ نہ دینے والی بکری کے تھنوں کا دودھ سے بھرنا

حضرت اسماء ذاتُ النطاقین رضی اللہ عنہا نے غار سے روانگی کے وقت جو کھانا پہنچایا تھا وہ راہ میں ختم ہوگیا۔ مدینہ کے راستہ میں عاتکہ بنت خالد خزاعیہ نام ایک عورت جو اُمّ معبد کی کنیت سے مشہور تھی اقامت گزیں تھی۔ یہ خاتون مسافروں کی خبر گیری اور خدمت و تواضع میں مشہور تھی۔ راہ گیر اس کے خیمہ پر ٹھیر کر سستایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یقین تھا کہ وہاں کھانے کا کچھ انتظام ہو جائے گا۔ لیکن اتفاق سے وہاں پہنچ کر کوئی چیز نہ مل سکی۔ اور بھوک نے سب کو بے چین کر رکھا تھا۔ خیمہ کی ایک طرف دُبلی سی بکری بندھی تھی۔ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ معبد سے فرمایا کہ اجازت دو تو اس بکری کا دودھ دوہ لیں"۔ اُمّ معبد نے کہا کہ اگر یہ دودھ دیتی تو میں نے اب تک خود ہی آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر دیا ہوتا۔ دودھ دینا تو درکنار یہ بیچاری اتنی لاغر ہے کہ چرنے کے لیے جنگل بھی نہیں جا سکتی"۔ آپ نے فرمایا جیسی بھی ہو تم دوہنے کی اجازت دو"۔ اس نے کہا میری طرف سے اجازت ہے مگر یہ دودھ نہیں دے گی"۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہو گئی۔ آپ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک بڑا مٹکا دودھ سے بھر گیا۔ پہلے آپ نے اُمّ معبد کو پلایا۔ اس نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد تمام حاضر الوقت مسافروں کو پلایا۔ جب سب سیر ہو چکے تو آپ نے اور آپ کے تینوں ساتھیوں نے پیا۔ اس کے بعد حضور فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوبارہ دوہنا شروع کیا اور اس مٹکے کو

دوبارہ دودھ سے بھر کر وہاں سے روانہ ہوئے۔

ابو مَعبد کا استعجاب

سرِ شام ابو مَعبد یعنی اس عورت کا شوہر خیمہ میں پہنچا تو دودھ دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا کہ یہ کہاں سے آیا؟ اُمِّ معبد نے کہا کہ یہ ایک مہمان عزیز کی برکت ہے اور آنحضرتؐ کا حال بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا یہ تو وہی صاحب معلوم ہوتے ہیں جن کی قریش کو تلاش ہے۔" کچھ دنوں کے بعد دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور سعادتِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ و استیعاب وکتاب الوفا لابن الجوزی واخرجہ البیہقی والطبرانی والحاکم وصححہ)

ایک چرواہے کی سعادتِ ایمانی

اس سفر میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز تمام حضرات ایسی حالت میں جا رہے تھے کہ بھوک اور پیاس کی شدت تھی۔ اتنے میں ایک چرواہا ملا جو چند بکریاں چرا رہا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس سے دودھ دینے کو کہا۔ وہ بولا ان میں کوئی بکری ابھی دودھ دینے کے قابل نہیں اور پھر ایک بکری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ یہ بکری آغاز سرما میں گابھن ہوئی تھی لیکن تھوڑی ہی مدت میں اس کا حمل ساقط ہو گیا اور اب یہ بھی شیر دار نہیں رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمیں یہی لا دو" وہ اس کو لے آیا۔ آپ نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر دعا کی۔ معاً دونوں تھن دودھ سے بھر گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ چرواہے کا برتن اٹھا لائے اور آپ نے دودھ دوہنا شروع کیا اور سب سے پہلے کچھ دودھ حضرت ابو بکرؓ کو پلایا۔ پھر دوہ کر آپ نے چرواہے کو پلایا پھر دوہا اور حضرت عامر اور عبداللہ بن ارقد کو پلایا۔ پھر چوتھی مرتبہ دوہ کر خود پیا۔

یہ کرشمۂ قدرت دیکھ کر چرواہا کہنے لگا کیوں صاحب! آپ کون ہیں؟ میں نے مدت العمر ایسا باکمال بزرگ کبھی نہ دیکھا تھا۔ اگر آپ مجھ پر اپنی شخصیت ظاہر فرما دیں تو میں آپ کی رازداری کروں گا اور میری ذات سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ خدا کا رسول ہوں۔ چرواہے نے کہا کیا آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہیں قریش صابی کے قبیح لقب سے یاد کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں وہ میری ہی نسبت ایسا کہتے ہیں۔ چرواہا بولا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس بات کا بھی شاہد ہوں کہ آپ کو جو کلام منجانب اللہ ملا ہے وہ حق ہے۔ یہ اعجاز جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا نبی کے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا اور میں آپ کا پیرو ہوں؟ آپ نے فرمایا سردست تم میری متابعت کی طاقت نہیں رکھتے۔ البتہ جب تم سنو کہ خدائے عزیز

نے مجھے غلبہ بخشا تو پھر میرے پاس آنا (رواہ الحاکم وقال الذہبی صحیح)

مکہ معظمہ آنے اور شہر فتح کرنے کی پیش گوئی

جب حضور سید کون ومکان علیہ التحیۃ والسلام وہاں سے روانہ ہو کر جحفہ کے مقام پر پہنچے تو مکہ معظمہ کے شوق اور وطن عزیز کی محبت دل میں جوش زن ہوئی۔ اسی وقت جبریلؑ آپ کی تسکین خاطر کے لیے یہ آیت لے کر نازل ہوئے:۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ (۲۸ : ۸۵)

وہ خدا جس نے آپ پر قرآن (پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصلی وطن (مکہ) پھر پہنچائے گا۔

اور مستقبل میں مکہ معظمہ آنے اور اس کے فتح کرنے کی بشارت دے کر آپ کو مسرور کیا (لباب النقول) اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اب تو آپ کو کافروں کے ظلم اور زور سے وطن مالوف چھوڑنا پڑا ہے لیکن دن بھی آنے والا ہے کہ آپ اس شہر میں دوبارہ قدوم فرما ہوں گے۔ چنانچہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ پیش گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ ہجرت کے بعد دو مرتبہ مکہ معظمہ تشریف فرما ہوئے۔ ایک دفعہ عمرہ کرنے کے لیے اور دوسری مرتبہ تسخیر مکہ اور تطہیر حرم کی غرض سے۔

حضرات زبیرؓ اور طلحہؓ سے ملاقات

ہجرت مدینہ سے پہلے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو محترمہ اسماء ذات النطاقین (بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) کے شوہر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ حسن اتفاق سے جب وہ مال تجارت لے کر آ رہے تھے تو راستہ میں آپ سے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ تینوں حضرات کو باہم مل کر بہت خوشی ہوئی۔ حضرت زبیرؓ نے دونوں کی خدمت میں چند سفید کپڑے پیش کیے (بخاری)

انہی ایام میں حضرت طلحہؓ کو بھی اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے مراجعت کرتے وقت آپ کا شرف ملاقات نصیب ہوا۔ انہوں نے بھی دونوں حضرات کی خدمت میں کچھ شامی ملبوسات پیش کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! مسلمانان یثرب سخت بے چینی کے ساتھ حضور کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے عجلت کے ساتھ مدینہ کی راہ لی۔ حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما نے مکہ معظمہ پہنچ کر اپنے تجارتی مشاغل سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو سکا عازم مدینہ ہوئے اور خانمان ویران مہاجروں

سے جاملے (ابن سعد)

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ عبداللہ نے آپ کو کس راستہ سے مدینہ پہنچایا۔ وہ آپ کو مکہ کے زیرین سے نکال کر عسفان کے اسفل میں ساحلِ بحر کے مقابل لے گیا۔ وہاں سے بڑھ کر قدید گزر جانے کے بعد عام راستے کے قریب لے گیا۔ پھر خرار ہوتا ہوا مرہ کے درے سے گزرا۔ وہاں سے اس نے عمق اور روحا کے راستوں کے درمیان مدلجہ والی راہ اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے عرج کا راستہ پکڑا اور رکوبہ کی داہنی جانب غابر نام چشمہ پر سے گزر کر بطن رئم کے سامنے نکلتے ہوئے آپ کو مدینہ سے باہر بنو عمرو بن عوف کی آبادی میں پہنچا دیا (ابن جریر طبری)

ابنِ ہشام نے راہِ مدینہ کی منزلوں کے جو نام دیے ہیں، ان میں سے بعض اسماء ان ناموں سے مختلف ہیں جو طبری نے حوالۂ قرطاس کیے ہیں۔ بعض اہلِ تحقیق کا بیان ہے کہ ان منزلوں میں سے بیشتر مقامات آج کل معدوم ہیں اور بعضوں کے نام مرورِ زمانہ سے تبدیل ہو چکے ہیں۔

فصل ۲۲۲۔ قُبا میں وُرود

مکہ معظمہ سے حضرت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی روانگی کی خبر مدینہ منورہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ یہاں ہر مسلمان سراپا انتظار بنا بیٹھا تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ آج رسول اللہ آتے ہیں، آج نبیوں کے سردار کی آمد ہے۔ مسلمان ہر روز تڑکے نکل نکل کر شہر سے باہر بغرضِ استقبال پہنچ جاتے اور بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر دوپہر تک آفتابِ جمالِ احمدی کے طلوع کا انتظار کرتے۔ آخر جب دھوپ زیادہ تیز ہو جاتی تو حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ جب آپ قُبا میں جو مدینہ منورہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر شہر کی بیرونی آبادی ہے پہنچے تو ایک یہودی نے جو کسی کام کے لیے ٹیلے پر چڑھا تھا آپ کو آتے دیکھا اور قرائنِ حالیہ سے پہچان لیا کہ یہ وہی حضرات ہیں کہ جن کا کئی دن سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ یہودی نے انصار کے قبیلہ عمرو بن عوف کو جو قُبا میں آباد تھا آواز دی کہ تمہارا کعبۂ مقصود آ پہنچا (بخاری)

اینک آں سروِ خراماں می رسد   اینک آں گلبرگِ خنداں می رسد

شاد باش اے چشمِ ہجراں بلا! کز پئے درد تو درماں می رسد
شوق کن اے بلبلِ گلزارِ عشق کاں گُلِ نو از گلستاں می رسد
در دلِ افسردہ مژدے می دہد مُردہ تن را مژدۂ جاں می رسد
دُور شو اے ظلمتِ شامِ فراق کآفتابِ وصلِ تاباں عہ می رسد

یہ ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ اور دوشنبہ کا دن تھا۔ آپ غار سے چل کر آٹھویں دن قبا پہنچے تھے۔

ہجرت نبوی سے پیشتر قلیل التعداد یہودی اور بُت پرست گھرانوں کو چھوڑ کر یثرب کی تمام آبادی حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہاں کے نومسلم ماہِ یمانی کے شرف دید کے لیے بڑے بے چین تھے۔ قدومِ نبوی کی خبر بجلی کی رَو کی طرح آناً فاناً شہر میں پھیل گئی اور مشتاقانِ جمال فی الفور اپنے ہتھیار لے کر قبا کی طرف اُٹھ دوڑے۔ ہر عمر کے اہلِ ایمان اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ اس بھیڑ میں سابقت کرنے والے وہ افراد تھے جنہوں نے حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس وقت آپ کھجور کے درخت کے سائے میں خاموش بیٹھے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشتاق زائرین کا ہجوم دیکھا تو جھٹ آگے بڑھ کر لوگوں کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ مبادا سرورِ عالم کے پاس جمع ہو کر آپ کا مزاجِ مبارک مکدر کریں۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نہایت وجیہ اور خوبصورت گورے چٹے بزرگ تھے۔ لوگ انہیں رسولِ پاک گمان کر کے ان کو سلام کرتے اور انہی سے ملاقات اور مصافحہ کرتے رہے۔

اس اثنا میں شہسوارِ عرصۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آ گئی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کیا۔ اس وقت لوگوں کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی تشخیص ہوئی (بخاری، فتح الباری، ابن ہشام، وفاء الوفا) اتنے میں انصار کے وہ محترم ارکان بھی آنے شروع ہو گئے جنہوں نے مکہ معظمہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی اور جوشِ عقیدت و محبت میں شرفِ قدم بوسی حاصل کرنے لگے۔

قبا میں قیام

آپ قبا میں کلثوم بن ہدم کے مکان پر ٹھہرائے گئے جو انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کی شاخ بنو عُبَید کے ایک بہت بڑے معمر بزرگ تھے۔ بعض لوگوں

عہ مراد ہے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

کا بیان ہے کہ آپ سعد بن خیثمہ رض کے مکان پر ٹھیرے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ نے قیام تو کلثوم ہی کے مکان پر فرمایا تھا، البتہ لوگوں کی ملاقات کے لیے حضرت سعد بن خیثمہ کی فرودگاہ پر تشریف لے آتے تھے۔ کیونکہ سعد رض ان دنوں مجرد تھے اور ان کا مکان خالی پڑا تھا۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آپ نے سعدؓ ہی کے مکان پر قیام فرمایا تھا جو ان کی تنہائی کی وجہ سے خانۂ مجردین کہلاتا تھا (سیرت ابن ہشام) حضرت ابوبکر رض اور عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہما بھی کلثوم ہی کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ تینوں حضرات رات کو وہیں آرام فرماتے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے اوقات اپنے اصحاب کے ساتھ حضرت سعد رض کے ہاں گزارتے تھے (فتح الباری)

چونکہ یثرب میں گنجائش کم تھی، حضرات مہاجرین زیادہ تر قبا ہی میں جسے عوالی بھی کہتے ہیں ٹھیرائے گئے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مع رفقا بیس رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر قیام فرماتے تھے (ابن جریر طبری)

حضرت اسعد بن زرارہ رض کو پناہ

گو آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات سے کسی مومن کو مفر نہ تھا، تاہم قبیلۂ خزرج کے بعض ارکان آپ کی ملاقات کے لیے اوس کے مکان پر آتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ اکابر خزرج میں سے اور سب بزرگ تو طوعاً و کرہاً بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے لیکن حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آپ کو دکھائی نہ دیے۔ آخر آپ نے دریافت فرمایا کہ اسعد بن زرارہ کہاں ہیں؟ سعد بن خیثمہ اور مبشر بن عبدالمُنذر اور رفاعہ بن عبدالمنذر اوسی عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اسعد رض نے جنگ بُعاث میں ہمارے ایک رئیس قبیلہ نبتل بن حارث اوسی کو قتل کر دیا تھا اس لیے [illegible] یہاں آنے سے خوف ز[illegible] ہیں۔ لیکن حضرت اسعد رض بدھ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان مونھ سر لپیٹے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور رات بھر وہیں رہ کر علی الصباح واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد آپ نے سعد بن خیثمہ اور عبدالمنذر کے بیٹوں رفاعہ اور مبشر سے فرمایا میری خواہش ہے کہ تم لوگ اسعد رض کو پناہ دو۔ جاں نثاروں کے لیے آپ کی خوشنودیٔ خاطر سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی تھی، انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اگر آپ کی یہی مرضی مبارک ہے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن خیثمہ فوراً اسعد بن زرارہ رض کے مکان پر پہنچے اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے انہیں اپنے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں لے آئے۔ جب

اوس کے دوسرے عمایدکو معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے تو سب بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اب اسعد ہم سب کے جوار و پناہ میں ہیں۔ چنانچہ حضرت اسعد رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بے خطر آنا جانا شروع کر دیا (وفاء الوفا)

قبا میں مسجد کی بناو تاسیس

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں ایک مسجد تعمیر کرنے کا قصد فرمایا آپ نے اپنے میزبان حضرت کلثوم بن ہدم سے اس کا تذکرہ فرمایا۔ قبا میں کلثوم کا ایک مربد تھا۔ مربد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوروں کو خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں۔ جناب کلثوم نے التماس کی یا رسول اللہ! میں اپنا مربد تعمیر مسجد کے لیے حاضر کرتا ہوں (وفاء الوفاء)

چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ قبا کی یہی مسجد ہے جس کی شان میں لسان وحی نے فرمایا ہے:۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝
(۹ : ۱۰۸)

وہ مسجد جس کی بنیاد شروع ہی میں تقویٰ پر رکھی گئی تھی
وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے
لیے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو زیادہ
صفائی مرغوب ہے اور حق تعالیٰ خوب ستھرے ہونے
والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر میں دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کام کرتے تھے۔ وزنی پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خمیدہ ہو جاتا تھا۔ جان نثار منتیں کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ خدام یہ کام خود انجام دے لیں گے"۔ آپ ان کی درخواست قبول فرما کر ہاتھ کا پتھر چھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے (رواہ الطبرانی فی الکبیر) یہی مدینہ کی سب سے پہلی مسجد ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی (فتح الباری)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ معمول رہا کہ آپ ہر شنبہ کے دن اندرون شہر سے سوار یا پیدل قبا تشریف لاتے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے (بخاری و مسلم) اس مسجد کے امام جناب ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم تھے۔ مہاجرین اولین جن میں حضرت ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی بلند شخصیتیں بھی شامل تھیں ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں۔

(بخاری)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آمد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کے بعد اہل مکہ کی امانتیں پہنچائیں۔ تین شبانہ روز مکہ میں ٹھیرے رہے اور اس کام سے فراغت پا کر عازم یثرب ہوئے۔ آپ ابھی قبا ہی میں شرف افروز تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ کر سعادت ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پیدل سفر کرنے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں آبلے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جناب کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان پر جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت فرما تھے جا ٹھیرے (ابن جریر طبری)

حضرت اسماء ذات النطاقین کا ورود

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے بعد جناب اُسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود بھی ہجرت فرما ئے مدینہ ہو گئیں۔ جب وہ قُبا پہنچیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی یہیں تشریف فرما تھے۔ قرینہ ہے کہ حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچنے کے بعد حضرت اُسماء رضی اللہ عنہا کو بہت جلد مدینہ بھیج دیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ قُبا ہی میں متولد ہوئے۔ اُسماء رضی اللہ عنہا ان کو اُٹھا کر سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے کھجور چبا کر ان کے مونہ میں ڈال دی۔ پس سب سے پہلے جو چیز حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے معدے میں گئی وہ آپ کا آب دہن تھا۔ مہاجرین مدینہ میں یہی سب سے پہلی ولادت تھی (بخاری)

قُبا سے روانگی

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے قُبا میں قریباً دو ہفتہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن اندرون شہر میں جانے کے قصد سے اپنی اونٹنی قصویٰ طلب فرمائی اور اس پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ (صحیح بخاری)

جب آپ سوار ہوئے تو قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے عمائد و اعیان جمع ہو کر ناقہ کے آگے کھڑے ہو گئے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا آپ کا مزاج مبارک ہم سے اُکتا گیا ہے یا ان غریب خانوں سے کسی بہتر فرودگاہ میں قیام فرمانے کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا جس جگہ جا رہا ہوں مجھے وہیں جانے کا حکم ہے اور اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ وہ مامور ہے۔ اس وقت آس پاس کے تمام مسلمان یہاں آموجود ہوئے تھے اور سب سلاح بند تھے۔ جب آپ روانہ ہوئے تو لوگ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے سوار اور پیدل چلنے لگے۔ راستہ میں انصار کے جو قبیلے آتے،

انہوں نے آپ کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور آپ کا راستہ روک کر اپنے ہاں فروکش ہونے کی التجا کی اور ہر طرح سے نصرت و منعت کے وعدے کیے لیکن آپ نے تبسم فرماتے ہوئے سب سے یہی کہا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے (وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ)

ادائے نماز جمعہ

راہ میں بنو سالم کی آبادی میں جو مدینہ طیبہ کا ایک بیرونی محلہ تھا پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ یہیں ٹھیر گئے اور تمام صحابہ کے ساتھ بطن وادی میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ تھی (ابن جریر طبری) کیونکہ مکہ مکرمہ میں نہ تو نماز جمعہ ادا ہو سکتی تھی اور نہ خطبہ دینے کا موقع تھا۔ یہ فرض یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلی مرتبہ ادا ہوا۔ آپ نے نماز سے پہلے انصار کے بیچ میں کھڑے ہو کر جو دو دلگداز خطبے دیے ان میں سے پہلا یہ تھا:۔ (ترجمہ و اقتباس)

جمیع حمد و ستایش رب العالمین کے لیے موزوں ہے میں اس کی حمد کرتا، اس سے مدد چاہتا اور اس سے توفیق ہدایت کا خواستگار ہوں۔ ہم خدا سے اپنے نفسوں کے شر اور اعمال کی برائیاں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت پر نہ لائے، اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، جسے رب العزت نے ایسے وقت میں ہدایت، نور اور پند و موعظت کے ساتھ اپنے بندوں کے پاس بھیجا جبکہ مدت مدید سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ مسدود تھا اور جہالت و گمراہی ہر طرف پھیل رہی تھی۔

یاد رکھو کہ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی، اس نے حد سے تجاوز کیا اور غلط راستے پر بہت دور جا پڑا۔ بلاشبہ سب باتوں سے اچھی بات اور سب سے بہتر کلام حق تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ شخص فلاح پا گیا جس کو خدا نے ورطۂ کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کیا اور اس کے دل کو قرآن سے زینت بخشی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بڑا شرف بخشا ہے اور اس کی تلاوت کو بہترین اعمال گردانا ہے۔ تم خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو آخرت کے لیے نیک عمل کرنے اور تقویٰ و طہارت سے آراستہ رہنے کی ترغیب دے اور خشیت الٰہی کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔ خشیت الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ تم صدق نیت سے احکام خداوندی کے ماتحت آخرت کے لیے نیک عمل کرو اور منہیات سے باز رہو۔ جو شخص ظاہر و باطن میں خلوص نیت کے ساتھ رضائے الٰہی کا جویاں رہ کر عمل خیر کرے گا حق تعالیٰ

دار دنیا میں اور بعد از مرگ اس کی طرف نظر لطف و کرم سے دیکھے گا۔ لیکن جو کوئی ایسے اعمال کا مرتکب ہو جو خوشنودیٔ باری تعالیٰ کے خلاف ہیں وہ فردائے قیامت کو آرزو کرے گا کہ کاش! میرے اور میرے ناشایستہ عملوں کے درمیان مسافت بعیدہ حائل ہوتی۔

میں آپ حضرات کو تمام دینی اور دُنیوی امور میں ظاہراً و باطناً تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہی بہترین مشورہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دے سکتا ہے۔ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے، حق تعالیٰ اُس کو اُس کی فروگذاشتوں کے اثرِ بد سے محفوظ رکھے گا اور اسے اجرِ جزیل عطا فرمائے گا۔ تقویٰ خالقِ کردگار کی ناراضی و عقوبت سے بچاتا ہے۔ تقویٰ سے چہرے منور اور مرتبے بلند ہوتے ہیں۔

خالقِ کون و مکان نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور تمہیں اپنا صراطِ مستقیم بتا دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حق پرست کون ہے اور باطل پسند کون؟ پس حق تعالیٰ کے دشمنوں اور بے فرماؤں سے دشمنی کرو اور اس کی راہ میں خلوصِ دل سے جہاد کرو۔ ربِ ذوالمنن نے اپنے فضل و کرم سے تم کو سعادتِ ایمانی سے نوازا اور شرفِ اسلام کے لیے منتخب فرمایا ہے تاکہ اس کی حجتِ نبوت کے بعد جو چاہے برباد ہو اور جو حیاتِ جاوید کا متمنی ہے اسے اَبدی زندگی نصیب ہو۔ اور تمام قوتیں خدائے بزرگ و برتر کے دستِ اختیار میں ہیں"۔ (ابن جریر طبری، ابن ہشام)

دوسرا خطبہ

آپ نے دوسرے خطبے میں خدائے قدوس کی ایسی حمد و ثنا کے بعد جو اُس ذاتِ بے چوں کے شایانِ شان تھی، فرمایا: "اے لوگو! اپنی آیندہ زندگانی کا کچھ فکر کر لو اور اس کے انتظام میں مشغول ہو جاؤ۔ تم کو معلوم ہے کہ تم مرنے کے بعد زندہ ہو کر خدائے احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر کیے جاؤ گے۔ اس وقت وہ بغیر کسی ترجمان کے ہمکلام ہوگا اور فرمائیگا اے شخص! کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا اور کیا اس نے تجھے میرے احکام نہیں پہنچائے اور کیا میں نے اپنا مال دے کر تجھے نہیں نوازا؟ اب تو میرے پاس کیا سرمایہ لے کر آیا ہے؟ پھر بندہ اپنی داہنی طرف نظر کرے گا تو اسے اپنے اعمال و کردار کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔ اسی طرح بائیں طرف نظر اٹھا کر دیکھے گا تو اُدھر بھی اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے جن کو آگے بھیج چکا ہوگا۔ اس کے بعد اپنے سامنے کی طرف نظر کرے گا تو اسے جہنم دُھکتا ہوا دکھائی دے گا۔ پس اے لوگو! جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر بچ سکو اور جس کو اتنا بھی میسر نہ ہو تو وہ موقع سے اچھی بات ہی نکال کر سائل کو رخصت کر دے کیونکہ اس کا ثواب بھی دس نیکیوں سے لے کر

سات سو نیکیوں تک بلکہ اس سے بھی دو چند ملتا ہے۔ تم پر اور اللہ کے رسول پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت نازل ہو۔"

جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو قبا کی طرح بنو سالم کی آبادی میں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور وہاں سے روانہ ہوئے (ابن ہشام وغیرہ)

فصل ۲۲۳۔ مدینہ منورہ میں داخلہ اور عدیم النظیر خیر مقدم

بنو سالم کے محلہ سے چل کر حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت بھی ابو بکر صدیق رضؓ آپ کے ردیف تھے۔ جب تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا تو شرفِ دید کے لیے شہر اُمنڈ آیا۔

عشق و محبت کا بحرِ زخّار ہر شخص عالم شادمانی میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ آئے ہیں۔ نبی اللہ آئے ہیں ؎

یاں مدینہ میں ہوا غل کہ رسولؐ آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جاتے تھے
نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
آلِ نجّار چلے شہر سے ہو کر ملیاد
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعۃً کوکبۂ شاہِ رُسلؐ آ پہنچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیرِ اُناسٍ و بشر
طور پر حضرت موسیٰؑ کی صدا آتی تھی
آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
ہاں مبارک کرے اے خاکِ حریمِ نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صلِّ یا ربِّ علیٰ خیرِ نبیٍّ و رسول
صلِّ یا ربِّ علیٰ افضلِ جنٍّ و بشر

آپ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اُس دن سے زیادہ خوشگوار، بہجت افزا اور نورانی دن کوئی نہیں دیکھا جس میں حضرت سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم قدوم فرمائے مدینہ ہوئے۔ اس روز شہر کے در و دیوار حضورِ انور کے نورِ طلعت سے روشن ہو گئے (دارمی)

خلقِ خدا کا بے پناہ ہجوم محلہ بنو سالم سے لے کر تین چار میل کی مسافت میں دو رویہ

جان نثاران رسالت اور عاشقان محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفیں تھیں۔ ہر طرف خلق خدا کے ٹھٹھ لگے تھے۔ دلوں کی گہرائیوں میں عشق و محبت کا بحر زخار موج زن تھا۔ لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ گویا سمندر میں طوفان بپا ہے اور بے قرار موجیں اچھل اچھل کر اوپر آنا چاہتی ہیں کہ اُس ماہتاب کو چھو سکیں جس کے کمال نے ان میں یہ طغیانی پیدا کر دی ہے۔ حبشی فرح و سرور میں نیزہ بازی اور دوسرے کھیل کھیل رہے تھے۔ چھتیں، بالائی منزلیں اور سقف و بام پردگیانِ عفاف سے پٹے پڑے تھے۔ بچوں کو ہزار عید سے بڑھ کر خوشی تھی اور وہ بھڑکیلے لباس پہن کر گھروں سے باہر محو نظارہ تھے۔ حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کے تمام ننہالی رشتہ دار یعنی بنو نجار خاص طور پر مسرور و شاداں تھے۔ بنو نجار کے نوجوان اسلحہ سج کر سامنے آتے اور سلام عرض کرتے

چھوٹی بچیوں کا گیت گانا

ان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں؛

نَحْنُ جَوَارٍ مِن بَنِی النَّجَّارِ	ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔
یَاحَبَّذَا مُحَمَّدًا مِن جَارٍ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔

آپ نے ان لڑکیوں کے پاس سے گزرتے وقت ازراہِ شفقت فرمایا بچیو! کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟ بولیں ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا میں بھی تم کو عزیز رکھتا ہوں۔

اس وقت جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں بھی کوچہ شارع اور گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر حمدِ الٰہی کے ترانے گا رہی تھیں۔ اس عدیم النظیر خیر مقدم پر بائیبل کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں مذکور تھا کہ سلع کے رہنے والے ایک گیت گائیں گے (یسعیاہ باب ۴۲، ورس ۱۱)

علامہ ابن قیم کا تردیدی بیان

بعض روایتوں میں ان اشعار کا گایا جانا بھی مذکور ہے

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	ہم پر ثنیات الوداع کی طرف سے چاند نکل آیا ہے۔
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَی اللّٰهُ دَاعٍ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

اے ہم میں مبعوث ہونے والے! آپ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی متابعت فرض ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ ان اشعار کے بارہ میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ شعر اس وقت گائے گئے تھے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے ہیں حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ مقام ثنیۃ الوداع ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر اور یہ اشعار اس وقت گائے گئے جب آپ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مراجعت فرما ہوئے تھے۔"

لیکن مولٰنا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں طرف ایسا موقع اور یہی نام ہو اور دونوں وقت یہ اشعار پڑھے گئے ہوں تو کیا استبعاد ہے؟

مسلمانان مدینہ میں کش مکش

اس وقت انصار کے تمام قبیلوں کے ارکان کی چشم ہائے توقع و انتظار آپ کے سر راہ لگی ہوئی تھیں۔ کوکبہ نبوی کے نزول اجلال کا شرف حاصل کرنے کے لیے ان میں سخت کش مکش پائی جاتی تھی۔ ہر خاندان کا ہر شخص متمنی تھا کہ یہ سعادت دارین اسی کے حصہ میں آئے۔ چنانچہ جب آپ بنو سالم کے محلہ میں نماز جمعہ سے فراغت پا کر ناقہ پر سوار ہوئے تو عتبان بن مالک، عباس بن عبادہ بن نضلہ اور بنو سالم کے چند دوسرے معززین رضی اللہ عنہم نے حاضر ہو کر گزارش کی یارسول اللہ! آپ یہیں فروکش ہو جائیے ہم ہر طرح سے خدمت گزاری اور حفاظت کے لیے حاضر ہیں۔" آپ نے فرمایا میری اونٹنی کو چلنے دو۔ جہاں حکم ہے وہیں جا ٹھیرے گی۔ اور اونٹنی روانہ ہوئی۔ جب بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچے تو بنو بیاضہ کے سرگروہ زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور قبیلہ کے بہت سے دوسرے لوگ حاضر تھے۔ وہ ناقہ کا راستہ روک کر عرض کرنے لگے حضور! یہاں قدم رنجہ فرمائیے۔ ہم ہر طرح جان و مال سے حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ جہاں اس کو حکم ہے خود ٹھیر جائے گی۔ لوگ ہٹ گئے یہاں تک کہ بنو ساعدہ کے محلہ میں پہنچی۔ یہاں حضرت سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے لوگوں کے ساتھ حاضر تھے۔ وہ اپنے ہاں شرف اقامت بخشنے کیلئے منتیں کرنے لگے۔ آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو سبھوں کو دے آئے تھے اور اونٹنی چل پڑی۔

اونٹنی کا بیٹھ جانا

آخر اونٹنی بنو مالک بن نجار کے محلہ میں پہنچ کر اس جگہ بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے لیکن آپ اب بھی اس پر سے نہ اترے۔ اس وقت آپ پر کچھ ایسی حالت طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اونٹنی اس جگہ سے جہاں

آکر بیٹھی تھی اٹھی اور تھوڑی دور چلی۔ اس وقت اس کی مہار بالکل چھوٹی ہوئی تھی۔ اب وہ مڑی اور اسی جگہ پر جہاں پہلے آکر بیٹھی تھی واپس آئی اور بیٹھ گئی اور اپنے دونوں پچھلے پاؤں جما دیے۔ گویا اس آمد و رفت میں اس نے بناے مسجد نبوی کی تحدید کر دی۔ چنانچہ اس کے بعد اتنی ہی جگہ میں مسجد نبوی تعمیر ہوئی تھی۔ اب آپ اتر پڑے۔ یہاں سے حضرت خالد بن زید معروف بہ ابو ایوب انصاری رضؓ کا گھر سب سے قریب تھا۔ انہوں نے معاً آگے بڑھ کر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور آپ کا سامان اتارا (ابن جریر، ابن ہشام واخرجہ مسلم مختصراً) اور کہا ؎

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست
قدم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

ابو ایوبؓ کو اپنے قیام و مہمانی کی عزت بخشنا

اب انصار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھیرانے کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر گھرانے کی یہی آرزو تھی کہ یہ سعادت دارین اس کے حصہ میں آئے۔ اس اثنا میں حضرت ابو ایوب کاٹھی اٹھا کر اپنے گھر میں لے جا چکے تھے۔ آپ نے لوگوں کو جھگڑتے دیکھ کر فرمایا کہ آدمی وہیں ٹھیرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو (ابن جریر طبری) آپ نے صاف الفاظ میں یہ بھی فرما دیا کہ "میں بنو نجار کے ہاں اترونگا" کیونکہ وہ آپ کے دادا عبد المطلب کے ننہال تھے۔ آپ نے ان کے پاس قیام فرما کر ان کو عزت بخشی (صحیح مسلم) اور حضرت ابو ایوب رضؓ کی فرودگاہ وہ مبارک منزل تھی جو روز ازل سے اس شرف و امتیاز کے لیے چن لی گئی تھی ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

بنو نجّار کی وجہ تسمیہ

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد بزرگوار خواجہ عبد المطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بنو مالک بن نجار میں سے تھیں (فتح الباری) اور بنو نجار کا مورث اعلیٰ نجار تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج تھا (وفاء الوفا) تیم اللہ اس بنا پر نجار کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے کسی شخص کو تیشے سے ہلاک کر دیا تھا (منتہی الارب)

اس دن سے یثرب کا نام بدل کر مدینۃ الرسول (رسول اللہ کا شہر) ہو گیا جسے اختصار کے لیے مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت عیسوی سنہ ۶۲۲ء تھا۔ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف

ترپن سال کا تھا۔ ان ایام سے مسلمانان مدینہ انصار کے معزز لقب سے یاد کیے جانے لگے کیونکہ انہوں نے حضور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے امداد کی اور آپ کی اور دوسرے مہاجرین کرام کی مہمانداری کا بدرجۂ اتم حق ادا کیا (ابن خلدون)

یثرب کی وجہ تسمیہ

مدینہ منورہ کا قدیم نام یثرب تھا جو یثرب بن قابل بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوا کیونکہ یثرب ہی سب سے پہلے اس خطۂ زمین میں آباد ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر اس کا نام طیبہ رکھا اور رب العالمین نے اسے طابہ کے نام سے موسوم فرمایا (رواہ مسلم) عیسیٰ بن دینار کا قول ہے کہ جو کوئی مدینہ کی بجائے یثرب کہے، اس کے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور مسند امام احمد میں حضرت برا بن عازب صحابی ؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مدینہ کو یثرب کہے اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ طابہ ہے (زرقانی علی المواہب)

مدینہ منورہ کے دس نام

یاد رہے کہ مدینہ، طابہ اور طیبہ کے علاوہ دار الہجرت کے اور بھی نام ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں!

بخاری میں مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام طابہ روایت کیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں طیبہ بھی مذکور ہے اور مسلم نے جابر بن سمرہ صحابی ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ کے نام سے موسوم فرمایا اور ابو عوانہ نے طاب اور طیب ناموں کی بھی تخریج کی ہے۔ یہ دونوں لغت ہم معنیٰ ہیں اور ان کا اشتقاق طیب سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام وہاں کی تربت یعنی مٹی کی طہارت کے باعث اور بعض کے نزدیک وہاں کے باشندوں کی خوشبو کی بنا پر مشتق ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ وہاں کی مٹی اور ہوا کی خوشبو اس تسمیہ کی صحت کا بین ثبوت ہے کیوں کہ جو کوئی وہاں اقامت اختیار کرتا ہے، وہاں کی مٹی اور دیواروں میں ایسی روح پرور خوشبو اور رائحۂ دل آویز محسوس کرنے لگتا ہے جس کا کسی دوسری جگہ وجود نہیں پایا جاتا۔

اس کے بعد حضرت علامہ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ ان اسماء کے علاوہ جو اوپر زیب رقم ہوئے مدینہ کے اور بھی نام ہیں چنانچہ عمر بن شبہ نے کتاب اخبار المدینہ میں زید بن اسلم سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ کے دس نام ہیں۔ مدینہ۔ طابہ۔ طیبہ۔ مطیبہ۔ مسکینہ۔ دار۔ جابرہ۔ مجبورہ۔ منیرہ اور یثرب۔ محمد بن ابو یحییٰ کا قول ہے کہ میں اوائل سے دار الہجرت

کے یہ دس نام سنتا آرہا ہوں: مدینہ۔ طیبہ۔ طابہ۔ مطیبہ۔ مسکینہ۔ مدری۔ جابرہ۔ مجبورہ۔ محببہ۔ محبوبہ (فتح الباری)

ہجرت نبوی کی اہمیت

یاد رہے کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ منورہ کی تسخیر تھی جو میدان جنگ کی فتح سے کہیں بڑھ کر روحوں کی اقلیم اور دلوں کی آبادیوں پہ ہوئی تھی۔ اس روحی تسخیر کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم قدوم فرمائے مدینہ منورہ ہوئے۔ ظہورِ اسلام کی تاریخ دو اہم اور اصولی زمانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا دور مکہ معظمہ کی مظلومانہ زندگی کا تھا اور دوسرا مدینہ منورہ کے قیام و اعمال کا۔ پہلا دور حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہو کر ہجرت نبوی پہ ختم ہوا۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہو کر حجۃ الوداع پہ تکمیل پذیر ہوا۔

چونکہ دوسرا دور اسلام کی غربت و بےکسی کے اختتام اور ظاہری طاقت و حشمت کے سروسامان کے آغاز سے ہوا، اس بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب قومی زندگی کی تکمیل و بقا کے لیے قومی سنہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لیے واقعۂ ہجرت ہی کو اختیار کیا گیا۔ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے ان سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر رکھی گئی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کی ابتدا ہوئی ہے لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے قومی سنہ کا مبدأ واقعۂ ہجرت کو قرار دیا۔

اسلامی سنہ اختیار کرنے کے لیے چھ چیزیں صحابۂ کرام کے پیش نظر تھیں (۱) داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت (۲) وحیٔ الٰہی کا نزول (۳) دعوت اسلام کا آغاز۔ (۴) غزوۂ بدر کی تاریخی فتح (۵) مکہ مکرمہ کا فتح مندانہ داخلہ (۶) حجۃ الوداع کا تاریخی اجتماع۔ لیکن قومی سنہ قرار دینے کے سلسلہ میں ان میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہ کیا گیا بلکہ صحابۂ کرام کی حقیقت شناسی اور حکمت پژوہی نے واقعۂ ہجرت کو تمام دوسرے وقائع پر ترجیح دی۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ بدءِ اسلام کی مظلومی اور بیچارگی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے وطن مالوف میں زندگی کے دن کاٹنا ناممکن ہو گیا تھا اور آپ ناچار رات کی تاریکی میں اپنے وطن عزیز، گھربار، خویش و اقارب اور اپنے تمام مالوفات سے دست بردار ہو کر صرف ایک یارِ غمگسار کی رفاقت میں رہسپار دشتِ غربت ہوئے تھے۔

ہفت ماہہ مہمانداری

حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم قریباً سات مہینہ تک حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش رہے۔ اس مدت میں کوئی رات ایسی نہ ہوتی تھی جب کہ مسلمانان مدینہ کی طرف سے تین چار آدمی آپ کے در اقدس پر ماحضر تناول فرمانے کی درخواست کے ساتھ کھڑے نہ نظر آتے ہوں (ابن جریر طبری) جتنی مدت تک آپ حضرت ابوایوب رضہ کے مکان پر فروکش رہے، کھانا زیادہ تر حضرت سعد بن عُبا[illegible] سردار خزرج اور حضرت سعد بن مُعاذ سرگروہِ اوس رضی اللہ عنہما کے گھروں سے آتا رہا (جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب)

حضرت انسؓ بحیثیت خادم رسالت

ابو حاتم کا بیان ہے کہ انصار کی عورتیں اور مرد ہدایا لا لا کر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودیٔ خاطر اور حصول تقرب کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت انس رضہ کی والدہ اُمّ سُلیمؓ چونکہ نادار تھیں، انہیں اس بات پر تاسف تھا کہ آپ کے حضور میں کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ لے جانے کے لیے کچھ موجود نہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے فرزند انس رضہ کو خدمت گار کی حیثیت سے آپ کے پاس بھیج دینے کا قصد کیا چنانچہ انس رضہ کو اپنے شوہر حضرت ابو طلحہؓ کے ساتھ آپ کے پاس بھیج دیا۔ ابو طلحہؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ کے پاس کوئی خادم نہیں۔ انسؓ ایک زیرک و ہوشیار لڑکا ہے۔ اس کو حضور کی خدمت گاری کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے انسؓ کو اپنی خدمت گاری کے لیے جو فی الحقیقت ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بہتر تھی قبول فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۰ سال کی تھی۔ اس کے بعد جب تک آفتاب رسالت ظلمت کدۂ عالم پر ضیا گستر رہا، حضرت انس رضہ آپ کی خدمت گاری کی سعادت سے بہرہ اندوز رہے (وفاء الوفا)

مکان کی نچلی منزل میں قیام

حضرت ابو ایوب رضہ نے آپ کی خواہش کے مطابق اپنے مکان کا حصۂ زیرین خالی کر دیا تھا اور خود بالاخانے میں جا رہے تھے۔ ایک دن ابو ایوب رضہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمیں بالاخانہ کی سکونت سخت ناگوار ہے کیونکہ یہ امر کسی طرح زیبا نہیں کہ نبیوں کے سردار کا قیام تو نیچے ہو اور ہم بالاخانے پر رہیں۔ اس لیے درخواست ہے کہ حضور بالائی منزل پر تشریف لے چلیں اور ہم نیچے آجائیں"۔ آپ نے فرمایا میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے اس لیے نچلی منزل ہی ہمارے لیے موزوں ہے۔ ایک دن اتفاق سے بالاخانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابو ایوبؓ اور ان کے گھر والے اس خیال سے سخت مضطرب ہوئے کہ پانی نچلی منزل میں جا کر آپ کی تکلیف کا باعث ہو۔ بیچاروں کے گھر میں ایک ہی لحاف تھا۔ جھٹ

پانی کے اوپر پھیلا دیا تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے اور مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تکلیف نہ اُٹھائیں (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۲۴۔ مدنی آب و ہوا کے خوشگوار ہونے کی دُعا

آب وہوا کے اعتبار سے یثرب تمام عرب میں بدنام اور وباؤں کا گہوارہ تھا۔ جب خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام قدوم فرمائے یثرب ہوئے تو اکثر مہاجرین کرام یہاں آکر بیمار پڑگئے اور بیماری نے طوالت اختیار کی۔ اس بنا پر ان حضرات کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا (بخاری و مسلم)

مہاجروں پر بخار کا شدید حملہ

ان نفوس قدسیہ میں سے جن کے بخار نے خوفناک شدت اختیار کی تین حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابو بکرؓ بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ تینوں حضرات عالم بیخودی میں اشعار پڑھتے تھے۔ چند اشعار جو اُمّ المومنین کو یاد رہ گئے اور انہوں نے عروہ بن زبیر کو سنائے ان کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے سخت تکلیف کی حالت میں ایک شعر یہ پڑھا۔ "ہر شخص ایسی حالت میں اپنے اہل وعیال کے درمیان صبح کرتا ہے جبکہ موت اس کی جوتی کے تسموں سے بھی قریب تر ہوتی ہے۔"

اور حضرت بلالؓ کے دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے: کیا پھر بھی کبھی دن آئے گا کہ میں اُس وادی میں ایک رات بسر کروں جس میں اذخر اور جلیل میرے پاس ہوں اور کیا وہ دن مجھے پھر بھی کبھی دیکھنا نصیب ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر اتروں اور شامہ و طفیل مجھے دکھائی دیں۔"

اور عامر بن فہیرہؓ نے یہ دو شعر کہے (ترجمہ) میں نے موت کا مزا اُس کے آنے سے پہلے ہی چکھ لیا۔ بزدل کی موت اُس کے اوپر سے آتی ہے۔ ہر شخص بقدر ہمت اسی طرح کوشش کرتا ہے جس طرح بیل اپنی جلد کو اپنے سینگ سے بچاتا ہے۔" (فتوح البلدان بلاذری)

بخار کے جحفہ منتقل ہونے کی دعا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شدت علالت کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا! ہمارے لیے

مدینہ بھی ویسا ہی محبوب بنادے جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے بلکہ مدینہ کی محبت اس سے بھی زیادہ ودیعت فرما۔ الٰہی! مدینہ کی آب وہوا کو صحت بخش بنادے اور اس کے صاع اور مُد میں برکت دے اور بخار کو یہاں سے نکال کر جحفہ کو منتقل کر دے (بخاری ومسلم)

یہ دعا حرف بحرف قبول ہوئی اور معاً موقف اجابت پر پہنچی۔ حضرات مہاجرین کو مدینہ منورہ سے جو محبت ہوئی وہ اپنے مرز وبوم مکہ سے بھی نہ تھی۔ وہی ابوبکر اور بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ منورہ آکر گھبرا اُٹھے تھے اس کے اس درجہ والہ وشیفتہ ہوئے کہ پھر مکہ جانے کا کبھی نام نہ لیا۔

وباؤں کا نقل مکانی

اسی طرح دعا کے دوسرے حصہ کو بھی شرفِ قبول بخشا گیا چنانچہ مدینہ منورہ ہمیشہ کے لیے وباؤں اور بیماریوں سے پاک ہوگیا، اور یہاں کی تمام وبائیں اور بخار یاں جحفہ کو چلی گئیں جو مدینہ منورہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر یہود کی ایک آبادی تھی۔ مدینہ سے وبا کا دفع ہونا آپ کو خواب میں بھی دکھایا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ فام عورت جس کے سر کے بال پراگندہ تھے مدینہ سے نکلی اور جحفہ میں جا کر ٹھیر گئی ہے میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ مدینہ کی وبا جحفہ کو منتقل ہو چکی ہے (بخاری)

فصل ۲۲۵۔ حضرت صَرمہ بن ابی اَنَس انصاری رضؓ کی سعادتِ ایمانی

قارئینِ کرام نے گزشتہ صفحات پر وَرَقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نُفَیل کے حالات پڑھے ہوں گے جو کہ مکہ معظمہ کے موحد اور مسلکِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اسی قسم کے ایک موحد مدینہ منورہ کے قبیلہ بنو نجار میں بھی تھے جن کا نام صرمہ بن انس (یا ابی انس) اور کنیت ابو قیس تھی۔ ان کے قدم عنفوانِ شباب ہی سے جادۂ حق پر استوار رہے۔ انہوں نے اُس زمانہ میں بت پرستی ترک کر کے رہبانیت کا شیوہ اختیار کیا تھا جبکہ ان کی قوم جہالت کے بحر ظلمات میں غوطے کھا رہی تھی۔ صلاح وتقویٰ کے لباس سے علیٰ وجہ الکمال آراستہ تھے۔ اہلِ حق کی طرح غسل

جنابت کرتے تھے۔ اور تقویٰ و طہارت کی انتہا یہ ہے کہ کسی ایسے گھر میں قدم نہ رکھتے تھے جس میں کوئی حائضہ یا جُنبی موجود ہو۔ انہوں نے ایک مختصر سی مسجد تعمیر کرالی تھی۔ ہر وقت اسی میں مصروفِ عبادت رہتے اور کسی ایسے شخص کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتے جس پر غسل واجب ہو۔

قبولِ مسیحیت سے اعراض

انہوں نے ارادہ کیا کہ رائج الوقت آسمانی مذاہب میں سے جو دین صحیح معنی میں سعادت و فلاحِ ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہو اس کا اتباع کریں۔ چنانچہ اس اشتیاق میں قبولِ مسیحیت کی ٹھان لی لیکن جب ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ موجودہ مسیحیت بالکل بت پرستی کی ہم رنگ ہے تو قبولِ مسیحیت کے خیال سے دست بردار ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دینِ مسیح ایک سچا دینِ الٰہی تھا جس میں علائق ماسوی اللہ سے آزادی دلانے اور فلاحِ اُخروی کی پوری صلاحیت موجود تھی لیکن حقیقت میں وہ دینِ مسیح موحد حواریوں کے ساتھ ہی گورِ عدم میں مستور ہو چکا تھا اور جو عیسوی دین دولتِ رُوم میں پرورش پا کر رومن کیتھولک کہلایا، وہ شرک اور بُت پرستی کی آغوش کا پلا ہوا تھا اور اگر عقاید کفریہ اور رسومِ شرکیہ کا لحاظ کیا جائے تو آج کل کی پروٹسٹنٹ مسیحیت اور پُرانے رومن کیتھولک چرچ میں کچھ زیادہ تفاوت نہیں ہے۔

حضرت فخرِ عالمؐ کا جمالِ مبارک دیکھنے کی تمنا

جن ایام میں مرغانِ یثرب نے توحید کی نغمہ سرائی شروع کی اور اوس و خزرج کے در و بام توحیدِ الٰہی کے ترانوں سے گونجنے لگے ان دنوں حضرت صرمہؓ نے بھی قبولِ اسلام کا عزم صمیم کر لیا لیکن چاہتے تھے کہ اُفقِ یثرب سے نبوت کا مہرِ عالم افروز طالع ہو تو اس وقت حلقۂ اسلام میں داخل ہوں۔ گو اس وقت ضعفِ پیری اور اضمحلالِ قویٰ نے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت نہ چھوڑی تھی تاہم ساقیٔ کوثر کی آتشِ محبت نے ہر وقت دل کو تلاطمِ امواج کی طرح سراسیمہ کر رکھا تھا اس لیے دعا گو رہتے تھے کہ کسی طرح سفرِ آخرت سے پہلے ایک دفعہ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک سے آنکھیں روشن اور ٹھنڈی کر سکیں۔

آخر وہ ساعتِ سعید آ پہنچی جبکہ رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خاکِ یثرب کو اپنے نورِ قدوم سے منور فرمایا اور صرمہ رضی اللہ عنہ جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر شکرِ لامتناہی کے سجدے بجا لائے۔

ہجرت کے بعد جب داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے یثرب کی

سرزمین امن وعافیت کا گہوارہ ثابت ہوئی تو صرمہؓ نے کہا ؎

ثوٰی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ
یُذَکِّرُ لَو یَلْقیٰ صَدِیقًا مُوَاتِیًا

پیغمبر علیہ السلام نے قریش میں دس سال سے زیادہ مدت قیام فرمایا آپ یاد کر رہے تھے کہ کاش کوئی غمخوار دوست ملے ۔

یہ ایک طویل نظم کا پہلا شعر ہے۔ حاکم نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ ابیات سیکھنے کے لیے صرمہؓ کے پاس آتے جاتے رہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ صرمہؓ بڑے حق گو اور راست گفتار تھے۔ بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ ذیل کے دو شعر انہی کی یادگار ہیں ؎

یقول ابو قیس واصبح غادیا ۔ الا ما استطعتم من وصایتی فافعلوا
اُوَصِیکم بالبرّ والخیر والتقیٰ ۔ وَاِنْ کُنْتم اھل الریاسۃ فاعدلوا

(ابو قیس صبح کو آکر کہتے ہیں کہ دیکھو جہاں تک تم کو میرے نصائح پر عمل کرنے کی استطاعت ہو، ان پر ضرور عمل کرو میں نیکی بھلائی اور تقویٰ شعاری کی وصیت کرتا ہوں اور اگر تمہیں کہیں کی حکومت حاصل ہو تو خلق خدا کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ پیش آؤ)

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ قرآن کی آیت وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ (رات کی) کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے) ابو قیس صرمہ رضی اللہ عنہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی لیکن علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں سخت اختلاف ہے کہ یہ آیت کس صحابی کی نسبت وارد ہوئی تھی۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک کہ سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ممیز نہ ہو جائے۔ اس آیت کے نزول کے بعد کسی صحابی نے اپنے پیر کے انگوٹھے میں ایک سفید ڈورا اور ایک سیاہ ڈورا باندھ لیا اور جب تک دونوں میں اچھی طرح امتیاز نہ ہونے لگا اُس وقت تک کھاتے پیتے رہے۔ اُس وقت مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ نازل ہوا یعنی صبح صادق کے وقت تاریکی اور روشنی کی دو دھاریاں مراد ہیں صبح صادق کی نمود کے ساتھ ہی کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (لباب النقول)

مرزبانی کا بیان ہے کہ ابو قیس صرمہؓ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور وہ قبول اسلام کے وقت بہت ضعیف العمر تھے چنانچہ انہوں نے خود کہا ؎

بدالی انی عشت تسعین حجۃ ۔ وعشرا وما بعدھا ثمانیا

فلم الفھا لما مضت وحد تھا | یحسبھا فی الدھر الا لیالیا

(مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ میں نوے سال جی چکا ہوں اور دس سال اور آٹھ سال۔ پس جب جملہ سنین گزر چکے تو پھر ان کو دوبارہ نہ پاسکا اور میں نے ان کو شمار کیا تو مدت العمر میں چند ہی راتیں محسوس ہوئیں (سیرت ابن ہشام، اصابہ)

فصل ۲۲۶۔ یہود کے اعلم العلماء حضرت عبداللہؓ بن سلام آغوش اسلام میں

توراۃ و انجیل میں رسول ہاشمی کی سیرت مبارکہ

رب قدیر اپنے کلام عزیز میں فرماتا ہے: اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (وہ نبیٔ اُمّی جس کو علمائے یہود و نصاریٰ اپنے یہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس آیت میں خدائے قدوس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ توراۃ و انجیل میں نبیٔ امی کی نعت یا وصف لکھا پاتے ہیں بلکہ فرمایا کہ خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قدسیہ توراۃ، انجیل اور دوسرے صُحفِ سماوی میں اس بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور و مرقوم تھی کہ گویا ان کتابوں میں خود ذاتِ بابرکات اشرف کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی جلوہ گر تھی۔ پس ظاہر ہے کہ ان آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا آپ سے اسی طرح متعارف تھا جس طرح وہ شخص جس نے آپ کو برأی العین دیکھا ہو اور مدتوں آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا ہو۔

تورات و انجیل میں صحابۂ کرامؓ کا ذکر خیر

اور ان آسمانی صحیفوں میں صرف آنجناب کی سیرت مبارکہ مذکور نہ تھی بلکہ آپ کے اصحاب خیار کی سیرت بھی قلم بند تھی چنانچہ رب جلیل فرماتا ہے:

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ■

ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے (یعنی نماز تہجد کی وجہ سے ان کے چہروں پر خاص نور) ہویدا ہے۔ ان کی یہی صفت تورات میں مذکور ہے اور یہی انجیل میں۔

یہود و نصاریٰ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو کتب سماوی میں پڑھا کرتے تھے اور فضلائے عزیز و برتر نے آپ کی اسی سیرت کو جو کتب الٰہیہ میں مذکور تھی یہود و نصاریٰ پر حجت گردانا تھا

احبار کی دیرینہ آرزو کہ کاش وہ خیر الرسلؐ کا زمانہ پائیں

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء و احبار بھی اسی سیرت مقدسہ کو پڑھ پڑھ کر آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش اُس خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور آپ کے جمال مبارک سے دیدہ و دل روشن کریں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عرب کے اندر یہود کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرفِ اولیت علمائے یہود میں انہی کو حاصل ہوا۔ قارئین کرام نے کسی سابق فصل میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے قریش کے قاصدوں سے کہا تھا کہ تم جا کر مدعی نبوت سے یہ سوالات کرو۔ اگر ان کے صحیح جواب دیے تو یقین کرنا کہ وہ نبی مرسل ہیں ورنہ نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان عبداللہ بن سلام کا مشرف بایمان ہونا بھی اسلام کی حقیت اور حضرت بشیر و نذیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرسل یزدانی ہونے کی نہایت قطعی دلیل ہے۔

نادیدہ محبِ صادق

حضرت عبداللہ ؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب چند انصارؓ مدینہ پہلی مرتبہ مشرف باسلام ہونے کے بعد مکہ سے مراجعت فرمائے یثرب ہوئے تو ان میں سے بعض نے عبداللہ بن سلام سے ذکر کیا کہ آپ جس نبی آخر الزمان کی بعثت کا ہمیشہ تذکرہ فرمایا کرتے تھے وہ مکہ کے اندر مبعوث ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں نے بطیب خاطر اُن کا قلادۂ اطاعت زیب گلو کیا ہے۔ جناب عبداللہ ؓ نے جو ان ایام میں حصین کے نام سے موسوم تھے علامتیں دریافت کیں تو آپ کو بتمامہا اُن علامات کے مطابق پایا جو تورات میں نبی آخر الزمان کی مذکور ہیں۔ جب تھوڑے دنوں کے بعد شاہِ کونین و رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو اس وقت عبداللہ بن سلام ؓ اپنے باغ و بستان میں میوے اُتروا رہے تھے۔ ان کی پھوپھی خالدہ بنت حرث بھی وہیں تھیں۔ کسی نے باغ میں جا کر آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف فرمائی کا ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ ؓ ان علامات کو پڑھ پڑھ کر جو تورات میں نبی آخر الزمان ؐ کے متعلق

مذکور ہیں اور اُن انصار سے جو مکہ معظمہ جا کر آپ کا جمال مبارک دیکھ آئے تھے آپ کے نادیدہ محبت صادق اور عاشق زار بنے ہوئے تھے ؎

آرے آرے گوش پیش از چشم عاشق می شود

رسول اللہؐ کے قدوم فرما ہونے پر وفورِ انبساط

انہوں نے اس مژدۂ جانفزا کے سنتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ان کی پھوپھی کہنے لگیں حسین! تمہیں تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے کی اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی قدوم فرما ہوتے تو تمہیں اتنی مسرت نہ ہوتی"۔ انہوں نے کہا پھوپھی جان! خدا کی قسم! یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اُسی مسلکِ حق کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں جس کے موسیٰ علیہ السلام پیرو تھے۔

پھوپھی نے کہا برادر زادے! کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق تورات اور دوسرے کتب سماویہ میں مذکور ہے کہ وہ تمام انبیاء کے اخیر میں مبعوث ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں وہی ہیں"۔ پھوپھی بولیں تب تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ خود ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں"۔ جناب عبداللہ نے بارگاہِ نبوت کا قصد کیا۔ پھوپھی بھی ان کے پیچھے گئیں اور مشرف باسلام ہو کر لوٹیں اور اپنے گھر پہنچ کر سب کو قبولِ اسلام کی تلقین کی چنانچہ گھر کے چھوٹے بڑے سب افراد نے بخوشی سرکارِ رسالت کی غلامی اختیار کی (سیرۃ ابن ہشام)

ازدیادِ یقین کے بعد سعادتِ ایمانی

حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب سے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا غلغلہ بلند ہوا تھا میں آپ پر غائبانہ ایمان لا چکا تھا لیکن اپنے ایمان کو یہود سے مخفی رکھا تھا۔ قدوم نبوی کے بعد میں آستانِ مبارک میں حاضر ہوا اور آپ کے کلماتِ طیبات سن کر اور بھی حق الیقین ہو گیا کہ آپ ہی دنیا کے آخری نجات دہندہ ہیں۔ تاہم مزید اطمینان اور وثوق کامل کے لیے نشانِ صدق معلوم کرنے کا قصد کیا۔

حسب روایت امام بخاریؒ عبداللہ عرض پیرا ہوئے جناب! میں آپ سے ایسی تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو نبیٔ مرسل کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) علاماتِ قیامت میں پہلی علامت کون سی ہے؟ (۲) اہل جنت کو پہلی چیز کھانے کو کیا ملے گی؟ (۳) وہ کون سا سبب ہے جس کے باعث کبھی تو بچہ ماں کا ہمشکل ہوتا ہے اور کبھی باپ کے مشابہ؟ معاً حضرت روح الامینؑ

نازل ہوئے اور آپ نے ان سے تینوں سوالوں کے جواب سن کر حضرت عبداللہؓ کو بتائے۔ پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ وہ ایک آگ ہو گی جو لوگوں کو ہنکال کر مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور دوسرے استفسار کی نسبت کہا کہ وہ مچھلی کا جگر ہے"۔ یہ جوابات سن کر جناب عبداللہؓ پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) (بخاری)

حضرت عبداللہؓ کی نسبت یہود سے استفسار

جناب عبداللہؓ کا اصل نام حُصَین تھا اور یہ یہود بنی قینقاع میں سے تھے۔ جب مشرف بایمان ہوئے تو مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا (فتح الباری) حضرت عبداللہؓ گوہر مقصود کی تحصیل کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہود بڑی مفتری اور دروغ گو قوم ہے انہیں میرے قبول اسلام کا حال معلوم ہو گیا تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے۔ اس لیے حضور میرے مشرف بایمان ہونے کا حال شروع میں بیان نہ فرمائیے گا"۔ اس کے بعد جب یہود کی ایک جماعت بارگاہِ معلّٰی میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارے درمیان حُصَین بن سلام کس پایہ کے آدمی ہیں؟ یہودی کہنے لگے حُصَین بن سلام ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند گرامی ہیں۔ وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں"۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ ایمان لے آئیں تو کیا تم لوگ بھی مسلمان ہو جاؤ گے؟ کہنے لگے معاذ اللہ! ایسا ہونا بھی کبھی ممکن ہے؟ خدا انہیں تمہاری متابعت سے محفوظ رکھے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہؓ جو ایک گوشہ میں پنہاں تھے ان کے سامنے آ گئے اور فرمایا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں"۔ یہ دیکھ کر یہود محو حیرت رہ گئے اور عالم تاسف میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن پھر عالم غیظ میں یہ چیخنا شروع کر دیا کہ یہ ہم میں بدترین شخص ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے" اور حضرت عبداللہ کے خلاف بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگے۔ جناب عبداللہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! مجھے ان کی اسی افترا پردازی کا کھٹکا تھا (بخاری)

فیضانِ نبوت کا گہرا رنگ

قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہو گا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو یہود کے اندر فضل و کمال میں یکتائے عصر تھے کس طرح سعادت ازلی کی کشتی پر سوار ہو کر آناً فاناً ساحل مراد پر جا پہنچے۔ انہوں نے اپنے علم، ذکاوت ذہن اور فراست

خداداد سے صحیح فائدہ اُٹھا کر سعادتِ ایمانی کی اوّلیت کا شرف حاصل کیا۔ ارضِ صالح میں ابرِ بہار کا معمولی سا چھینٹا پڑ جائے تو بھی سبزہ لہلہا اُٹھتا ہے مگر حضرت عبداللہ تو علم و عمل میں پہلے ہی ممتاز تھے۔ سرچشمۂ نبوت سے سیراب ہوتے ہی مقبولانِ بارگاہ کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور ان پر فیضانِ نبوت کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ جس کی تعریف میں زبانِ قلم قاصر ہے۔ یہاں احبابِ کرام کی بصیرت افروزی کے لیے ایک خواب درج کیا جاتا ہے جو جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مشرف بایمان ہونے کے بعد دیکھا تھا۔

رسولِ اکرمؐ کی تعبیر گوئی

قیس بن عباد تابعی کا بیان ہے کہ میں مسجدِ نبوی میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک بزرگ وہاں آیا جس کے چہرہ پر طاعت و خشوع کے آثار نمایاں تھے۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص جنتی ہے۔ اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور مسجد سے باہر چلا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا اور گزارش کی جنابِ والا! جس وقت آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو لوگوں نے آپ کی نسبت کہا تھا کہ یہ شخص جنتی ہے۔" اس بزرگ نے کہا کسی شخص کو ایسی بات مونھ سے نہ نکالنی چاہیئے جو اسے حتمی طور پر معلوم نہ ہو تاہم میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے اس خیال کا مبنیٰ کیا ہے۔ میں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت میں خواب دیکھا تھا کہ میں ایک چمن زار میں ہوں جس کی فراخی اور سبزی بیان سے باہر ہے۔ چمن کے بیچ میں لوہے کا ایک ستون ہے جس کا سرا آسمان تک پہنچا ہوا ہے اور حصۂ زیرین زیرِ زمین ہے اور ستون کے اوپر پکڑنے کا ایک عُروہ (حلقہ یا کڑا) ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس ستون کے اوپر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا مجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ اتنے میں ایک خادم آ گیا۔ اس نے پیچھے کی طرف سے میرے کپڑے اٹھا لیے اور میں نے اس کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ستون کے اوپر پہنچ گیا۔ اب میں نے کڑے کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس کو خوب زور سے پکڑ لو۔" اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا وہ چمن زار ملتِ اسلام ہے اور ستون اسلام کے احکام و ارکان ہیں اور وہ عُروہ (حلقہ) عُروۃ الوُثقیٰ ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ (۲ : ۲۵۶) پس تم تادمِ واپسیں اسلام پر قائم رہو گے"۔ (بخاری و مسلم)

بھتیجوں کو دعوتِ اسلام

ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے

مشرف بایمان ہونے کے بعد اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سے فرمایا تم جانتے ہو کہ حق تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اسمٰعیل کی اولاد میں ایک نبی جس کا نام نامی احمد ہوگا، مبعوث کروں گا۔ جو کوئی اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو اعراض کرے گا وہ ملعون ہوگا۔" یہ سن کر سلمہ نے تو دعوت حق کو لبیک کہا لیکن مہاجر برابر حق سے بُعد و مہاجرت پر اڑا رہا۔ اس کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط (۲: ۱۳۰)	اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقہ سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔

(لباب النقول)

فصل ۲۲۷۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی سعادت اندوزی اسلام

نام ونسب

حضرت سلمان فارسیؓ اُن سعید روحوں میں سے ہیں جو قُبا میں شاہ رسالت کے قدوم فرما ہونے کے بعد سب سے پہلے مشرف بایمان ہوئے تھے نسبی تعلق اصفہان کے ایک مجوسی خاندان آب الملک سے تھا۔ مجوسی نام مابہ بن بوذخشان تھا۔ اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ انہوں نے اپنے قدوم مدینہ اور سعادت اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کے حالات حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے یوں بیان فرمائے تھے۔

آتش پرستی پر مسیحیت کو ترجیح

میں ضلع اصفہان کے ایک قریہ کا رہنے والا ہوں جس کا نام جی ہے۔ باپ آتش پرست تھا اور مجھے بھی آتش پرستی میں بڑا غلو تھا۔ والد نے آتش کدہ کی نگرانی میرے ہی متعلق کر رکھی تھی۔ رات دن آگ کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا اور میرا شمار اُن پجاریوں میں تھا جو کسی وقت آگ بجھنے نہیں دیتے۔ ہم جی کے زمیندار و مزارع تھے۔ میرے والد زراعت کی نگرانی خود کرتے تھے۔ ایک دن وہ مکان کی مرمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے خود کھیت پر نہ جا سکے اور مجھے اس کی دیکھ بھال کے لیے بھیج دیا۔ راستہ میں نصاریٰ کا ایک گرجا تھا۔ وہ اس وقت اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ میں ان کی آواز سن کر گرجے میں چلا گیا اور کھیتوں کا خیال چھوڑ کر ان کی عبادت کا طور طریق

دیکھنے لگا۔ مجھے اپنی آتش پرستی کی نسبت ان کا طریق عبادت پسند آیا۔ دل میں خیال آیا کہ ان لوگوں کا مذہب ہمارے کیش آتش پرستی سے بہتر ہے، ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

قبول مسیحیت

حضرت سلمان رض فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا میں تمہارا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے مجھے بپتسمہ دیا اور میں مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر "آسمانی بادشاہت" میں داخل ہو گیا۔ میں نے پادری صاحبوں سے کہا مجھے تحصیل علم کی آرزو ہے اس لیے ازراہِ کرم یہ تو بتاؤ کہ اس مذہب کا مرکز و سرچشمہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ہمارا مذہبی مرکز ملک شام میں ہے۔ میں وہاں کا پتہ پوچھ کر گھر واپس آیا۔ والد نے پوچھا کھیتوں کو دیکھ آئے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا وہ مذہب تو ہمارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں۔ میں نے کہا بخدا! وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں فائق ہے۔ اس جواب سے میرے والد کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مقید کر دیا۔

شام کا سفر

مگر میرے دل میں اتباعِ حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جب شام کا قافلہ جانے والا ہو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ کاروان تجارت جانے لگا تو مجھے خبر کی گئی۔ میں کوشش کر کے بیڑیوں کی قید سے نکل کر کاروان کے ساتھ ہو لیا اور شام کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر گرجے میں گیا اور اسقف[۵] سے ملاقات کر کے التماس کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر علم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست قبول کی اور اس کے ساتھ رہنے لگا۔

اُسقُف کی ہوس زراندوزی

یہ اسقف عالم باعمل نہیں تھا۔ اس کے پاس غرباء و مساکین کے لیے صدقات جمع ہوتے تھے۔ یہ ان پر خرچ کرنے کے بجائے سب کچھ اپنی ہوس زراندوزی کی نذر کر دیتا تھا۔ اس لیے مجھے دن بدن اس سے نفرت ہونے لگی۔ آخر اس کا پیمانۂ حیات آبِ فنا سے لبریز ہو گیا۔ لوگ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے۔ میں نے کہا یہ پادری بڑا بدباطن تھا جس قدر صدقات آتے تھے، ان میں سے ایک حبہ بھی مساکین پر خرچ نہیں کرتا تھا۔ لوگ پوچھنے لگے تمہیں کیونکر معلوم ہے؟ میں نے کہا

---

[۵] اسقف۔ خطیب و واعظ نصاریٰ ۱۲

چلو میں اس کا اندوختہ دکھاتا ہوں۔ میں نے لوگوں کو اس کے خزانے پر لا کھڑا کیا۔ لوگوں نے زمین کھودی تو سات مٹکے نکلے جو طلائی اشرفیوں اور نقرئی سکوں سے بھرے ہوئے تھے۔ نصاریٰ نے اس کی لاش کو دفن کرنے کے بجائے دار پر لٹکا دیا اور اس پر خوب سنگ باری کی۔

موصل کا سفر

اس کے مرنے کے بعد ایک اور پادری اس کا جانشین ہوا۔ یہ شخص بڑا عابد، زاہد اور متقی تھا۔ شب و روز عبادت میں مصروف رہتا۔ میں اس سے بہت مانوس ہوا اور اس کی صحبت سے بہت کچھ فیض اٹھایا۔ لیکن دستِ اجل نے اس کے دروازے پر بھی جلد آ دستک دی۔ مجھے تلاشِ حق کی تڑپ تھی۔ میں نے نزع کے وقت اس سے کہا کہ تمہارا تو آخری وقت ہے مجھے کچھ وصیت کر جاؤ اور بتاؤ میں تمہارے بعد کس کے پاس رہوں؟ اس نے کہا اے فرزند! نیک لوگ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور جو موجود ہیں انہوں نے دین میں سخت رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں اور بدعات و مخترعات کے جال میں پھنسے ہیں۔ انہوں نے دین کے بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہیں۔ تاہم تم موصل جاؤ۔ وہاں میرا ایک نہایت متقی اور صحیح الایمان دوست رہتا ہے۔ وہ صحیح معنی میں دینِ حق کا پیرو ہے۔ تم جا کر اس کی صحبت سے فائدہ اُٹھاؤ۔

موصل سے نصیبین

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ قضا کر گیا تو میں نے موصل پہنچ کر اس سے ملاقات کی اور اپنی سرگزشت بیان کر کے التماس کی کہ آپ کے ہاں حق و صدق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اس لیے میں آپ کی خدمت میں رہ کر اپنی تشنگی سعادت بجھانا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست قبول کی اور میں اس کے پاس رہنے لگا۔ یہ پادری بھی بڑا پاکباز اور نیک کردار تھا۔ لیکن قضائے کردگار سے تھوڑے دن کے بعد وہ بھی لقمۂ اجل ہو گیا۔ میں نے اس کے دمِ واپسیں گزارش کی جنابِ والا! میں فلاں بزرگ کی وصیت کے بموجب آپ کے پاس آیا تھا۔ اب آپ بھی رخصت ہوتے ہیں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگا سلمان! خدا کی قسم! لوگوں نے دین کو بدل ڈالا۔ عقائدِ کفریہ دین کا جزوِ اعظم بن گئے ہیں۔ اس مسلکِ حق پر جس کا میں پیرو ہوں، اس وقت ایک شخص کے سوا کسی کو نہیں پاتا۔ وہ شہر نصیبین میں ہے۔ تم وہاں جاؤ اور اس کی برکتِ انفاس سے استفاضہ کرو۔ چنانچہ میں نصیبین پہنچا اور اس سے ملاقات کی۔

عموریہ کا سفر

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ نصیبین کے پادری نے مجھے اپنے پاس

ٹھیر گیا اور میں وہاں روحانی تسکین کا سامان فراہم کرنے لگا۔ لیکن ابھی تھوڑے ہی دن اُس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہوگیا۔ اس سے بھی میں نے اپنے مستقبل کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا تمہارا گوہر مقصود عموریہ میں ہے۔ میرے بعد وہاں چلے جانا۔ چنانچہ اس کی رحلت کے بعد عموریہ پہنچا اور وہاں کے اُسقف سے مل کر مرحوم کا پیام پہنچایا اور اس کے پاس مقیم ہو کر روحانی غذا حاصل کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ کچھ بکریاں بھی خریدیں جن کے دودھ سے جسمانی غذا کا سامان بھی ہوگیا۔

پیغمبر آخرالزمان م کی بعثت کا مژدۂ جانفزا

حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ جب اُس پادری کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ اتنے مراحل طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ اب آپ بھی زندگی کا سفر ختم کر کے آخرت کی راہ لیتے ہیں۔ اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔ اس نے کہا بیٹا! میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے۔ کائنات میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں۔ البتہ اب اُن پیغمبر آخرالزمان کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیشین گوئی کے مطابق ریگستان عرب میں مبعوث ہو کر دین ابراہیمؑ کو زندہ کریں گے اور کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ ان کی ایک علامت یہ ہے کہ ہدیہ قبول کریں گے لیکن صدقہ سے اعراض فرمائیں گے۔ اور دوسری نشانی یہ ہے کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر اس شرف و سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکو تو زہے قسمت۔

عرب کا سفر اور یثرب میں ورود

اب میں عرب پہنچنے کے لیے ہر وقت مضطرب اور بے قرار رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد قبیلۂ بنو کلب کا قافلہ وہاں سے گزرا۔ میں نے ان سے کہا اگر تم مجھے عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ انہوں نے منظور کیا اور میں قافلہ کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ قافلہ وادی القریٰ میں پہنچا تو قافلہ والوں نے بے کس و مفلوک الحال دیکھ کر مجھے ایک یہودی کے ہاتھ غلام کی حیثیت سے فروخت کر ڈالا۔ ناچار اس یہودی کے پاس رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد یثرب کے یہودی قبیلۂ بنو قریظہ کا ایک شخص آیا اور مجھے اس سے خرید کر یثرب لے آیا۔ اس شہر کے دیکھتے ہی مجھے از خود یقین ہوگیا کہ کوئے محبوب کا جلوہ گاہ یہی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کا تذکرہ اُسقف سے سنا تھا۔ میں

یثرب کے قبیلہ بنو قریظہ میں رہ کر دیدارِ جمالِ نبوی کی آرزو میں دن کاٹنے لگا۔

پیغمبر آخرالزمان ؐ کی آمد کا غلغلہ

حضرت سلمان رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا۔ اتنے میں میرے آقا کا عم زاد بھائی آیا اور کہنے لگا خدا بنو قیلہ کو غارت کرے۔ ان لوگوں نے قُبا میں ایک شخص کے پاس ہجوم کر رکھا ہے جو مکہ سے وارد ہوا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ یہی پیغمبر آخرالزمان ہے"۔ یہ سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بدن کانپنے لگا اور مجھے خوف دامنگیر ہوا کہ درخت پر سے گر کر فرشِ زمین پر جا رہوں گا۔ میں بہزار مشکل درخت سے نیچے اترا اور آنے والے یہودی سے بے تحاشا پوچھنے لگا کہ یہ تم نے کس شخص کی آمد بیان کی ہے؟ یہ سنتے ہی میرے آقا نے زور سے ایک طمانچہ میرے مونہہ پہ کھینچ مارا اور کہا بدبخت! تجھے ان قصوں سے کیا سروکار۔ جا اپنا کام کر۔ میں خاموش ہو گیا لیکن اس کے بعد مختلف ذرائع سے اطلاع مل گئی کہ نبوت کا آفتاب عالمتاب قُبا کے اُفق سے طلوع ہو چکا ہے۔

قبا میں سرورِ انبیاءؐ کا شرفِ دیدار

حضرت سلمان رضؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بہت دنوں سے ایک قلیل رقم جمع تھی۔ چند روز کے بعد موقع ملا تو میں نے کھانے کی کوئی چیز خریدی اور قبا پہنچ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندہ ہیں اور آپ کے ساتھ نادار وغریب الدیار اصحاب ہیں۔ میں نے آپ کو صدقہ وخیرات کا سب سے زیادہ مستحق خیال کیا اس لیے یہ صدقہ یہاں لایا ہوں۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آپ نے وہ چیز اپنے مفلوک الحال اصحاب کے سامنے کر دی اور فرمایا تم لوگ کھا لو اور خود نوش نہ فرمایا۔ میں نے دل میں کہا تو ایک علامت کا تو مشاہدہ ہو گیا کہ صدقہ قبول نہیں کرتے۔ پھر وہاں سے چلا آیا۔ تھوڑے دن کے بعد کھانے کی کوئی اور چیز لے کر حاضرِ خدمت ہوا اور گزارش کی کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ صدقہ کی چیز تناول نہیں فرماتے اس لیے آپ کے پاس یہ ہدیہ لایا ہوں"۔ آپ نے اس کو خود بھی نوش فرمایا اور صحابہ کو بھی شریک کیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ دونوں نشانیاں پوری ہو گئیں۔ پھر میں چلا آیا۔

مُہرِ نبوت دیکھ کر مشرف باسلام ہونا

اس کے بعد ایک مرتبہ بقیع غرقد میں دیکھا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پشت

مبارک کی طرف آیا تاکہ مُہرِ نبوت دیکھوں۔ آپ مجھے پیچھے کی طرف آتے دیکھ کر سمجھ گئے کہ مُہرِ نبوت دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ نے پیٹھ سے کپڑا ہٹا دیا۔ میں نے مہرِ نبوت دیکھی۔ پھر باچشمِ پُرنم جھک کر اس کو بوسہ دیا اور فرطِ مسرت سے رونے لگا کہ اتنے مرحلوں کے بعد شاہدِ مقصود تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا تم سامنے آؤ۔ میں سامنے حاضر ہوا اور اپنی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔

آزادی کے لیے شفیقِ عالم کی جدوجہد

حضرت سلمان ؓ کا بیان ہے کہ یہودی کی غلامی کا جوا میری گردن میں تھا۔ مسلمان ہونے کے باوجود غزوہ ہائے بدر و اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ ایک دن آپ نے فرمایا سلمان! تم اپنے آقا سے مکاتبت کرلو" (مکاتبت ایک شرط ہوتی تھی جو مالک اور مملوک کے درمیان طے پا جاتی تھی۔ جب وہ شرط پوری ہو جاتی تو غلام آزاد ہو جاتا) حضرت سلمان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے چالیس اُوقیہ سونا ادا کرنے اور کھجور کے تین سو درخت لگا دینے کی شرط پر کتابت کرلی۔ آپ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ تم لوگ حصولِ آزادی میں اپنے بھائی کی مدد کرو۔ صحابہ (انصار) میں سے جن کسی سے جتنے پودے ہو سکے لا لا کر جمع کرنے شروع کیے۔ کوئی تیس لایا کوئی بیس کوئی دس کوئی پانچ یہاں تک کہ تین سو پورے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا سلمان! تم ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو۔ جب تیار ہو جائیں تو مجھے خبر کرنا۔ میں چل کر اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔" میں نے جا کر گڑھے کھودنے شروع کیے۔ آپ کے اصحاب بھی اس کام میں میرا ہاتھ بٹانے لگے۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو میں نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ یہودی کی زمین میں تشریف لائے۔ ہم آپ کو پودے دیتے اور آپ لگاتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے تمام پودے لگا دیے۔

اس سے ہمارے تن آسان امراء اور پیرانِ طریقت کو سبق آموز ہونا چاہیے جو اپنے ہاتھ سے کام کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں چہ جائیکہ مریدوں اور دوسرے لوگوں کے لیے کوئی محنت و مشقت گوارا کریں۔ سردارِ دو جہاں علیہ التحیۃ والسلام زراعت اور باغبانی کا کام نہیں جانتے تھے اور نہ اتنا پُرمشقت کام آپ کے شایانِ شان تھا تاہم آپ نے امت کے لیے ایک نمونہ قائم کرکے دکھا دیا کہ مومن کو اپنے اخوانِ مذہب اور برادرانِ ملت کی امداد میں کہاں تک عملی جدوجہد کرنی چاہیے۔

سونے کا عطیۂ نبوی

سلمان ؓ کہتے ہیں کہ درختوں کی طرف سے مطمئن ہوا تو چالیس اُوقیہ

سونے کی نکر ہوئی۔ (طبی اُوقیہ ساڑھے سات مثقال کا ہوتا ہے اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشے ہے۔ اس حساب سے چالیس اُوقیہ سونا ایک سیر ساڑھے چھ چھٹانک ہوتا ہے) چند روز کے بعد شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی مَعدن سے بیضۂ مرغ کے برابر سونا ہدیۃً آیا۔ آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا وہ فارسی مکاتب کہاں ہے؟ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ یہ سونا لے جاؤ اور اپنا مال کتابت ادا کر دو۔" میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس سے کیا ہو گا۔ یہ تو چالیس اوقیہ سے بہت کم ہے۔" آپ نے فرمایا جاؤ لے جاؤ۔ خدا پورا کرے گا۔" میں لے گیا۔ یہودی نے وزن کرایا تو پورے چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ؐ کی خدمت میں رہنے لگا۔ غزوۂ خندق میں بحالت آزادی شریک ہوا اور اس کے بعد ہر غزوہ میں حضور کے ہمرکاب رہا (مسند امام احمد و سیرۃ ابن ہشام)

فصل ۲۲۸۔ مہاجرین کرام کے مکان کی فروخت

ہجرت نبوی کے بعد اُن مسلمانوں کے سوا جو غیر مسلموں کی قید میں تھے اور بجز ان مستضعفین کے جو کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جا سکے تھے، مکہ میں کوئی مسلمان باقی نہ رہ گیا تھا۔ بنو مظعون، بنو جحش، بنو بکیر اور بنو عدی بن کعب تو اہل و عیال سمیت ہجرت کر گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کے مکانات بالکل خالی سنسان پڑے تھے۔ بنو جحش کی ہجرت کے بعد ابوسفیان بن حرب نے ان کا مکان ایک شخص عمرو بن علقمہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جو حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے بارگاہ نبوی میں صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ خدائے قدوس تم کو اس کی بجائے جنت میں اس سے بہتر محل عطا کرے؟ عبداللہ رضؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں خوش ہوں (سیرت ابن ہشام)

ابوسفیان نے بزعم خود اس حق کی بنا پر یہ مکان فروخت کیا تھا کہ ان کی بیٹی فارعہ بنت ابی سفیان عبداللہ کے بھائی حضرت ابو احمد عبد بن جحش رضؓ کی بیوی تھیں۔ جب حضرت ابو احمد رضؓ کو اپنے مکان کی فروخت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ابوسفیان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ؎

دار ابن عمك بعتها | تقضی بها عنك الغرامه
اذهب بها اذهب بها | طوقتها طوق الحمامه

(تم نے اپنے عم زاد کا مکان بیچ دیا۔ اس سے تم اپنا قرض ادا کرو گے۔ خیر بیچ لو لیکن یاد رکھو کہ تم نے کبوتر کے طوق کی طرح ایک پائدار طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے)

حضرت ابو احمدؓ نے فرمایا کہ اس مکان کو اسی طرح تمہارے گلے کا طوق بنایا جائے گا جس طرح کبوتر کے گلے میں قدرتی طوق پڑا ہے۔ یہ قول اس حدیث سے ماخوذ ہے جو بخاری و مسلمؒ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی دبا لے قیامت کے دن وہ زمین سات طبق تک اس کے گلے کا طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔" طوق کبوتر سے اس لیے تشبیہ دی کہ کبوتر کے گلے کا طوق اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ (الروض الانف)

اس واقعہ کے کئی سال بعد جب مکہ معظمہ پر اسلام کا پرچم لہرایا تو حضرت ابو احمدؓ کو محسوس ہوا کہ اب مکان کی واپسی کا امکان بہت قوی ہے۔ انہوں نے حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض معروض کیا لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اصحاب میں سے بعض حضرات نے جو اہلِ مکہ کے متعلق آنحضرتؐ کے جذبات عفو و درگزر سے باخبر تھے ابو احمدؓ سے کہا کہ آپ اُن چیزوں کی نسبت جن پر غیر مسلموں نے ہجرت کے ایام میں قبضہ کر لیا تھا اب کوئی گفتگو پسند نہیں فرماتے۔ یہ سن کر حضرت ابو احمدؓ بھی خاموش ہو گئے (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۲۹ حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی رحلت

ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے محنت سرائے دنیا سے مونھ موڑ کر عالم باقی کی طرف رحلت فرمانے والے حضرت کلثوم بن ہدم تھے جن کے مکان پر آپ نے قبا میں نزول اجلال فرمایا تھا۔ یہ آپ کی تشریف آوری کے چند ہی روز بعد رحلت فرما ہوئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تعمیر مسجد کے کام سے فراغت نہ پائی تھی کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ رضی اللہ عنہ نے بھی دنیائے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہہ دیا۔ چونکہ حضرت اسعدؓ انصار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے خدمت گزار اور اسلام کے سب سے بڑے سرگرم معاون تھے، یہودیوں اور

منافقوں نے ان کی رحلت پر زبان طعن دراز کی۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عرب کے منافق کہتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مقرب بارگاہ احدیت ہوتے تو ان کا اتنا سرگرم حامی نہ مرتا۔" حالانکہ خدائے بے نیاز کے یہاں نہ میری اپنے لیے کچھ چلتی ہے اور نہ کسی دوسرے کے حق میں پیش جاتی ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری)

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بنو نجار کے نقیب تھے۔ ان کی رحلت کے بعد بنو نجار بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور التماس کی یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اسعد کی منزلت ہم میں کیا تھی۔ آپ ہم میں سے کسی کو ان کی جگہ مقرر فرما دیں تاکہ جو کام ان کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے، ان کا جانشین وہی خدمات سرانجام دینے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہا درجہ کے دوراندیش اور معاملہ فہم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے نانہالی رشتہ دار ہو۔ میں تم میں سے ہوں۔ اب میں تمہارا نقیب بن جاتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ ان میں سے کسی ایک کو اوروں پر ترجیح دے کر دوسروں کی دل شکنی کریں۔ اسی بنا پر آپ خود ان کے نقیب بن گئے اور بنو نجار اس بات کو لوگوں کے سامنے بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نقیب بنے۔

آپ نے بنو نجار کو ننہالی رشتہ دار اس لیے کہا کہ وہ آپ کے جدِ امجد جناب عبدالمطلب کے نانہال تھے۔ انہی ایام میں مکہ معظمہ سے خبر آئی کہ دو دشمنانِ دین ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل سہمی لقمۂ اجل ہو گئے۔ ان میں سے پہلا حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باپ تھا (ابن جریر طبری)

فصل ۲۳۰۔ نبیٔ آخر الزماںؑ کی بعثت کا مژدہ سنانے والے یہودی عالم کی حرماں نصیبی

ایک بدری صحابی حضرت سلمہ بن سلامہ بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جن ایام میں میں قریب البلوغ تھا ایک مرتبہ اپنے قبیلے کے چند آدمیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک یہودی عالم نے آکر حشر و نشر، حساب و میزان اور جنت و دوزخ کا ذکر چھیڑ دیا اور کہنے لگا کہ

دوزخ اُن لوگوں کا ٹھکانا ہے جو مشرک ہیں اور بُت پرستی کرتے ہیں اور اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور رب العالمین کے حضور میں پیش ہوں گے"۔ میرے قبیلہ کے آدمی اس یہودی سے کہنے لگے کیا واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ لوگ مرنے کے بعد از سرِ نو زندہ کیے جائیں گے اور اپنے نیک یا بداعمال کا بدلہ پائیں گے؟ یہودی عالم نے کہا واقعی میرا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ صحیح ہے۔ انہوں نے پوچھا قیامت کی نشانیاں کیا ہیں؟ اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ان شہروں کی طرف حضرت خاتم الانبیاء پیدا ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ ان کا کب تک ظہور ہو گا؟ یہودی عالم نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر اس لڑکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اُس نبی کو دیکھے گا"۔

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھ پر عالم محویت طاری ہو گیا اور اس واقعہ کو ابھی تھوڑے ہی سال گزرے تھے کہ حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ جونہی ہم لوگوں نے آپ کی بعثت کی خبر سنی ہم معاً ایمان لائے۔ وہ یہودی عالم ہنوز زندہ تھا لیکن بغض و حسد کی وجہ سے سعادت ایمان سے محروم رہا۔ ہم نے اس سے کہا کہ تم ہی تو ہمیں نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کی خبریں سنایا کرتے تھے اور اب تم ہی سعادتِ ایمانی سے محروم رہے جاتے ہو۔ وہ بولا یہ وہ نبی نہیں کہ جن کا میں ذکر کیا کرتا تھا۔ آخر وہ حرماں نصیب حالت کفر ہی میں دنیا سے گزر گیا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۳۱- چاہِ رُومہ کی خریداری اور مسجد نبوی کی تعمیر

حضرت عثمانؓ کا چاہ رومہ خریدنا

جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک مدینہ کو اپنے قدوم میمنت سے رشکِ جناں بنایا تو اس وقت یہاں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جسے بیر رومہ کہتے تھے اور وہ بھی ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔ اس کوئیں کا پانی متعفن ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو اس کوئیں کو صاف کرائے؟ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! میں صاف کرا دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو صاف کرا دیا۔ لیکن صفائی کے بعد اس کے یہودی مالک نے مسلمانوں کو پانی لینے سے روک دیا۔

جب مسلمانوں کو پانی کی زیادہ تکلیف ہوئی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار صحابہ کو جمع کرکے پوچھا تم میں سے کسی کو اتنی استطاعت ہے کہ چاہ رومہ خرید کر عامۃ المسلمین کے لیے وقف کر دے اور اس کے عوض میں جنت حاصل کرے؛ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! بندہ ایسا کرنے کو حاضر ہے چنانچہ انہوں نے یہ کنواں یہودی کی منہ مانگی قیمت یعنی پینتیس ہزار درہم میں خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ (ترمذی، نسائی، دار قطنی)

مسجد کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ کا انفاق

ہجرت کے تھوڑے دنوں بعد حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد تعمیر کرنے کا عزم فرمایا۔ اس سے پیشتر یہ معمول تھا کہ جس جگہ وقت آتا وہیں نماز پڑھ لیتے۔ آخر آپ نے وحیٔ الٰہی کے ایما پر اس مقام کے سامنے مسجد تعمیر کرنے کا قصد فرمایا جہاں آپ کا ناقہ آکر بیٹھا تھا۔ یہ ایک افتادہ زمین تھی جس کے مالک آپ کے جدِ امجد عبدالمطلب کے ننھیال قبیلۂ بنو نجار کے دو یتیم لڑکے سہل اور سہیل تھے۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معاذ بن عفراءؓ کی پرورش میں تھے۔ جب آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ جگہ کس کی ہے تو حضرت معاذ بن عفراءؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! عمرو کے دو یتیم لڑکے سہل اور سہیل اس کے مالک ہیں۔ میں ان کو اور ان کی ماں کو اس کا معاوضہ دے کر راضی کر لوں گا۔ آپ نے خود ان لڑکوں کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم یہ زمین فروخت کر دو تو ہم یہاں عبادت گاہ بنانا چاہتے ہیں۔" وہ بولے یا رسول اللہ! ہم حق تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی قیمت نہیں چاہتے۔" آپ نے بلا قیمت لینے سے انکار کیا اور فرمایا اپنی ماں سے مشورہ کرکے اس کی قیمت بتاؤ۔ ان کی والدہ نے قیمت لینے سے انکار کیا۔ آخر آپ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے ان کو باصرار تمام دس مثقال (پونے چار تولے) سونا دینا تجویز فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاس سے یہ رقم ادا فرمائی (مدارج وغیرہ)

صحابۂ کرام کے ہاتھوں مسجد کی تعمیر

اس کے بعد زمین ہموار کی گئی اور آپ نے اپنے جان نثاروں سے فرمایا کہ تعمیر کے لیے اینٹیں پاتھو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے معاً ارشاد کی تعمیل کی۔ مسجد نبوی کی تعمیر معماروں کے ہاتھوں سے نہیں ہوئی بلکہ مہاجرین و انصار میں سے ہر اعلیٰ و ادنیٰ اس کام میں مصروف رہ کر بہرہ اندوزِ سعادت ہوا۔ خود سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسروں کی طرح برابر گارا اور اینٹیں اٹھا اٹھا

کرا رہے تھے۔ جان نثار منتیں کرتے تھے کہ حضور یہ مشقت گوارا نہ فرمائیں۔ خدام اس کام کی تکمیل کے لیے کافی ہیں لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ ایک موقع ایک انصاری بزرگ نے شعر پڑھا ؎

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ	اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کام کرتے رہیں تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہوگی۔

خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی پیش گوئی

جب بنیاد رکھی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ جا کر ایک پتھر اٹھا لائے اور اسے بنیاد میں رکھ دیا۔ پھر حضرت عمر فاروق ؓ ایک پتھر لائے اور رکھ دیا۔ پھر حضرت عثمان ؓ نے ایک پتھر لا کر بنیاد میں نصب کر دیا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے بعد میرے وُلاۃ امر ہوں گے۔ رواہ نعیم بن حماد و قال الذہبی صحیح الاسناد (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳)

وُلاۃ والی کی جمع ہے۔ اس حدیث میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت و حکومت کی پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ دوسری سیکڑوں پیش گوئیوں کی طرح آپ کی یہ اطلاع بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔

جب عمارت شروع ہوئی تو آپ تعمیر کرتے اور صحابہ کرام ؓ پتھر گارا وغیرہ سامانِ تعمیر آپ کو دیتے جاتے۔ آپ تعمیر کے وقت فرماتے جاتے تھے۔ آخرت کے عیش و آرام کے سوا کوئی عیش نہیں۔ الٰہی! انصار اور مہاجروں کو بخش دے (ابن ماجہ)

مسجد کی چھت شاخ خرما سے بنائی گئی اور ستون چوب خرما سے تیار کیا گیا۔ ان ایام میں آپ بیت المقدس کا رُخ کر کے بجانب شمال نماز ادا فرماتے تھے۔ پندرہ سولہ مہینہ کے بعد جب تحویل قبلہ کا حکم الٰہی صادر ہوا تو اس مقام کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل جنوب کی طرف نئی مسجد تعمیر فرمائی اور یہ مکان صُفّہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اصحاب بے خانماں اسی میں دن کو آرام کرتے اور رات کو مصروف عبادت ہوتے تھے۔ اس وقت مسجد کی بلندی سات گز تھی۔ طول مشرق سے مغرب تک ترسٹھ گز اور عرض قبلہ سے شمال تک چودہ گز تھا۔ اس میں کسی قسم کا تکلف و تجمل نہ تھا یہاں تک کہ ستون بھی چوب خرما سے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور جب پانی برستا تو مٹی گرتی تھی۔ اس مسجد کے تین دروازے تھے (ترمذی، نسائی، دار قطنی، طبرانی، ابن ہشام)

حُجروں کی تعمیر

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے مسجد کے ساتھ دو حجرے بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک اُمّ المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے جن سے مکہ معظمہ ہی میں عقد ہو چکا تھا۔ پھر جب اور اُمہات المومنین سلک ازدواج میں منسلک ہوتی گئیں تو ان کے لیے جدید حجرے تعمیر ہوتے گئے یہاں تک کہ حجروں کی تعداد نو تک پہنچ گئی۔ جب تک مسجد اور حجرے زیرِ تعمیر رہے آپ حضرت ابوایوب انصاری رض کے مکان میں فروکش رہے۔ جب یہ تعمیر مکمل ہو گئی تو آنجناب وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہو آئے (ابن ہشام)

حجروں کی عمارتی حیثیت

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایامِ سعادت میں قومی، سیاسی اور تبلیغی ضروریات کے ماتحت اُمہات المومنین کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی۔ یہ مخدراتِ عالیہ مسجد نبوی کے پاس الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں کوئی حجرہ تین ساڑھے تین گز سے زیادہ وسیع نہ تھا۔ ان کی بلندی قدِ آدم سے کسی قدر زیادہ تھی۔ جب کبھی ہاتھ اوپر کو اٹھاتا تو ان کی پستی کی وجہ سے چھت کو جا لگتا تھا۔ حجروں کے ساتھ نہ کوئی صحن تھا نہ دالان اور نہ کوئی اور ملحقہ کمرہ۔ بعض حجروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اور اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑے ہوئے تھے جن کی وجہ سے دھوپ اندر آتی تھی۔ بعض حجروں میں دیواروں کی جگہ صرف شاخِ خرما کی ٹٹیاں بنی ہوئی تھیں جن پر کہگل کی ہوئی تھی۔ تمام حجرے کھجور کی ٹہنیوں اور پتیوں سے مسقف تھے۔ بارش کی رَو سے بچنے کے لیے بال کے کمل حجروں کے اردگرد لپیٹنے پڑتے تھے۔ حجروں کے دروازوں پر پردہ یا ایک ایک پٹ کا کواڑ تھا۔ حضور سردارِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت باری باری ان حجروں میں بسر فرماتے۔ دن کے وقت مسجد میں تشریف رکھتے اور مسجد ہی ان حجروں کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ (ادب المفرد بخاری وغیرہ)

اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رض کا حُجرہ

حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ جناب صدیقہ رض شادی کے بعد رخصت ہو کر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جس مسکنِ مبارک میں آئی تھیں وہ مسجد کی شرقی جانب کا ایک حجرہ تھا۔ اس کا دروازہ اس طرح کھلتا تھا کہ مسجد اس کے صحن کی حیثیت رکھتی تھی اور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم

اسی دروازے سے ہوکر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ بسا اوقات مسجد ہی میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے تھے (صحیح بخاری) یہ کواڑ کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے لیے دروازہ پر ایک کمل پڑا رہتا تھا (ابو داؤد)

اُمہات المومنین کے حجروں کا اثاثہ عام مسکینوں کا سا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی کُل کائنات ایک چارپائی، ایک بستر، ایک چٹائی، ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی اور دو مشکے تھے۔ ایک مٹی کا گھڑا اور ایک مٹی کا پیالہ تھا۔ مشکوں میں سے ایک میں بوقتِ حاجت کھجوریں اور دوسرے میں جَو کا آٹا رکھا جاتا تھا۔ گو اس بیتِ اطہر سے نیرِ ہدایت طلوع ہوکر تمام کائناتِ ارضی پر ضَو افگنی کر رہا تھا تاہم رات کی تاریکی دور کرنے کے لیے اس میں دیا تک نہیں جلتا تھا (بخاری)

معیشت نبوی

جس طرح اس مسکن مبارک میں چراغ کی روشنی نہیں تھی اسی طرح اس میں کھانا پکانے کے لیے آگ سلگنے کا بھی بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہم ایک چاند دیکھتے۔ پھر دوسرا دیکھتے۔ پھر تیسرا دیکھتے اتنی مدت تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اُم المومنین کے بھانجے عُروہ بن زبیرؓ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں ان سے پوچھا کہ خالہ! پھر آپ اتنی مدت تک کھاتی کیا تھیں؟ فرمایا چند کھجوریں کھا کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ البتہ چند انصار ہمارے ہمسایہ تھے۔ وہ آنحضرت کے لیے دودھ بھیجتے تو آپ وہ دودھ ہم (ازواج مطہرات) کو پلا دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک آپ دنیا میں تشریف فرما رہے، آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے متواتر دو دن تک جَو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی (بخاری و مسلم) اگر آپ چاہتے تو دنیا بھر کی نعمتیں دم بھر میں مہیا ہو سکتی تھیں لیکن آپ نے ہمیشہ فقر و فاقہ کو ہمدم بنائے رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو شدت گرسنگی سے کروٹیں بدلتے اور پیٹ اُلٹتے دیکھا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس تازہ کھانا آیا۔ آپ نے کھا کر صاحب کریم کا شکر ادا کیا اور فرمایا اتنے دن سے میرے شکم میں تازہ کھانا نہیں گیا تھا (ابن ماجہ)

اُم المومنین عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ مدت العمر دونوں وقت کبھی شکم سیر نہ ہوئے۔ (ترمذی) حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ موٹا لباس پہنتے اور جَو کی روٹی کھاتے۔ یہ روٹی ایسے

موٹے آٹے کی ہوتی کہ اس کا لقمہ پانی کے گھونٹ کے بغیر حلق سے نہیں اترتا تھا (ابن ماجہ) اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صبح کے وقت ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ وہ عرض کرتیں کچھ نہیں، آپ فرماتے اچھا میں نے (نفلی) روزہ رکھ لیا (مسند امام احمد)

ام المومنین عائشہ رض کا بیان ہے کہ آپ کے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا کوئی ایسا فالتو کپڑا نہ تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا (ابن ماجہ) آپ کی سب سے پیاری زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ بھی گھر کے سارے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ خود آٹا گوندھتی تھیں۔ خود روٹی پکاتی تھیں اور آپ کے کپڑے دھوتی تھیں (صحیح بخاری)

حضرت انس رض کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی زرہ جَو کے بدلے رہن رکھی اور میں جَو کی روٹی اور گھٹیا چربی خرید کر خدمتِ اقدس میں لے گیا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں صبح شام دونوں وقت کے لیے ایک صاع جو سے زیادہ اناج نہیں ہے ان ایام میں آپ کی نو ازواج طاہراتؓ تھیں (بخاری) اور ام المومنین عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت تھوڑے سے جَو کے سوا جو طاق میں رکھے تھے میرے گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو کسی ذی روح کے کھانے کے کام آ سکتی (بخاری) وفات کے وقت آپ کی زرہ تین صاع جَو پر گروی تھی (بخاری) یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ منورہ میں سیم و زر کا سیلاب آیا ہوا تھا۔

ابوبردہ رض کا بیان ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے سامنے ایک تہ بند اور ایک پرانا کمبل نکالا جس میں پیوند لگا ہوا تھا اور فرمایا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات انہی دو کپڑوں میں ہوئی تھی (صحیح مسلم)

بعض مستشرقین یورپ معترض ہیں کہ آنحضرت ہجرت سے پہلے تو واقعی پیغمبر تھے لیکن مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ حالانکہ "معیشت نبوی" کے زیرِ عنوان جو حالات و واقعات اوپر قلمبند ہوئے ان سب کا تعلق آپ کی مدنی زندگی ہی سے تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب کے زیرِ نگین ہو جانے پر بھی آپ حسب سابق مسکینوں کی سی زندگی گزارتے اور تنعمات سے کنارہ کش رہتے۔

فصل ۲۳۲۔ مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر

معلوم ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کے بعد مسجد نبوی کو از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ مسجد کی ہمسائیگی میں ایک

عیال دار محتاج شخص رہتا تھا۔ اس کے قبضہ میں بہت سی زمین پڑی تھی جسے وہ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ آنحضرتؐ کا قصد ہوا کہ اس زمین کو خرید کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ ایک دن آپ نے اپنے جان نثاروں سے فرمایا کہ مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہے۔ کوئی ہے جو اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کرے اور اس کے عوض میں میرے ساتھ جنت کا سودا کرے؟ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اس زمین کو دس ہزار درہم[1] میں خرید کر آپ کی ملک میں دے دیا۔ اب مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ سنگ بنیاد آپ نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے اینٹیں رکھیں (ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن ہشام)

عہد فاروقی کی توسیع

مسجد نبوی عہد رسالت کے بعد مزید توسیعات و تغیرات کے بعد موجودہ حالت پر پہنچی ہے۔ عہد نبوت کے بعد سب سے پہلی توسیع ۱۷ھ ہجری میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ سطوت فاروقی نے دنیا کے ایام و لیالی کی تقویم بالکل بدل دی تھی اور اسلامی اقتدار اقلیم جہان میں لوائے جہانگیری بلند کرتا تھا۔ اس وجہ سے نہ صرف خود مدینۃ الرسول میں مسلمانوں کی آبادی بہت ترقی کر گئی تھی بلکہ باہر سے آنے والے مسلمان زائروں کی بھی ہر وقت اور ہر جگہ بھیڑ لگی رہتی تھی۔ چونکہ اس وقت تک ہر قائل کلمۂ توحید صوم و صلوٰۃ کا سختی سے پابند تھا، اس لیے مسجد نبوی باوجود غیر معمولی فراخی کے نمازیوں پر سخت تنگ ہو گئی۔

خانۂ عباسؓ کے الحاق کی ضرورت

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد کے متصل واقع تھا۔ امیر المومنین نے ان سے فرمایا کہ مسجد میں مزید نمازیوں کی گنجائش نہیں رہی جس کی وجہ سے نمازیوں کو بڑی تکلیف ہے اس لیے توسیع ناگزیر ہے۔ ایک طرف امہات المومنین کے حجرے ہیں۔ ان کے ملحق کرنے کی تو میری مجال نہیں۔ اب لے دے کے آپ کا مکان رہ جاتا ہے۔ یا تو اسے فروخت کر دیجیے۔ میں اس کی قیمت بیت المال سے ادا کر دیتا ہوں۔ ورنہ مدینہ میں جہاں آپ چاہیں وہاں اس کے معاوضہ میں مکان دلا دیتا ہوں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ اس کو مسلمانوں پر تصدق کر دیجیے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا میں ان تینوں میں سے کوئی تجویز قبول نہیں کر سکتا کیونکہ

---

[1] بعض دوسری روایتوں میں بیس اور پچیس ہزار درہم بھی مذکور ہیں ۱۲

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ خاص میرے لیے علیحدہ کر دی تھی"۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ آپ کو تینوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت ضرور قبول کرنی ہوگی۔ لیکن حضرت عباسؓ نے مکرر انکار کیا اور کہا میں کوئی بات نہیں مان سکتا"۔ آخر دونوں صاحبوں نے رفع مخاصمت کے لیے حضرت اُبَیّ بن کعب کو جو دین مسیح چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے حَکَم مقرر کیا۔

خانۂ عباسؓ کے مطالبہ سے فاروق اعظمؓ کی دست برداری

اُبَیّ بن کعب نے امیر المومنین کو حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی کہ خدائے جلیل نے داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ایک مسجد تعمیر کرو جس میں لوگ میری عبادت کریں"۔ حضرت داؤد خلیفۃ اللہ نے بیت المقدس کی بنا ڈالی اور کام شروع ہو گیا۔ بنائے عبادت کا خط ایک اسرائیلی کے زاویہ میں آتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اس گھر کو مسجد میں شامل کرنے کے لیے فروخت کر دو۔ لیکن اس نے انکار کیا۔ بڑی سے بڑی جو قیمت بھی اس کے سامنے پیش کی گئی اس نے منظور نہ کی۔ آخر داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ خیال موجزن ہوا کہ اس کی مرضی کے خلاف ہی اس کا گھر مسجد میں شامل کر لیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ میں نے بنائے خانہ کا اس لیے حکم دیا تھا کہ وہاں میری عبادت کی جائے لیکن تم لوگوں کے گھر غصب کرنے لگے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ تمہیں اس تعمیر ہی کی ممانعت کی جاتی ہے"۔ داؤد علیہ السلام نے التماس کی خدایا! میری اولاد میں سے کسی کو اس خدمت پہ مامور فرما کہ اس بنا کی تکمیل کرے۔ چنانچہ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے بحکم الٰہی بیت المقدس کو تعمیر فرمایا۔

جب حضرت اُبَیّ بن کعب نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت خلافت مآبؓ نے اس مطالبہ سے دست برداری اختیار کی اور حضرت عباسؓ سے کہا اب میں آپ سے کبھی اس کی خواہش نہ کروں گا۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے امیر المومنین سے کہا کہ اب میں اس گھر کو مسلمانوں پر تصدّق کرتا ہوں۔ جب یہ مکان مسجد میں شامل ہو گیا تو اب مسجد شمالاً جنوباً ایک سو چالیس ذراع (ستر گز) اور شرقاً غرباً ایک سو بیس ذراع (ساٹھ گز) ہو گئی۔ (کنز العمال) حاکم نے بھی مستدرک میں اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ مختصراً روایت کیا ہے اور اُبَیّ بن کعب کے بجائے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے۔

عہد عثمانی کی توسیع

امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے ایام خلافت (۲۹ھ) میں مسجد کی مزید توسیع فرمائی۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ

سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کھڑکی کے سوا جو ابو بکرؓ کے گھر کی دیوار میں ہے، مسجد میں آنے والی کوئی کھڑکی باقی نہ چھوڑی جائے۔" بعض صحابۂ کرامؓ کے مکان مسجد نبوی کے صحن سے ملے ہوئے تھے اور ان کے دروازے یا کھڑکیاں مسجد میں کھلتی تھیں۔ آپ نے اپنے وصال سے پیشتر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کرا دیے۔ اس حدیث میں خلافت صدیقی کی طرف صریح اشارہ تھا۔

عمر بن شبہ نے کتاب اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا وہ گھر جس کا دروازہ مسجد نبوی میں آنے جانے کے لیے کھلا رکھنے کی رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی رحلت سے پہلے کسی نے منت سماجت کر کے یہ مکان ان سے خرید لیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد اُم المومنین حضرت حفصہؓ نے اس کو نئے مالک سے چار ہزار درہم میں لے لیا۔ یہ مکان کئی سال سے اُم المومنین کی ملکیت میں تھا۔ آخر جب عہد عثمانی میں توسیع مسجد کی ضرورت ہوئی تو ان سے مکان فروخت کر دینے کی درخواست کی گئی۔ اُم المومنینؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کے علیحدہ کر دینے سے مجھے مسجد میں آنے جانے کی سخت تکلیف ہو جائے گی۔ ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کو اس سے زیادہ فراخ مکان دیتے ہیں اور مسجد میں آنے جانے کے لیے ویسا ہی راستہ بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ وہ اس پیشکش پر راضی ہو گئیں اور یہ مکان مسجد میں شامل کر لیا گیا (فتح الباری)

امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسجد نبوی میں بہت کچھ اضافہ فرمایا۔ اس کی دیواریں گچ اور منقوش پتھروں کی بنوائیں اور چھت پر ساگون کی لکڑی لگوائی (بخاری) اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائے۔ اب مسجد طولاً ایک سو ساٹھ گز اور عرضاً ڈیڑھ سو گز ہو گئی (تاریخ الخلفاء)

حجروں کا مسجد میں شامل کیا جانا

عہد ہائے نبوی و فاروقی و عثمانی کی تبدیلیوں کے بعد مسجد نبوی میں چوتھی توسیع بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبد الملک کی خلافت میں ہوئی۔ اس سے پہلے اٹھاون سال سے عمارت عثمانی میں کوئی تغیر و تبدیل نہ ہوئی تھی۔ ان ایام میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ ولید کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ ولید نے ۸۸ھ میں ان کے نام حکم بھیجا کہ مسجد نبوی کے ارد گرد جس قدر مکانات ہوں ان کو خرید کر مسجد کی توسیع کریں اور حجرات ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے وارثوں سے خرید کر مسجد میں داخل کر دیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز نے امتثالاً للامر حجروں کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جس روز ولید کا حکم مدینہ منورہ پہنچا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے منہدم کیے گئے شہر میں کہرام مچا ہوا تھا اور کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس یادگار کے مٹنے پر اشک بار نہ ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ جو ایک جلیل القدر تابعی گزرے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ کاش! سرور انام علیہ التحیۃ والسلام کے حجروں کو بحال رہنے دیا جاتا تاکہ مسلمان دیکھا کرتے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فنا میں اپنی دس سال کی آخری زندگی کس زاہدانہ رنگ میں بسر فرمائی تھی (جذب القلوب وغیرہ)

فصل ۲۳۳-اہلِ بیتِ اطہار کا قدومِ مدینہ

چونکہ اب مدینہ طیبہ پہنچ کر ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تھی اس لیے حضور آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کے لانے کے لیے اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ اور اپنے آزاد غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور ان کو دو اونٹ اور مختلف ضروریات کے لیے پانسو درم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر دیے۔

حضرت ابو بکرؓ کا اپنے اہل وعیال کو بلا بھیجنا

جناب صدیق اکبرؓ نے بھی ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط کو دو تین اونٹ دے کر روانہ کر دیا اور اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ اپنی ماں اور بہن کو لے کر مدینہ پہنچ جاؤ۔ جب یہ لوگ مکہ سے چلنے لگے تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ بھی جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں بقصدِ ہجرت ساتھ ہو لیے۔ قریش نے ان سے کوئی مزاحمت نہ کی۔

جب یہ مختصر سا قافلہ مدینۃ الرسول پہنچا تو حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی اور اس کے ملحقہ حجرے تعمیر کرا رہے تھے۔ حضور کی زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دونوں چھوٹی صاحبزادیاں جناب ام کلثوم اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آکر انہی حجروں میں فروکش ہوئیں۔ اور عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی والدہ محترمہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں حارثہ بن نعمان انصاری ؓ کے مکان میں قیام کیا (بخاری، ابو داؤد، ابن سعد)

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی رخصتی

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلک تزویج میں منسلک ہو چکی تھیں۔ ہجرت کے بعد سات آٹھ مہینہ تک اپنے والدین کے پاس رہیں جب انہوں نے عرصۂ بلوغ میں قدم رکھا تو حضرت صدیق اکبرؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر مرضیٔ مبارک ہو تو عائشہؓ کو رخصت کرا لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ مہر نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہوں۔ گزارش کی کہ میرے پاس جو کچھ ہے حضور ہی کا ہے۔ چنانچہ بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی قریباً سو روپے (اور ابن سعد کی روایت کے بموجب پانسو درم قریباً سوا سو روپیہ) کی رقم حضرت صدیقؓ نے لا کر حاضر کر دی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کا مہر ان کے پاس بھجوا دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانانِ پاکستان و ہندوستان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو مدت العمر دینِ مہر ادا کرنے کا نام نہیں لیتے اور اپنے سر پر اس قرض کا بار گراں لے کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

انصاری بیگمات دلہن کو لینے حضرت صدیق اکبرؓ کے دولت کدہ پر آئیں۔ حضرت اُم رومانؓ نے صاحبزادی کو آواز دی۔ وہ اس وقت مکان کے دوسرے حصہ میں سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ والدہ محترمہ نے منہ دھلا کر بال درست کر دیے اور پھر اس کمرے میں لائیں جہاں انصار کی خواتین ان کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر میں حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے (صحیح بخاری باب تزویج عائشہؓ و صحیح مسلم کتاب النکاح) انصاری بیگمات حضرت عائشہؓ کو کاشانۂ نبوی میں جو مسجد نبوی کا ایک حجرہ تھا پہنچا گئیں۔ دعوت ولیمہ کے لیے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دودھ کا ایک پیالہ حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کے گھر سے آیا تھا، وہی حاضرین میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا گیا (مدارج النبوت جلد ۲ ص ۸۹)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل و عیال

یہاں ضمناً یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک قتلہ بنت عبدالعزیٰ جو عبداللہ اور اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہما کی ماں تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشرف باسلام نہ ہونے کی بنا پر اس کو طلاق دے دی۔ دوسری حضرت اُم رومان بنت عامر رضی اللہ عنہا جو حضرت عبدالرحمٰن اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی والدہ محترمہ تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد شرفِ ایمان سے سرفراز ہوئیں۔ زمانِ اسلام میں دو خاتونیں جناب صدیق اکبرؓ کے نکاح میں آئیں۔ ایک حضرت اسماء بنت عمیس مادر محمد بن ابی بکر صدیق اور دوسری

حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ جو حضرت صدیقؓ کی رحلت کے وقت حاملہ تھیں اور بعد میں ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

حضرت اسماء بنت عمیس اوائل میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ کئی سال وہاں رہنے کے بعد جب مہاجرین حبشہ مدینہ منورہ آئے تو یہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ مدینۃ الرسولؐ پہنچیں۔ حضرت جعفرؓ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ آخر جب حضرت جعفر طیارؓ نے جنگ موتہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسماء بنت عمیس سے نکاح کر لیا جن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد جناب علی مرتضیٰؓ نے محترمہ اسماء بنت عمیس سے عقد تزویج فرمایا۔ اسی بنا پر محمد بن ابی بکر نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔

حضرت ابو بکر صدّیقؓ کی ایک اور خصوصیت

قرآن کی سورۂ احقاف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک امتیازی تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:۔ (ترجمہ)

یہاں تک کہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچا تو خدا سے دعا کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو احسانات کیے ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا رہوں۔ اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو راضی ہو اور میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر (کہ میرے لیے موجب مسرت و راحت ہو) میں (تمام حاجات میں) تیری طرف رجوع لاتا ہوں اور تیرے فرمانبردار بندوں میں ہوں۔" (۴۶ : ۱۵)

مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئی تھی۔ ان کے سوا مہاجرین و انصار میں کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو خود اور ان کے والدین مشرف بایمان ہوئے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی دعا قبول فرمائی۔ انہوں نے نو مومن جو غلامی کی مصیبت میں مبتلا تھے آزاد کرائے جن میں بلال اور عامر بن فہیرہؓ بھی داخل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی ایسے کار خیر کی کبھی خواہش نہ کی جو رب ذوالمننؐ نے پورا نہ کر دیا ہو۔ انہوں نے اپنی اولاد کی اصلاح کے لیے بھی دعا کی تھی۔ مجیب الدعوات عز اسمہٗ نے ان کی اس دعا کو بھی شرف قبول بخشا چنانچہ ان کی اولاد میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مشرف بایمان نہ ہوا

ہو۔ پس خدائے قدیر نے ان کے لیے اُن کا اپنا اور ان کے والدین کا اور ساری اولاد کا ایمان جمع کر دیا۔ ان کے والدین نے اور ان کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن نے اور ان کے پوتے ابو عتیق محمد بن عبدالرحمٰن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کے شرفِ دید سے مشرف ہوئے اور سب کے سب ایمان لائے۔ یہ فضیلت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہ ہوئی (روح المعانی)

اُمّہات المومنین میں حضرت صدّیقہ رضؓ کا درجۂ تفوق و امتیاز

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ دولت، حسن و جمال، حسب و نسب اور دینداری۔ لیکن تم لوگ ان اوصافِ چہارگانہ میں دینداری کی تلاش کیا کرو۔ (مسلم و ابو داؤد) اسی اصول کے ماتحت وہی زوجۂ مطہرہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ منظورِ نظر تھیں جو سب سے زیادہ متقی و متدیّن تھیں۔ اور جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ سرانجام ہوتی تھی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ تقویٰ و طہارت، خوف و خشیۃ الٰہی، حفظ احکام اور فہم مسائل میں تمام ازواج طاہرات سے ممتاز تھیں اس لیے آپ ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ البتہ اوائل دعوت میں جبکہ مسلمان مکہ معظمہ میں ہزارہا مشکلات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے دینِ حنیف کو اس سے بھی زیادہ تقویت ہوئی جو بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے ظہور میں آئی۔ آپ ان کو ان کے ضعیف العمر ہونے کے باوجود بہت چاہتے تھے اور ان کی رحلت کے بعد جب کبھی آپ مدینہ منورہ میں نہایت محبت بھرے الفاظ میں ان کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے تو حضرت عائشہ رضؓ کو ان پر رشک آجایا کرتا تھا۔ (دیکھو کتب حدیث فضائل خدیجہ رضؓ)

ازواج مطہرات میں سب سے حسین بی بی اُمّ المومنین حضرت جُویریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب حضرت عائشہ رضؓ نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو گھبرا اٹھیں اور یقین کر لیا کہ اب میرا رتبہ کم ہو جائیگا لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ قدر و منزلت کا باعث حسن و جمال نہیں بلکہ علم و فضل، دینی خدمات، تقویٰ اور تعلق باللہ تھا۔ حضرت صدیقہ رضؓ میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودیٔ خاطر حاصل کرنے میں ہر وقت ساعی رہتی تھیں اور آنجناب کو کبیدہ خاطر دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں (مسند امام احمد)

فصل ۲۳۴ ۔ بے خان و مان مساکینِ ملت کے قیام و طعام کا انتظام

صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ جب مرکزِ نبوت مکّہ سے دارالامن مدینہ کو منتقل ہوا تو حق و صدق کی شیفتگی اطراف و اکنافِ ملک کی سیکڑوں پاک ہستیوں کو دارالہجرت کی طرف کھینچ لائی۔ ان مہاجرین عظام میں بہت سے ایسے پاکانِ حق تھے جن کو عجز و شکستگی، بے نوائی و خاکساری کے سوا متاعِ دنیا میں سے کچھ بھی میسر نہ تھا۔ جب ان تارکانِ وطن کی تعداد بڑھنے لگی تو شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے مامن و مستقر کی ضرورت پیش آئی، جہاں یہ طالبانِ حق سکون و اطمینان کے دن کاٹ سکیں۔

بعض روایتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ جب مسجد اقصیٰ کے بجائے کعبۃ اللہ اہلِ ایمان کا قبلہ قرار پایا تو مسجد نبوی کو قبلہ رُخ اور فراخ بنانے کے لیے ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی اور آپ نے مسجدِ سابق کو اسی مسقف حالت میں ان غریب الدیار مساکینِ ملت کا مستقر و قیام گاہ قرار دیا۔ اس پرانی مسجد کو صُفّہ اور ان بے خانماں پناہ گزینوں کو اصحابِ صُفّہ کہنے لگے کیونکہ صُفّہ مسقّف دالان یا سائبان کو کہتے ہیں۔

اصحابِ صُفّہ کے اسماے گرامی جہاں تک استقرار کو دخل ہے ۷۳ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کے اسماے گرامی کتابوں میں ملتے ہیں۔ میں یہاں ان میں سے ۵۹ مشاہیر کے نام نامی درج کرتا ہوں۔ دوسرے نام اسماء الرجال کی کتاب میں نہ مل سکے اس لیے قلم انداز کر دیے گئے۔

(۱) حضرت ابوہُریرہ دَوسی۔ ان کے اسم گرامی کے متعلق بہت سے اقوال ہیں جن کو تاریخ دمشق میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ صحابہ میں سب سے بڑھ کر کثیر الحدیث تھے۔ ۴۳۷۵ حدیثیں ان کی وساطت سے اُمت کو ملی ہیں (۲) حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم (۳) حضرت ثابت بن ضحاک خزرجی (۴) حضرت ابوسعید ثابت بن ودیعہ اَوسی (۵) حضرت اَوس بن اَوس ثقفی (۶) حضرت اَنس رضؓ کے بھائی براء بن مالک انصاری (۷) ابوبشر بشیر بن معبد

اسلمی (۸) ابو برزہ نضلہ بن عُبَید اسلمی (۹) ابو ثعلبہ انصاری (۱۰) حارثہ بن خمیر اشجعی (۱۱) جعال وقیل جعیل بن سُراقہ غفاری وقیل ضمری (۱۲) حُذَیفہ بن اُسَید غفاری (۱۳) حبیب بن زید بن عاصم انصاری مازنی (۱۴) حنظلہ بن ابی عامر اوسی غسیل الملائکہ (۱۵) حکم بن عمرو ثمالی (۱۶) حرملہ بن ایاس عنبری (۱۷) خالد بن زید بن حارثہ انصاری (۱۸) خُبَیب بن اُساف انصاری (۱۹) دکین بن سعید خثعمی وقیل مزنی (۲۰) ربیعہ بن کعب اسلمی (۲۱) ابو ریحانہ مولیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم (مولیٰ اس غلام کو کہتے ہیں جسے مالک نے آزاد کر دیا ہو) (۲۲) سفینہ مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۳) ابو سعید خُدری (۲۴) سعد بن مالک انصاری خزرجی (۲۵) سالم بن عُبَید اشجعی (۲۶) سالم بن عُمَیر بن ثابت انصاری (۲۷) سائب بن خلاد بن سوید انصاری خزرجی (۲۸) شقران مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۹) شداد بن اسید سلمی (۳۰) صفوان بن بیضاء فہری (۳۱) طلحہ بن عمرو نضری۔ (۳۲) عبداللہ بن اسود سدوسی (۳۳) عبداللہ بن عمرو بن حرام خزرجی سلمی (۳۴) عبداللہ بن حبشی خثعمی (۳۵) عبداللہ بن انیس بن اسعد جُہنی ثم انصاری (۳۶) عبداللہ بن بدر جُہنی (۳۷) عبداللہ بن خالد غفاری (۳۸) عمرو بن عوف انصاری بدری (۳۹) عمرو بن طلق بن زید سلمی انصاری۔ (۴۰) عمرو بن ثعلبہ بن وہب ابو حکیمہ انصاری (۴۱) عویم بن ساعدہ بدری (۴۲) عُبَید مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۴۳) عکاشہ بن مُحصن اسدی (۴۴) ابو نجیح عرباض بن ساریہ سلمی (۴۵) عباد بن قرص لیثی (۴۶) عیاض بن حمار مجاشعی (۴۷) ابو عُبَید مولیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۴۸) ابو محمد فضالہ بن عبید بن نافذ انصاری اوسی (۴۹) ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمی (۵۰) قرہ بن ایاس بن ہلال مزنی (۵۱) ابو کبشہ مولیٰ حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (۵۲) معاویہ بن حُکم سلمی (۵۳) مسعود بن ربیع بن عمرو قاری بدری ([illegible]۴) مسطح بن اثاثہ بن عبد بن مُطّلب قُرشی (۵۵) ابو مویہبہ مزنی مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۵۶) ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ (۵۷) واثلہ بن اسقع کنانی لیثی (۵۸) وابصہ بن معبد اسدی (۵۹) یسار راعی مولیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعداد ان مفلوک الحال عاشقانِ حق کی تعداد اکثر حالات میں اسّی سے متجاوز رہتی تھی لیکن کبھی یہ تعداد بڑھ کر چار سو تک پہنچ جاتی تھی اور کبھی موت، تزوج یا کسی دوسری وجہ سے اسّی سے بھی کم رہ جاتی تھی۔ یہ حضرات اَضیافُ اللہ (اللہ کے مہمان) یا اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) کے لقب سے مشہور تھے۔ جس نو وارد مسلمان کا مدینہ منورہ میں کوئی شناسا نہ ہوتا وہ اہل صُفّہ ہی کے پاس آکر ٹھہرتا تھا۔ مکہ کے نادار مہاجر اور مسلمانان مدینہ میں سے غیر مستطیع رجال

بھی انہی میں شامل ہو جاتے تھے۔

انقطاع الی اللہ کا مسلک

اہل صُفّہ پھٹے پرانے کپڑوں اور فقیرانہ وضع و صورت میں درویشوں کی ایک شکستہ حال جماعت تھی جو ہمیشہ اپنے بوریائے فقر پر قانع و منقطع رہی۔ دنیائے فانی کی دلفریبیاں ان کی جمعیت خاطر کو کبھی پراگندہ نہ کر سکیں۔ انہیں عبادت الٰہی اور تحصیل علم کے سوا دنیا کی کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا۔ یہ حضرات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع اور ایثار و شرو فی اللہ اور انقطاع الی اللہ کی مجسّم تصویر تھے۔

تحصیل علم اور عبادت الٰہی سے شغف

اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ موقع حاصل تھا کہ اپنا پورا وقت بارگاہ نبوی میں گزار کر آپ کی تعلیم و تلقین، فیوض و برکات سے کماحقہٗ بہرہ مند ہوں۔ ان مردانِ حق کو مسلسل فاقے برداشت کر لینا سہل تھا لیکن جوارِ رسول کو چھوڑ کر تلاش معاش کے لیے نکل کھڑا ہونا ناگوار تھا۔ بھوک کی سخت سے سخت تکلیف گوارا تھی لیکن ان پاک نفس بزرگان ملت کے لیے یہ محرومی قطعاً ناقابلِ برداشت تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی تحصیل علم اور ارشادات نبوی کی فراہمی و انضباط میں تساہل یا ذکرِ الٰہی سے تغافل کریں۔

یہ لوگ ہر وقت راہِ حق میں سربکف تھے۔ تشریع جہاد کے بعد اکثر غازیوں کے ہمراہ جہاد میں جاتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے مبلّغوں کی ضرورت ہوتی تو ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم انہی شیفتگانِ حق کو بھیجتے تھے۔ اصحاب صُفّہ میں سے ستر بزرگوں نے جو قاری کہلاتے تھے، بیر معونہ کے حادثۂ فاجعہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ یہ سانحہ حضرت ابو ہریرہ رض کے مشرف بایمان ہونے سے پیشتر وقوع پذیر ہوا تھا۔

صبر و استقامت کا بلند مقام

ان حضرات کا مقام عزیمت و عزائم بہت بلند تھا۔ استغنا اور صبر و استقامت میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط تھے۔ باوجودیکہ کبھی کئی کئی دن فاقہ میں گزر جاتے اور کچھ میسر نہ آتا، تاہم بادشاہوں کی سی بے نیازی اور خوش حالی ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رض کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صُفّہ میں سے ستر حضرات کو دیکھا جن کے پاس اِزار یا گلیم کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ انہوں نے اِس ازار یا گلیم کو اپنی گردنوں سے باندھ رکھا تھا۔ بعضوں کو یہ چادریں نصف ساق

تک اور دو نصفوں کو ٹخنوں تک پہنچتی تھیں۔ جب یہ حضرات سجدہ میں جاتے تو اپنی چادروں کو سمیٹ لیتے تھے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے (بخاری)

پیشوائے اُمّت کی طرف سے مالی اعانت

اصحاب صفّہ میں سے ہر ایک کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتّان کا کپڑا جسے خنف کہتے ہیں پہننے کو اور روزانہ نصف مُد کھجوریں کھانے کو ملا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کی ایک نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو اہل صفہ داہنی اور بائیں طرف سے اُٹھ کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کھجوروں نے ہمارے شکم جلا دیے اور خنف بھی پھٹنے کو آیا۔ یہ سن کر آپ منبر پہ چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان بدسلوکیوں کا ذکر کیا جو آپ کی قوم قریش نے آپ سے اور آپ کے جان نثاروں سے روا رکھی تھیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مجھ پر اور میرے رفیق کار (بلالؓ) پر قریباً دو ہفتے ایسے گزرے جن میں ہمارے پاس پیلو کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہ تھی۔ انجام کار ہم نے وطن سے ہجرت کی اور اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس پہنچے جنہوں نے ہمیں اپنی آنکھوں میں جگہ دی اور ہر طرح سے سکھ پہنچایا۔ انصار کی بڑی غذا کھجور ہے سو یہ لوگ اسی سے ہماری بھی خبر گیری کرتے ہیں۔ اگر مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو میں اسی سے تمہارا پیٹ بھرتا لیکن سر دست میسر نہیں۔ تاہم وہ زمانہ بھی جلد آیا چاہتا ہے جب تم لوگ آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرو گے۔" اہل صفہ نے التماس کی یا رسول اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا آسودگی کا دور اچھا ہوگا؟ فرمایا کہ موجودہ زمانہ ہی خیر و برکت کا عہد ہے جس میں تم باہم انس و محبت سے رہتے ہو (مسند احمد و مستدرک حاکم)

اصحاب صُفّہ کے کھانے کا آخری انتظام

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کھجوروں پر گزارہ کرنے کا انتظام محض ابتدائی اور عارضی تھا۔ اس کے بعد آپ کا معمول ہو گیا کہ ان کو ہر شام بلاتے اور کھانا کھانے کے لیے اُن صحابہ کے ساتھ بھیج دیتے جو ارباب ثروت اور مرفہ الحال تھے۔ بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اصحاب صُفّہ کو کھانے پر مدعو فرمایا کرتے تھے۔ قیس بن طخفہؓ نام ایک صحابی کا جو اصحاب صفہ میں تھے بیان ہے کہ ایک مرتبہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو بلا بھیجا اور ام المومنین صدیقہؓ کے مسکن میں کھلایا پلایا۔ اس کے بعد فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو یہیں سو جاؤ ورنہ مسجد میں جا کر سوؤ۔ ہم نے کہا ہم مسجد ہی میں جاتے ہیں (ابن ماجہ)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جس گھر میں دو آدمی کا کھانا پکتا ہو وہ اصحاب صفہ میں سے تین آدمی کو اور جن کے ہاں چار کا کھانا پکتا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمیوں کو ساتھ لے جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین کو ساتھ لیا لیکن آپ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے (صحیح مسلم) ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک پیالہ کہیں سے بھیجا گیا تھا۔ یہ اس قدر وزنی تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھا سکتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی دیگ کے برابر ہوگا۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب صفہ اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہوتا تو آپ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے (ابوداؤد)

قدح شیر سے اَسّی آدمیوں کی شکم سیری

اصحاب صفہ مسلمانوں کے عام مہمان تھے لیکن اگر کسی کا کوئی متکفل نہ ہوتا تو آپ خود اس کے کفیل ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی اصحابِ صفہ میں داخل تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شدت گرسنگی کی حالت میں شارع عام پر بیٹھ گیا۔ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ آپ گھر پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اصحابِ صُفّہ کو بلا لاؤ وہ اسلام کے مہمان ہیں اور آپ کا معمول تھا کہ جب کہیں سے صدقہ آتا تو آپ اصحاب صُفّہ کو بلا بھیجتے اور صدقہ کی ہر چیز ان کے حوالے کر دیتے اور اگر آپ کے پاس ہدیہ آتا تو ان کو بھی بلا بھیجتے اور خود بھی اس میں شریک ہو جاتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ جب آپ نے اصحاب صُفّہ کو (جن کی تعداد اسّی سے بھی زائد تھی) ایک پیالہ دودھ پر طلب فرمایا تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ یہ تو تنہا مجھ کو بھی کافی نہ تھا۔ آپ اتنے لوگوں میں سے کس کس کو پلائیں گے؟ تاہم امتثالاً للامر سب کو بلا لایا۔ جب سب لوگ بیٹھ چکے تو آپ نے فرمایا اے ابا ہریرہ! دودھ کا پیالہ لے کر ایک طرف سے پلانا شروع کر دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب ایک آدمی شکم سیر ہو کر پیالہ مجھے واپس دیتا تو میں دوسرے شخص کے ہاتھ میں دے دیتا۔ اسی طرح باری باری سب نے پیا۔ جب تمام آدمی سیر ہو چکے تو میں نے پیالہ اسی طرح دودھ سے لبریز آپ کے سامنے لا حاضر کیا۔ آپ نے ہاتھ میں لے کر فرمایا ابا ہریرہ! اب تم بیٹھ جاؤ اور پیٹ بھر کر پی لو۔ میں نے جتنی اشتہا تھی پیا۔ آپ نے فرما

اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ آپ نے مکرر فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اور پیو میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! مجھے اسی خدائے برتر کی قسم! جس نے آپ کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا اب تو میرے شکم میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ پس خود آپ نے پیالہ لے کر رب العالمین کی حمد و ثنا کی اور دودھ نوش فرمایا (ترمذی و مستدرک حاکم)

رئیس خزرج کی فیض گستری

ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب صفہ کی معاش کا مدار زیادہ تر حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ رئیس خزرج کی فیاضی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو دوسرے صحابہ تو اہل صفہ میں سے ایک ایک دو دو کو لے جاتے لیکن وہ عموماً اسی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے (اصابہ)

حضرت علی رض کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابوالمساکین کا لقب دیا تھا۔

دوسرے صحابہ خصوصاً انصار نے بھی اصحاب صُفّہ کی امداد کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ انصار ان کے لیے کھجور کے خوشے لاتے اور مسجد نبوی میں لٹکا دیتے تھے (ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

جنگل سے لکڑیاں کاٹ لانا

یاد رہے کہ اصحاب صُفّہ عموماً قاری کے لقب سے مشہور تھے اور میرا خیال ہے کہ اُن ایام میں قاری طالب العلم کو کہتے تھے۔ اغلب ہے کہ ان کی امداد کا وہ سلسلہ جو اوپر مذکور ہوا کچھ مدت کے بعد منقطع ہو گیا ہو گا کیونکہ اصحاب صُفّہ مجاہدین ملت کی ایک اولوا العزم جماعت تھی کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا ان کی شان سے بہت بعید تھا۔ انہوں نے کچھ مُدت کے بعد اپنے لیے خود وجہ معاش پیدا کر لی ہو گی۔ چنانچہ صحیح بخاری (غزوۂ بیر معونہ) میں ہے کہ یہ حضرات جنگل جا کر لکڑیاں لایا کرتے تھے۔

تھیلی جس سے ۳۰ سال تک کھجوریں برآمد ہوتی رہیں

دوسرے اصحاب صُفّہ رض کی طرح حضرت ابو ہریرہ رض بھی کوئی معین و مستقل ذریعۂ معاش نہیں رکھتے تھے چونکہ قُوتِ لایمُوت اور دوسری ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل خالی الذہن اور لااُبالی ہو کر داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سننے کے لیے شب و روز بارگاہ نبوت میں بیٹھے رہتے تھے اس لیے بسا اوقات فاقے پر فاقے گزرتے تھے

اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ شکم سیر کھانے کو مل گیا ہو۔

لیکن ایک دفعہ انہیں اپنی فاقہ کشی دور کرنے کی عجیب ترکیب سوجھی۔ آستانِ نبوت میں کچھ کھجوریں لے گئے اور التماس کی یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے۔ آپ نے ان کھجوروں کو لے کر اکٹھا کیا اور برکت کی دعا کر کے ان سے فرمایا کہ ان کو لے جا کر اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب ضرورت ہوا کرے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو لیکن اس کو نہ کبھی الٹنا اور نہ جھاڑنا۔“

حضرت ابوہریرہؓ نے ان کھجوروں کو ایک تھیلی میں رکھ لیا اور جب خواہش ہوتی اس میں سے نکال کر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ انہوں نے اس میں سے بیسیوں من کھجوریں برآمد کر کے فاقہ کش مسکینوں میں تقسیم کیں۔ حضرت ابوہریرہؓ اس تھیلی کو متاعِ گرانمایہ کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آخر پیشوائے امت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے قریباً چھبیس سال بعد یعنی اُس روز جبکہ ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ رہگزین عالم جاوداں ہوئے سوءِ اتفاق سے وہ تھیلی الٹ گئی۔ کھجوریں گر کر تھیلی خالی ہو گئی۔ اس روز سے کھجوروں کی برآمد بھی (قریباً تیس سال کے بعد) موقوف ہو گئی (ترمذی)

فصل ۲۳۵۔ سواد بن قاربؓ کا قبولِ اسلام

خواب میں بعثتِ نبوی کی بشارت

جن ایام میں کوکبۂ نبوی مکہ سے مدینہ کو منتقل ہوا حضرت سواد بن قاربؓ کو خواب میں بعثتِ نبوی کی بشارت ملی تھی۔ رویائے صادقہ دل میں اُتر گیا۔ معاً مکہ معظمہ کا راستہ لیا۔ شہر سے کچھ فاصلے پر ان کو اطلاع ملی کہ تم جس گوہرِ مقصود کی تلاش میں عازمِ مکہ ہو وہ تو اس وقت یثرب میں ضو افگن ہے۔“ یہ سن کر عنانِ عزیمت مدینہ مطہرہ کی طرف پھیر دی۔ مدینۃ الرسول پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ ایک جگہ اونٹ بٹھا کر مسجد میں پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ جاں نثار صحابہؓ اپنے آقا کے گرد و پیش اس طرح بیٹھے ہیں جس طرح چاند کے ارد گرد ستارے۔ دور ہی جگہ ملی۔ وہیں بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! کچھ مجھ مسکین کی بھی گزارش سنی جائے۔“ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے

قریب آکر عرض مدعا کرو۔ چنانچہ قریب آگئے۔ آپ نے بہت کچھ نوازش فرمائی۔ سوادؓ نے اپنے خواب کی پوری سرگزشت سنائی اور اسی وقت خلعتِ اسلام سے سرفراز ہوئے۔ ان کے اسلام سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے (مستدرک حاکم)

سوادؓ عرب کے مشہور کاہن تھے

اس غیر معمولی مسرت وابتہاج کا باعث یہ تھا کہ سواد بن قارب عرب کے ایک مشہور کاہن تھے اور عہدِ جاہلیت میں عرب کے اندر کاہنوں کو بڑی اہمیت و برتری حاصل تھی اس لیے عامۃ الناس پر ان کے قبول اسلام کا بہت خوشگوار اثر پڑتا تھا۔ امیر المومنین عمر فاروق رض اپنے عہدِ خلافت میں ان کا خواب بڑے ذوق وشوق سے سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سواد رض بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا اب بھی آپ کو کہانت میں کچھ دخل ہے؟ چونکہ اسلام نے کہانت کو مذموم قرار دیا ہے اور جناب سواد رض اپنے زنگِ کہانت کو صیقل ایمان سے بالکل صاف کر چکے تھے اس بنا پر انہیں عہدِ کفر کی یاد دہانی ناگوار ہوئی اور ناک بھوں چڑھا کر بولے امیر المومنین! مجھے اس قصۂ پارینہ سے معذور رکھیے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سواد! تمہاری برہمی اور ناراضی بے محل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس کفر وطغیان میں ہم آلودہ تھے وہ تمہاری کہانت سے بھی مکروہ تر تھا۔

خواب کے واقعہ سے حضرت عمرؓ کی دل چسپی

اس کے بعد جناب فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ چونکہ تمہارا واقعۂ خواب نہایت دلچسپ ہے اس لیے مجھے خود تمہاری زبان سے سننے کا اشتیاق ہے۔ حضرت سوادؓ نے خلافت مآب کی خواہش پر پورا واقعہ کہہ سنایا (اسد الغابہ)

* * *

فصل ۲۳۶۔ مہاجرین و انصار میں اخوّت و یگانگت کا قیام

جونہی سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما ہونے کی اطلاع شہرت پذیر ہوئی اطراف واکنافِ ملک کے مسلمانوں نے دارالہجرت مدینہ کا رُخ کیا تھا۔ پس مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے والے حضرات صرف قُریشی اہلِ ایمان نہ تھے جو مکہ معظمہ سے آئے تھے بلکہ بے شمار دوسرے حضرات بھی تھے بلکہ مؤخرالذکر مہاجروں کی تعداد مکّی تارکانِ وطن سے کہیں زیادہ تھی۔

بعض غیر مکّی مہاجروں کا عارضی ابتلاء

چونکہ مہاجروں کی تعداد بہت کثیر تھی اور انصار مدینہ کی طرف سے جو عموماً غریب یا متوسط الحال زراعت پیشہ طبقہ کے لوگ تھے تمام لوگوں کی خبرگیری کا اہتمام و انصرام دفعۃً مشکل تھا اس بنا پر بہت سے غیر مکّی مہاجروں کو جو اہلِ مکہ کے بعد وارد مدینہ ہو رہے تھے ابتداء میں کسی قدر ابتلاء کا سامنا ہؤا اور کھانے پینے کی تکلیف ہونے لگی چنانچہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک خاتون چقندر کی جڑیں جمع کرتی رہتی۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو ان جڑوں کو صاف کرکے ہانڈی میں ڈالتی اور مٹھی بھر جَو کا آٹا ڈال کر پکاتی ہم نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اس خاتون کے پاس پہنچتے اور سلام کرتے۔ وہ اس کھانے کو ہمارے آگے کر دیتی۔ ہم تھوڑا تھوڑا کھا لیتے اور چقندر کی جڑوں کو گوشت کے قائم مقام سمجھتے۔ اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ ہم اسی کھانے کی امید میں جمعہ کے منتظر رہتے (صحیح بخاری)

مہمانان عزیز بھائی بن گئے

یہ حالت دیکھ کر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانانِ مدینہ سے جو انصار کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں فرمایا کہ جس کے گھر میں دو آدمی کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو ہمارے پاس سے لے جایا کرے اور جس کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ پانچویں چھٹے کو لے جا کر کھانا کھلائے۔

(بخاری ومسلم) چنانچہ انصار رضوان اللہ علیہم نے بکمال خندہ پیشانی اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن یہ ابتدائی انتظام تھا۔ اس کے بعد آپ نے قرعہ کے ذریعہ سے مہاجروں کو انصار کے گھروں پر تقسیم کر کے ہر مہاجر کو کسی انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اس رشتۂ اخوت کا انعقاد مسجد نبوی میں ہوا تھا۔ اس بھائی چارہ کے قیام سے پہلے حضرات مہاجرین مسلمانان مدینہ کے مہمان تھے لیکن اب بھائی بن گئے اور یہ اخوت و یگانگت حب اسلام کی ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہوئی کہ ماں جائے بھائیوں میں بھی ایسی محبت و شیفتگی نہیں ہوتی جس درجہ ان اخوانِ مذہب میں اُنس و ارتباط کی روح پیدا ہوئی۔

حضرت سعد بن ربیع کی طرف سے حیرت انگیز پیش کش

عقدِ مؤاخات کے بعد مدنی ناصرینِ ملت اپنے اپنے مہاجر بھائیوں کو مسجد سے سیدھا اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع، جائداد اور زمین آدھی آدھی اپنے اُن مہاجر بھائیوں کو دے دی جنہوں نے اس پیش کش کو قبول کیا۔ حضرت سعد بن ربیع بھی اپنے بھائی جناب عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اپنے تمام مملوکات دکھا کر کہا میں اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد میں سے نصف حصہ آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ اس کے بعد یہ حیرت انگیز نذرانۂ محبت بھی پیش کیا کہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جونسی بیوی آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لیں" گو حضرت عبدالرحمنؓ اس وقت سخت نادار و مفلوک الحال تھے تاہم دل غنی تھا۔ بولے خدا تمہارے اہل و عیال اور مال و دولت میں برکت دے۔ ہر چیز تمہیں مبارک رہے مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبار تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو (اصابہ)

الغرض انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں سے جس پُرخلوص محبت و شیفتگی اور ایثار و موالات کا عملی ثبوت دیا دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہی خدماتِ جلیلہ کی بناپر حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا اور نفاق کی نشانی انصار سے دشمنی رکھنا ہے (بخاری ومسلم)

حضرت حارثہ انصاریؓ کا اپنے مکانات پیش کرنا

اس نصرت و یاری کے علاوہ جو بھائی بننے کے بعد انصار کرام کی طرف سے

مہاجر اخوانِ ملت کو حاصل ہی۔ بیسیوں قسم کی اور امدادیں بھی تھیں جو حضرات انصار رضی اللہ عنہم کی طرف سے قومی و ملی ضروریات کے وقت بارگاہِ نبوت میں پیش کی جاتی رہیں۔ مثلاً حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے قدمائے مہاجرین یا ان مفلوک الحال مہاجروں کے لیے جو اولین تارکانِ وطن کے بعد وارد مدینہ طیبہ ہوئے، اپنے کئی مکان خلاصۂ کائنات وسیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے نذر کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک مکان وہ تھا جو سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان نے ان کے لیے خالی کر دیا تھا (ابن سعد)

مہاجرین و انصار میں باہمی توارث

مہاجرین و انصار میں جو بھائی چارہ کرایا گیا اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسرے کا وارث بھی ٹھیرا دیا کیونکہ اوایل میں مہاجروں کو مالی ضرورتیں تھیں۔ لیکن جب اسلام کو فتوحات کی کامرانی نصیب ہوئی اور مہاجرین کرام انصار کی مالی امداد سے مستغنی ہو گئے تو حق تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آخری آیت میں یہ فرما کر کہ "رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں" مہاجرین و انصار کا باہمی توارث منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد حسبِ سابق صرف خویش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہو گیا۔

عقد مؤاخاۃ کا مقصد

شبلی رح نے عقد مواخاۃ کا مقصد یہ بتایا ہے کہ مہاجروں کی وحشتِ غربت جاتی رہے اور اپنے اہل اور وطن کی مفارقت کے بعد وہ انصار سے مانوس ہو جائیں اور فریقین ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنیں (فتح الباری) لیکن اس ضرورت سے کہیں بڑھ کر در اصل تربیت یافتہ مہاجرین کی صحبت و رفاقت میں انصار کی تربیت و اصلاح کا مقصد پیش نظر تھا تاکہ وہ کم سے کم مدت میں تعلیمات نبوی سے بہرہ اندوز ہو کر دین حق کے نبض شناس اور شارع علیہ السلام کے مزاج شناس بن جائیں اور اس تعلیم کے بعد ان کا کردار صحیح معنیٰ میں اسلامی زندگی کا آئینہ دار رہے۔

بعض اخوانِ مذہب کے اسمائے گرامی

عقد مؤاخاۃ کے وقت دوسرے مہاجر تو بالعموم متاہل تھے لیکن حضرت علی رض مجرد تھے اور بچپن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے چلے آئے تھے۔ اس وقت ان کی تسکین و دلجمعی بھی وقت کی ایک ضرورت تھی اس لیے آپ نے مہاجروں اور ان کے انصاری بھائیوں کے نام لینے سے پہلے حضرت علی رض کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ علی اور میں دونوں بھائی ہیں۔ اس کے

بعد اپنے عمِ محترم اسد اللہ حضرت حمزہ رضؓ میں اور اپنے متبنّٰی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ میں اخوت قائم کی حالانکہ یہ دونوں مہاجر تھے۔ اسی طرح معاذ بن جبل انصاری رضؓ کو حضرت علی رضؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضؓ کا بھائی بنایا حالانکہ وہ کئی سال سے حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے جن جن دوسرے حضرات کے بھائی ہونے کا اظہار فرمایا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

نام مہاجر	ان کے انصاری بھائی
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت خارجہ بن زید خزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	حضرت عتبان بن مالک خزرجی رضؓ
حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضؓ	حضرت سعد بن معاذ بن نعمان اشہلی رضؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ	حضرت سعد بن ربیع خزرجی رضؓ
حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقش رضؓ
حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ	حضرت اوس بن ثابت بن منذر رضؓ
حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضؓ	حضرت کعب بن مالک رضؓ
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	حضرت ابوایوب خالد بن زید رضؓ
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضؓ	حضرت عباد بن بشر بن وقش رضؓ
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	حضرت منذر بن عمرو رضؓ
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ	حضرت عویم بن ساعدہ رضؓ
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	حضرت ابودرداء عویمر بن ثعلبہ رضؓ
حضرت بلال رضی اللہ عنہ	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی

دوسرے حضرات مہاجرین بھی انصار کے بھائی بنائے گئے تھے مگر ہمیں اسی قدر ناموں کا پتہ چل سکا ہے (سیرت ابن ہشام)

اختلاف یہاں یہ ظاہر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ابن ہشام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی کا نام خارجہ بن زُہیر اور ابن خلدون نے خارجہ بن زید رضؓ

لکھا ہے مگر درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خارجہ رض کے باپ کا نام زید اور دادا کی کنیت ابو زُہیر تھی (اصابہ)۔ ابن ہشام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاری بھائی کا نام عتبان بن مالک اور ابن خلدون نے عثمان بن مالک بتایا ہے۔ لیکن صحیح وہی ہے جو ابن ہشام نے قلمبند کیا ہے۔ عثمان بن مالک کسی انصاری یا غیر انصاری صحابی کا نام نہ تھا۔

فصل ۲۳۷۔ مدینہ منورہ میں منافقوں کی فتنہ پرور جماعت کا ظہور

جب داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرز و بوم مکہ معظمہ کو خیرباد کہہ کر اقامت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے تو اس وقت وہاں تین مذہبی جماعتیں پائی جاتی تھیں۔ مسلمان، یہود اور بت پرست۔ ان میں سے مؤخرالذکر بہت قلیل التعداد تھے کیونکہ بت پرست اَوس اور خزرج پر مشتمل تھے اور ان دونوں قبیلوں کی بہت بڑی اکثریت مشرف باسلام ہو چکی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجروں کی اقامت گزینی کے بعد مدینہ منورہ میں ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوئی جن کو منافق کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن اُبی کو بادشاہ بنانے کی تجویز

فرقۂ منافقین کا بانی قبیلۂ خزرج کا رئیس اعظم عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ ہجرت سے پہلے مدینہ کا سب سے بڑا سردار یہی عبداللہ بن اُبی تھا۔ دونوں قبیلے اوس اور خزرج اس کے مطیع تھے۔ گو اوس اور خزرج دیرینہ عداوتوں کے باعث باہم سخت مختلف تھے، تاہم اس کے تخت نشین کرنے پر دونوں نے اتفاق کر لیا تھا۔ اہل مدینہ نے ابن اُبی کے لیے ایک مرصع تاج بنوایا تھا جس پر موتی اور رنگ برنگ کی خوبصورت کوڑیاں لگائی تھیں تاکہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں۔ اس اثناء میں اسلام ظاہر ہوا اور اوس و خزرج اسلام کی طرف رجوع ہو گئے چونکہ اب عبداللہ بن اُبی کی بادشاہت کا منصوبہ طاق نسیان پر رکھا رہ گیا اور کوئی شخص اس کا پرسان حال نہ رہا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تشریف لانا اور ساری قوم کا اس سے برگشتہ ہو کر اسلام اختیار کرنا بہت شاق گزرا اور یہ دیکھ کر کہ انہی کی وجہ سے میری سلطنت کے قیام میں خلل پڑا آپ کا

دشمن ہوگیا۔

اعدائے دین کا بظاہر اسلام میں داخلہ

عبداللہ بن اُبَیّ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کی ٹھان لی اور اس کا جذبۂ عناد دن بدن زور پکڑتا گیا۔ لیکن جب آپ کو شہر میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہوگیا اور عبداللہ بن اُبَیّ نے دیکھا کہ ساری قوم اسلامی رنگ میں رنگی گئی ہے تو علانیہ اسلام کی مخالفت کا حوصلہ نہ ہوا، اس لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ ظاہر میں اسلام قبول کرلے۔ چنانچہ اب [illegible] بظاہر مسلمان ہو کر اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اندر ہی اندر جذبۂ نفرت پھیلانے لگا۔ اس نے شہر کی بُت پرست اقلیت کو بہت جلد اسلام دشمنی میں اپنا ہمنوا بنالیا، اور ان کو بتایا کہ قرینِ مصلحت یہی ہے کہ تم لوگ بھی میری طرح ظاہر میں مسلمان ہو کر باطن اسلام کی (معاذ اللہ) بیخ کنی کرو۔ چنانچہ وہ سب بھی بظاہر حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

مسلمانوں کی طرح اسلامی احکام بجا لانا

ارباب نفاق مسلمانوں کی طرح اسلامی احکام [illegible] فرائض بجا لاتے تھے۔ ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ غزوات میں بھی بظاہر اسلام کی تائید میں شریک ہوتے تھے اس لیے بادی النظر میں مسلمانوں سے متمیز نہ ہوتے تھے البتہ اپنی معاندانہ کارستانیوں سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ مارہائے آستین یہود سے بھی زیادہ خطرناک تھے کیونکہ یہود کی دشمنی علی الاعلان ہوتی تھی جس کا تدارک آسان تھا لیکن یہ اعدائے دین اندر ہی اندر فتنہ کی آگ مشتعل کرتے رہتے تھے۔ اوائل میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے خلا ملا رکھنے کے باعث ان کی شخصیتوں سے واقف نہ تھے چنانچہ رب قدیر اپنے کلام پاک (سورۂ توبہ آیت ۱۰۱) میں فرماتا ہے کہ حوالیٔ مدینہ کے بعض بدوی اور اہل مدینہ میں سے بعض لوگ منافق ہیں۔ "اے نبی! آپ ان کو نہیں پہچانتے۔ ہم انہیں خوب جانتے ہیں"۔ لیکن بعد میں آپ کو ان سے مطلع کردیا گیا۔

منافقوں کے تہس نہس کرنے پر رضامند نہ ہونے کے وجوہ

باوجودیکہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی طرف سے بڑی بڑی ایذائیں پہنچتی رہتی تھیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ان کے تہس نہس کردیے جانے پر مُصر رہتے تھے لیکن آپ اس خیال سے ان کے قلع قمع پر رضامند نہیں ہوتے تھے کہ غیر مسلم مطعون کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے پیروؤں ہی کو قتل کرتے ہیں۔ ان سے تعرض حال نہ ہونے کی

دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر آپ کسی منافق یا ذمی کو کسی ظاہری سبب اور خطا کے بغیر محض باطنی خباثتِ نفس اور عداوتِ دین کی بناء پر کوئی سزا دیتے تو اسلامی قانون میں ایک نظیر قائم ہو جاتی اور آئندہ چل کر ہوا پرست حکام کو اغراضِ نفسانی کی تکمیل کا حیلہ مل جاتا اور وہ شارع علیہ السلام کے فعل سے استدلال کر کے جس کو چاہتے نفاق کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیتے اور اسلام میں کسی قسم کا عہد و ذمہ قابلِ اعتماد نہ رہتا۔

منافقوں سے آنحضرتؐ کا مربیانہ سلوک

باوجودیکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کی اطلاعِ دہی کے بعد ہر منافق کو جاننے پہچاننے لگے تھے تاہم آپ اپنے خلقِ عظیم کے اقتضا سے ان کے ساتھ بھی وہی مربیانہ سلوک روا رکھتے تھے جو جان نثاروں کے حال پر معطوف تھا جس طرح آپ صحابہ کرام رضؓ کی درخواستوں کو شرفِ قبول بخشتے اسی طرح اربابِ نفاق و دجل کی عرض داشتوں کو بھی سمعِ قبول سے سنتے تھے۔

ان شاء اللہ کتاب شمائل کبریٰ کے مطالعہ سے جو راقم الحروف کی ایک زیرِ تالیف کتاب ہے آپ کو معلوم ہو گا کہ غزوۂ تبوک سے مراجعت کے وقت کس طرح پندرہ منافقوں کی ایک ٹولی نے صلاح کی تھی کہ رات کے وقت عقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں اور سواری سے اٹھا کر گھاٹی کے نیچے پھینک دیں اور (نصیبِ اعداء) آپ کا کام تمام کر دیں لیکن حافظِ حقیقی نے آپ کو ان کے گزند سے محفوظ رکھا۔

یہاں ان اہلِ نفاق کے نام درج کیے جاتے ہیں جو اوس، خزرج اور یہودِ مدینہ منورہ کے تینوں قبیلوں میں پائے جاتے تھے۔

قبیلۂ اوس کے منافق

قبیلۂ اوس میں مندرجۂ ذیل ۱۹ منافق تھے:

(۱) زوی بن حرث (۲) جلاس بن سوید بن صامت (۳) اور اس کا بھائی حرث بن سوید بن صامت۔ یاد رہے کہ جلاس اور حرث اسی سوید بن صامت کے بیٹے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جس کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن پیشتر اس سے کہ حضرت عمرؓ اس پر قابو پاتے وہ مکہ معظمہ کو بھاگ گیا تھا (۴) بجاد بن عثمان بن عامر (۵) نبتل بن حرث (۶) ابوحبیبہ بن ازعر (۷) عباد بن حنیف جو حضرت سہل بن حنیف صحابی رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا (۸) بحزج (بن نامعلوم) (۹) عمرو بن خذام (۱۰) عبداللہ بن نبتل (۱۱) جاریہ بن عامر بن عطاف (۱۲) زید بن جاریہ بن عامر (۱۳) مجمع بن جاریہ

(۱۴) ودیعہ بن ثابت (۱۵) خذام بن خالد (۱۶) بشر بن زید (۱۷) رافع بن زید (۱۸) مربع بن قیظی (۱۹) اوس بن قیظی

منافقین خزرج

قبیلۂ خزرج کے ۱۷ منافق یہ تھے: (۱) حاطب بن اُمیّہ بن رافع جو حضرت یزید بن حاطب صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ تھا (۲) ابو طعمہ بشیر بن اُبیرق (۳) قزمان (بن نامعلوم) (۴) ضحاک بن ثابت (۵) معتب بن قشیر (۶) رافع بن زید (۷) بشر بن نامعلوم (۸) رافع بن ودیعہ (۹) زید بن عمرو (۱۰) عمرو بن قیس (۱۱) قیس بن عمرو بن سہل (۱۲) جد بن قیس (۱۳) رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی بن سلول جو تمام منافقوں کا ملجا و ماوی تھا (۱۴) ودیعہ بن نامعلوم جو بنو عوف میں سے تھا (۱۵) مالک بن ابی قوقل (۱۶) سوید (بن نامعلوم) (۱۷) داعس (بن نامعلوم) مؤخر الذکر دونوں منافق رئیس المنافقین کے دست راست اور رفیق کار تھے۔

یہودی منافق

یہود میں سے جو لوگ بظاہر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بباطن یہودی تھے ان کے نام یہ ہیں: (۱) سعد بن حنیف (۲) زید بن لصیت۔ یہ زید بن نصیت وہی منافق ہے جو حضرت عمرؓ سے بازار بنو قینقاع میں لڑا تھا اور جب ایک مرتبہ سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعویٰ تو یہ ہے کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں لیکن انہیں اتنا تک معلوم نہیں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو زید بن لصیت کے قول کی اطلاع دے کر بتایا کہ اونٹنی فلاں مقام پہ ہے۔ یہ اطلاع پا کر حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا واللہ! میں اسی قدر جانتا ہوں جس قدر کہ حق تعالیٰ مجھے جتلا دیتا ہے اور اس علیم و خبیر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس وقت میری اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے اُلجھ گئی تھی اس وجہ سے وہ وہیں رُکی پڑی ہے۔ صحابہ فی الفور وہاں پہنچے اور اونٹنی لے آئے۔ (۳) نعمان بن اوفیٰ بن عمرو (۴) عثمان بن اوفیٰ (۵) رافع بن حریملہ۔ یہ وہی رافع ہے جس کی موت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج ایک بڑا منافق مرا ہے (۶) رفاعہ بن زید بن تابوت (۷) سلسلہ بن برہام (۸) کنانہ بن صوریہ (۹) حرث بن عمرو (سیرت ابن ہشام)

اوپر کی فہرست میں جن ۴۵ منافقوں کے نام درج ہیں یہ وہ محروم نصیب ہیں جو اخیر دم تک اپنے شیوۂ نفاق پر قائم رہے ورنہ منافقوں کی اصل تعداد اوائل میں کسی قدر زیادہ تھی۔

اہلِ نفاق میں سے بعض افراد مختلف اوقات میں تائب ہو کر صدق دل سے مسلمان بھی ہو جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جلاس بن سوید منافق بھی (جس کا نام اَوس کی فہرست میں شمارۂ دوم پر درج ہوا) تائب ہو کر سچا اور پکا مسلمان ہو گیا تھا۔

مسجد نبوی سے اخراج کا فرمان نبوی

جس طرح ابلیسی لشکر کی زندگی کا نصب العین اغواکوشی ہے، اسی طرح منافقوں کی زندگی کا مقصد دجیلا اسلام اور پیروانِ اسلام کی مخالفت تھا۔ صحابۂ کرام رضؓ نے ان کی شرانگیزیوں سے تنگ آ کر بارہا بارگاہِ نبوت میں شکایت کی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شنوائی نہ کی اور ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ البتہ ایک مرتبہ آپ نے ایک ٹولی کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر اسلام کا مذاق اڑاتے اور اہلِ اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کرتے اپنے کانوں سے سن لیا تو چند انصاری جان نثاروں کو حکم دیا کہ ان منافقوں کو مسجد سے نکال دو" یہ سب سے پہلی تنبیہ اور سب سے آخری دار و گیر تھی جو اہلِ نفاق کے خلاف عمل میں آئی۔

تفصیل واقعہ

ابن ہشام نے اس واقعہ کی یہ تفصیل لکھی ہے :-

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتے ہی حضرت ابوایوب انصاری نجّاری رضی اللہ عنہ عمرو بن قیس نجاری منافق کی طرف بڑھے اور اس کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر لے آئے اور پھر دھکا دے کر سختی کے ساتھ نکال دیا۔ وہ اس رسوائی کے وقت کہہ رہا تھا اے ابوایوب! مجھ سے بلاوجہ یہ سلوک کرتے ہو؟ پھر حضرت ابوایوب رضؓ نے رافع بن ودیعہ منافق کو جا دبوچا جو عمرو بن قیس منافق کی طرح ان کے اپنے خاندان کا آدمی تھا اور اس کو ایک گھونسا رسید کر کے چادر میں لپیٹ لیا اور اس کی اچھی طرح مرمت کر کے فرمایا منافق خبیث! یہاں سے دور ہو جا۔ غرض اس کو بھی مسجد سے نکال باہر کیا۔

حضرت عمارہ بن حزم صحابی رضؓ آنحضرت ﷺ کا حکم پاتے ہی زید بن عمرو منافق کی طرف بڑھے۔ یہ بڑا دراز ریش تھا۔ حضرت عمارہ رضؓ نے اس کو ڈاڑھی سے پکڑ لیا اور اسے خوب جھٹکے دیے یہاں تک کہ مسجد سے خارج کر دیا اور نکالتے وقت اس کے سینے پر زور سے دوہتڑ مارا جس کے صدمہ سے یہ منافق چاروں شانے چت گر پڑا اور بولا عمارہ! تم نے میرے بڑی چوٹ لگائی۔ حضرت عمارہ رضؓ نے کہا دور ہو منافق! خدا نے جو عذاب تیرے لیے تیار کر رکھا ہے اس کا تجھے اس سے بہت زیادہ صدمہ سہنا پڑے گا۔ خبردار جو آئندہ مسجد کے قریب آیا۔

حضرت ابو محمد نجاری ؓ نے (جو بدری صحابی تھے) فرمان نبوی کے ماتحت قیس بن سہل منافق کا رُخ کیا اور ٹینٹوا دبا کر اس کو دھکے دیتے ہوئے مسجد سے نکال دیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن حرث خُدری رضی اللہ عنہ حرث بن عمرو منافق پر ٹوٹ پڑے۔ اس منافق کے سر پر بڑے بڑے لمبے بال تھے۔ جناب عبداللہ ؓ نے اس کو بالوں سے پکڑ کر دھر گھسیٹا اور خوب ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔ یہ منافق کہہ رہا تھا عبداللہ! تم بڑی سختی کرتے ہو۔" عبداللہ نے کہا دشمن خدا! دور ہو تو منافق اور سخت ناپاک ہے۔ خبردار جو پھر کبھی مسجد میں قدم رکھا۔

اسی طرح انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک انصاری مسلمان اپنے قریبی رشتہ دار زوی بن حرث منافق کے سر پر جا پہنچے اور اس کو سخت ذلیل اور رسوا کر کے مسجد سے خارج کر دیا اور کہا تو شیطان کا بازیچہ ہے تمہیں اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ پھر کبھی مسجد کے قریب پھٹکے۔

رئیس المنافقین کی دریدہ دہنی

اب موقع کی مناسبت سے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کی دریدہ دہنی اور اس کے نتیجہ میں اس کی رسوائی کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے ظاہر ہو گا کہ پیروانِ اُسوۂ محمدی نے کس طرح اپنے جان و مال، اہل و عیال، خویش و اقارب اور خاندان کی اُلفتوں کو اپنے ہادی و مقتدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی پر قربان کر دیا تھا۔

غزوۂ مریسیع سے مراجعت کرتے وقت سنان جُہَنی انصاری اور جہجاہ غفاری مہاجر میں کسی بات پر باہم تکرار ہو گئی۔ فقرائے مہاجرین میں سے کسی نے جہجاہ کی حمایت میں سنان کے ایک طمانچہ مار دیا۔ منافق تو ایسے مواقع کے منتظر و متلاشی ہی رہتے تھے، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی نے جس کے باطن میں ہر وقت حسد و عناد کی انگیٹھیاں بھڑک رہی تھیں، مہاجروں کی شان میں ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالنے شروع کر دیے اور بولا ہاں ہم طمانچے کھانے ہی کے لیے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے ہیں اور جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہنے لگا کہ مہاجروں کی مدد بالکل بند کر دو تنگ آ کر خود بخود مدینہ سے چلے جائیں گے اور میں واپس پہنچ کر ان ذلیل لوگوں کو شہر بدر کر دوں گا۔"

حضرت عمرؓ کا رئیس المنافقین کے قتل کی اجازت مانگنا

حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں اور ان کو سخت ناگوار گزریں۔ باوجودیکہ رئیس المنافقین ان کا ہم قبیلہ اور رئیس خزرج تھا

انہوں نے جا کر اپنے چچا سے شکایت کی۔ ان کے چچا کی غیرت ایمانی نے اس واقعہ کو رسول خدا تک پہنچایا۔ آپ نے حضرت زید بن ارقم رضؓ اور رئیس المنافقین کو بلا کر دریافت فرمایا۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا اور کہا مجھے اسی خدا کی قسم جس نے آپ پر کلام حق نازل کیا ہے میں نے کچھ نہیں کہا۔ زید بن ارقم رضؓ نے محض افتراپردازی کی ہے۔ اس پر تمام انصار نے حضرت زیدؓ کو ملامت کی کہ تم نے رسول اللہ سے غلط بیانی کی۔ اُن کے چچا بھی انصار کے ہمنوا ہو گئے کہ مفت میں آنحضرتؐ کا مزاج مبارک مکدر کیا۔ حضرت زیدؓ بہت مغموم ہوئے اور واپس آکر بیٹھ رہے حالِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ منافقون کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کی تصدیق اور منافقوں کی تکذیب و تفضیح ہے۔ آپ نے حضرت زیدؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا زید! حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ابن اُبَیّ منافق کی گردن ماردوں؟ لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ کی حرارت ایمانی

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔ رئیس المنافقین مآل اندیش اور صائب الرائے ہونے کے باوجود اپنے جذبات رقابت کا شکار ہو کر شرف ایمانی سے محروم رہا۔ لیکن اس کے بیٹے حضرت عبداللہ (بن عبداللہ بن اُبَیّ) رضی اللہ عنہ پر جو ہجرت سے قبل سعادت ایمانی سے مستعد ہو چکے تھے باپ کی شقاوت اور قساوت کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ اپنے باپ کی ضلالت پسندی پر سخت ملول تھے۔

سورۂ منافقون کے نزول کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! میرے باپ نے حضرات مہاجرین کو ذلیل کہا ہے۔ خدا کی قسم خود ذلیل ہے اور مہاجر معزز ہیں۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ مدینہ تشریف لے چلیئے۔ اور اہل مدینہ کو معلوم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمان بردار نہیں تاہم اگر حضور کی خواہش ہو کہ اسے قتل کر دیا جائے تو مجھے اس کا حکم دیجئے میں ابھی جا کر اس کا سر لے آؤں۔" آپ نے فرمایا میری ہرگز یہ خواہش نہیں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب ہی کو قتل کرا دیتے ہیں (اسد الغابہ)

حضرت عبداللہ کا باپ کو داخلۂ شہر سے روکنا

جب لشکر مدینہ منورہ پہنچا تو

حضرت عبداللہ (بن عبداللہ بن اُبَی) تلوار لیے اپنے باپ کی آمد کے انتظار میں مدینہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ جب رئیس المنافقین وہاں پہنچا تو حضرت عبداللہؓ باپ سے کہنے لگے تمہارا یہ مقولہ ہے کہ مدینہ جا کر جو معزز ہو گا ذلیل کو نکال دے گا۔ سو تم اقرار کرو کہ میں ذلیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب عزیز ہیں اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ تم رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔" رئیس المنافقین چلّایا اے خزرج کے لوگو! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے۔ اے میری قوم! میری مدد کرو۔ میرا بیٹا میرا مزاحم حال ہے۔" انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔" لوگوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اپنے باپ کے حق میں اتنا تشدد نہ کرو۔ انہوں نے کہا واللہ باللہ! میں رسول اللہ کی اجازت کے بغیر اسے شہر میں قدم نہ رکھنے دوں گا۔"

شفیقِ عالمؐ کا پیغام حضرت عبداللہؓ کے نام

پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ کو اس قضیہ کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ جا کر عبداللہؓ سے کہہ دو کہ باپ کو جانے دیں اور فرمایا خدا کی قسم! یہ (رئیس المنافقین) جب تک ہم میں موجود ہیں ہم ان سے مشفقانہ برتاؤ ہی کرتے رہیں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا تو جناب عبداللہؓ کہنے لگے اب جبکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آ چکی ہے یہ مدینہ میں داخل ہو سکتا ہے (ابن سعد)

اس وسیع و عمیق ایمان، اس دل نشین پیغمبرانہ تعلیم اور اس دقیق و حکیمانہ تربیت کا وجود جس کا عملی ثبوت حضرت عبداللہؓ نے دیا، شاید دنیا کے کسی ملک، کسی قوم اور دنیا کی کسی تاریخ میں نہ مل سکے گا۔

فصل ۲۳۸۔ یہود سے معاہدۂ صلح

دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمح نظر لوگوں میں صلح و آشتی کی روح پیدا کرنا اور خلقِ خدا کو امن و سکون کی زندگی سے متمتع کرنا تھا۔ چونکہ اس وقت یثرب کے یہود کو مذہبی، سیاسی، معاشی ہر لحاظ سے بہت کچھ اہمیت حاصل تھی اور وہ اپنی قوت و اقتدار کے باعث یثرب اور اس کے مضافات پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے، اس بنا پر یہود کے اتحادِ عمل کے بغیر امن و

سکون کا مقصد عظیم کسی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر آپ نے اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ مسلمانوں میں اور یہودیں معاہدہٴ صلح ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے یہودی حلقوں میں اس کی تحریک کی اور یہ تحریک بارآور ہوئی۔ یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ ہوا اس کی اہم دفعات یہ تھیں۔

(۱) یہ تمام معاہد گروہ (یعنی مسلمانان مدینہ اور جو لوگ آ کر ان سے ملحق ہوئے ہیں اور مہاجرین جو قریش میں سے ہیں، اور یہود کے مختلف قبایل) دوسرے غیر معاہد غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک قوم شمار ہوں گے۔

(۲) مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں گے اور یہود کو اپنے دین کے اتباع کی کامل آزادی ہوگی۔ مذہب کے سوا باقی سب امور میں مسلمان اور یہودی ایک جماعت متصور ہوں گے۔

(۳) اگر کوئی مسلمان کسی یہودی کو قتل کرے گا تو مسلمان اس کی طرف سے خون بہا ادا کریں گے اور اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کی جان لے گا تو مسلمان اپنے آدمی کا خون بہا وصول کریں گے۔

(۴) مسلمانوں میں سے جو کوئی ظلم یا زیادتی یا گناہ کرے گا تو سب مسلمان اس کو پکڑ کر سزا دیں گے خواہ وہ ظالم و بدکاران میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) جو کوئی کسی مسلمان کو گواہوں کے سامنے قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ مقتول کے وارث معاف کر دیں یا خوں بہا لینے پر رضامند ہو جائیں۔

(۶) خدا کا ذمہ ایک ہے۔ ادنیٰ مسلمان کسی غیر مسلم کو پناہ دے سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کی صلح ایک ہے یعنی اگر لڑائی میں ایک مسلمان غیر مسلموں سے صلح کرے گا تو یہ صلح سب مسلمانوں پر لازم ہوگی۔

(۷) جب کسی بیرونی دشمن سے مسلمانوں کی جنگ ہوگی تو معاہد یہودی بھی مسلمانوں کے دوش بدوش حملہ آوروں سے جنگ آزما ہوں گے اور مسلمانوں کی طرح وہ بھی لڑائی میں اپنا مال خرچ کریں گے۔

(۸) اس عہد نامہ کے شرکاء میں سے جس کسی کو جنگ درپیش ہو دوسرے سب اس کی مدد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔

(۹) کوئی معاہد یہودی قریش میں سے کسی کی جان و مال کو پناہ نہ دے گا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے کسی آدمی کی حمایت نہ کرے گا۔ اسی طرح قریش کے مددگاروں کو بھی پناہ نہ دی جائے گی۔

(۱۰) عہدنامہ کے شرکاء میں سے ہر ایک کو اُس لشکر کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرنا لازم ہے جو مدینہ پر چڑھ آئے اور جب حملہ آور لشکر سے صلح ہو جائے تو وہ صلح سب شرکاء کی طرف سے متصور ہوگی۔

(۱۱) یہ عہدنامہ کسی ظالم یا گنہ گار کی حمایت نہیں کرتا۔

(۱۲) یہود میں سے جو کوئی دین اسلام کی پیروی اختیار کرے گا اُس کے حقوق دوسرے مسلمانوں کے حقوق کے مساوی ہو جائیں گے اور اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہوگا۔

(۱۳) کوئی شخص اپنے حلیف کے بدلہ میں گنہ گار نہ ٹھیرایا جائے گا اور شہر مدینہ کا اندرونی حصہ شرکائے عہد کے لیے حرام ہے یعنی وہ اس میں کسی قسم کا قتل و فساد برپا نہ کریں گے۔

(۱۴) سب مسلمان اس عہدنامہ پر متفق ہیں اور انہوں نے اس کی پابندی کا اقرار کیا ہے۔ مسلمانوں کو پابندیٔ عہد میں اعلیٰ مقام پر قائم رہنا اور ارفع ترین مکارم اخلاق کا ثبوت دینا اسلامی فرض ہے۔

(۱۵) اس معاہدہ کے شرکاء میں جو قضیہ اور نزاع و اختلاف رونما ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے گا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۲۹۔ ہجرت کے بعد قریش کی جدید فتنہ انگیزی

مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہونے کے چند سال بعد بھی مصائب و آلام نے حضور سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بلدالامین میں مسلمانوں کو صرف اپنی قوم قریش کی چیرہ دستیوں کا سامنا تھا۔ یہاں دارالہجرت میں یہود اور منافق دو حریف طاقتیں چشم نمائی کرنے لگی تھیں۔ منافقوں کی دشمنی کا مبنیٰ و منشا پہلے حوالۂ قرطاس ہو چکا ہے۔ یہودی بھی معاہدۂ صلح کرنے کے باوجود ہر وقت آمادۂ پرخاش تھے کیونکہ وہ صدیوں سے برق

کو آلِ یعقوبؑ کا موروثی حق یقین کرتے آ رہے تھے۔ اب جو انہوں نے دیکھا کہ نبوت ذریتِ اسمٰعیلؑ میں منتقل ہو گئی تو حسد و رقابت کے مارے انگاروں پر لوٹنے لگے۔

حاکمانہ اقتدار

گو یہودی اور منافق کینہ توزی کے ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح تھے اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر جاں نثاروں کے خلاف جوڑ توڑ کرنے سے انہیں کسی وقت فرصت نہ تھی، تاہم ان کی کوئی ناپاک کوشش بروئے کار نہ آئی تھی بلکہ آپ کو تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ منورہ کے اندر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا اور تمام لوگ فصلِ خصومات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرنے لگے یہاں تک کہ یہود جیسے دشمنانِ دین بھی اہلِ کتاب ہونے کے باوجود اپنے نزاعات کا فیصلہ آپ ہی سے کراتے تھے۔

رئیس المنافقین کے نام عمایدِ قریش کی چٹھی

یاد رہے کہ اسلام کے دو نئے دشمنوں میں سے یہودی تو من حیث القوم علانیہ برسرِ مخالفت تھے، لیکن منافق جنہوں نے ازراہِ فریب مومنوں کا سا لباس پہن رکھا تھا، نہایت خطرناک مارِ آستین تھے۔ جب عمایدِ قریش کو منافقوں کی عناد پسندیوں کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ چونکہ مہاجرین کرام کو پناہ دینے والے اوس اور خزرج تھے اس لیے قریش نے محسوس کیا کہ ان دو قبیلوں کے منافقوں کو اُکسا دینے سے بہت کچھ مطلب براری ہو سکتی ہے چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ تم نے ہمارے مفروروں کو پناہ دی ہے بہتر ہے کہ یا تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دو یا کم از کم خارج البلد کر دو ورنہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ پوری جمعیت کے ساتھ تم پر چڑھ آئیں گے اور تم سب کو ملیا میٹ کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔"

منافق تو پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کے خلاف نعل در آتش تھے۔ قریش کی اس انگیخت پر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہونے کا عزم کیا۔ ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ رئیس المنافقین کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ قریش تم سے ایک ایسی چال چلے ہیں کہ جس سے تم اہلِ مدینہ آپس ہی میں کٹ مرو۔ اگر تم قریش کی دھمکی میں آ گئے تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچے گا جتنا کہ انکار کر دینے کی صورت میں ممکن ہے کیونکہ اگر تم انصارِ مدینہ سے لڑو گے تو خود اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرو گے اور اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں سے

مقابلہ ہوگا۔" آپ کی یہ تقریر ابن اُبَی کے دل نشین ہو گئی اور تمام منافق جو علانیہ عَلَم پیکار بلند کرنے والے تھے منتشر ہو گئے (ابوداؤد)

رئیس اَوس کے خلاف ابوجہل کی درشت کلامی

چند روز کے بعد حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلۂ اَوس کے رئیس اعظم تھے عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ اُمیّہ بن خلف سے ان کی پرانی دوستی تھی۔ اس تعلق سے حضرت سعدؓ نے اُمیّہ ہی کے مکان پر قیام کیا۔ ایک دن سعدؓ اُمیّہ کو ساتھ لے کر طواف کعبہ کو گئے۔ ابوجہل نے ان کو دیکھ لیا۔ اُمیّہ سے پوچھنے لگا یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے؟ اس نے کہا میرے دوست سعد بن معاذ ہیں۔" کفار قریش بت پرستی چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کو صابی یا بے دین کہا کرتے تھے۔ ابوجہل بولا ایک صابی کو اپنے ہاں پناہ دے کر کعبۂ معلّیٰ میں لے آؤ۔ میں اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا اور حضرت سعدؓ سے کہنے لگا کہ اگر تم اُمیّہ کے ساتھ نہ ہوتے تو کسی طرح بچ کر یثرب نہ جا سکتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا شام کا تجارتی راستہ بند کر دیں گے (بخاری)

تاخت و تاراج مدینہ کے منصوبے

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم مدینہ کے بعد قریش اس بات کی تیاریوں میں ہر وقت مصروف تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے (خاکم بدہن) اسلام کو بالکل مٹا دیں اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کر دیں۔ اور چونکہ انصار نے آپ کو پناہ دی تھی اس بنا پر نہ صرف اہل مکہ بلکہ تمام قبائل عرب جو اسلام کے دشمن تھے قاطبۃً ان سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وجہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کرتے تھے (مستدرک حاکم) اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ جاگ کر راتیں بسر کرتے تھے (نسائی)

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ قدوم مدینہ کے بعد حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ رات بھر اعداء کی تاخت کا خطرہ لگا رہا۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا کاش! آج رات کوئی نیکوکار یہاں آ کر پہرہ دیتا۔ اتنے میں تیر کمان اور شمشیر کی جھنکار سنائی دینے لگی اور معاً ایک آدمی سامنے سے نمودار ہوا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعد بن ابی وقاص۔" فرمایا سعد! تم اس وقت کیسے آئے؟ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں نے حضور کے حق میں خطرہ محسوس کیا تھا اس لیے نگہبانی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے حضرت سعدؓ کے حق میں

دعاے خیر کی اور استراحت فرمانے لگے (بخاری و مسلم)

ابو ایوب انصاری رضؓ کے حق میں دعاے حفظ

اسی طرح ایک خطرہ کے موقع پر حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ رات بھر چوکیداری کرتے رہے۔ آپ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی۔ ابو ایوب! خدا تمہاری اسی طرح حفاظت و نگرانی کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔" فقیہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ خثعمی معروف بہ سُہیلی المتوفی ۵۸۱ھ نے کتاب "الروض الانف" شرح سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعا کا اثر ہے کہ نصاریٰ ان کی قبر کی ہر طرح سے محافظت کر رہے ہیں۔" یاد رہے کہ علامہ سُہیلی رحؒ کی اس تحریر کے وقت قسطنطنیہ نصاریٰ کے زیر نگین تھا۔ لیکن اس کے پونے تین سو سال بعد یعنی ۸۵۷ھ (مطابق ۱۴۵۳ء) میں ترکوں کے مورث اعلیٰ سلطان محمد ثانی نے اس شہر کو مسخر کر کے اسلامی عملداری میں داخل کیا۔

۵۰ھ میں رومیوں کے خلاف پہلی مہم

معلوم ہو کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں یزید بن معاویہ کے زیر قیادت رومیوں کے خلاف غزا کیا تھا۔ حضرت ابو ایوب وہیں انتقال فرما گئے اور انہوں نے دنیاے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہتے ہوئے یزید کو وصیت کی کہ مجھے روم کے کسی ایسے شہر میں دفن کرنا [illegible] بلاد اسلامی سے قریب تر ہو" مسلمان ان کی نعش اطہر کو اٹھائے لیے جا رہے تھے کہ کسی موزون جگہ پر سپرد خاک کر دیں۔ نصاریٰ کے بعض اعلیٰ حکام نے دریافت کیا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ یزید نے کہا کہ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ رومی عمائد یزید سے کہنے لگے تم کیسے سادہ لوح شخص ہو؟ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ تمہارے پیٹھ موڑنے کی دیر ہے کہ ہم اس قبر کی ہڈیاں اکھاڑ کر اور جلا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور قبر کو بے نشان کر دیں گے۔" یزید نے کہا تم لوگ حلفی وعدہ کرو کہ اس قبر کی حفاظت کی جائے گی ورنہ یاد رکھو کہ جزیرۂ عرب میں عیسائیوں کی جتنی قبریں ہیں ہم ان کو اکھاڑ کر بے نشان کر دیں گے"۔

یہ سن کر اعیان روم نے حلفی وعدہ کیا کہ وہ قبر کا احترام ملحوظ رکھیں گے اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے گی (الروض الانف جلد ۲ ص ۲۴۶) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا مرقد منور آج تک دارالسلطنت استنبول میں زیارت گا[illegible] خلائق بنا ہوا ہے۔

حفظ و صیانت نبوی کا خدائی وعدہ

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مدفن مبارک کا تذکرہ

ایک ضمنی چیز تھی۔ اصل مبحث یہ تھا کہ حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے خوف سے رات کو اپنی حفاظت کراتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم باری باری آپ کے آرام کے وقت پہرا دیتے تھے۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (حافظ حقیقی آپ کو اعداء سے محفوظ رکھے گا۔ ۵ | ۶۷) تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔ میرا محافظ رب العالمین ہے (لباب النقول)

فصل ۲۴۰۔ دو یہودی عالموں کا عذرِ لنگ

جب سے آفتاب رسالت نے مدینہ منورہ کے اُفق سے طلوع کیا تھا، مشتاقان جمالِ احمدی کا بڑا جمگھٹا رہتا تھا اور ہر طرف غلغلہ تھا کہ رسول اللہ تشریف لائے ہیں خصوصاً علمائے یہود کو جو کتب سماوی میں آپ کی ثنا و منقبت پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے شرفِ ایمانی کے بعد جمالِ جہان آرا کی دید کا بڑا اشتیاق تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تمام اَحبار نعمتِ ایمان سے سرفراز ہو کر اپنی قوم کے لیے نیک مثال قائم کرتے لیکن افسوس ہے کہ ان کے بہت کم علماء کو قبولِ حق کی توفیق ارزانی ہوئی۔

دو یہودی عالم بارگاہ نبوی میں

آپ کے قدوم فرمائے مدینہ ہونے کے کچھ دنوں بعد ایک یہودی عالم دوسرے سے کہنے لگا کہ چلو اس نبی کو چل کر دیکھیں اور کوئی بات دریافت کریں۔ دوسرا بولا نبی نہ کہو کیونکہ اگر وہ سن لیں گے کہ کسی یہودی عالم نے ان کو نبی کہا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ غرض دونوں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ نو آیات بینات (کھلے کھلے بنیادی احکام) کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ چوری مت کرو۔ حرام کاری سے باز رہو۔ ناحق کسی کی جان نہ لو۔ کوئی بہتان تراش کر کسی بےجرم ناآشنا کو حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔ سحر مت کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ پارسا عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ۔ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں میدانِ جنگ سے نہ بھاگو۔ یہ احکام تو عام ہیں۔ لیکن اے گروہ یہود! تمہارے لیے ایک خاص حکم یہ بھی ہے کہ سبت (ہفتہ) کے دن کوئی بدعنوانی نہ کرو۔

یہودی عالموں کا آنحضرت ؐ کے ہاتھ پیر چومنا

یہ جواب سن کر دونوں یہودی عالم

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر چومنے لگے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدا کے نبی ہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تو اب کون سا امر قبولِ اسلام سے مانع ہے؟ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن چونکہ قبول حق کی سعادت سے بہرہ نہ پایا تھا قدرے سکوت کے بعد یہ عذرِ لنگ پیش کر دیا کہ یہود کے زعم میں داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبی ہوتے رہیں اور آپ داؤد نبی کی اولاد نہیں ہیں۔ اب اگر ہم آپ کی متابعت کریں تو یہود ہم کو زندہ نہ چھوڑیں گے (ترمذی)

لیکن ان کا یہ کہنا کہ داؤد خلیفۃ اللہ نے اپنی اولاد میں نبوت رہنے کی دعا کی تھی سراپا دروغ ہے۔ البتہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اس بارہ میں جو دعا کی تھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یقینی مصداق ہیں۔

فصل ۱۴۱۲ ـ سرورِ عالمؐ کے خُلقِ عظیم سے متأثر ہو کر یہودی عالم کا قبولِ اسلام

زید بن سعنہ بھی یہود کے ایک ممتاز و سر برآوردہ عالم تھے جنہوں نے اپنی قوم کے جذبات اور احساسات کا لحاظ کیے بغیر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر صدقِ دل سے ایمان لائے۔

علاماتِ صدق کا مشاہدہ

زید بن سعنہ کا اپنا بیان ہے کہ دو کے سوا نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہ رہ گئی تھی جس کا میں نے حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں مشاہدہ نہ کر لیا ہو۔ جن دو نشانیوں کے تجربہ کی ابھی نوبت نہ آئی تھی ان میں سے ایک یہ تھی کہ نبی آخر الزمان کا حلم ان کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری آپ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت اور اکھڑپن کا برتاؤ کریگا آپ اُسی قدر زیادہ ضبط و تحمل کا ثبوت دیں گے۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آپ کے پاس آمد و رفت جاری رکھی۔

قحط زدہ نومسلموں کے لیے چھ چھٹانک سونا قرض لینا

ایک مرتبہ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے

حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے۔ اسی اثنا میں کسی دیہاتی نے آکر التماس کی یا رسول اللہ! میری قوم مشرف باسلام ہو چکی ہے اور میں نے ان کو اسلام کی تعلیم دیتے وقت کہا تھا کہ اگر مسلمان ہو جاؤ گے تو فلاحِ اُخروی کے علاوہ دنیا میں بھی خوش حال رہو گے اور اب حالت یہ ہے کہ سخت قحط پڑا ہے اور چونکہ نومسلم ہیں، ان کے دلوں میں ایمان ابھی اچھی طرح راسخ نہیں ہوا اس بنا پر مجھے ڈر ہے کہ وہ اسلام سے منحرف نہ ہو جائیں۔ اگر مرضیٔ مبارک ہو تو آپ ان کی طرف کچھ امداد کا ہاتھ بڑھائیں۔ چونکہ آپ کا بحرِ کرم یوں بھی ہر وقت موج زن رہتا تھا آپ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! اس وقت تو کچھ موجود نہیں۔"

زید بن سعنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ایسا کر سکو کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں مجھے وقت معین پر دے دو تو میں ان کی قیمت پیشگی دے دیتا ہوں۔ وقتِ معہود پر آپ سے کھجوریں لے لوں گا۔" آپ نے فرمایا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں۔" میں نے اس کو قبول کر لیا اور اسّی مثقال (چھ چھٹانک) سونا لا کر پیش کر دیا۔ آپ نے یہ سونا اس دیہاتی کو دے کر فرمایا کہ اس سے ان کی ضروریات پوری کرو لیکن انصاف اور دیانت کو ہر حالت میں ملحوظ رکھنا۔"

وعدہ سے پہلے یہودی قرض خواہ کا تقاضا

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ جب وعدہ سے چند روز پیشتر میں نے دیکھا کہ آپ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے کسی کی نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ میں آیا اور آپ کے پیراہن مبارک اور چادر کے پلّوں کو پکڑ کر نہایت کج خلقی اور ترش روئی سے کہا کہ محمدؐ! تو میرا قرضہ کیوں ادا نہیں کرتا؟ خدا کی قسم! عبدالمطلب کا خاندان بڑا ہی نادہند ہے۔"

حضرت عمرؓ کا غصہ سے بے قابو ہونا

یہ اکھڑپن دیکھ کر اصحاب کرامؓ کا خون کھولنے لگا خصوصاً حضرت عمرؓ تو غصہ سے بے قابو ہو گئے اور عالمِ غیظ میں کہنے لگے اے خدا کے دشمن! یہ کیا بکتا ہے؟ واللہ! اگر مجھے حضور کی ناراضی کا کھٹکا نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔" لیکن آپ نہایت سکون و وقار سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

آپ نے تبسم کے لہجہ میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہیں تو یہ چاہیئے تھا کہ مجھے ادائے قرض کی تلقین کرتے اور ان کو مطالبہ کرنے میں نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے۔ اب ان کو اپنے ساتھ

لے جاؤ اور ان کا حق ادا کر دو۔ اور آہستہ سے یہ بھی فرمایا کہ تم نے جو ان سے سخت کلامی کی ہے تو اس کے عوض میں بیس صاع (قریباً دو من) کھجوریں ان کے مطالبہ سے زیادہ دو"۔

ادائے قرض کے علاوہ ۲۰ صاع کھجوروں کا عطیہ

زید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے ساتھ لے گئے اور میرا مطالبہ پورا کرنے کے بعد بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے کہا یہ بیس صاع کھجوریں کیسی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور والا نے یہی حکم دیا تھا۔ میں نے کہا عمر! تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں ہی زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے کہا وہی زید بن سعنہ جو یہود کے بہت بڑے عالم ہیں؟ میں نے کہا ہاں وہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر تم نے ایسی کج خلقی اور بداطواری کا ثبوت دیا؟

دو نشانیوں کی جانچ

میں نے کہا کہ واقعی میں نے بدتہذیبی اور ناشائستگی کا ثبوت دیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نبی آخر الزمان کی علامتیں آپ کی ذات گرامی میں منطبق کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دوسری تمام علامتیں تو بدرجۂ اتم موجود پائیں البتہ دو نشانیاں ایسی رہ گئی تھیں جن کا جانچنا مجھے منظور تھا۔ پہلی یہ کہ ان کا حلم غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان سے جتنی زیادہ بدسلوکی کی جائے گی ان کے حلم و رفق کا جوہر اسی قدر زیادہ چمکے گا۔ سو اب میں نے ان دو علامتوں کا بھی امتحان کر لیا ہے۔ اس لیے تم کو اپنے اسلام کا گواہ ٹھیراتا ہوں اور میرا نصف مال امت محمدیہ کے سود و بہبود کے لیے صدقہ ہے"۔ یہ کہہ کر زیدؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور سعادت ایمانی سے بہرہ مند ہو کر دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کی (رواہ الحاکم فی المستدرک) زید بن سعنہؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ طبرانی، ابن حبان اور ابوالشیخ نے بھی روایت کیا ہے (اصابہ و فتح الباری)

فصل ۲۴۲۔ اِسلام کی تائید میں یہودی عالم کی جان سپاری

مخیریق نام ایک یہودی عالم نے غزوۂ اُحد کے دن اپنی فدویت اور جاں نثاری کا ج

عملی ثبوت دیا اور اپنے اخوانِ مذہب کو جو صلاح دی وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مخیریق بڑے مالدار تھے۔ تورات اور دوسرے صُحُف سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات وخصائص پڑھ کر دل میں آپ کی تصدیق کرکے ایمان لا چکے تھے لیکن علی الاعلان مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔

مرگِ شہادت

جس دن اُحُد کی لڑائی شروع ہوئی وہ شنبہ کا روز تھا۔ حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ہمسایہ ہیں اور اعداء نے ان پر زغہ کیا ہے اس لیے تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو۔ یہود کہنے لگے آج تو ہفتہ کا دن ہے۔ مخیریق ؓ نے کہا تمہیں ہفتہ کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا"۔ لیکن انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خود ہتھیار لیے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ کارزار ہو کر اعدائے اسلام کو خوب قتل کیا۔ آخر خود بھی جرعۂ شہادت پی کر روضۂ رضوان میں چلے گئے۔

جائداد کی وصیّت

حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے چلتے وقت یہود سے کہہ دیا تھا کہ میں پیغمبر خدا کی تائید میں جان سپاری کے لیے جاتا ہوں۔ اگر میں فی سبیل اللہ مارا جاؤں تو میرا تمام مال واسباب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ اس وصیت کے بموجب یہ جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مِلک متصور تھی چنانچہ مدینہ منورہ میں آپ کے عام مصارف اسی سے چلتے تھے (سیرت ابن ہشام)

یہ اوائل کا واقعہ ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد آپ نے یہ جائداد مساکین ملت کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دی تھی۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ مخیریق رضی اللہ عنہ نے اپنے سات باغ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کیے تھے۔ آپ نے ساتوں باغ فی سبیل اللہ وقف کر دیے۔ وہاں سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غرباء و مساکین میں بانٹ دیا جاتا تھا (اصابہ)

حضرت مخیریق ؓ کو رجال کی بعض کتابوں میں مخیریق لکھا ہے۔ یہودان بنی نضیر میں سے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ رحمہ اللہ

بعض اور یہودیوں کی سعادت ایمانی

جن علمائے یہود کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا تذکرہ اوپر قلمبند ہوا، ان کے علاوہ

بعض دوسرے یہودی بھی مشرف با یمان ہوئے۔ چنانچہ بیہقی نے روایت کی کہ ایک یہودی نے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سورۂ یوسف سنی تو وہ چند یہودیوں کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر شرفِ ایمان سے سرفراز ہوا لیکن احتمال ہے کہ یہ لوگ احبار نہ تھے (فتح الباری)

فصل ۲۴۳۔ ایک یہودی عالِم اور یہودی سردار کی تصدیق نبوّت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی طرح چند اور یہودی عالم بھی نعمتِ تصدیق سے مشرف ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کی نسبت طبرانی نے سندِ صحیح کے ساتھ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے کنیسہ میں تشریف لے گئے۔ میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا اے یہود کے گروہ! تم اپنے میں سے ایسے بارہ اشخاص مجھے بتاؤ جو اس امر کی تصدیق کریں کہ ربِّ قدیر کے سوا کوئی ہستی قابلِ پرستش نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں۔" اگر تم میں سے بارہ آدمی اس بات کے قائل ہو جائیں گے تو خدائے رؤف ان تمام یہودیوں سے جو آسمان کے نیچے بستے ہیں اپنا قہر و غضب اٹھا لے گا۔" یہ سن کر ان کے مونہوں پر قفلِ سکوت لگ گئے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر واپس آنے لگے تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے سے آکر کہا اے محمدؐ! حقیقتِ حال یہی ہے جو آپ کہتے ہیں اور میں آپ کے دعوائے نبوت کی پوری طرح تصدیق کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے یہود کی جماعت! مجھے بتاؤ کہ اس وقت تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی جماعت میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جو تم سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم ہو اور نہ تمہارے باپ دادا سے بڑھ کر کوئی عالم اور فقیہ تھا۔ اس نے کہا میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ وہی نبیٔ برحق ہیں جن کا تذکرہ تورات میں پڑھا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا تم جھوٹ بکتے ہو (لباب النقول)

اسی طرح ابن سعد نے کتاب شرف المصطفیٰ میں سعید بن جُبیرؓ کے طریق سے روایت

کی ہے کہ یہود کا ایک سردار میمون بن یامین بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو کر کے تصدیق بالقلب کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد سرکارِ رسالت میں عرض پیرا ہوا کہ آپ میری قوم کے پاس اپنا کوئی نمائندہ بھیجیے اور اپنے نمائندہ کو حکم دیجیے کہ وہ میری قوم کے مقابلہ میں مجھے حَکَم ٹھیرائے۔ اُمید ہے کہ وہ لوگ بھی میرا ساتھ دیں گے۔ آپ نے کسی صحابی کو ان کے ساتھ بھیجا اور ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کی لیکن انہوں نے سختی سے انکار کیا۔ قاصد نے کہا کہ اپنے میں سے کسی فہمیدہ آدمی کو انتخاب کر لو جو میرے اور تمہارے درمیان ثالث قرار پائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم میمون بن یامین کو حَکَم ٹھیراتے ہیں۔ میمونؓ نے کہا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن یہود نے میمون کی تصدیق و تائید نہ کی (فتح الباری)

فصل ۲۴۴ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی نبوت تسلیم کرنے میں پیغمبر عربیؐ کی دلیلِ صدق

ایمان کی ایک لازمی شرط

رب السمٰوات والارض نے اپنے کلام پاک میں جس طرح قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا اعتقاد ضروری اور لازمۂ ایمان قرار دیا ہے، اسی طرح پہلی آسمانی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کا یقین بھی جزءِ ایمان فرمایا ہے اور جس طرح سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنا اسلام و ایمان کی لازمی شرط ہے، اسی طرح مومن انبیائے سلف کی نبوت اور ان کی عصمت کاملہ پر یقین رکھنے کا بھی مامور ہے۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی آسمانی کتاب انجیل کو نہیں مانتے۔ یہودی اور عیسائی دونوں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا فرستادہ اور قرآن کو مُنزل من اللہ تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم مسلمان بحمداللہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی توراۃ کو اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی انجیل کو اور دوسرے تمام انبیاء اور ان کی کتابوں اور صحیفوں کو برحق یقین کرتے ہیں۔

انبیائے سلف کی تقدیس

پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کبھی انبیائے سابق کا ذکر فرماتے اکثر ان نفوس قدسیہ کی طہارت اور اخلاقی

و روحانی عظمت پر زور دیتے اور اس طرح بائیبل کے عائد کردہ اتہامات کے مقابلہ میں ان کی تائید و نصرت کا فرض ادا فرماتے۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے کے باوجود محض لفظی معنیٰ کے لحاظ سے انبیاء کی نبوت کے قائل ہیں۔ ان کے زعم میں نبی وہ ہے جو جوتشیوں، کاہنوں، اور رمالوں کی طرح غیب کی خبریں بتاتے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ کسی نبی کی تعلیمات کیا تھیں۔ اس کے اخلاق و عادات کیسے تھے۔ اُس کی روحانی تعلیمات کی کیا شان تھی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی اور ان کی عظمت شان کے اظہار میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔

اسلامی انصاف و رواداری

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی توحید خالص پر یہود و نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملاً ان کی روش چھوڑ رکھی تھی بلکہ عیسائی تو صریح شرک باللہ میں مبتلا ہو چکے تھے۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ (۲: ۱۳۶) میں فرمایا گیا ہے کہ کہہ دو ہم تو اللہ پر اور اُس کے کلام پر جو اتارا گیا اور جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ پر نازل کیا گیا، سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی بزرگ ہستی سے نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعت الٰہی سے بس انقیاد و اعتقاد ہی کا ہے۔ یہود اسمٰعیل علیہ السلام سے بغض رکھتے تھے، اس لیے اسلامی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے قرآن میں ان کا نام لانا ضروری تھا اور اسحٰق علیہ السلام کا اسم گرامی جو قرآن نے بارہا لیا تو یہ اسلام کے شیوۂ انصاف اور بے تعصبی کا ایک روشن آئینہ ہے۔ اگر قرآن کسی بشر کا کلام ہوتا یا حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ نہ ہوتے تو اہل کتاب کی شدید اور مسلسل اشتعال انگیزیوں کے جواب میں بمقتضائے بشریت اسحٰق علیہ السلام کا نام بالکل قلم انداز کر دیا جاتا۔

فصل ۲۴۵-اِسرائیلیوں کے سیاسی اور مذہبی عُروج کی تاریخی اہمیت

یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اس بنا پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اسرائیلی یا بنو اسرائیل کہلاتی ہے۔ جن ایام میں دنیا کی قومیں بُت پرستی، دیوتا پرستی،

کواکب پرستی، عناصر پرستی اور دوسری اوہام پرستیوں کے گرداب میں غوطے کھا رہی تھیں، اُس زمانہ میں نسلِ اسرائیل ہی من حیث القوم صفحۂ ہستی پر توحید و رسالت کی علم بردار تھی اور انبیاء و رُسل اور ان کی تعلیماتِ حقّہ کا چرچا صرف آلِ اسرائیل میں پایا جاتا تھا۔ بعض دوسرے ملکوں میں بڑے بڑے فلسفی، ہندسہ دان، ماہرین ریاضی اور ریاضت کش پیدا ہوئے لیکن بنو اسرائیل کے سوا ان کی کسی معاصر قوم کو توحید و رسالت کا عقیدہ میسر نہ آیا۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ رسالت کی وہی قوم معتقد ہو گی جس کا ایمان عقیدۂ توحید پر راسخ ہو گا۔ پس خدائے واحد کی ذات اور اس کے صفات کو کسی من گھڑت شکل میں تسلیم کرنے والی کوئی قوم لاکھ اپنے آپ کو موحد سمجھے لیکن جب تک وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات پر ایمان نہ لائے، موحد نہیں۔

انبیاء و رُسل اقوام عالم میں سب سے زیادہ اسرائیلیوں میں مبعوث ہوئے۔ ان میں بڑے بڑے عبادت گزار اور زاہد و مرتاض بھی گزرے ہیں۔ اور حکمران و سلاطین بھی بکثرت ہوئے ہیں۔ گو ان کا سیاسی عروج صدیوں تک ثریا سے ہمدوش رہا لیکن اس نسل کی افضلیت سارے عالم میں فی الحقیقت مسلکِ توحید و رسالت ہی پر مبنی تھی ورنہ دنیا کی بعض دوسری قومیں جاہ و حشمت میں ان سے کسی طرح کم نہیں رہیں۔

غیر اسرائیلی یہودی

یاد رہے کہ اسرائیلی نسل کا نام ہے اور یہودی دین کا نام بنو اسرائیل مذہبی حیثیت سے یہودی تھے۔ عرب میں بعض ایسے قبیلے بھی پائے جاتے تھے جو نہ اسرائیلی تھے اور نہ پیدائشی یہودی بلکہ عربی نژاد یا اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے اور انہوں نے یہود کے اثر صحبت سے متاثر ہو کر یہودی مسلک اختیار کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ دائرۂ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید میں الیہود کے بجائے جو جا بجا اَلَّذِیْنَ هَادُوْا (وہ لوگ جو یہودی ہو گئے) کے الفاظ آئے ہیں تو ان سے آلِ یعقوب مراد نہیں بلکہ غیر اسرائیلی یہودی مراد ہیں۔ بنو اسرائیل کے سیاسی عروج کا خاتمہ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے بخت نصر کے ہاتھوں سے مکمل ہو چکا تھا اور حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی معاصرین کی حیثیت محض ایک مذہبی فرقہ کی رہ گئی تھی۔ پس کلامِ پاک میں بنی اسرائیل کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے، اس سے آلِ یعقوب کی تاریخی حیثیت مراد ہے۔

پیغمبر عربیؐ کے یہودی معاصرین

بنو اسرائیل آوارۂ دشت ادبار ہو کر عراق، مصر وغیرہ ممالک میں پھیل گئے تھے۔ ان کے بعض قبیلوں نے حجاز و اطراف حجاز خصوصاً یثرب اور حوالیٔ یثرب میں بھی توطن اختیار کر لیا تھا۔ گو تورات اب تک محرّف و مسخ شدہ رہ گئی تھی لیکن بہرحال ان لوگوں کے درمیان موجود تھی۔ یہ لوگ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ اس وقت ان کے سوا دنیا کی کوئی قوم علوم انبیاء و معارفِ انبیاء کی عامل نہ تھی۔ سفلی عملیات اور سحر و کہانت میں بھی انہیں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ ان خصائص کے ساتھ تجارت پیشہ، متمول اور ساہوکار بھی تھے۔ اس دینی و دُنیوی تفوق کی بنا پر انہوں نے یثرب اور اس کے قرب و جوار میں اچھی خاصی اہمیت حاصل کر رکھی تھی۔ عہدِ رسالت میں حجاز کی عام آبادی مشرکوں اور بُت پرستوں پر مشتمل تھی۔ اصنام پرست ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور ان کی دینی حیثیت سے مرعوب تھے اور دوسری طرف عموماً ان کے مقروض بھی رہا کرتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ پست و درماندہ اقوام منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے مرعوب ہو جاتی ہیں، بت پرست اوس و خزرج بھی ہر طرح ان کی عظمت سے مرعوب و متاثر اور دینی و دنیوی حوائج میں ان کے دست نگر تھے۔

یہودی معاصرین کا استیصال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی ہمعصر جو مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے، تین قبیلوں پر مشتمل تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ جب ان لوگوں نے تورات کی پیش گوئیوں کو پس پشت ڈال کر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مسترد کر دیا بلکہ سعادت ایمانی کے بجائے آپ کی مخالفت کو اپنا شعار بنایا تو پھر باایں ہمہ امتیاز و ترفع چند ہی سال میں سب کے سب باغِ عالم سے بالکل مستاصل اور بے نشان کر دیے گئے۔

فصل ۲۴۶ ۔ یہود کو کفرانِ نعمت اور ناسپاسی کی سزا

بُخت نصّر کی یلغار

واہب العطایا جلّ سلطانہٗ نے اسرائیلیوں پر دینی اور دُنیوی حیثیتوں سے بڑی نوازشیں فرمائی تھیں۔ اس موہبتِ کبریٰ اور انعام خاص کی شکرگزاری ان پر واجب تھی۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ کفران، ناسپاسی، تمرّد او

اعراض وانکار کا شیوہ اختیار کیے رکھا۔ آخر ان کی شامت اعمال رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ آسیائے زمانہ نے طرح طرح کے مصائب ونوازل میں مبتلا کرکے ان کو پیس کے رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں بخت نصر شاہ بابل ان پر چڑھ آیا۔ یہ لوگ اس کے لطف وکرم کا دامن پکڑ کر امن وپناہ کے طالب ہوئے لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی اور آتے ہی قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ قریباً ایک لاکھ اسرائیلی قتل، اور اسی قدر اسیر ہوئے جو بابل لیجاکر غلاموں کی حیثیت سے رعایا میں تقسیم کیے گئے (ابن اثیر وغیرہ)

انبیاء کا قتل

یہود کو چاہیئے تھا کہ اب ہی سنبھل جاتے اور تمرّد وسرکشی کا شیوہ چھوڑ دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے بہت جلد پھر وہی عصیان وطغیان کا راستہ اختیار کرلیا۔ اور حد یہ ہے کہ یہ لوگ مفترض الطاعۃ انبیاء علیہم السلام کے قتل تک کے جرائم سے بھی نہ چوکے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرات یوشع، شمویل، شمعون، داؤد، سلیمان، ایوب، اشعیاہ، اُرمیا، عُزیر، حزقیل، یسع، یونس، الیاس، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہم انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین مبعوث ہوئے تھے۔ یہود نے ان مقدسین میں سے چار حضرات کو جرعۂ شہادت پلادیا۔ اشعیاہ نبی کا قتل، اُرمیا نبی کا قتل، زکریا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیح ؑ کا اقدام قتل (بلکہ بزعم خود قتل ہی) یہودیوں کا خاص کارنامہ ہے۔

خاتم الانبیاء کی جان لینے کی کوشش

جب تک حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما رہے ہیں ان حرمان نصیبوں نے ان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ان کی پارسا وعفت مآب مادر محترمہ پر کہ ملائکۂ رحمٰن جن کے حریم عصمت میں نماز پڑھتے تھے، بہتان لگایا۔ لیکن ان کی مذہبی کتابوں میں یہ پیشین گوئی تھی کہ جب پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوں گے تو ان کی اطاعت کرنے اور ان کے دین میں داخل ہونے سے اپنی گزشتہ عظمت کو بحال کرسکیں گے لیکن طالع گم گشتگی کا کمال ملاحظہ ہو کہ ان لوگوں نے اطاعت وانقیاد کے بجائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سلسلۂ رحمت ایک مرتبہ زہر دے کر اور دوسری دفعہ آپ پر پتھر کی چٹان گرانے کی کوشش کرکے اور تیسری مرتبہ آپ پر جادو کرکے منقطع کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آپ سے نہ صرف بدعہدیاں اور غداریاں کیں بلکہ کئی سال تک برابر شب وروز آپ کی جان ستانی کی کوششوں میں منہمک رہے۔

یہود کو مالک الملک کا انتباہ

اور حالت یہ تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو

گھر سے نکلتے تھے تو یہود کی طرف سے جان کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ نام ایک صحابی نے اپنی بیماری میں وصیت کی تھی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ کرنا کیونکہ یہود کی طرف سے فتنہ کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے حضور پر کوئی حادثہ گزر جائے (اصابہ ترجمہ طلحہ بن براء رضہ)

باوجودیکہ مسلمانان مدینہ سے معاہدہ کر رکھا تھا، تاہم یہود اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف علانیہ فتنہ انگیزیوں اور در پردہ سازشوں میں معروف رہتے تھے۔ جب ان کی ستیزہ کاریاں حد سے بڑھیں تو مالک الملک عزاسمہٗ نے سورۂ آل عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائیں (ترجمہ):

اگر اہلِ کتاب (یہود من حیث القوم) ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ مگر ان میں سے تھوڑے ایمان لائے اور اکثر نافرمان خارج از ایمان ہیں۔ مسلمانو! وہ معمولی ایذارسانی (دشنام دہی وغیرہ) کے سوا تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو ان کو تم سے ہزیمت کھا کر پیٹھ پھیرتے ہی بن پڑے گی۔ پھر ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں ملے گی۔ جہاں دیکھو ان پر ذلت سوار ہے مگر خدا اور لوگوں کے عہد و ذمہ کے ذریعہ سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جائیں تو دوسری بات ہے۔ یہ لوگ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری و احتیاج ان پر چھادی گئی ہے (۳: ۱۱۰-۱۱۲)

اسی طرح خدائے علیم نے قرآن پاک (۲: ۸[illegible]) میں یہود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ یہ حرکتیں کریں، اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہو اور قیامت کو جہنم کے اشدّ العذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں۔"

عہدِ رسالت کے یہود کا قلع قمع

یہودی قوم پر پشتہا پشت سے جو ذلت و رسوائی مسلط تھی عہدِ رسالت کے یہودی نہ تو اس سے عبرت پذیر ہوئے اور نہ ان آیتوں سے سبق آموز ہوئے جو ان کے انتباہ کے لیے دنیا کے آخری رسول پر نازل ہو رہی تھیں۔ چنانچہ وہ اس کا خمیازہ بھگت کر رہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں یہود کے تین زبردست قبیلے سکونت پذیر تھے: بنو نضیر، بنو قُرَیظَہ اور بنو قینقاع۔ تینوں نہ صرف علم و ہنر، ثروت و وجاہت اور جاہ و دولت میں ممتاز تھے بلکہ بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے بھی مالک تھے۔ لیکن چند ہی سال کے اندر بالکل ملیامیٹ ہو گئے اور حجاز مقدس

میں ان کا کہیں نام و نشان نہ رہا۔

اسلاف یہود کی شامت اعمال

اور ان کے اسلاف ابدالدہر جن حشر انگیزیوں کے مرتکب رہے ہے، ان کی پاداش میں ابدی ذلت ورسوائی ان کے شامل حال کر دی گئی۔ صدیوں سے ان کی یہ حالت ہے کہ جس ملک میں قدم رکھتے ہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ خارج کر دیے جاتے ہیں۔ یورپ کی دوسری عالمگیر جنگ سے پہلے آپ جرائد میں ان کے اخراج اور جلاوطن کے واقعات برابر پڑھتے رہے ہوں گے۔ کہیں ان کو قرار نہیں۔ دنیا کے ملکوں میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ صفحۂ ہستی پر ان کا کوئی ملجأ وماویٰ نہیں۔ کوئی سلطنت سرپرستی اور اشک شوئی کے لیے موجود نہیں۔ البتہ حال میں دوڈھائی ہزار سال کی پیہم رسوائیوں کے بعد امریکہ اور برطانیہ کی ملی بھگت فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ان کی ایک ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اگر اس ریاست کو دوام واستحکام نصیب ہوا تو دیکھا جائے گا کہ اس کی پشت پناہی یہود کی روایتی رسوائیوں میں کہاں تک انحطاط و انقطاع کا ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

فصل ۲۴۷۔ حضرت سیّد الانامؐ سے یہودی سردار کی کینہ توزی

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا چچا ابو یاسر اُن یہودیوں میں داخل تھا جنہوں نے دل سے امام المرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی لیکن قبول اسلام اور اتباع نبوی کی توفیق ارزانی نہ ہوئی۔ اُمّ المومنین صفیہؓ کا باپ حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر بن اخطب یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے بڑے سردار تھے۔

ابو یاسر کی تصدیق نبوت

ابن عائذ نے عروہ بن زبیرؓ کے طریق سے روایت کی کہ یہود میں سب سے پہلے ابو یاسر بن اخطب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے ارشادات عالیہ سنے اور دل سے آپ کی تصدیق کی۔ یہاں سے اپنے قبیلہ بنو نضیر میں گیا اور بیان کیا کہ ہم لوگ جس نبیٔ آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے وہی

ہیں جنہوں نے یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا ہے۔ اس لیے ان کی پیروی کرنے میں میری تائید کرو"۔ لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے جو قبیلہ کا سب سے بڑا سردار اور ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بدنصیب باپ تھا اور اسی کی بات زیادہ مانی جاتی تھی راہ مخالفت اختیار کی۔ اس لیے ابو یاسر کی کوئی پیش نہ گئی اور تمام لوگ حیی کے ہمنوا ہوگئے (فتح الباری)

ام المومنین حضرت صفیہ رضؓ کا باپ اور چچا بارگاہ نبوت میں

نو مسلم قبایل اوس و خزرج کی ظلمتِ ضلالت کو انوارِ رشد و ہدایت سے مبدّل ہوتے دیکھ کر یہود کی رگِ حسد ہر وقت جنبش میں تھی اور وہ انواع و اقسام کی مفسدہ پردازیوں سے اپنی عداوت کا برملا اظہار کر رہے تھے۔ جس طرح قریش کے اندر ابوجہل، عُقبہ اور ابولہب خُبثِ عداوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اسی طرح یہود کی جماعتوں میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حُیَیّ بن اخطب اپنی کینہ جوئیوں میں سرآمدِ معاصرین تھا۔

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ اور چچا کی عزیز ترین اولاد تھی۔ جن ایام میں سالارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے مدینہ ہوئے، میرا باپ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آپ کو دیکھنے کے لیے مدینہ آیا اور دونوں بھائی صبح سے غروب تک آپ کے پاس رہے۔ جب واپس گئے تو میں نے دیکھا کہ میرا باپ سخت رنج و اندوہ اور پریشانی کے عالم میں گھر پہنچا ہے۔ میں معمول کے موافق اس کے پاس گئی۔ وہ ثقلِ غم سے اس قدر زیرِ بار تھا کہ میری طرف التفات نہ کیا۔ تھوڑی دیر میں چچا نے والد سے کہا کہ میری رائے میں تو یہ صاحب وہی پیغمبر آخر الزمان معلوم ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ہم تورات میں پڑھا کرتے ہیں۔ والد نے جواب دیا ہاں واللہ یہ شخص وہی ہے۔

غیر مختتم کینہ پروری کا ناپاک عہد

چچا پوچھنے لگا اچھا تمہارے دل میں ان کی محبت کا جذبہ موج زن ہے یا نفرت و عداوت کا؟ والد نے کہا عداوت کا۔ اور پھر قسم کھا کر کہا کہ جب تک جسم میں جان ہے اس کی عداوت و تخریب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں گا (سیرت ابن ہشام) مگر اس بدنصیب نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ ع

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

اور یہ حکیم علی الاطلاق کی حکمت نوازی کا کچھ عجیب کاروبار ہے کہ معاندین نبوت حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین رکھنے کے باوجود نکال ابدی میں گرفتار رہے اور شیوۂ عناد سے کسی طرح باز نہ آئے۔ ہجرت سے پہلے ابوجہل وغیرہ اشقیائے قریش کا بھی یہی حال تھا کہ دل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے لبریز اور آپ کی صداقت کے معترف تھے لیکن حسد و کینہ کی تیرگی قبول ایمان کی اجازت نہیں دیتی تھی اور اگر حرمان نصیبی ہی شامل حال تھی تو کم از کم ایذارسانی اور کینہ جوئی سے ہی باز رہتے مگر ان سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ حیّی بن اخطب اور اس کے قبیلہ بنو نضیر نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جو جو سازشیں اور کوششیں کیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

فصل ۲۴۸ ۔ یہود کا زعم و ادّعا کہ دُنیا میں ہمارے سوا اللہ کا کوئی ولی نہیں

یہود صحابۂ رسولؐ کے سامنے اپنے تعلق باللہ کی لاف زنی کرتے اور کہتے تھے کہ ساری کائنات میں اللہ کے دوست اور ولی صرف یہود ہیں۔ ہم ہی رب العالمین کے پیارے اور لاڈلے ہیں۔ ہمارے سوا جنت کا کوئی وارث نہیں"۔

حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید میں فرمایا کہ اگر تم واقعی اولیاء اللہ ہو تو ایک مرتبہ زبان سے مرنے کی خواہش کا اظہار کرو کیونکہ بعد از مرگ ہی تم اُس بارگاہ عالی میں باریاب ہو سکتے ہو اور دوست کا دوست سے ملنے کی آرزو کرنا ایک طبعی امر ہے"۔ مگر اسی کے ساتھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی پیش گوئی فرمادی کہ یہ لوگ ہرگز مرنے کی آرزو نہ کریں گے کیونکہ انہیں خود بھی اپنی کذب بیانی اور دروغ بافی کا یقین ہے۔ اور اگر بالفرض یہ لوگ تمنائے مرگ کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لاتے تو اسی وقت نہنگ ہلاک کے مونہہ میں چلے جائیں گے (بخاری عن ابن عباسؓ)

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں قرآن کی یہ آیتیں نازل فرمائیں (ترجمہ)۔

آے پیغمبر! ان سے کہو کہ اگر خدا کے ہاں عاقبت کا گھر خاص تمہارے ہی لیے ہے،

دوسروں کے لیے نہیں اور تم اس دعوے میں سچے ہو تو مرنے کی آرزو کرو (تاکہ جلد بہشت میں جا داخل ہو) مگر یہ لوگ اپنے اعمال (زشت) کی وجہ سے جن کو ان کے ہاتھ (زادِ آخرت بنا کر) آگے بھیج چکے ہیں کبھی موت کی آرزو نہیں کر سکتے (۲: ۹۴ - ۹۵)

اور سورۂ جمعہ کی چھٹی اور ساتویں آیت میں فرمایا (ترجمہ):-

"اے پیغمبر! ان یہودیوں سے کہو کہ اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ہو کہ دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ مگر یہ لوگ ان اعمال (بد) کے ڈر سے جن کے یہ مرتکب ہو چکے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔"

یعنی اگر تم واقعی جنتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟ تم کو تو مرنے کی آرزو کرنی چاہیئے تاکہ دنیا کے غم و اندوہ سے چھوٹ کر نعیم جنت سے بہرہ مند ہو سکو لیکن یہ سب تمہارا زبانی ہی جمع خرچ ہے۔ تم لوگ تو بت پرستوں سے بھی زیادہ دُنیوی زندگی کے حریص ہو۔ اگر اہل شرک طولِ عمر کی حرص کریں تو بجا بھی ہے کیونکہ وہ قیامت کے قائل نہیں۔ ان کے زعم میں تو سب کچھ دنیا ہی دنیا ہے۔ جو دم جئیں غنیمت ہے لیکن تمہارا قیامت برپا ہونے اور ربّ العالمین سے ملاقی ہونے کا اقرار کرنا اور پھر زندہ رہنے کی حرص کرنا بتلا رہا ہے کہ تم اپنے کفر اور ان بداعمالیوں کی پاداش سے خوف زدہ ہو جس کی سزا مرتے ہی تم کو ملنے والی ہے۔ لیکن شورہ پشتی اور سرکشی سے ایمان بھی نہیں لاتے۔ خیر اگر ہزار برس بھی زندہ رہ کر مرو گے تو بھی سزا سے نہ بچ سکو گے (جلالین)

یہود آرزوئے مرگ کے اسلامی مطالبہ کے بعد دو گونہ مشکل میں گرفتار ہو گئے کہ اگر مطالبہ کے موافق تمنائے مرگ کرتے ہیں تو انہیں بھی اپنے دل میں یقین تھا کہ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ آپ کی بات ٹل نہیں سکتی۔ اور اگر موت مانگیں گے تو ہلاکت یقینی ہے۔ غرض جب اس مطالبہ کو بار بار دُہرایا گیا تو ان کے منہ پر مُہر سکوت لگ گئی اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حالانکہ اگر وہ سچے ہوتے اور جرأت سے کام لیتے تو اس پیشین گوئی کا ابطال خود اُن کے بس میں تھا۔

فصل ۲۴۹۔ یہودی قوم کے اعراض و انکار کے اسباب

گو چند عالی فطرت یہود نے جن کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر سپرد قلم ہوا، دین حنیف کی پیروی اختیار کر کے اپنی حقیقت شناسی کا ثبوت دیا تاہم یہود من حیث القوم اسلام سے مُعرِض و برگشتہ ہی رہے۔ اس مغضوب قوم نے نہ صرف یہ کہ اتباع حق سے اعراض کر کے اپنی دُنیوی و اُخروی بربادی کا سامان کیا بلکہ اپنی عادت مستمرہ کے بموجب (کہ انبیاء کی جان ستانی تھی)، آپ کا نقشِ وجود ہی صفحۂ ہستی سے محو کرنے کی ناپاک کوششوں میں مصروف رہے۔ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی سے انکار اور ان کے قتل کی جد و جہد تھی اور دوسری مغضوبیت کی بنا رسالت محمدی سے اعراض اور آپ کے قتل کی مسلسل کوششیں تھیں۔ یہود کے اعراض و انکار کے متعدد وجوہ تھے۔

بنو اسمٰعیل میں نبوت آنے کی جلن

یہود حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بڑا ادب رکھتے تھے۔ بایں ہمہ اہل عرب سے جو حضرت خلیلؑ کے فرزند جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تھے ان کو پرخاش تھی اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی بادشاہت اور دین کی پیغمبری کا جو وعدہ خدا نے نسل ابراہیمؑ کے لیے فرمایا تھا خلیلؑ کے چھوٹے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ صدیوں تک الطافِ الٰہی اور عنایاتِ خداوندی کے موردِ خاص بنے رہنے اور اسی نسل کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مسلسل پیدا ہونے کی بنا پر یہود کو اور بھی حق الیقین ہو گیا تھا کہ نبوت آلِ اسحٰق کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ اسی بنا پر یہود کا گمان تھا کہ خاتم الانبیاء کی نبوتِ منتظرہ کا فضلِ عظیم بھی قوم یہود ہی کو حاصل ہو گا۔ لیکن جب انہوں نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور عربی قوم میں دیکھا تو حسد اور بغاوت پر اُتر آئے اور نسلی اور خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت سے انکار کر دیا۔

یہودی تفوق و برتری کا خاتمہ

یہود کے عناد و اعراض کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے انہیں اوس و خزرج پر جو قبول اسلام کے بعد انصار کے معزز لقب سے مشہور ہوئے علمی، مذہبی اور اقتصادی حیثیت سے برتری حاصل تھی اور وہ ان کے سیاسی ضعف اور اجتماعی افتراق و پراگندگی سے بڑے بڑے فائدے حاصل کرتے رہتے

تھے لیکن جب اسلام نے انصار کی قومی تفرق کو مٹا کر ان کی شیرازہ بندی کی اور مہاجرین نے بھی اس قومی ترکیب کا ایک اہم جزو بن کر اس اجتماعی حیثیت کو تقویت پہنچائی تو یہودیوں کے تفوق کا خاتمہ ہو گیا اس لیے وہ اسلام کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے ہر ممکن العمل کوشش شروع کر دی اور آیندہ چل کر علانیہ رزم وپیکار کے لیے سازشوں کے جال پھیلا دیے۔

حسد وکینہ کی تیسری وجہ

حسد وکینہ کی تیسری وجہ یہ تھی کہ یہود کے علماء و رؤسا کو عوام سے بڑی آمدنی تھی۔ ہر ایک کے مداخل میں ان کے روزینے مقرر تھے۔ انہیں اپنی قوم کے ہر قسم کے مال مویشی، زراعت اور زر نقد سے حصہ ملتا تھا۔ جب مدینۃ الرسول اور اس کے ملحقات میں ہر طرف نور اسلام پھیلنے لگا تو یہ ڈرے کہ اگر ہم نے ان پیشین گوئیوں کی تصدیق کی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تورات میں درج ہیں اور آپ کا اتباع کیا تو یہ سب مالی منافع ہاتھ سے جاتے رہیں گے اور موجودہ جاہی لطف اندوزیاں خواب خیال ہو جائیں گی۔ اس لیے علمائے یہود نے دین پر دنیا کو ترجیح دے کر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نفی کر دی اور تورات میں جہاں جہاں آپ کی تعریف لکھی تھی وہاں عبارتوں کو بدل کر آپ کا اسم گرامی محو کر دیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات میں جس پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا تذکرہ ہے اس کی کوئی نشانی قریشی مدعیٔ نبوت میں نہیں پائی جاتی۔ خاتم الانبیاء تو کبھی مستقبل بعید میں ظہور فرمائیں گے (لباب النقول وتفسیر مظہری)

اس وقت سورۂ بقرہ کی ۱۷۴ ویں آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے "جو لوگ اُن ارشادات کو جو خدا نے اپنی کتاب (تورات) میں نازل کیے تھے چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے میں بقدر قلیل (دنیوی) معاوضہ حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اپنے شکموں میں محض انگارے بھرتے ہیں۔ خدا قیامت کے دن ان سے بات بھی تو نہیں کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (لباب النقول)

تمرد واعراض کا چوتھا باعث

ضمیر اور دیانت کے لحاظ سے تو علمائے یہود اس بات پر جازم تھے اور سرِ خاص خاص لوگوں کے سامنے اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں علامات تو تمامہا ہمارے ہاں کی پیش گوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں لیکن جب خود اتباع کا سوال پیدا ہوتا تھا تو ہوائے نفس

حایل ہو جاتی تھی اور یہ خیال سوہانِ روح ہونے لگتا کہ قبولِ اسلام کی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کے شرائع کی پابندی لازم ہوگی۔ الغرض یہود کا کفر و انکار فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطے کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس کے تمام تر وجوہ حسد و رقابت، نفسانی خواہشات، نسلی اور خاندانی عصبیت پر مبنی تھے۔

فصل ۲۵۰۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں ایک گستاخ یہودی کی سرکوبی

ہر زبان کا معمولی سے معمولی کلام بھی اپنے اندر بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ کلام الٰہی کے بھی مجازات ہیں جو اس کی دل آویزی اور اثر انگیزی کا زیور ہیں۔ لیکن سطحی خیال کے لوگ ان مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ قرآن پاک میں بہت جگہ آیا ہے کہ "اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر تمہیں دے گا۔" قرضِ حسن عرف میں بے سود قرض کو کہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کو قرض دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے محتاج بندوں کو دو تاکہ قیامت کے دن اس کا ثواب اللہ کی بارگاہ سے ہزاروں لاکھوں گنا ہو کر ملے۔ اس افزائشِ اجر کا بیان ایک حدیث نبوی میں یوں ہے کہ ایک کھجور اللہ کی راہ میں دی جائے تو خدائے ودود اس کو اتنا بڑھاتا ہے کہ وہ کوہِ اُحد سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اعمالِ خیر کے آگے بھیجتے رہنے کو مجازاً اس لیے قرض سے تعبیر کیا کہ جس طرح قرض کا عوض لازماً دینا پڑتا ہے، اسی طرح ہمارے انفاق فی سبیل اللہ کا اجر بھی ہم کو ضرور ملے گا۔

حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ حق

جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں فریضۂ تبلیغ میں انہماک رکھتے تھے اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی اس میں سرگرم عمل تھے ایک مرتبہ وہ بغرض تبلیغ بیت المدارس تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ بہت سے یہودی فخاص نام ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو ان کا بڑا عالم تھا۔ حضرت ابو بکرؓ فرمانے لگے کہ فخاص! تم جانتے ہو کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برگزیدہ رسول ہیں۔ آپ وہی خاتم الانبیاء ہیں جن کی بعثت کا تذکرہ

تورات وانجیل میں ہے۔ اگر تم اپنی عاقبت کی فلاح چاہتے ہو تو آپ پر ایمان لے آؤ۔" فخاص نے کہا کہ ہم خدا کے محتاج نہیں بلکہ خدا ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس سے بے پروا ہیں اور وہ ہم سے بے پروا نہیں۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمارے مالوں میں سے قرض کیوں مانگتا جیسا کہ تمہارے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقولہ ہے کہ خدا کو قرض دو۔"

حضرت صدیق ؓ نے اسے سمجھایا کہ رب العالمین نے جو مومنوں کو قرض حسنہ پیش کرنے کی ترغیب دی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان اعمال حسنہ آگے بھیج بھیج کر ذخیرہ کرتے رہیں تاکہ دار آخرت میں واہب کردگار انہیں سیکڑوں ہزاروں گنا زیادہ اجر دے۔" لیکن فخاص بدلگامی سے باز نہ آیا اور بار بار یہی رٹ لگانے لگا کہ مسلمانوں کا خدا واقعی مفلس و قلاش ہے جو ہم دولت مندوں سے قرض مانگتا ہے کیونکہ فقیر بے نوا اور نادار کے سوا کوئی کسی سے قرض نہیں مانگا کرتا۔" اس دشمن خدا نے نہ صرف یہ کہ کلام پاک میں معنوی تحریف کی بلکہ مالک الملک عز اسمہٗ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کا بھی بار بار مرتکب ہوا، حضرت ابوبکر ؓ کی غیرت ایمانی بھلا اس گستاخی کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ غصہ سے بے تاب ہو کر اس کے سر پہ ایک کاری ضرب لگا دی اور فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ نابکار کی گردن مار دیتا۔ فخاص لہولہان ہو گیا لیکن اسے یا کسی دوسرے یہودی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ افضل الامۃ پر ہاتھ اٹھاتا۔

اب فخاص بارگاہ نبوی میں فریاد لے کر آیا اور پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا دیکھیے آپ کے دوست نے میرا کیا حال کیا ہے۔ بے دریغ حملہ کر کے سر پھوڑ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر ؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ نے اسے کیوں مارا ہے؟ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس دشمن خدا نے بڑی زباں درازی کی۔ یہ بار بار کہتا تھا کہ مسلمانوں کا خدا مفلس و قلاش ہے اور ہم غنی ہیں۔ اگر خدا محتاج نہ ہوتا تو ہم مالداروں سے قرض نہ مانگتا۔ مجھے اس کی دریدہ دہنی پر غصہ آ گیا اس لیے اس کو بہت تھوڑی سی سزا دی ورنہ یہ تو اس قابل تھا کہ اس کی گردن مار دی جاتی۔"

لیکن فخاص صاف مکر گیا اور کہنے لگا میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کہی۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابوبکر ؓ کے بیان کی تصدیق میں سورۂ آل عمران کی ۱۸۱ ویں آیت نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے: جو لوگ اللہ کو محتاج اور اپنے تئیں مالدار بتاتے ہیں، اللہ نے ان کا قول سنا یہ لوگ

جو ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے چلے آئے ہیں، اس کے ساتھ ہم ان کے اس بیان کو بھی (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھے لیتے ہیں۔ ان کے ایسے کرداروں کا جواب (قیامت کے دن) بس یہ ہوگا کہ عذاب دوزخ کے مزے پڑے چکھا کرو۔ یہ انہی اعمال کا بدلہ ہے جن کو تم نے اپنے ہاتھوں زادِ آخرت بنا کر بھیجا ہے ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم روا نہیں رکھتا (سیرت ابن ہشام وازالۃ الخفاء)

فصل ۲۵۱- دو یہودی مجرموں کا سنگسار

مدینہ منورہ کے ایک شادی شدہ یہودی اور ایک مُحصنہ یہودن نے فاسقانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ دونوں مجرم متموّل گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہود کی شریعت میں مُحصن زانی کی سزا سنگسار تھی لیکن یہودیوں میں پہلے تو یہ معمول تھا کہ اگر زناکار عزت دار ہوتا تو دونوں کے مونھ کالے کر کے الٹا گدھے پر سوار کرتے اور پھر کوڑے مار کر چھوڑ دیتے۔ اور اگر مجرم ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا تو رجم کی سزا دیتے۔ لیکن اب کچھ زمانہ سے رجم کی سزا بالکل ہی برطرف کر دی تھی۔

علمائے یہود کا اجتماع

علمائے یہود اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے بیت المدارس میں جمع ہوئے اور یہ سوال زیر بحث آیا کہ مجرموں کو کیا سزا دی جائے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دار الہجرت میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہو رہا تھا اور غیر مذاہب کے لوگ بھی اپنے جھگڑے قضیے فیصل کرانے کے لیے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔ علمائے یہود معزز گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باعث زناکاروں سے رعایت کرنی چاہتے تھے لیکن چونکہ مدینۃ الرسول کے سیاسی اور مذہبی حالات یکسر بدل چکے تھے انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ رسولؐ کی موجودگی میں کسی ایسے فیصلہ کی جرأت نہ ہوئی جس کی سند ان کے پاس کوئی نہ ہو۔ آخر یہ طے ہوا کہ مقدمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے پاس بغرض انفصال بھیج دیا جائے۔ چنانچہ دونوں مجرموں کو آپ کے پاس بھیج دیا۔

مرتکبین حرام کا مقدمہ عدالت نبوی میں

لیکن چالاکی یہ کی کہ یہودی علماء و عمائد میں سے مقدمہ فیصل کرانے کے لیے خود کوئی نہ آیا بلکہ اپنے متوسلین کی وساطت سے آپ کا فیصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے آدمیوں سے

کہہ دیا کہ اگر ہمارے معمول کے موافق فیصلہ کریں تو قبول کرنا ورنہ کوئی حیلہ کر کے مجرموں کو واپس لے آنا۔" اصل میں یہود نے حکم تورات کے خلاف ایک من گھڑت تعزیر مقرر کر رکھی تھی اس لیے چاہتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے معمول کے موافق یا اس سے کچھ ملتا جلتا فیصلہ صادر کر دیں تو ایک سندان کے ہاتھ میں آجائے۔ علمائے یہود جانتے تھے کہ آپ کو تورات کا علم نہیں اس لیے انہیں اس بات کی طرف سے کلّی اطمینان تھا کہ آپ رجم کی سزا ہرگز تجویز نہیں کریں گے۔

نبی اکرمؐ یہود کے مدرسہ میں

جب مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا اور آپ کو اس کی نوعیت معلوم ہوئی تو آپ اس کی سماعت ملتوی کر کے بہ نفس نفیس چند صحابہ کی معیت میں یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس کو گفتگو کرنے کے لیے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے کہا عبداللہ بن صوریا ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں"۔ آپ نے اس کو یہودیوں سے الگ کر کے فرمایا بعوض اس حق کے کہ رب وَدُود نے بنی اسرائیل کو نوازا اور منّ وسلویٰ کھانے کو دیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا سچ سچ کہو کہ تمہارے نزدیک میں رسول اللہ ہوں یا نہیں؟

ابن صوریا کا اعتراف

ابن صوریا نے کہا ہاں واللہ! میں جانتا ہوں اور میری طرح تمام یہود آپ کی نبوت کو پہچانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ کی صفت اور تعریف تورات میں صاف صاف مذکور ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اس حقیقت کا اعتراف کیا تو پھر خود تمہیں قبول اسلام سے کیا چیز مانع ہے؟ اس نے کہا مجھے اپنی قوم کی مخالفت گوارا نہیں تاہم امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ کی متابعت اختیار کریں گے، اس وقت میں بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤں گا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابن صوریا! میں تمہیں خدائے عزیز کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتاؤ کہ تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ اس نے کہا اے ابا القاسم ایسا ہی حکم ہے"۔

تورات سے حدِ رجم کا استشہاد

آپ وہاں سے واپس تشریف لائے اور تورات کے حوالہ سے مرد زن دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہودیوں پر آپ کا یہ فیصلہ شاق گزرا اور ان کے علماء کہنے لگے کہ سنگساری کے حکم میں

تورات کا حوالہ دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تورات میں رجم کا حکم کہیں نہیں ہے"۔ آخر تورات منگوائی گئی اور اس کا وہ مقام کھولا گیا جہاں رجم کا حکم تھا تو ایک یہودی عالم اُن سطور کو ہاتھ سے چھپانے لگا جہاں سزائے رجم کا حکم تھا۔ جب اس کا ہاتھ اُٹھایا گیا تو نیچے سے وہ آیات نکل آئیں اور ان کی چوری پکڑی گئی۔ آپ نے عبداللہ بن صوریا کو قسم دے کر پوچھا تو وہ بولا بیشک یہی حکم ہے لیکن جب لوگوں میں زنا کی کثرت ہوئی اور ہم لوگوں میں دنیاداری کا مادہ زیادہ ہوگیا تو ہم معزز لوگوں سے دنیوی طمع کے باعث سنگساری موقوف کرنے لگے اور مونہہ کالا کر کے شہر میں پھرانے اور سَو دُرّے مار کر چھوڑ دینے کا معمول ہوا۔

اقرار کے بعد انکار الغرض آپ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ جا کر دونوں مجرموں کو سنگسار کر دو۔ چنانچہ وہ ایک مسجد کے باہر جو محلہ بنو غنم میں تعمیر ہوئی تھی لیجا کر سنگسار کر دیے گئے۔ ہر چند کہ یہودیوں کو مسلمانوں کی یہ جسارت سخت ناگوار ہوئی لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارتا یا اجرائے حد میں مزاحم ہوتا۔ اس کے بعد عبداللہ بن صوریا بھی ازراہ حسد آپ کی نبوت کا منکر ہوگیا۔ اس وقت رب جلیل نے سورۂ مائدہ کی تین آیات (۴۱ تا ۴۳) نازل فرمائیں جن کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (سیرت ابن ہشام، لباب النقول، تلبیس ابلیس ابن جوزیؒ)

فصل ۲۵۲ ۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی

اختلاف اقوال حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضور خیر الانام صلوات علیہ کی چار صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ اس بارہ میں راوی مختلف البیان ہیں کہ ان کی شادی کب ہوئی۔ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ سیدہ فاطمہؓ کا نکاح آنحضرتؐ کے ورود مدینہ کے پانچ مہینہ بعد رجب میں ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی (ابن سعد) دوسری روایت میں ۲ھ کے ماہ صفر کی چند راتیں باقی تھیں جبکہ سیدہ زہرائے بتولؓ حضرت علی مرتضیٰؓ کے سلک زوجیت میں منسلک ہوئیں (محمد بن جریر طبری) تیسری روایت کے بموجب سیدۃ النساء کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ماہ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر ۲۱ سال کی تھی (تاریخ

الخمیس)

تاریخ الخمیس میں شادی کے وقت سیدہ کا سن مبارک پندرہ سال اور ساڑھے چھ مہینے بتایا ہے لیکن صحیح وہی اٹھارہ سال ہے جو بروایت ابن سعد اوپر معرض تسوید میں آیا کیونکہ صحیح روایت کے بموجب حضرت زہرا رضہ کی ولادت مکہ معظمہ میں بعثت سے پانچ سال پیشتر اُن ایام میں ہوئی تھی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور نزول وحی کا آغاز بقول اصح ہجرت سے تیرہ سال قبل ہوا تھا۔

بارگاہ نبوی میں درخواست

اس تقریب سعید کی تفصیل یہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کو صلاح دی گئی کہ فاطمہ زہرا رضہ کی خواستگاری کے لیے بذاتِ خود آستان نبوت میں حاضر ہو کر درخواست کرو تو تمہاری درخواست ہرگز مسترد نہ ہوگی۔ حضرت علی رضہ نے جا کر عرض معروض کرنے کا قصد کیا لیکن اپنی ناداری کا خیال رہ رہ کر سدِ راہ بن جاتا۔ انجام کار انہوں نے اپنی قرابت کے پیش نظر عرض مدعا کا عزم صمیم کر لیا۔ آخر حاضر خدمت ہوئے لیکن انتہا درجہ کے رحیم وشفیق ہونے کے باوجود شہسوار عرصۂ نبوت کا رعب اس درجہ تھا کہ حضرت علی رضہ کو یارائے گفتار نہ ہوا۔ یہ اپنے مطلب کو دل میں لیے ہوئے بیٹھے رہے۔ اس اثناء میں بارہا دل میں عرض مدعا کی تحریک ہوئی مگر چشم ادب ہر مرتبہ آپ کی عظمتِ شان کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے خود ہی فرمایا علی! کوئی کام ہے؟ حضرت مرتضیٰ رضہ کو اب بھی یارائے گفتار نہ ہوا بلکہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ تب تو آپ قرینۂ حالیہ سے ان کا مقصد پہچان گئے اور بہت شفقت سے فرمایا کیا فاطمہ کی خواستگاری کے قصد سے آئے ہو؟ عرض پیرا ہوئے ہاں یا رسول اللہ! اسی غرض سے حاضر ہوا ہوں“۔

آپ نے فرمایا بہتر ہے لیکن تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟ التماس کی کہ کچھ نہیں۔ فرمایا وہ حطمی زرہ کیا ہوئی جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی؟ عرض پیرا ہوئے کہ تو میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا اسی کو فروخت کر کے مہر دے دو۔ یہ زرہ عبد القیس کے ایک بطن کی طرف منسوب تھی جسے حطمہ بن محارب کہتے تھے۔ یہ لوگ زرہ سازی ہی کا کام کرتے تھے۔ یہ بڑی عریض اور ثقیل زرہ تھی جس پر تلواریں ٹوٹ جاتی تھیں (طبقات ابن سعد و تاریخ الخمیس)

سیدہ رضؓ سے اجازت طلبی

اس گفتگو کے بعد حضرت علی رضہ واپس آئے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رض سے فرمایا کہ علی رض تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کا مدعا سمجھ کر کچھ جواب نہ دیا اور خاموش رہیں (ابن سعد وغیرہ) یہ خاموشی رضامندی کی دلیل تھی۔ اسی بنا پر فقہائے دین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ جب ولی بالغہ لڑکی کا نکاح کرنا چاہے تو اس سے اس کی اجازت لے لے اور حسب ارشاد نبوی کنواری کا سکوت ہی بمنزلہ اذن کے ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنورین رض کی فیّاضی

اب جناب علی مرتضیٰ رض حضرت عثمان ذوالنورین رض کے پاس گئے اور اپنے پیام کی منظوری کا ذکر فرما کر زرہ کا سودا کیا۔ وہ تبریک و تہنیت کے بعد اس کے لیے چار سو اسی درم دینے پر رضامند ہوئے۔ حضرت ذوالنورین رض نے قیمت ادا کرنے کے بعد زرہ بھی واپس کر دی۔ علی مرتضیٰ زرہ اور درہموں کو لیے ہوئے آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ جب پیشوائے اُمت کو حضرت عثمان رض کی اس کرم گستری کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو بڑی دعائیں دیں (تاریخ الخمیس) جناب مرتضیٰ رض نے چار سو اسی درہم کی رقم بطور مہر حضور انور کے حوالے کر دی۔ آپ نے ان میں سے کچھ درم حضرت بلال رض کو دیے کہ فاطمہ رض کے لیے عطریات خریدیں اور باقی درم اپنے خادم خاص حضرت اُنس رض کی والدہ محترمہ اُم سُلیم رض کے حوالے کیے کہ ضروریات شادی پر خرچ کریں اور خانگی ضروریات اور اثاث البیت خریدیں (مدارج)

خطبۂ نکاح

نکاح کے وقت آپ نے اُنس رض سے فرمایا کہ مہاجروں میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوّام (رضی اللہ عنہم) کو اور انصار کی ایک جماعت کو بلاؤ۔ جب سب حضرات مسجد میں جمع ہو گئے تو آپ نے یہ خطبہ پڑھا: الحمد لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه المرغوب اليه فيما عنده النافذ امره فی سمائه وارضه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم بحکمته واحکمهم بعزته واعزهم بدینه واکرمهم بنبیه محمدٍ ثم ان الله تعالیٰ جعل المصاهرة نسبًا لاحقًا وامرًا مفترضًا وشج بها الارحام والزمها الانام فقال عزوجل وهو الذی خلق من الماء بشرًا فجعله نسبًا وصهرًا وکان ربك قدیرًا فامرُ الله یجری الی قضائه وقضاؤهٗ یجری الی قدره وقدرهٗ یجری الی اجله فلکل قضاءٍ لکل قدرٍ اجلٌ لكلِّ اجلٍ كتابٌ يمحوا الله ما يشاء ويُثبِتُ وعنده

اُمُّ الکتاب ٥

دَین مہر اس کے بعد فرمایا کہ میں فاطمہ کو علی کی زوجیت میں دیتا ہوں اور میں نے چار سو مثقال چاندی پر علی سے اس کا نکاح کر دیا ہے۔ علی! کیا تم رضامند ہو؟ حضرت علی رضؓ نے کہا میں راضی ہوں۔ آپ نے فرمایا جمع اللہ شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما ذریۃً طیبۃً (اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوششوں کو سعید بنائے، تم پر برکت کرے اور تم سے پاک اولاد پیدا کرے) (تاریخ الخمیس)

چنانچہ آپ کی اس دعا کا یہ اثر تھا کہ جو پاکیزہ اولاد اس مقدس جوڑے سے پیدا ہوئی، اس کی نظیر نہ تو عہد نبوی میں موجود تھی اور نہ کبھی اس کے بعد چشم زمانہ کو دیکھنی نصیب ہوئی اور ظاہر ہے کہ شرفِ ذات، طہارت طینت اور پاکیزگیٔ جوہر کے اعتبار سے حضرت حسن اور حضرت حسین (سلام اللہ علیہما) کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے وہ امت میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔

معلوم ہو کہ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اور درم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ پاکستان کا رائج الوقت روپیہ خالص چاندی کا نہیں۔ اگر چاندی کا ہوتا تو فی روپیہ بارہ ماشہ کے حساب سے چار سو مثقال چاندی ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب بنتی تھی اور چار سو اسی درم جو حضرت علی رضؓ کو جناب ذوالنورین رضؓ سے ملے تھے ان کی رقم ایک سو چالیس روپے بنتی ہے۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضؓ کا مہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ حبشہ نے از خود چار سو دینار طلائی ادا کر دیا تھا۔ ان کے سوا تمام اُمہات المومنین اور بنات طاہرات کا مہر ساڑھے بارہ بارہ اوقیہ تھا جس کے پانسو درم بنتے ہیں۔ پانچ سو درہم ہمارے سکہ سے ڈیڑھ سو روپیہ سے کم رقم بنتی ہے۔

ایجاب وقبول کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین میں ایک طبق چھوہارے تقسیم کیے۔ اسی بنا پر فقہاء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ عقد نکاح کی ضیافت میں شکر اور بادام بانٹنا مستحب ہے (مدارج)

جہیز اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے کہ عقد کے بعد سیّد کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (امہات المومنین) کو حکم دیا کہ فاطمہ رضؓ کے لیے جہیز تیار کریں ا

ان کو علیؓ کے پاس پہنچا دیں۔ فاطمہؓ کے لیے ایک علیحدہ حجرہ تجویز کیا گیا۔ پھر میدان بطحا کے کنارے سے نرم مٹی منگا کر ہم نے اپنے ہاتھوں سے اس حجرے میں بچھائی اور فرش تیار کیا۔ پھر ہم نے خرما کی چھال اپنے ہاتھ سے توم کر دو تکیے تیار کیے اور حجرہ کے ایک کونے میں کپڑے اور مشک لٹکانے کے لیے ایک لکڑی گاڑ دی۔ پھر فاطمہؓ کو اس میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ہم نے دعوتِ ولیمہ پر لوگوں کو کھجوریں اور انگور کھلایا۔ پس ہم نے فاطمہ کی شادی سے بہتر کوئی شادی نہیں دیکھی (ابن ماجہ) کیونکہ مسرت انگیز شادی وہی ہے جو بے تکلفی اور راحت و اطمینان کے ساتھ انجام پائے اور جتنا تکلف و اسراف اور تگ و دو زیادہ ہو، وہ شادی نہیں ہوتی بلکہ انجام کے لحاظ سے بربادی ہوتی ہے۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں ایک چکی، ایک منقط کملی اور ایک مشک بھی دی تھی (مسند احمد) حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کو یہ تین چیزیں جہیز میں دیں: ایک مشک، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کی ایک چادر (نسائی)

فخرِ عالمؐ کا بیٹی کے پاس تشریف لے جانا

رخصت کرنے کے تھوڑی دیر بعد حضرت شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی کے پاس تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کا اذن مانگا۔ جب اجازت ملی تو اندر گئے۔ پھر ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ آپ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (ابن سعد) آپ نے پانی چھڑکتے ہوئے فرمایا الٰہی! میں ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو شیطان رجیم کی دستبرد سے تیری پناہ میں دیتا ہوں (حصن حصین بحوالہ ابن حبان)

حضرت علیؓ کی ناداری

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (فاطمہؓ دلہن کی حیثیت سے) میرے پاس بھیجی گئیں تو اس رات بکری کی ایک کھال کے سوا ہمارے پاس کوئی اور بستر نہ تھا (ابن ماجہ) ایک راوی نے حضرت علیؓ کی بے مائگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ جب آرام

کرنے کے لیے لیٹتے تو اوڑھنے کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب دونوں اپنے پیروں کو ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتے اور اگر سروں کو ڈھانکنا چاہتے تو پیر کھل جاتے تھے (ابن سعد) ایک مرتبہ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ پشم شتر کا بہت موٹا کپڑا پہنے بیٹھی ہیں۔ آپ نے فرمایا فاطمہ! اگر آج تو دنیا کی مشقت اور تنگی پر صبر کرے تو فردائے قیامت کو نعیم بہشت سے بہرہ اندوز ہوگی (مدارج)

ایک مرتبہ سیدہ کی طبیعت علیل تھی۔ آپ عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا بیٹی! کیسی ہو؟ التماس کی مجھے تکلیف ہے لیکن اس تکلیف پر مزید اضافہ یہ ہے کہ گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹی! کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم خواتین عالم کی سردار ہو؟ انہوں نے گزارش کی کہ مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں اور تم اپنے زمانہ کی اور میں نے تمہاری شادی بھی دنیا اور دین کے سردار سے کی ہے (استیعاب) حضرت علیؓ کی تنگیٔ معاش بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی تھی کہ انہوں نے آبپاشی کے واسطے کنوئیں سے پانی بھرا ہے اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اجرت لی ہے اور انہی کھجوروں پر خود اور بی بی اور والدہ نے بسر اوقات کیا ہے (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ دونوں صاحبزادے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما جو ہنوز کم سن بچے تھے) رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ یہ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ باہر نکلے۔ مسبب الاسباب عز اسمہٗ کی نصرت بخشی کا کرشمہ دیکھیے کہ انہوں نے جاتے ہی بازار میں ایک دینار پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر گھر آئے اور سیدہؓ سے دینار ملنے کا حال بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ جا کر آٹا خرید لاؤ۔ حضرت علیؓ نے جا کر یہودی دکاندار سے آٹا خریدا۔ یہودی جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن اعتقاد رکھتا تھا کہنے لگا کیوں صاحب! آپ اُسی بزرگ کے داماد ہیں جو مدعیٔ نبوت ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ دوکاندار نے کہا لیجیے اپنا دینار اور آٹا بھی لے جائیے۔ حضرت علیؓ نے قیمت دینے پر اصرار کیا لیکن یہودی نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ آٹا لے کر گھر آئے اور جناب سیدہؓ سے یہودی کے قیمت نہ لینے کا ذکر کیا۔ حضر فاطمہؓ نے فرمایا اب قصاب کے پاس جا کر ایک درم کا گوشت لائیے۔ جناب علیؓ قصاب

کے پاس گئے اور دینار کو ایک درم کے عوض میں رہن رکھ کر گوشت لائے۔ سیدہؓ نے کھانا طیار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا میں نے کھانا طیار کیا ہے لیکن پہلے اس کی کیفیت سن لیجیئے۔ اگر یہ حلال ہے تو ہم بھی کھائیں اور آپ بھی تناول فرمائیں اور دینار ملنے اور آٹا اور گوشت آنے کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھالو۔ جب سب کھا رہے تھے تو کسی لڑکے کی آواز آئی جو پکار رہا تھا کہ میرا دینار گر پڑا ہے جس کسی نے اٹھایا ہو میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر اس سے ملتجی ہوں کہ مجھے واپس دے۔ آپ نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا تمہارا دینار کہاں گم ہوا ہے؟ بولا بازار میں فلاں جگہ پر۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم قصاب کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر کہو کہ وہ دینار واپس دے دے اور درم میں ادا کر دوں گا۔ قصاب نے دینار دے دیا اور وہ لڑکے کے حوالے کر دیا گیا (ابوداؤد)

سیدہ فاطمہؓ سے محبت

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جب کبھی آپ سفر کو جاتے تو حضرت فاطمہؓ سے مل کے جاتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ سے آکر ملتے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب فاطمہؓ رسول اللہ کے پاس آتیں تو آپ (اُن کی تعظیم کے لیے) کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ فاطمہؓ کے گھر جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں اور محبت سے آپ کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں (ابوداؤد) لیکن حضرت زہراؓ اس غیر معمولی محبت سے کبھی کوئی دنیوی اور مادی نفع نہ حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔

خادم کے بجائے پڑھنے کا ورد

افلاس و ناداری نے سیدۃ نساء العالمین کی یہ حالت کر رکھی تھی کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینۂ مبارک میں درد ہو گیا تھا اور جھاڑو دیتے اور برتن مانجتے کپڑے خاک آلود ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی لڑائی سے قیدی آئے۔ حضرت علیؓ جناب زہراؓ سے کہنے لگے کہ آج رسول خداؐ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ کاش تم اپنے والدِ محترم کے پاس جا کر ایک خادم مانگتیں۔

حضرت سیدہ گئیں لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن پھر گئیں۔ آپ نے پوچھا بیٹی! کیا کام ہے؟ وہ ترچپ ہو رہیں البتہ حضرت علیؓ جو اس وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے بولے یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد رہنے لگا ہے۔ اور دن بھر محنت مشقت کرتے کرتے رات کو بالکل نڈھال ہو جاتی ہیں۔ اب آپ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے ان کو صلاح دی تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک خادم کے لیے درخواست کریں تاکہ اس محنت و مشقت سے بچ جائیں۔ آپ نے سیدہؓ سے خطاب کر کے فرمایا فاطمہ! خدا سے ڈر اور اپنے پروردگار کا حکم بجا لا۔ اپنے گھر کے کام خود کر لیا کر۔" اس کے بعد فرمایا کہ تکان دور کرنے کے لیے رات کو سوتے وقت سُبْحَانَ اللہِ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ مرتبہ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہوگا۔" غرض آپ نے اپنے لخت جگر کی درخواست مسترد فرما دی۔ حضرت سیدہؓ کہنے لگیں یا رسول اللہ! مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم بسر و چشم منظور ہے (ابو داؤد)

حضرات! یہ وہ وقت تھا جبکہ فتوحات کی کثرت تھی اور مدینۃ الرسول میں مال و دولت کے خزائن لٹ رہے تھے۔ اس مال و زر میں ہر مسلمان حصہ دار تھا۔ اور اگر کسی کا کچھ حصہ نہیں تھا تو وہ سیدۂ عالم حضرت فاطمۃ زہرا جگر گوشۂ رسولؐ کی ذات گرامی تھی۔

اشکباری کی وجہ

خطیب نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ نے فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے حبالۂ نکاح میں دیا تو وہ رونے لگیں۔ آپ نے دریافت فرمایا بیٹی! رونے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھے ایسے شخص کے پلّے باندھا ہے جو بالکل تہی دست ہے اور اس کے پاس دنیا کی اصلا کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے ایسے شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دیا ہے جو دنیا میں بھی نیکو کار ہے اور آخرت میں بھی صالحوں میں سے ہے (مدارج)

چونکہ مدارج النبوت میں خطیب کے راویوں کے نام مذکور نہیں، اس لیے یہ روایت جرح و تعدیل کے معیار پر پرکھی نہیں جا سکتی تاہم درایۃً یہ بیان قطعاً ناقابل وثوق ہے۔ حضرت علیؓ کی ذات گرامی اور ان کی بے زری سیدۂ عالم سے مخفی نہیں تھی جو خاتونِ جنتؑ کو

شادی کے بعد حضرت علیؓ کی تہی دستی کا حال معلوم کر کے اشکبار ہونا پڑتا کیونکہ دونوں نے ایک گھر میں پرورش پائی تھی اور بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ عقدِ تزویج کے بعد لڑکی کی رخصتی کا وقت بہت نازک ہے۔ اسے اپنے خویش و اقارب کی جدائی کا جن میں وہ آج تک رہی تھی قلق ہوتا ہے اور وہ ہجر و بُعد کے جذبات میں ڈوب کر زار و قطار روتی ہے۔ حضرت سیدہ رضؓ بھی بخیال مفارقت اشکبار تھیں۔ آپ نے اپنے لختِ جگر کو آبدیدہ دیکھ کر فرمایا بیٹی! یہ رونا کیسا؟ میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے جو علم و عمل میں افضل اور شرف اسلام میں سب سے مقدم ہے (اسد الغابہ)

حضرت علیؓ کا کمالِ تقویٰ

تاہم سوال یہ ہے کہ انتہا درجے کے نادار ہونے کے باوجود آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی فرزندی میں کیوں قبول کیا؟ ہمیں اس سوال کا جواب ایک حدیث نبوی میں ملتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ شادی کے لیے چار چیزیں پیش نظر رکھتے ہیں: (۱) مال و دولت (۲) حسب و نسب (۳) حسن و جمال (۴) دین داری (یعنی تقویٰ و پرہیزگاری) لیکن تم دینداری کی صفت کو تمام صفتوں پر مقدم رکھو (بخاری و مسلم) جوانی کی امنگ حسین و خوش جمال بیوی کی طلب گار ہوتی ہے لیکن آپ نے فرمایا کہ عورت کے حسن کو دیکھ کر اس سے نکاح نہ کرو کیا عجب ہے کہ حسن ہی اس کی تباہی کا موجب ہو اور کسی عورت سے اس کے مالدار ہونے کی بنا پر بھی عقد نہ کرو۔ عجب نہیں کہ اس کا مال ہی اس کو فتنہ میں ڈال دے۔ البتہ نکاح میں عورت کے دین کا لحاظ رکھا کرو۔ کالی کلوٹی کان چھدی پرہیزگار لونڈی گوری چٹی آزاد غیر متقی حسینہ سے بہتر ہے (ابن ماجہ)

الغرض آپ نے جو حضرت علیؓ کو ان کی انتہائی ناداری کے باوجود اپنے شرفِ دامادی سے نوازا تو اس کی وجہ ان کی دینداری تھی جو بذروۂ کمال پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ آپ کے محسن و مربی چچا ابو طالب کی یادگار تھے۔ آپ کے سوا حضرت علیؓ کا کوئی مربی و سرپرست بھی موجود نہ تھا انہوں نے حقیقی اولاد کی طرح آپ ہی کے کنارِ شفقت میں تربیت پائی تھی، اس لیے ان کی ناداری قطعاً ناقابلِ لحاظ تھی۔

نقل مکانی

شروع میں حضرت علیؓ اور خاتونِ جنت مسجد نبوی کے ایک حجرے میں ٹھہرائے گئے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں کسی اور مکان میں جگہ دی گئی۔ چونکہ یہ مکان

آستان نبوت سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور تنگ ہونے کی وجہ سے گزارا بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا اس لیے مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت سیدہ ؓ سے فرمایا میری یہ خواہش ہے کہ تمہیں اپنے قریب بلالوں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مکان مسجد نبوی کے قرب میں واقع تھا۔ سیدہ رضؓ عرض پیرا ہوئیں یارسول اللہ! حارثہ رضؓ سے ایک مکان ہمیں بھی دلوا دیجیے۔ حضرت حارثہؓ اس سے پیشتر اپنے متعدد مکان مہاجرین کرام کے لیے آپ کو دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹی! ان سے کہاں تک لیتے جائیں۔ اب تو ان سے کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے"۔ دارالہجرت کے ناصرین ملت نے اپنا سب کچھ اسلام و ایمان پر قربان کر دیا تھا۔ جب حضرت حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے اور التماس کی یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ حضور والا صاحبزادی کو کسی قریبی مکان میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرا ایک مکان مسجد کے قرب میں موجود ہے۔ آپ بلاتامل جناب فاطمہؓ کو بلا لیجیے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب حضور ہی کا ہے اور عرض پیرا ہوئے یارسولؐ اللہ! خدائے واحد کی قسم! میرا جو مکان آپ لیتے ہیں مجھے اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہے۔ آپ نے انہیں دعا دی اور انہوں نے جلدی سے مکان خالی کرا دیا اور جناب بتولؓ اس میں چلی آئیں (ابن سعد)

خاتونِ جنتؓ کی اولادِ اطہار

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے حضرت علیؓ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ لڑکے حسن، حسین اور محسن رضی اللہ عنہم تھے اور لڑکیاں ام کلثوم، زینب اور رقیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ محسن اور رقیہ صغر سنی میں گزر گئے۔ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد اطہار عرف عام میں عترت یا اہل بیت کے لقب سے مشہور ہے۔ چونکہ شیعہ لوگ فرقۂ اہل سنت و جماعت پر منکرین اہل بیت ہونے کا طعن رکھتے ہیں، اس لیے میں یہاں اپنی طرف سے صفائی کے طور پر اس مسئلہ کو کسی قدر منقح کر دینا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ موردِ طعن اور قابلِ ملامت حقیقت میں کون فرقہ ہے۔

اہل بیت کی سہ گانہ تقسیم

عترت لغت میں خویشوں، نزدیکوں اور فرزندوں کو کہتے ہیں۔ خود حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ثقلین میں عترت کو اہل بیت سے تعبیر فرمایا۔ اہل بیت تین ہیں: اہل بیت نسب، اہل بیت سکنیٰ اور اہل بیت ولادت۔

گو قرآن پاک میں اُمہات المومنین کے سوا کسی کے حق میں اہلبیت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور لغت عرب میں بھی یہ لفظ بیویوں ہی کے لیے مستعمل ہے تاہم احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرف بایمان ہونے والے تمام ہاشمی اور آپ کی اولاد اطہار بھی تبعاً اہل بیت میں داخل ہیں۔

اہل بیت نسب

اہل بیت نسب وہ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ ان میں حضور سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کی تمام وہ اولاد داخل ہے جو سعادت ایمانی سے مستعد ہوئی۔ یعنی حضرت حمزہؓ بن عبدالمطّلب، حضرت عباس بن عبدالمطّلبؓ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان تینوں کی بہن محترمہ اُم ہانیؓ بنت ابی طالب اور حضرت عباسؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ اور قثمؓ بن عباس اور حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے حضرت نوفلؓ بن حارث، ربیعہؓ بن حارث، ابوسفیانؓ بن حارث، عبدالمطّلبؓ بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور حضرت حمزہؓ کی صاحبزادیاں فاطمہ بنت حمزہؓ اور عمارہ بنت حمزہؓ رضی اللہ عنہما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زُبیر بن عبدالمطّلب کی لڑکیاں اُم حکم اور ضباعہ رضی اللہ عنہما اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مومنہ پھوپھیاں حضرت صفیہ بنت عبدالمطّلبؓ اروی بنت عبدالمطلب اور عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہن جو تینوں علی الترتیب حضرت زُبیر، حضرت طُلَیب اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ رضی اللہ عنہم کی مائیں تھیں۔ اور ابولہب کے دونوں مسلمان بیٹے عُتبہ بن ابی لہب اور مُعتّب بن ابی لہب رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کی ہمشیر دُرّہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا اور آگے چل کر ان سب کی اولاد اطہار اہل بیت نسب تھے۔ شیعہ ان میں سے دو ایک کو چھوڑ کر باقی سب کے خلاف شرمناک دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

حضرت عباسؓ کے بعض فضائل

حضرت عبّاس بن عبدالمطّلب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے عم محترم تھے۔ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا "مجھے اُس خدا سے برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان اُس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ آپ حضرات سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لیے محبّت نہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی کیونکہ چچا

اس کے باپ ہی کی مانند ہوتا ہے (ترمذی) اسی طرح آپ نے حضرت عباس ؓ سے فرمایا: اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ (عباس ؓ مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں) رواہ الترمذی۔ اس ارشاد میں اتحاد، یگانگی اور محبت سے کنایہ ہے۔ آپ نے یہی الفاظ حضرت علی ؓ سے بھی فرمائے تھے۔

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم سے فرمایا کہ چچا جان! آپ کل دوشنبہ کے دن صبح کے وقت میرے پاس تشریف لانا اور اپنے فرزندوں کو بھی اپنے ساتھ لانا تاکہ میں آپ لوگوں کے لیے ایسی دعا کروں جو آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع دے۔ حضرت عباس ؓ دوسرے دن علی الصباح اپنے فرزندوں کو ہمراہ لے کر آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی پوشش انہیں پہنا دی۔ اس کے بعد ان الفاظ میں دعا کی۔ الٰہی! عباس ؓ کی اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما۔ مغفرت ظاہری و باطنی۔ ایسی مغفرت جو کسی گناہ کو پیچھے نہ رہنے دے۔ الٰہی! عباس ؓ کو اور ان کی اولاد کو اپنی حفاظت میں لے لے اور خلافت و بادشاہت کو مدت مدید تک ان کی اولاد میں رکھ۔ رواہ الترمذی و رزین

محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جس روز سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس ؓ سے فرمایا تھا کہ تمہاری اولاد میں خلافت آئے گی، ان ایام سے بنو عباس خلافت کے امیدوار چلے آتے تھے۔ آخر جب خلافت بنی اُمیہ کا چراغ گل ہوا تو ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت خلافت کی گئی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور جس نے بغداد آباد کیا سریر خلافت پر بیٹھا۔ ان ایام سے لے کر ۶۵۶ھ تک حضرت عباس ؓ کی اولاد بغداد میں اور اس کے بعد صدیوں تک مصر میں تاج و تخت کی مالک رہی۔

سیدنا عقیل ؓ سے محبت

حضرت علی ؓ کے دو بڑے بھائی جعفر طیار ؓ اور عقیل رضی اللہ عنہما مشرف بایمان ہوئے تھے۔ حضرت علی ؓ جناب جعفر طیار ؓ سے دس سال اور حضرت جعفر ؓ جناب عقیل ؓ سے دس سال چھوٹے تھے۔ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب عقیل ؓ سے بہت محبت تھی۔ آپ ان سے فرمایا کرتے تھے مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے۔ ایک تو قرابت کی وجہ سے۔ دوسرے اس سبب سے کہ میرے چچا ابو طالب تم کو محبوب رکھتے تھے (محبوب الکمال ص ۲۷۰)

حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ پر سبّ و شتم

شیعوں نے رسول خدا اور حضرت علیؓ کے عم بزرگوار حضرت عباسؓ اور علیٰ مرتضیٰؓ کے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کے خلاف جس گندہ ذہنی کا ثبوت دیا ہے اس کی ایک بانگی ملاحظہ ہو۔ شیعوں کے علامہ طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج میں حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:-

ذَهَبَ مَنْ كُنْتُ اعتضد بهم علی دین الله من اهل بيتي وبقيت بين حقيرين قريبتي العهد بجاهلية عقيل وعبّاس۔

میرے اہل بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا اور اب میں عقیل اور عباس جیسے دو ذلیل و خوار شخصوں کے درمیان گیا ہوں جو زمانۂ جاہلیت کے قریب ہیں۔

شیعوں نے اسی توہین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایک مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی نے کتاب حیات القلوب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف مغلظات کی ایسی ایسی غلاظت اچھالی ہے جو بازاری لفنگوں کا خاص حصہ ہے اور دنیا کا کوئی شریف انسان خواہ وہ کسی مذہب ملت کا پیرو کیوں نہ ہو اس کا سننا بھی کبھی گوارا نہ کرے گا۔

اہل بیتِ سُکنیٰ

مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دینی، ملی اور تبلیغی ضروریات کے ماتحت جن مخدرات عالیہ کو مختلف اوقات میں شرف زوجیت بخشا، ان کو ازواج مطہرات یا اہل بیت سُکنیٰ کہتے ہیں۔ اُن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: (۱) اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ۔ ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا (۲) اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ۔ نبی علیہ السلام نے ان سے مکہ معظمہ میں تزوج فرمایا۔ سنہ ۵۴ھ میں رحلت فرما ہوئیں۔ (۳) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ مکہ معظمہ میں نکاح ہوا۔ سنہ ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ (۴) اُم المومنین حضرت حفصہؓ بنت حضرت فاروق اعظمؓ۔ آپ نے ان سے ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال عقد کیا۔ سنہ ۴۵ھ میں رحلت فرما ہوئیں۔ (۵) اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ بن حارث معروف بہ اُم المساکین۔ سنہ ۳ھ کے اخیر میں عقد ہوا اور سنہ ۴ھ میں وفات پائی۔ انھیں دو تین مہینہ سے زیادہ سرور کائنات کا شرف زوجیت نصیب نہ ہو سکا۔ (۶) اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ بنت ابی اُمیہ مخزومی۔ سنہ ۴ھ یا سنہ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ سنہ ۶۲ھ یا سنہ ۶۳ھ میں انتقال

فرمایا۔ (۷) اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش ۔ سنہ ۵ھ میں حریم نبوت میں داخل ہوئیں، سنہ ۲۰ھ میں دنیا کو الوداع کہا۔ (۸) اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان (خواہر امیر معاویہؓ) سنہ ۶ھ میں بمقام حبشہ عقد ہوا۔ سنہ ۴۴ھ میں جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی (۹) اُم المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث ۔ سنہ ۶ھ میں عقد ہوا۔ سنہ ۵۶ھ میں سرائے فانی کو الوداع کہا (۱۰) ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث ۔ سنہ ۷ھ میں شرف زوجیت سے سرفراز ہوئیں اور سنہ ۵۱ھ میں خراب آباد عالم صوری سے رخصت ہوئیں۔ (۱۱) اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی ۔ سنہ ۷ھ میں عقد ہوا اور سنہ ۵۰ھ میں رحلت فرمائی۔ (۱۲) اُم المومنین ریحانہ بنت زید ۔ سنہ ۶ھ میں نکاح ہوا اور حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حجۃ الوداع سے مراجعت کے وقت رفیق اعلیٰ سے جا ملیں۔

ازواج طاہرات کی قومیتیں

ازواج طاہرات مختلف قوموں میں سے تھیں۔ ان میں یہ چھ قرشیہ تھیں (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت عائشہ بنت صدیق اکبرؓ (۳) حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم (۴) حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان (۵) حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ (۶) حضرت سودہ بنت زمعہ۔ چار عربیہ غیر قرشیہ تھیں (۱) حضرت زینب بنت جحش (۲) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ (۳) حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین (۴) حضرت جویریہ بنت حارث خزاعیہ اور ایک یعنی اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب یہود کے قبیلہ بنو نضیر میں سے تھیں، رضی اللہ عنہن۔

ان کے علاوہ حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک بہت بڑے قبیلہ سے رشتۂ مودّت قائم کرنے کے لیے اس قبیلہ کی ایک خاتون اسماء بنت صلت سلمیہ کے لیے پیام نکاح بھیجا تھا۔ جب خاتون مذکور نے سنا کہ ان کے لیے اللہ کے رسول نے خواستگاری فرمائی ہے تو وہ اس درجہ مسرور ہوئیں کہ ان کا دل اس غیر معمولی خوشی و مسرت کا متحمل نہ ہو سکا۔ آخر شادیٔ مرگ کی نذر ہو کر آغوش لحد میں پہنچ گئیں۔ غفر اللہ لہا۔

اُمت کی ماؤں کو گالیاں

رب العالمین عزّ اسمہٗ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے:-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ	نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے

أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
(۶:۳۳)

بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر (علیہ السلام) کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ مومنوں پر اُمّہات المومنین رضوان اللہ علیہن کا احترام اپنی جسمانی ماؤں سے کہیں زیادہ واجب ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ شیعہ لوگ جلال خداوندی اور عاقبت کی رسوائی سے بے خوف ہو کر حضرت خدیجہؓ کے سوا باقی تمام ماؤں کی توہین کرتے ہیں خصوصاً محبوبۂ رسول اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تو سب و شتم کی وہ غلاظت اچھالتے ہیں کہ جس پر یہودی اور نصرانی دشمنانِ دین بھی شرما جائیں۔

مناقبِ سیّدہ عائشہؓ

اور حضرت صدیقہؓ کی ثنا و منقبت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنیئے:- آپ نے فرمایا کہ مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے لیکن (اُمم سابقہ کے) طبقۂ اناث میں مریمؑ بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی عورت درجہ اکملیت و افضلیت کو نہ پہنچ سکی اور (اس امت میں) عائشہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید دوسرے کھانوں پر فضیلت رکھتا ہے (بخاری ومسلم) ایک مرتبہ حضرت اُم سلمہؓ نے سیدہ عائشہؓ کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات کہی۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ کے متعلق مجھے آزار نہ دو کیونکہ مجھے عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے جامۂ خواب میں وحی نہیں آتی۔ حضرت اُم سلمہؓ کہنے لگیں یا رسول اللہ! میں اللہ کی جناب میں حضور کی دل آزاری سے توبہ کرتی ہوں (بخاری ومسلم)

ایک مرتبہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا یہ جبریلؑ ہیں۔ تمہیں سلام کہتے ہیں۔ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (بخاری ومسلم) مروی ہے کہ عقدِ نکاح سے پہلے جبریل امینؑ نے پیغمبر علیہ السلام کو (خواب میں) حضرت عائشہؓ کی صورت ایک سبز ریشمی کپڑے پر بنی ہوئی لا کر دکھائی اور بتایا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی حرم محترم ہیں (ترمذی) یہ حدیث بھی حضرت صدیقہؓ کے جنتی ہونے کی قطعی شہادت ہے۔ ایک مرتبہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا عائشہؓ۔ پھر عرض کیا گیا کہ مردوں میں آپ سب سے زیادہ کسے چاہتے ہیں؟ فرمایا عائشہ کے باپ کو (بخاری وترمذی)

دنیا میں مرد علماء کی تو کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی لیکن عورت ذات ہو کر اُمّ المومنین

حضرت عائشہ رض کا علم وفضل اس کمال کو پہنچا ہوا تھا کہ بڑے بڑے فضلائے دہر کا بھی مرجع بنی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کا بیان ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ ص کو جب کبھی کوئی علمی اشکال پیش آتا تو ہم اُم المومنین عائشہ رض کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس اس کا ضرور حل پاتے۔ موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ میں نے مدت العمر حضرت عائشہ رض سے افصح کسی کو نہیں پایا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عمار بن یاسر رض کے سامنے اُمّ المومنین عائشہ رض کا سخیف الفاظ میں ذکر کیا۔ حضرت عمار اس سے کہنے لگے مردود! دُور ہو۔ کیا تو حبیبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے؟ حضرت عمار رض نے یہ بھی فرمایا کہ جناب عائشہ رض دنیا اور آخرت میں رسول الثقلین کی زوجۂ مبارکہ ہیں (ترمذی)

رب العالمین کی طرف سے صدیقۂ اُمت کی برارت

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ جب منافقوں نے پیشوائے امت اور اہل ایمان کی دل آزاری کے لیے اُمّ المومنین پر بہتان تراشی کی تو خدائے برتر نے قرآن پاک کی سورۂ نور نازل فرما کر پورے تین رکوعوں یا ۲۶ آیتوں میں ان کی برارت فرمائی اور صرف یہی نہیں کہ علّام الغیوب نے حقیقتِ حال ظاہر فرما کر اُمّ المومنین کا وقار اہل السموات والارض کی نظروں میں کئی حصے بڑھا دیا بلکہ مغفرت اور جنت میں رزق کریم عطا کرنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا مقام شرف اور کتنا رفیع درجۂ کرامت ہے۔ پھر اس علو شرف و اکرام پر اُمّ المومنین کا کسر نفس و فرط تواضع ملاحظہ ہو کہ جب سورۂ نور کی متذکرہ صدر آیتیں نازل ہوئیں تو ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے معاملہ میں خدائے قدوس ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت ہمیشہ قیامت تک ہوتی رہے گی۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ رب حکیم اپنے رسول مقبول کو خواب کے ذریعہ سے حقیقتِ نفس الامر سے مطلع فرما دے گا۔" اس علو مرتبت پر احتقار نفس کی شاید کوئی نظیر تاریخ عالم میں نہ مل سکے گی۔

اہل بیت ولادت

اصح الروایات کے بموجب حضور سید الثقلین علیہ التحیہ والسلام کے تین فرزند قاسم، عبداللہ اور ابراہیم تھے۔ سب سے بڑے قاسم تھے جو قبل از نبوت تولد ہوئے اور سترہ مہینے اس عرصہ گاہ فانی میں رہ کر عالم بقا کو چلے گئے۔ اُنہی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ عبداللہ ظہور اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا

ہوئے۔ ان کا لقب طاہر و طیب تھا۔ خورد سالی میں انتقال فرما گئے۔ ابراہیمؑ مدینہ طیبہ میں ۸ھ یا ۹ھ میں عرصۂ شہود میں آئے۔ وہ بھی کمسنی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ صاحبزادیاں چار تھیں: زینب، رُقیّہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ سلام اللہ علیھن۔ سب سے بڑے قاسم تھے۔ ان سے چھوٹی سیّدہ زینب تھیں۔ زینب کے بعد رقیہ متولد ہوئیں۔ پھر اُمّ کلثومؓ پھر فاطمہ زہرا اور فاطمہ زہرا کے بعد عبداللہ صلوات اللہ علیہم۔ بعض نے جناب عبداللہ کو سیّدہ اُمّ کلثومؓ سے بڑا بتایا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ ساری ذرّیّہ طاہرہ اُمّ المومنین خدیجہؓ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئی۔ حضور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حریم قدس میں سب سے آخری فرزند سیّدا براہیم متولد ہوئے جن کی والدہ آپ کی لونڈی محترمہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

بنات طاہرات کے دختران رسولؐ ہونے سے انکار

سب سے بڑی شاہزادی سیّدہ زینبؓ اپنی خالہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ ان سے ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی اُمامہ پیدا ہوئے۔ علی قریب البلوغ ہو کر انتقال کر گئے۔ وہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ سیّدہ فاطمہ زہراؓ کی رحلت کے بعد ان کی وصیت کے بموجب حضرت علیؓ نے جناب اُمامہؓ سے نکاح کیا۔ ان سے ایک بیٹا محمد اوسط پیدا ہوا لیکن زندہ نہ رہا۔ حضرت علیؓ کے بعد جناب اُمامہؓ حضرت مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشمؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان سے یحییٰ نام ایک بیٹا متولد ہوا۔ وہ بھی زندہ نہ رہا۔ بالجملہ کوئی اولاد و احفاد سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا سے دنیا میں موجود نہیں ہے۔ سیّدہ زینبؓ نے ۸ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ ان کی دو منجھلی بہنیں سیّدہ رُقیّہ اور سیّدہ اُمّ کلثومؓ یکے بعد دگرے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ سیّدہ رقیہؓ سے ایک لڑکا عبداللہ متولد ہوا۔ مگر وہ صغر سنی میں رحلت فرما گیا۔ سیّدہ اُمّ کلثومؓ لاولد رہیں۔ شیعہ تینوں بنات عالیہ کے دشمن بلکہ ان کے اولادِ رسولؐ ہونے ہی کے منکر ہیں اور ان طاہرات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (معاذ اللہ) کوئی دوسرا باپ تجویز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ ناہنجاری رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں پیغمبرزادیوں کی کس درجہ تصدیع و تاذّی کا باعث ہے۔

شیعی کتب سے ثبوت

تینوں شاہزادیوں کے اولادِ رسولؐ ہونے کی تائید میں شیعی کتب میں بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ یہاں ان میں سے

صرف دو روایتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ حدیث کی مشہور شیعی کتاب "تہذیب" میں ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَيَّة بنت نبيِّكَ وَ الْعَنْ مَنْ اذی نبِيَّكَ فيهاَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمّ کلثوم بنت نبيّك وَ الْعَنْ علٰی من اذیٰ نبيّك فيها۔

(تہذیب مطبوعہ ایران جلد اول ص ۵۴)

الٰہی! اپنے نبی کی بیٹی رُقیّہ رض پر رحمت بھیج اور اُس شخص پر لعنت کر جو سیّدہ رُقیّہ کے بارہ میں تیرے نبی کو ایذا دے۔ الٰہی! اپنے نبی کی دختر اُمّ کلثوم رض پر رحمت کر اور اس شخص پر لعنت برسا جو سیّدہ اُمّ کلثوم کے بارہ میں تیرے نبی کی دل آزاری کا باعث ہو۔

اور لکھا ہے:۔

انّ زينب بنت النبی م توفيت وانّ فاطمة خرجت فی نساءها فصلّت علٰی اختها۔ (تہذیب جلد اوّل ص ۲۱۵)

جب سیّدہ زینبؓ دختر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رحلت فرمائی تو سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ رض اپنے گھرانے کی عورتوں کے ہمراہ گئیں اور اپنی بہن کی نماز جنازہ پڑھی۔

نسبتی فرزند ہونے کا عثمانی شرف

معلوم ہو کہ متاخرینِ شیعہ نے جو بڑی بنات طاہرات کے وجود سے انکار کیا ہے تو اس کی تہ میں یہ خدشہ پنہاں ہے کہ اگر سیّدہ رقیّہ اور سیّدہ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے وجود کو تسلیم کیا تو حضرت علی مرتضیٰ رض کی طرح جناب عثمان رض کو بھی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبتی فرزند تسلیم کرنا پڑے گا بلکہ اس فضیلت میں وہ حضرت علی رض سے بھی بڑھ جائیں گے کیونکہ شیعوں میں یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے ؎

نبی سے میں علی کو یوں تو افضل کہہ نہیں سکتا
مگر اپنے سے بہتر دیکھ کر داماد کرتے ہیں

حالانکہ خود حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے ایک ارشاد میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے خطاب کرتے ہوئے ان کے شرفِ دامادی کو تسلیم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔ (ترجمہ)

"میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس کو آپ نہ جانتے ہوں اور میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی رہنمائی نہیں کر سکتا جو آپ پر مخفی ہو۔ میں آپ پر کسی ایسی بات میں سبقت بھی نہیں رکھتا جس کی آپ کو خبر دوں۔ ہم نے خلوت میں بھی کوئی ایسی بات معلوم نہیں کی جو آپ کو پہنچائیں جس طرح ہم نے دیکھا سنا، آپ نے بھی دیکھا سنا اور جس طرح ہم نے رسول خدا کی صحبت اٹھائی، اسی

طرح آپ کو بھی شرفِ صحبت نصیب ہوا۔ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ اور حضرت عمر بن خطابؓ حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ مستحق نہ تھے اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب ہیں اور بلاشبہ جو شرف دامادی آپ کو حاصل ہوا، وہ ان دونوں کو میسر نہ تھا (نہج البلاغت مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۳۷۲)

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت زہرائے بتولؓ کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ ان سے سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل مبارک باقی رہی۔ اور پھر سیدہ فاطمہؓ کی ذریتِ مطہرہ میں بھی سبطین یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ شرف نصیب ہوا کہ ان دونوں کی جہت سے حبیب ربِ کردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل آفاقِ عالم میں پھیلی۔ اوّل الذکر اولاد کو حَسَنی اور ثانی الذکر کو حُسَینی کہتے ہیں۔

سیدہ اُمِ کلثومؓ جناب فاروقِ اعظمؓ کے عقدِ تزویج میں

حضرت سیدۃ النساءؓ نے اپنی دونوں صاحبزادیاں اپنی جلیل القدر بڑی بہنوں کے نام نامی سے موسوم فرمائیں۔ بڑی دخترِ ارجمند کا نام اُمِ کلثوم اور چھوٹی کا زینب رکھا۔ سیدہ اُمِ کلثومؓ حضرت فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ حضرت اُمِ کلثومؓ کے بطنِ مبارک سے حضرت فاروقِ اعظمؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ زید اور رُقیہ لیکن دونوں نے بچپن ہی میں عالمِ جاودانی کی راہ لی۔ شیعہ لوگوں نے سیدۃ النساءؓ کے داماد حضرت عمرؓ کو بھی اپنی دشنام گوئی کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ حضرات اثنا عشریہ کی حدیث کی سب سے مستند کتاب "فروعِ کافی" مؤلفہ یعقوب کلینی میں ایک خاص باب تزویج اُمِ کلثوم پر مشتمل ہے جس میں نہایت شرمناک الفاظ میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے کہ عمرؓ نے حضرت علیؓ سے ان کی بیٹی اُمِ کلثوم جبراً چھین لی تھی۔ حاشا و کلا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے واقعۂ شہادت کے بعد جناب عون بن جعفرؓ سیدہ اُمِ کلثومؓ کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت عونؓ کی رحلت کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفرؓ نے ان سے نکاح کیا۔ ان سے ایک لڑکی متولد ہوئی جو لڑکپن میں مرگئی۔ محمد بن جعفرؓ کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اُمِ کلثومؓ سے نکاح کیا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی اور انہی کے پاس سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا راہگرائے عالمِ بقا ہوئیں۔

سیدہ زینبؓ بنت فاطمہ زہراؓ کی شادی

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے سیدہ اُم کلثومؓ کی چھوٹی ہمشیر محترمہ زینبؓ بنت علیؓ سے تزوّج فرمایا۔ یہ وہی سیدہ زینبؓ ہیں جو معرکۂ کربلا میں اپنے بھائی سیدنا ابو عبداللہ حسینؓ بن علیؓ کے ہمراہ تھیں اور ان زہرہ گداز حوادث کے بعد بقیۃ السیف اہل بیت اطہار کے ساتھ کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جائی گئی تھیں اور انہوں نے کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کو اور دمشق میں یزید کو نہایت جرأت و بے باکی سے کھری کھری باتیں سنائی تھیں۔

سیدہ زینبؓ کے بطن مبارک سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی متعدد اولادیں ہوئیں جن میں علی اور اُم کلثوم زیادہ مشہور ہیں۔ اُم کلثومؓ (بنت زینبؓ بنت سیدۃ النساءؓ) اپنے چچا کے بیٹے قاسم بن محمد بن جعفر سے بیاہی گئیں۔ ان سے بہت اولاد ہوئی۔ قاسم بن محمد کی ایک بیٹی فاطمہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حمزہؒ کے عقد تزویج میں آئیں۔ شیعہ لوگ حمزہؒ پر بھی لعن و طعن کی غلاظت اُچھالتے ہیں۔

حضرت طلحہؓ کی فدویت رسولؐ

سیدنا حسن مجتبیٰ بن حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کے فرزند جلیل کا نام سید حسن مُثنیٰ تھا اور حضرت حسین شہیدؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغریٰ امام حسن مثنیٰ کی منکوحہ تھیں۔ فاطمہ صغریٰ کی والدہ اُمّ اسحٰق حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔ حضرت طلحہؓ اسلام کے وہ نامور فرزند ہیں جنہوں نے غزوۂ اُحد میں سب سے زیادہ ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا۔ حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ نے جو صورت و شکل میں سرور دو جہان ﷺ کے مشابہ تھے، شہادت پائی تو عام غل مچ گیا کہ رسول خدا شہید ہو گئے۔ اس پر اسلامی لشکر حواس باختہ ہو گیا اور لوگوں نے ادھر اُدھر بھاگنا شروع کیا (صحیح مسلم غزوۂ اُحد) اس وقت آپ بارہ جان نثاروں کے ساتھ میدان جنگ کے ایک کنارے پر کھڑے تھے۔ دشمن نے یہ دیکھ کر کہ مٹھی بھر جماعت ہے ان کو آگھیرا (نسائی)

آپ نے ان جان نثاروں سے فرمایا کہ ان لوگوں کو کون ہٹا سکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپ پر قربان ہو گئے۔ اسی طرح ایک ایک انصاری بڑھ کر آپ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا (صحیح مسلم غزوۂ اُحد) اب آپ کے ساتھ صرف دو جان نثار رہ گئے۔ حضرت طلحہ اور حضرت ابودجانہ انصاری۔ دونوں نے اپنے تئیں رسول اللہ کی

سپر بنا دیا۔ حضرت طلحہؓ نے ساتھ ہی تیر افگنی شروع کر دی۔ انہوں نے اس شدت سے تیر برسائے کہ ان کے ہاتھ میں تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گردن اُٹھا کر دیکھتے تو طلحہؓ عرض پیرا ہوتے میرے ماں باپ آپ پر قربان! گردن اُٹھا کر نہ دیکھیے مبادا کوئی تیر آ لگے جب تیر ختم ہو گئے تو دشمن بہت زیادہ قریب آ گیا۔ رسول خدا پر جو تلوار پڑتی تھی حضرت طلحہؓ اسے اپنے ہاتھ پر لیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ (بخاری غزوۂ اُحد)

حضرت طلحہؓ اور زُبیرؓ کو گالیاں

غزوۂ اُحد میں اسّی سے زیادہ زخم حضرت طلحہؓ کے جسم پر آئے اور ایک ہاتھ کٹ کر بالکل شل ہو گیا۔ قیس بن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا کٹا ہوا ہاتھ دیکھا (بخاری) ایک موقع پر سرور انبیاءؑ نے پہاڑ پر چڑھ جانا چاہا لیکن جسمانی تکلیف کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ باوجود بے شمار جراحتوں اور زخموں کے آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ ان پر پیر رکھ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور فرمایا طلحہؓ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی (ترمذی) آپ فرمایا کرتے تھے کہ طلحہ اور زُبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے (ترمذی) شیعہ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا حضرت حسین شہیدؓ کے خسر تھے اور خواجۂ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ کو (معاذ اللہ) مرتد و خارج از ایمان قرار دیتے ہیں۔

فاطمہ صغریٰؓ اور سکینہؓ بنت حسینؓ کا عقدِ ازدواج

محترمہ فاطمہ صغریٰ بنت حسین شہیدؓ کے بطن مبارک سے امام حسن مثنیٰؓ بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی زینب اور تین لڑکے عبداللہ معروف بہ عبداللہ محض اور ابراہیم اور حسن متولد ہوئے۔ جب حضرت حسن مثنیٰؓ کا پیمانۂ حیات آب مرگ سے لبریز ہوا تو جناب فاطمہ صغریٰ امیر المومنین عثمان ذوالنورین ؓ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کے سلک زوجیت میں منسلک ہوئیں۔ ان سے قاسم اور محمد دو لڑکے متولد ہوئے۔ انہی محمد بن عبداللہ کو ان کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے دیباج کہتے تھے۔ شیعہ لوگ جناب عبداللہ اور ان کے دونوں فرزندوں کو جو سیدنا حسینؓ کے نواسے تھے گالیاں دیتے ہیں۔

سیدنا حسین شہیدؓ کی دوسری دختر سکینہ کی پہلی شادی حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ

عنہ کے صاحبزادہ مُصعب بن زُبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

جب مُصعب نے جرعۂ مرگ نوش فرمایا تو پھر ان کا نکاح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیمؓ بن حزام سے ہوا۔ حضرت زُبیر بن عوّام اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے تھے۔

جب عبداللہ بن عثمان فوت ہوئے تو جناب سُکینہ کا تیسرا عقد امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دوسرے پوتے زید بن عَمرو بن عثمانؓ بن عفّان سے ہوا۔ جب زید بن عَمرو نے رحلت کی تو جناب سکینہ کا چوتھا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابراہیمؒ سے ہوا۔ غرض حضرت زینب بنت علی مرتضیٰؓ کو چھوڑ کر خاندان نبوت کی قریب قریب ساری صاحبزادیاں غیر ہاشمی خاندانوں میں بیاہی گئیں۔ حضرت زبیر بن عوام، حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور ان تینوں کی اولاد جنہوں نے فاطمہ صغریٰ اور سکینہ سے شادیاں کیں شیعی دشنام گوئی کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے۔

امام زین العابدینؒ کی اولاد سے دشمنی

شیعہ لوگ امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت حسین شہیدؓ کے بھائی حضرت زیدؒ سے جو بڑے عالم اور باخدا بزرگ تھے اور مروانیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے اور ان کے فرزند گرامی جناب یحییٰ بن زید بن امام زین العابدینؒ سے بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت حسن مُثنّیٰ کے بڑے فرزند عبداللہ محضؒ کو اور ان کے دونوں جلیل القدر فرزندوں جناب ابراہیم اور سید محمد ملقب بہ نفس زکیہ رحمہما اللہ کو بھی جو سیدہ فاطمہ صغریٰ کے پوتے تھے (معاذ اللہ) کافر و مرتد قرار دیتے ہیں۔ ابراہیم اور محمدؒ وہ بزرگ ہستیاں تھیں جنہوں نے خلافت علویہ کے قیام کی کوشش میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف عَلَم مخالفت بلند کیا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی طرف سے مخفی تائید و نصرت

چونکہ ہر شخص کو اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ یہ دونوں بھائی خلافت اسلامیہ کو علیٰ منہاج النبوت قائم کرنے کا جذبہ لے کر اٹھے ہیں، اہل سنت و جماعت کے دونوں بڑے مقتداؤں یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے ان کا ساتھ دیا۔ گو ان جلیل القدر ائمہ نے اس تائید و نصرت کی پاداش میں خلیفہ ابوجعفر منصور اور اس کے عُمّال کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اُٹھائیں لیکن اہل بیت نبوت کی محبت کا حق

ادا کر دیا۔

ایک شیعہ مجتہد علامہ خلیل قزوینی نے صافی شرح کافی میں اصولِ کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کی ایک روایت مندرجہ صفحہ ۲۲۴ کی شرح میں لکھا ہے :۔

"پس ظاہر شد محمد بن عبد اللہ و مجتمع شدند مردم برائے او۔ اختلاف نہ کردہ بر وے ہیچ یک از قریش کہ مدنی بود و نہ ہیچ یک از اہل مدینہ۔ و مثل ابو حنیفہ کہ بہ سبب ایں در زندانِ منصور مُرد و مثل مالک بن انس کہ بہ سبب ایں عیسٰی بن موسیٰ اورا زد (ترجمہ) پھر عبد اللہ محض کے بیٹے محمدؒ ظاہر ہوئے اور لوگ ان کے لیے جمع ہوئے اور ان کی امامت سے قریش میں کسی نے جو مدینہ کا رہنے والا تھا یا کسی غیر قُرشی نے جو مدینہ کا باشندہ تھا اختلاف نہ کیا اور ابو حنیفہؒ جیسے بزرگ ان کی امداد کرنے کی پاداش میں خلیفہ منصور کے قید خانہ میں دارِ آخرت کو رحلت فرما ہوئے اور مالک بن انس جیسے مقتدا کو ان کے سبب سے منصور کے عاملِ مدینہ عیسٰی بن موسیٰ نے زدوکوب کیا)

حَسَنَینؓ کی دوسری اولاد کی تکفیر

اسی طرح اہلِ تشیع حضرت حسن مجتبیٰؓ کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ بن حسین بن حسن کو اور محمد بن قاسم بن حسن اور یحییٰ بن عمر کو جو حضرت زید شہید کے احفاد میں سے تھے کافر و مرتد بتاتے ہیں۔ دشنام گو فرقہ سادات حَسَنیہ و حُسَینیہ کے اُن تمام بزرگوں کو بھی جو حضرت زید شہید بن امام زین العابدینؒ کی امامت و بزرگی کے قائل ہیں گمراہ یقین کرتا ہے حالانکہ انساب کی کتابیں اور تواریخ سادات اس امر پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ اکثر حسنی و حسینی اہل بیت حضرت زید شہیدؒ کی امامت و بزرگی کے قائل تھے۔ مگر جمہور شیعہ اثنا عشریہ ان مقدسین کے حق میں کفر، ارتداد اور خلود فی النار کا اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ ان کے زعم ناقص میں ایک امام کی امامت کا منکر بھی کسی نبی کی نبوت کے منکر کی طرح کافر ہے۔ والکافر مخلد فی النار۔

امام محمدؒ باقر اور جعفر صادقؒ کی اولاد کو ناری قرار دینا

اہلِ غلوّ امام جعفر صادقؒ کے بھائی زکریا بن امام محمدؒ باقر کے خلاف بھی دریدہ دہنی کرتے ہیں اور ان کے ناری ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے پانچ فرزند تھے۔ محمد، اسمٰعیل، عبد اللہ، موسیٰ، علی رحمہم اللہ۔ شیعہ ان میں سے موسیٰ ملقب بہ کاظمؒ کو چھوڑ کر باقی چاروں کو کاذب اور ناری قرار دیتے ہیں۔ امام جعفر صادقؒ

کی اولاد میں ایک بزرگ جعفر بن علی ہادی بھی جو امام حسن عسکری کے بھائی تھے شیعی زبان درازی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم اور جعفر بن موسیٰ کاظم رحمہما اللہ سے بھی اہل تشیع عناد رکھتے ہیں۔ مؤخر الذکر کو انہوں نے کذّاب سے ملقب کر رکھا ہے حالانکہ وہ کبار اولیاء اللہ میں سے تھے اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہی سے طریقت اخذ کی تھی۔

مُحبّانِ اہل بیت اطہار اہل سنت ہیں

الغرض وہ سب حضرات جن کے اسماءِ گرامی اوپر زیبِ رقم ہوئے، سادات حسنی یا حسینی امام زادے تھے۔ ہم مُحبّانِ اہل بیت جو فرقۂ حقّہ اہل سنت وجماعت کے پیرو ہیں، ان سب سے محبت و خلوص رکھتے ہیں اور فردائے قیامت کو ان کی شفاعت کے امیدوار ہیں لیکن مقام عبرت ہے کہ شیعوں نے دعوائے حُبِّ اہل بیت کے باوجود ان پاکبازوں سے دشمنی کر کے اپنی جانوں سے دشمنی کا سامان مہیا کر رکھا ہے۔ اہل سنت وجماعت نے اہل بیت کے حق میں ہمیشہ جس وفاداری اور جان نثاری کے مناظر پیش کیے، تاریخ اسلام کو ہمیشہ ان پر ناز رہے گا۔ الغرض مُحبّانِ اہل بیت صرف فرقۂ حقّہ اہل سنت ہے نہ کہ اہلِ تشیع جن کے باطن خاصانِ بارگاہ کے بغض و کینہ سے لبریز ہیں۔

گالیوں کو طاعت وعبادت سمجھنا

یاد رہے کہ دشنام گو فرقہ خیار اُمت کو اس لیے گالیاں دیتا ہے کہ شیعہ مذہب میں بزرگانِ سلف کو گالیاں دینا اور تبرا بازی کرنا (معاذ اللہ) تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے لیکن

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہلِ مذہب معلوم

صحابۂ کرامؓ کی تکفیر

معلوم ہوا کہ اہلِ تشیع کی یہ "نظرِ عنایت" کچھ اہل بیت نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انہوں نے اصحاب و تربیت یافتگانِ خیر الانامؐ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان سے بھی کہیں زیادہ سہامِ ملامت کا نشانہ بنا ر ہے۔ حضرت فخر الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ شاگردوں کی تعداد ج عُرفِ عام میں اصحاب کہلاتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ ا نے ان میں سے ۱۲۲۷۹ مقدسین کے حالاتِ زندگی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں قلمب

فرماتے ہیں۔ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پاکبازوں کا اس درجہ تزکیۂ باطن فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی جماعت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو طہارت اخلاق حُسن کردار پاکیزگیٔ اطوار اور محاسن خصائل میں ان نفوس قدسیہ کا مقابلہ کر سکے با ایں ہمہ اثنا عشری عاسر نظروں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف ان تین حضرات کو ایمان و اسلام کا سارٹیفکیٹ دیا ہے:۔

(۱) حضرات مِقداد بن اسود رضی اللہ عنہ
(۲) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ
(۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مسند نبوت کے باقی تمام جانشین ان کی نظر میں (معاذ اللہ) کافر و مرتد ہیں چنانچہ شیعوں کے سب سے بڑے محدث یعقوب کلینی نے اپنی حدیث کی کتاب روضۂ کافی (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۵) میں روایت کی ہے: عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اَھلُ رِدَّۃٍ بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ اِلاّ ثلاثۃ قلت ومن الثلاثۃ فقال المقداد بن الاسود وابو ذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ علیہم وبرکاتہٗ۔

(ترجمہ) (حضرت حسین ؓ کے پوتے) امام محمد باقر ؒ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے (راوی کہتا ہے کہ) میں نے (امام محمد باقر ؒ سے) پوچھا کہ وہ تین بزرگ کون تھے؟ انہوں نے فرمایا مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہم وبرکاتہٗ)

الغرض فضایل رسالت کے حقیقی وارثوں کی تکفیر کے ناپاک شیوہ پر گو شیعوں کو بڑا فخر ہے اور خاصان بارگاہ پر بہتان تراشیاں کرنا ان کا عزیز ترین مشغلہ چلا آیا ہے تاہم کسی کی مجال نہ تھی کہ سماء ہدایت کے نجوم درخشاں کو ان کی ضیاء پاشیوں سے باز رکھ سکتا۔ حضرت فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح (ضو گستر) ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے) یہی وہ نفوس اطہر تھے جنہوں نے علوم نبوت کی روشنی سے ظلمتِ ضلالت کو شکست دی اور سنن الہدیٰ کے آب حیات سے کائنات

ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کیا۔ رضی اللہ عنہم۔

فصل ۲۵۳۔ تحویلِ قبلہ و فرضیتِ رمضان

کعبہ معلّیٰ کی بنائے اوّلین ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں کی مرہونِ منّت ہے۔ مرورِ ایام کے بعد جب عمارت کعبہ منہدم ہو کر بے نشان ہو گئی تو اس کو جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے فرزند گرامی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شرکت سے دوبارہ تعمیر فرمایا۔ پھر عمالقہ، پھر جرہم، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے قریش نے اپنے اپنے دور میں اس کی تعمیر و تشیید کی (حج الکرامہ)

بیت المقدس کی سرفرازی

کعبۃ اللہ قدیم الایام سے اہلِ ایمان کا قبلہ چلا آتا تھا۔ آخر جب بنائے کعبہ کے ۱۰۲۴ (ایک ہزار چوبیس) سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی تو بیت المقدس کو بھی قبلہ بننے کی سرفرازی نصیب ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے گیارہ سو چالیس برس بعد حضرت ابنِ مریم علیہ السلام متولد ہوئے۔ بعثت حضرت مسیح علیہ السلام تک بنو اسرائیل میں جو انبیاء مبعوث ہوئے، اغلب ہے کہ وہ بیت المقدس ہی کی طرف متوجہ رہے ہوں گے۔

علمِ خداوندی میں یہ امر مقدّر چلا آتا تھا کہ اُمتِ محمدی کا قبلہ بُنگاہِ خلیل ہوگا لیکن آغازِ اسلام میں اور ہجرت کے بعد سولہ سترہ مہینے تک پیروانِ اُسوۂ محمدی بھی بیت المقدس ہی کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے کے مامور رہے کیونکہ تبلیغی ضروریات اس امر کی متقاضی تھیں کہ قبلہ کے بارہ میں یہود کی موافقت کی جائے اور تالیفِ قلوب کر کے ان پر حجتِ الٰہی پوری کر دی جائے۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ نے یہودی حلقوں میں دعوت و تبلیغ اسلامی کو غایتِ قصوٰی تک پہنچا دیا لیکن یہود کے دلوں پر زنگِ تعصب کی ایسی موٹی تہیں چڑھی تھیں کہ وہ من حیث القوم کسی طرح قبولِ حق پر آمادہ نہ ہوئے۔

مسلمانوں پر یہود کا طعن

یہود نے نہ صرف قبولِ حق سے اعراض کیا بلکہ اُلٹا قبلہ کے بارہ میں مسلمانوں کے خلاف زبان طعن دراز کی۔ کبھی

تو وہ کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو تو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ قبلۂ نماز کدھر ہے۔ ہماری رہنمائی ہوئی تو انہیں قبلہ کا نشان ملا اور بسا اوقات سخت ڈھٹائی سے یہ کہہ کر مطعون کرنے لگتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات بات میں دینِ موسوی کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور انہیں ہمارے قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے میں بھی عار نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آغاز بعثت سے طبعی خواہش تھی کہ امت مرحومہ کا قبلہ بیت خلیلؑ ہو۔ آخر جب یہود کی طرف سے قبول اسلام کی اُمید منقطع ہوئی اور وہ اُلٹا مسلمانوں پر بشدت طعن کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ آرزو از سر نو سر سبز ہونے لگی کہ کاش خیر الامم قبلۂ ابراہیمی کی طرف متوجہ ہونے کی مجاز ہو (تفسیر جامع البیان طبری)

تبدیلیٔ قبلہ کے لیے دُعا

آپ اپنے پروردگار سے امیدوار تھے کہ آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے گا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ آپ نے ابتدا میں اس کے لیے دعا نہیں کی بلکہ صرف حکم کے منتظر تھے اور یہ آپ کے کمال ادب پر دلالت کرتا ہے۔

اس بارہ میں دعا نہ کرنے کی وجہ شاید یہ ہو جو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ سے اس وقت تک کسی بات کی درخواست نہیں کرتے تھے جب تک ان کو اس کا اذن نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ جس چیز کا انہوں نے درگاہ رب العزت میں سوال کیا وہ مصلحت خداوندی کے خلاف ہو۔ اس بنا پر وہ دعا شرف قبول سے محروم رہے اور یہ عدم اجابت ان کی اُمت کے لیے موجب فتنہ بن جائے۔ اس بیان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو بعض آثار میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے لیے رب العالمین سے اذن مانگو تو انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ خدائے مبین نے آپ کو دعا کی اجازت دی ہے (روح المعانی)

اس دعا کے بعد آپ کی نظریں بسا اوقات نزول وحی کی امید میں آسمان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں چنانچہ رب العزت نے آپ کی خواہش کا احترام فرماتے ہوئے غزوۂ بدر سے دو مہینے پیشتر یہ آیت نازل کی: ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف پھر پھر جانا دیکھ رہے ہیں اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں۔ پس آپ اپنا رخ مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیجیے (۲:۱۴۴)

حالت نماز میں رُخ پھیرنے کا افسانہ

مشہور یہ ہے کہ آپ مسجد بنو سلمہ میں اصحاب

کے ساتھ نماز ظہر کی دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ عین حالت نماز میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اور آپ نے اسی حالت میں اپنا رُخ بیت المقدس کی طرف سے کعبۂ معلّیٰ کی طرف پھیر دیا۔ آپ کو دیکھ کر مقتدیوں نے بھی اپنا اپنا رُخ بدل لیا۔ اس تحویل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جو سب سے آگے تھے سب سے پیچھے ہو گئے اور خواتین جو سب کے پیچھے تھیں سب سے آگے ہو گئیں۔ اس کے بعد سے بنوسلمہ کی مسجد مسجد القبلتین کے نام سے مشہور ہو گئی۔"

مگر یہ ایک لغو بات ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور غلطی سے لوگوں میں شہرت پا گئی ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلمہ کی مسجد میں امام تھے اور نہ آپ کے مقتدی وہ لوگ تھے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نماز میں رخ پھیرا تھا۔ اس سے قطع نظر یہ بیان حدیث کے بھی خلاف ہے۔

تحویل قبلہ کا حکم خارج از صلوٰۃ ہوا

حسب روایت نسائی ابو سعید بن معلّیٰؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم مسجد نبوی گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ کوئی نیا امر حادث ہوا ہے۔ میں بیٹھ گیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (اے پیغبر! تحویلِ قبلہ کے حکم کے انتظار میں ہم مونھ پھیر پھیر کر آپ کا آسمان کی طرف دیکھنا ملاحظہ فرما رہے ہیں) میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ قبل اس کے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُتریں ہم دو دو رکعت نماز پڑھ لیں تاکہ ہمیں کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا شرف اوّلیت حاصل ہو جائے۔ پس ہم دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپ منبر سے اترے اور نماز ظہر پڑھائی۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو تحویل قبلہ کی آیت نماز میں نازل ہوئی اور نہ آپ نے اپنے مقتدیوں سمیت حالت نماز میں بیت المقدس کی طرف سے اپنا رُخ کعبۂ معلّیٰ کی طرف پھیرا۔ مسجد بنوسلمہ میں نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں کے بیت اللہ کی طرف مڑ جانے کا واقعہ حسب روایت ابو داؤد حضرت انسؓ نے اس طرح بیان فرمایا کہ تبدیلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک شخص بنوسلمہ کی مسجد میں گیا اور لوگوں کو بیت المقدس کی طرف مونھ کر کے نماز پڑھتے پایا۔ اس نے پکارا کہ مسلمانو! قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ یہ سن کر لوگ حالت رکوع میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ (روح المعانی)

مخالفوں کی طعن و تشنیع

جب آپ نے اپنی نمازوں میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف مونھ پھیر دیا تو یہود کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنے شہر اور جائے پیدایش کی محبت غالب آگئی ہے حالانکہ اگر یہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو امید ہو سکتی تھی کہ یہ وہی نبی ہوں جن کے ظہور کے ہم منتظر تھے"۔ اور مکہ کے مشرکوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے دین میں شک پڑ گیا ہے اس لیے اپنے سابقہ قبلہ سے ہٹ کر تمہاری طرف رُخ پھیر لیا ہے اور انہیں یقیناً معلوم ہو چکا ہے کہ دینِ اسلام کی نسبت تمہارا کیش بت پرستی زیادہ ہدایت و سداد کا راستہ ہے اور وہ وقت جلد آیا چاہتا ہے کہ وہ اور ان کے اصحاب تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے"۔ قبلہ کی تبدیلی سے منافقوں کا نفاق بھی آشکارا ہو گیا۔ وہ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیا ہو گیا ہے کہ کبھی تو ایک طرف مونھ کرتے ہیں اور کبھی دوسری طرف پھیرتے ہیں۔ آیت سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ میں سُفَهَآءُ یعنی بے وقوف سے یہی منافق مراد ہیں۔

تحویل قبلہ کے بعد یہود کے سردار حیُ بن اخطب اور اس کے یہودی دوستوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر کعبۂ معظمہ واقعی قبلہ ہے تو اسعد بن زرارہ اور براء بن مَعْرُور صحابی جو بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے کرتے وفات پا گئے ہدایت پر تھے یا گمراہی پر؟ اور ان کی نمازوں اور ایمان کا کیا حکم ہے؟ ان کی تو ساری کی کرائی محنت اکارت ہو گئی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ (اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے عملوں کو ضائع کر دے) (جامع البیان یعنی تفسیر ابن جریر طبری)

دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کی حکمت

حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو دو مختلف قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کے مامور ہوئے، اس کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ ارض مقدس ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزندوں اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام میں منجانب اللہ اس طرح تقسیم کی گئی تھی کہ عرب کا ملک تو اسمٰعیل علیہ السلام کے حصے میں آیا اور فلسطین کی سرزمین اسحٰق علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ ان دونوں برگزیدوں کے بعد ان کی اولاد علی الترتیب کعبۂ معلیٰ اور مسجد اقصیٰ کی متولی رہی۔ جس طرح خدائے حکیم و مختار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیائے سلف کے اوصاف و کمالات کا جامع بنایا تھا اسی طرح حضرت خلیل علیہ السلام کے دونوں فرزندان گرامی کی وراثت بھی آپ کی ذاتِ اقدس

میں جمع کر دی گئی اور آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت سے ممتاز فرمایا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو نماز میں کعبہ اور مسجد اقصیٰ دونوں طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا اور شب معراج جو آپ کو سیدھا آسمان پر لے جانے کی بجائے پہلے مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا اور وہاں آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ کے رسول القبلتین ہونے کا عملی ثبوت عالم آشکار ہو جائے۔

فرضیت ماہ صیام

اسی سال یعنی شعبان ۲ھ ہجری میں رمضان کے روزے فرض ہوئے (ابن جریر طبری)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو عاشوراء (یعنی دسویں محرم) کے دن روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس دن روزہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس روز از راہ شکر روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمہاری نسبت موسیٰؑ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ پس آپ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اصحاب کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے لیکن جب آپ نے یہود سے سنا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے اس کا زیادہ اہتمام کر دیا۔

اور جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صوم عاشوراء کا حکم دیتے اور اس کی رغبت دلاتے اور اس کے لیے ہماری خبرگیری کرتے لیکن فرضیت رمضان کے بعد آپ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا نہ ہمیں کبھی حکم دیا اور نہ اس سے ممانعت فرمائی اور نہ اس کے لیے کبھی ہماری خبرگیری فرمائی رواہ مسلم

صدقۂ فطر اور نماز عید

اسی سال مسلمانوں کو صدقۂ فطر کا حکم ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے صحابۂ کرامؓ کو خطاب کیا اور فطرے کا حکم دیا۔ پھر آپ نماز عید کے لیے شہر سے باہر عید گاہ تشریف لے گئے۔ صحابۂ کرامؓ آپ کے لیے بھالا لے گئے اور آپ نے اس کی سمت کھڑے ہو کر نماز پڑھی یہ بھالا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تھا جو شاہِ حبشہ نے انہیں دیا تھا۔ اس کے

بعد اس کو تمام عیدوں میں آپ کے لیے عیدگاہ لے جاتے رہے۔ اسی سال ماہ رمضان میں ۱۹ تاریخ کو جنگ بدر ہوئی (ابن جریر طبری)

فصل ۲۵۴۔ اسیرانِ پنجۂ ظلم کو مکّہ سے برآمد کرانے کی جدّوجہد

گو ہجرت کے بعد حلقۂ اسلام وسیع ہونے لگا تھا اور لوگ بلا مزاحمت مدینہ طیبہ آ کر مشرّف باسلام ہو رہے تھے تاہم یہاں پہنچ کر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص پیروؤں کو جیسا کہ سابق میں لکھا جا چکا ہے حقیقی امن اور اطمینانِ قلب میسر نہ ہوا۔ غزوۂ خندق تک شب و روز یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مبادا کسی طرف سے کوئی غنیم چڑھ آئے۔ لیکن اس عہد آشوب میں بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان جان نثاروں کی طرف سے غافل نہیں تھے جو اہل مکہ کے ہاتھ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے۔ کسی وقت کوئی امکانی کوشش ایسی نہ تھی جو آپ ان کی رہائی کے لیے عمل میں نہ لا رہے ہوں۔

حضرت مرثدؓ کی شجاعانہ کارگزاری

حضرت مرثد بن ابو مرثد غنویؓ ایک نہایت قوی اور شجاع مہاجر تھے۔ آپ ان کو وقتاً فوقتاً اس غرض سے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کرتے کہ چوری چھپے اسیرانِ پنجۂ ظلم کو مکہ معظمہ سے نکال کر مدینہ منورہ پہنچایا کریں۔ چنانچہ وہ کئی مرتبہ گئے اور نظر بچا کر بعض اسیروں کو اپنے ساتھ لے بھاگے۔ عہدِ جاہلیت میں عناق نام مکہ کی ایک نہایت حسین و خوش جمال طوائف سے ان کے تعلقات تھے لیکن قبولِ اسلام کے بعد تمام تعلقات قطع کر لیے تھے۔ جب حضرت مرثدؓ ایک مرتبہ اسیران بلا کی رہائی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو چاندنی رات میں ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ بسوء اتفاق سے عناق نے ان کو جاتے دیکھ لیا اور آواز دی۔ یہ رک گئے۔ عناق بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملی اور اپنے مخصوص انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے پاس شب باش ہونے کی خواہش کی۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بحمداللہ مسلمان ہوں اور خدائے برتر نے مسلمان پر پرائی عورت سے اختلاط کرنا حرام کر رکھا ہے اس لیے اب میں ایسی باتیں

سننے کے لیے طیار نہیں ہوں۔

طوائف سے نکاح کرنے کا امتناع

عناق نے عشوہ اور ناز و کرشمہ کے بہتیرے تیر چلائے لیکن وہ بے رخی برتتے ہوئے چلے گئے۔ اس سرد مہری پر عناق کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور اس نے جاکر لوگوں سے کہہ دیا کہ مرثد یہاں آکر اپنے قیدی یثرب لے جاتے ہیں۔ چنانچہ قریش کے آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب کیا مگر ان کو نہ پا سکے۔ وہ صحیح و سلامت مدینہ پہنچ گئے اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر تمام واقعات عرض کیے اور التماس کی یا رسول اللہ! عناق سے نکاح کرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا اور وحی کا انتظار فرمانے لگے۔ اس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (۳:۲۴)

زانی شخص کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرے۔ اسی طرح زانیہ کے ساتھ زانی یا مشرک ہی کو نکاح کرنا موزوں ہے لیکن مسلمان پر ایسا نکاح حرام (اور موجب معصیت) قرار دیا گیا ہے۔

اس فرمان خداوندی کے بعد حضرت مرثدؓ اس خیال سے دست بردار ہو گئے (تاریخ ابن جریر و استیعاب)

اس آیت سے زانیہ کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا مترشح ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ لکھا ہے اور بعض نے حُرِّمَ کی ضمیر کا مرجع فعل زنا اور فعل شرک کو قرار دے کر یہ معنیٰ بیان کیے ہیں کہ زنا اور شرک مسلمان پر قطعاً حرام ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مومن جو زنا سے بالطبع متنفر ہے وہ بدچلن عورت سے میل جول ہی کیوں رکھے گا کہ نکاح کی نوبت پہنچے۔ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے یہی معنیٰ ہیں۔ بدکار عورت سے نکاح تو ہو جاتا ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور اگر زانیہ زنا سے سچی توبہ کر لے تو پھر نکاح بے کھٹکا و بلا کراہت جائز ہے۔

فصل ۲۵۵۔ عمائد قریش کے خارِ وجود سے ارضِ حرم کا پاک کیا جانا

ہدایت کے بہت سے نشانات تھے جو مکہ معظمہ میں قریش کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کے باطن میں قبول حق کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان میں سب سے بڑا نشان شق القمر تھا جو ابو جہل اور دوسرے قریشی رؤسا کی درخواست پر حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوا تھا۔ لیکن ان سیاہ بختوں کو اس عظیم الشان اور واضح ترین معجزہ سے بھی قبول ہدایت کی توفیق نہ ہوئی۔ اب خدائے شدید العقاب کی شانِ قہّاری نے ان غیر صلاحیت پذیر افراد سے سطح ارضی کے پاک کر دینے کا عزم فرمایا اور اس طرح وہ سنتِ الٰہی کہ معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے والوں کی بربادی لازم ہو جاتی ہے پہلی امتوں کی طرح صنادید قریش کے حق میں بھی پوری ہوئی۔

ہجرت سے پہلے دو باتوں کا ظہور ضروری تھا۔ ایک تو شہر مکہ سے ہجرت و مفارقت کیونکہ قرآن کی آیت

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (۸:۳۳)

اور آپ کے ان میں موجود رہتے ہوئے حق تعالیٰ ان کو ہرگز عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور ایسی حالت میں بھی معذب نہ کریگا کہ وہ استغفار کرتے ہوں گے

میں رب العالمین عزّ اسمہٗ کا وعدہ تھا کہ آپ کی موجودگی میں قریش پر صاعقۂ عذاب نہ گرے گا۔ دوسری بات ہجرت سے پہلے ہدایت کے کسی آخری صریح اور بیّن نشان کا ظہور تھا چنانچہ شق القمر کا معجزہ ظاہر ہوا۔ اس اعجاز نمائی کے بعد بھی جب گردن فراز زعمائے قریش کا سر غرور خم نہ ہوا تو آپ کی ہجرت کا حکم ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جو اسرار نبوت کے خاص رازدان تھے ان کی فراست ایمانی معاً اس حقیقت کو بھانپ گئی کہ اب قریش ضرور کسی وبال سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات مکہ سے روانہ ہوتے وقت اِنَّا لِلّٰہ پڑھی تھی اور فرمایا تھا کہ قریش ایک تو معجزہ شق القمر دیکھ کر ایمان

نہ لائے۔ دوسرا انہوں نے اپنے پیغمبر کو ایذائیں دے دے کر شہر بدر کر دیا۔ اب وہ یقیناً شکنجۂ عذاب میں کسے اور چاہِ زوال میں ڈالے جائیں گے (ترمذی و ابن کثیر)

یہ زوال ہجرت کے اگلے ہی سال جنگ بدر کی صورت میں رونما ہوا جس میں ارضِ حرم ان عمائدِ قریش کے خارِ وجود سے پاک کر دی گئی جو سالہا سال راہِ حق کا سنگ گراں بنے رہے تھے اور جنہوں نے نقشِ اسلام کے مٹانے کی کوشش میں اپنا لہو پسینہ ایک کر رکھا تھا۔

شعلۂ شمع خدائی بھی کہیں بجھتا ہے ۔۔۔ رہ گئے اپنا سا منہ لے کے بجھانے والے
نقش اسلام نہ اعداء کے مٹانے سے مٹا ۔۔۔ مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

فصل ۲۵۶۔ مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت

مکہ معظمہ میں جب صحابۂ کرامؓ قریش کے ہاتھوں مضروب و مجروح ہو کر حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ ان سے فرماتے کہ ضبط و تحمل سے کام لو اور راہِ خدا میں تمام اذیتیں سہو کیونکہ سردست ہمیں کسی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ پس صبر و رضا ہی مومن کا جوابی ہتھیار تھا۔ اہل ایمان کا یہ سلسلۂ مظلومی و بے بسی دس گیارہ سال تک برابر قائم رہا لیکن انجام کار وہ وقت آگیا جبکہ شیفتگان دین و ایمان کی تلوار بے نیام ہو اور وہ معاندینِ ملت کی جفا کاریوں کا جواب زبانِ تیغ سے دے سکیں۔ چونکہ مکہ معظمہ میں اہل شرک بہت بڑی اکثریت میں تھے اور وہاں انہیں ہر طرح کا غلبہ و اقتدار حاصل تھا اور ان کے مقابلہ میں مسلمان قلیل التعداد اور کمزور تھے اس لیے حکیم کارساز کی حکمت نوازی تشریع قتال میں تاخیر کرنے کی مقتضی رہی۔ آخر جب حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مطہرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں صحابہ کرامؓ کو ایک اچھا ملجأ و ماویٰ ہاتھ آگیا تو آپ نے حالات کے سازگار ہوتے ہی فریضۂ جہاد پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا۔

جہاد کب مشروع ہوا؟

ابن جریر طبری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب ہادیِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے کہ اب دشمنانِ دین لازماً قعرِ ہلاک میں ڈالے جائیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے مفترض الطاعۃ نبی کو اذیتیں دے دے کر خارج البلد

کر دیا ہے۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت یہ (دو) آیتیں نازل فرمائیں۔

(ترجمہ):

اب مسلمانوں کو (جن سے کافر لڑتے ہیں) مقاتلہ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم توڑے گئے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں غالب کر دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ مسلمان اپنے گھروں سے ناحق محض اس بنا پر نکال دیے گئے کہ وہ اللہ ہی کو اپنا رب قرار دیتے تھے اور اگر خدائے تعالیٰ ایک جماعت سے دوسری کا دفعیہ نہ کرتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) عیسائیوں کے صومعے اور عبادت خانے اور یہود کے معابد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ اور حق تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے۔

(۲۲ : ۳۹ - ۴۰)

یہی سب سے پہلی آیتیں ہیں جن میں کافروں پر جہاد کرنے کی اجازت دی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان آیتوں کی تنزیل پر محسوس کیا تھا کہ عنقریب قتال شروع ہو گا۔ اور عوفی نے بھی ابن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ سے نکال دیے گئے (تفسیر ابن کثیر)

مشروعیت جہاد کی دُوسری حکمت

جہاد فی سبیل اللہ کی ایک حکمت و مصلحت تو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی۔ اس کی دوسری مصلحت خدائے مبین نے یہ فرمائی ہے۔ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۰ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴۷ : ۴) یعنی ہم نے جو بعض صورتوں میں کفار کو سزا دینے کے لیے جہاد کا طریقہ مقرر کیا ہے تو وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے ورنہ اگر خدائے قدیر چاہتا تو ان (کفار) کو خود ہی دوسرے حوادث خسف و غرق و رجفہ وغیرہ کے ذریعہ سے سزا دے لیتا جیسے اُمم سابقہ کو اسی طرح سزا دی گئی اور تم کو دشمن کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا لیکن جہاد کرنے کا اس لیے حکم دیا کہ ایک دوسرے کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کرے۔ اہل ایمان کا امتحان یہ ہے کہ کون حکم الٰہی کو جان عزیز پر ترجیح دیتا ہے اور منکروں کا امتحان یہ ہے کہ ان میں سے کون اس عقوبت سے متنبہ ہو کر قبول حق پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور جہاد میں جیسے قاتل ہونے کی صورت میں مقصد باری ہے اسی طرح مقتول ہونا

بھی بوجہ حصولِ شہادت کے کامیابی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ کی راہ (جہاد) میں کام آتے ہیں، حق تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز رائگان نہ ہونے دے گا بلکہ ان کو جاری اور مستمر رکھے گا۔"

مشہور یہ ہے کہ جہاد کا حکم ۲ھ میں مدینہ منورہ میں نازل ہوا لیکن متذکرۂ بالا بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ جہاد مکہ معظمہ ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت مشروع ہو چکا تھا مگر اوائل ہجرت میں قوم و ملت کی تعلیمی، تبلیغی اور تنظیمی مصروفیات اور مفلوک الحال مہاجرین کی عمرانی و معاشی ضروریات جہاد بالسیف میں مانع رہیں۔ آخر جب دل جمعی کے اسباب میسر آئے اور مسلمانوں کو کسی قدر اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو عناصر فساد سے عہدہ برآ ہونے کی طرف توجہ فرمائی گئی۔

غزوۂ ابوآر

اہلِ سیر میں یہ اصطلاح رائج چلی آتی ہے کہ جس معرکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ شریف موجود تھے اس کو غزوہ کہتے ہیں اور جہاں خود تشریف نہ لے گئے ہوں بلکہ لشکر بھیجا ہو اس کو سریّہ اور بَعث سے تعبیر کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ ابوآر تھا۔ دوسرا بواط۔ تیسرا عُشیرہ۔ ابوآر جحفہ کے پاس ایک گاؤں ہے اور جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قریباً نصف مسافت پر قفینمہ اور رابغ کے درمیان ہے۔ ابوار کو ودّان بھی کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ غزوۂ ابوآر ہجرت کے پہلے سال کے اخیر یا دوسرے سال کے آغاز میں ہوا تھا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جناب سعدؓ بن عبادہ رئیسِ خزرج کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین متعین فرما کر اصحاب کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بنو ضمرہ کے قافلہ کے قصد سے جو قریش کا ایک قبیلہ تھا تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حامل لواء آپ کے عمِ محترم حضرت حمزہؓ تھے۔ جب آپ ضمرہ پہنچے تو بنو ضمرہ کا سردار مخشی بن عمرو صلح سے پیش آیا۔ آپ نے اس جذبۂ مصالحت کا احترام کیا اور صلح کا معاہدہ لکھا گیا۔ آپ پندرہ روز کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے (مدارج وغیرہ)

بعث عُبیدہؓ بن حارث

آپ صفر میں ودّان گئے تھے اور صفر ہی میں واپس تشریف لائے تھے۔ بقیہ ماہ صفر اور ربیع الاوّل کے ابتدائی ایام مد میں بسر کیے۔ اسی قیام کے دوران میں آپ نے اپنے عم زاد بھائی حضرت عُبیدہؓ بن حارث

بن عبدالمطلب کو جو عمر میں آپ سے دس سال بڑے تھے اور مکہ معظمہ میں آپ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے مشرف بایمان ہوئے تھے ساٹھ یا اسی شتر سوار مہاجروں کے ساتھ قریش کی ایک بڑی جماعت کے سر پر بھیجا جس کے قائد ابوسفیان بن حرب یا عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ آپ نے حضرت عُبیدہ رض کو ایک سفید عَلَم تیار کرا دیا۔ اس مہم کے علم بردار مسطح بن اُثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبدمناف قُرشی مطلبی رض تھے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور ایک دوسرے پر تیراندازی شروع ہوئی۔ سب سے پہلا تیر جو راہ خدا میں پھینکا گیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رض کا تیر تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ تیر تھے۔ انہوں نے آٹھوں چلائے اور کوئی خطا نہ گیا۔ یا تو کسی دشمن دین پر پڑا یا کسی چارپایہ پر۔ دونوں لشکروں میں تلوار کی لڑائی تک نوبت نہ پہنچی کیونکہ کفار یہ خیال کر کے کہ لشکر اسلام کے عقب میں کوئی اور فوج بھی موجود ہے خوف زدہ ہو گئے اور جھٹ راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہ کیا۔ حضرت مقداد بن اسود اور عُتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کہ جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی تھے بغرض تجارت کفار مکہ کے ساتھ تھے لشکر اسلام سے ملحق ہو گئے۔ وہ مکہ سے مشرکین کے ساتھ ہو کر بظاہر لڑنے کے لیے محض اسی غرض سے آ گئے تھے کہ مسلمانوں سے جا ملیں گے۔ آخر لشکر اسلام نے مدینہ کو معاودت فرمائی۔

(مدارج و ابن جریر طبری)

بعثِ حمزہ رض

حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی زمانۂ قیام میں اطلاع ملی کہ اہل مکہ کا ایک قافلہ ابوجہل کی قیادت میں شام سے مکہ کو واپس جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمّ محترم حضرت حمزہ رض کو تیس مہاجر شتر سوار دے کر کاروان کے سر پر سیف البحر کو روانہ فرمایا جو جُہَینہ کے علاقہ میں ہے۔ یہ بعث سمندر کے کنارے تک گیا۔ وہاں ابوجہل کے تین سو شتر سواروں سے سامنا ہو گیا۔ مگر مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا بیچ بچاؤ کرا دیا اور لڑائی نہ ہونے دی۔ ابوجہل اور اس کا قافلہ مکہ کو چل دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مدینہ چلے آئے (تاریخ طبری و مدارج)

غزوۂ بواط

اس کے بعد ماہ ربیع الاول میں جبکہ ہجرت کو تیرہ مہینے گزر چکے تھے غزوہ بواط واقع ہوا۔ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا

جانشین مقرر فرمایا اور دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے قریش کے ایک بڑے قافلہ سے مزاحم ہونے کے لیے نکلے جو اُمیہ بن خلف کے زیرِ قیادت آ رہا تھا۔ اس قافلہ میں قریش کے دو سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ آپ بواط تک گئے مگر قافلہ نہ مل سکا اس لیے واپس چلے آئے (تاریخ طبری ومدارج)

غزوۂ بدرِ اُولیٰ

اسی مہینے قریش میں سے ایک شخص کُرز بن جابر فہری مدینہ منورہ پہنچا۔ اور اہل مدینہ کے اونٹ جو شہر سے باہر چراگاہ میں چر رہے تھے لوٹ کر لے گیا۔ جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر فرمایا اور جھنڈا حضرت علی مرتضیٰؓ کے حوالے کر کے مہاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپ وادیٔ سفوان تک چلے گئے جو بدر کے نواح میں ایک موضع ہے۔ اسی بنا پر اس سفرِ جہاد کو بدرِ اُولیٰ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جب آپ سفوان پہنچے تو اس خبر کی تحقیق ہو گئی کہ کرز وہاں سے جا چکا ہے اور وہ ہاتھ نہ آیا۔ پس آپ وہاں سے مدینہ منورہ کو مراجعت فرما ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری ومدارج النبوت)

گو ان مہموں میں جن کا تذکرہ اوپر زیبِ قرطاس ہوا، دشمنانِ دین کو کوئی جانی و مالی نقصان نہ پہنچایا جا سکا لیکن اصل مقصود جو حکم جہاد فی سبیل اللہ کی تعمیل تھی باحسن وجوہ پورا ہوتا رہا۔ ان غزوات و سرایا میں پیروانِ اُسوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے یہ تعلیم ہے کہ اوامر کے امتثال میں اپنی طرف سے کسی ادنیٰ کوتاہی کو روا نہ دیں اور نتائج کی طرف سے خالی الذہن ہو کر احکام کی تعمیل میں لگے رہیں اور یقین رکھیں کہ شاہدِ کامرانی و مقصد براری کی چہرہ کشائی ہمارے بس سے باہر اور صرف ذاتِ ربّ العالمین کے دستِ قدرت میں ہے۔

سرورِ انبیاءؐ کا شوقِ شہادت

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزیز آرزو تھی کہ ہر ایک غزا میں بذاتِ خود شریک ہوں لیکن چونکہ ہجرت کے ابتدائی برسوں میں سواری کی قلت اور بے سر و سامانی کی وجہ سے تمام صحابہ رفاقت نہیں اختیار کر سکتے تھے اور جو اصحاب اس قسم کی مجبوریوں کے باعث رفیقِ سفر نہیں ہو سکتے تھے، انہیں ساتھ نہ لے جانے میں ان کی دل شکنی ہوتی تھی۔ آپ بھی ان کے حال پہ نوازش فرما کر با دلِ ناخواستہ جانے سے رُک جاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ اگر یہ مجبوری

نہ ہوتی تو میں کسی سریہ سے جو غزا فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا پیچھے نہ رہتا اور مجھے اسی ذات بندی کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، میری دلی آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں (رواہ البخاری ومسلم والنسائی عن ابی ہریرۃ)

سریہ عبداللہ بن جحشؓ

حضرت سیدانام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال اپنے پھوپھی زاد بھائی جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جو اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے آٹھ یا بارہ کبار صحابہ مثل سعد بن ابی وقاص، عکاشہ بن محصن، عقبہ بن غزوان، واقد بن عبداللہ تمیمی وغیرہم کی معیت میں روانہ فرمایا۔ اس سریہ میں عبداللہ بن جحش امیر المومنین سے موسوم ہوئے اور یہ جو کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے سردار ہیں جو امیر المومنین کے لقب سے ممتاز ہوئے اس معنی میں ہے کہ خلفاے راشدین میں سب سے پہلے حضرت فاروق اعظمؓ اس لقب سے ملقب ہوئے تھے۔

آپ نے روانگی کے وقت ایک خط لکھوا کر حضرت عبداللہؓ کے حوالے کیا اور ہدایت کر دی کہ جب تک دو دن کا سفر طے نہ ہو جائے اس چٹھی کو نہ پڑھنا جب دو دن گزر جائیں تو پڑھ کر اس پر عمل کرنا۔ واللہ اعلم دو دن تک اخفاے نامہ میں کیا حکمت تھی۔ غرض حضرت عبداللہؓ نے دو دن کے بعد اس چٹھی کو پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ اس خط کے پڑھنے کے بعد تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھیرو۔ وہاں سے کاروان قریش کی نگرانی رکھو اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف ساتھ نہ لے جاؤ۔ جو چاہے تمہارے ساتھ جائے اور جس کی مرضی ہو واپس چلا آئے۔

جب عبداللہؓ خط کے مضمون سے مطلع ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اللہ کے برگزیدہ رسولؐ نے مجھے ایسا حکم دیا ہے مگر اس بارہ میں کسی پر جبر کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا جس کسی کو شہادت فی سبیل اللہ کا اشتیاق ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کی مرضی ہو واپس ہو جائے مگر کسی نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اب انہوں نے بطن نخلہ نام ایک گاؤں کا رُخ کیا۔ جب بالاے فرع ایک کان پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوانؓ کا اونٹ جس کے پیچھے وہ آ رہے تھے گم ہو گیا۔ دونوں حضرت عبداللہؓ سے اجازت لے کر اس کی تلاش میں گئے اور ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلتے چلتے نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریش کے کسی کاروان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ناگاہ قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے منقہ، کچا چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا وہاں پہنچا اور بے خبری میں مسلمانوں کے قریب ہی آ اترا۔ آخر جب مسلمانوں کو دیکھا تو ڈرے۔ مگر پھر جب عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جنہوں نے سر منڈوا رکھا تھا پہاڑ سے ان کے سامنے برآمد ہوئے تو اہل قافلہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ یہ عمرہ کرنے والے لوگ ہیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ قریش کے اس قافلہ کے ساتھ مشہور آدمی یہ تھے۔ عمرو بن حضرمی، الحکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی۔

مسلمانوں نے اس قافلہ کے بارہ میں باہم مشاورت کی اس دن ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا گمان تھا کہ آج جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ مسلمان آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہم نے ان کو آج رات چھوڑ دیا تو کل سے رجب شروع ہو جائے گا جو حرمت والے مہینوں میں ہے تو پھر ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس لیے جلدی کرنی چاہیئے مبادا ماہ رجب شروع ہو جائے۔

ابن حضرمی تیر کا نشانہ

اب مسلمان قافلہ کی طرف بڑھے۔ واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ اور قافلہ کے باقی آدمی بھاگ گئے اور قافلہ کا تمام مال و اسباب مسلمانوں کی غنیمت میں آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں سب سے پہلی غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان مسلمانوں کے سب سے پہلے اسیر تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علیحدہ کر کے باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ تاہنوز خمس کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے سفر دونوں قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

یہودیوں اور مشرکوں کا زبان طعن کھولنا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں نے حرمت والے مہینے میں قتال سے دست بردار رہنے کے لیے نہیں کہہ د تھا؟ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تاریخ کی غلط فہمی کا عذر پیش کیا۔ جب یہودی اور دوسرے غیر مسلم صورت واقعہ سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے زبان طعن کھول کر یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ ع

وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے۔ انہوں نے ماہ حرام میں خون بہا کر اور تاراج کر کے اس کی ہتک حرمت کی ہے۔ دوسری طرف قریش کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے ماہ حرام کی حرمت توڑ دی، خونریزی کی، مال لوٹا اور قیدی پکڑ لیے"۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو لوٹے ہوئے مال اور قیدیوں میں تصرف کرنے سے منع فرما دیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس پر ملامت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اہل سریہ کی اس غلطی پر سخت ناگواری محسوس کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب سریہ سخت ملول اور اپنے کیے سے پشیمان ہوئے۔ اور گو ان سے جو کچھ سرزد ہوا اشتباہ والتباس کی بنا پر ہوا تھا تاہم وہ اس خیال سے خوف زدہ ہوئے کہ ان پر حق تعالیٰ کا غضب و عتاب نازل ہوگا۔ آخر سب حضرات توبہ و استغفار کو درگاہِ خداوندی میں شفیع لائے۔

ملول اہل سریہ کی تسکین کے لیے خدائی اعتذار

انجام کار ملول و محزون اہل سریہ کی تسکین خاطر کے لیے خدائے رؤف نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترجمہ)

"ادب والے مہینوں میں لڑائی کرنے کی نسبت آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا حکم ہے؟ آپ کہیئے کہ ادب والے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ کا کام ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا سے کفر کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں (یعنی مسلمانوں کو) اس میں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور فساد انگیزی کشت و خون سے بھی بڑا جرم ہے (۲: ۲۱۷)

یعنی اہل سریہ سے جو خطا ہوئی وہ محض ظن واشتباہ اور التباس کی بنا پر ہوئی اور شرک، اخراج وغیرہ قسم کے جن فتنوں کا تم نے ارتکاب کیا ہے وہ ابن حضرمی کے قتل اور دو شخصوں کی اسیری سے کہیں بڑھ کر جرم ہے۔ پس تم لوگ کس مونہہ سے ان پر زبان تشنیع کھول سکتے ہو؟ ظاہر ہے کہ رب العالمین کے اس ارشاد میں مسلمانوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار ہے۔ اس سے وہ خوف جو مسلمانوں کو لاحق ہو گیا تھا جاتا رہا اور اہل سریہ خوش دل ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال غنیمت جو روک رکھا تھا تقسیم کر دیا اور خود بھی خمس کو قبول فرمایا (ابن جریر طبری و مدارج النبوت)

حکم بن کیسان آغوش اسلام میں

اس کے بعد اہل مکہ نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کی رہائی کے لیے ان کا فدیہ روانہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو اونٹ کی تلاش میں گئے تھے اور اب تک مفقود الخبر ہیں صحیح سلامت یہاں نہ پہنچ جائیں ان دونوں کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ چند روز کے بعد جب دونوں حضرات مدینہ مطہرہ پہنچ گئے تو آپ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حصول آزادی کے بعد عثمان بن عبداللہ تو مکہ چلا گیا لیکن حکم رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کیا۔ چونکہ ایام اسیری میں سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے اور آپ کی حقانیت اور صحابہ کے رجوع الی اللہ کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے انہوں نے جسمانی قید سے مخلصی پانے کے بعد اسلام کا طوقِ غلامی گردن میں ڈال لیا اور مکہ جانے کے بجائے یہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے (ابن سعد و ابن جریر طبری)

فصل ۲۵۷۔ بدر کے میدانِ کارزار میں لشکرِ اسلام کی شاندار فتح

بدر کا محلِ وقوع

دوسرے سال کے وقائع و حوادث میں سب سے اعظم و اہم واقعہ جنگ بدر ہے جس کو غزوۂ بدر کبریٰ و بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بڑا گاؤں ہے جو راستہ سے کسی قدر پچھم کی طرف ہٹا ہوا ہے۔ نقشہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ سے ینبوع کی طرف جائیں تو تیسری منزل کا نام صفراء ہے اور صفراء سے ٹھیک جنوب کا رخ کریں تو اگلی منزل بدر کی آتی ہے۔ اور اگر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف آئیں تو پانچواں پڑاؤ بئر الشیخ ہے اور بئر الشیخ سے بجانب شمال و مغرب ینبوع کا رخ کریں تو پہلا پڑاؤ بدر ہے۔ بندرگاہ ینبوع، صفراء اور بدر نے ایک مثلث بنا رکھا ہے جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے قریباً برابر ہے۔

غزوۂ بدر تمام غزوات میں اعظم اور مہتم بالشان ہے کیونکہ اس کی بدولت دین کی عزت اور شوکت ظاہر ہوئی اور روئے اسلام تاباں ہوا۔ سورۂ انفال میں جو یوم الفرقان کا لفظ آیا ہے تو اس سے یہی جنگ بدر مراد ہے جس نے حق اور باطل میں فرق کر دیا۔ اسلام اور اہل اسلام

سربلند ہوئے اور کفر ذلیل و پامال ہوا۔

کاروان قریش کی آمد کی اطلاع

ہجرت کو انیس مہینے گزرے تھے کہ حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک عظیم الشان قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس آرہا ہے۔ یہ قافلہ ڈیڑھ ہزار اور دوسری روایت کے بموجب ڈھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا اور ان پر کوئی پانچ لاکھ درہم کا سامان لدا ہوا تھا اور قریش کے تیس چالیس یا زیادہ سے زیادہ ستر سوار اس کی نگرانی و حفاظت کے لیے ساتھ تھے۔ عمرو بن عاص اور مخرمہ بن نوفل بھی قافلہ کے ساتھ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرام سے اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کی طرف چلو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں غنیمت دلا دے۔ پس بعض حضرات تو تیار ہو کر نکلے اور اکثر بغیر کسی تیاری کے نکل کھڑے ہوئے کیونکہ انہیں لڑائی پیش آنے کا کوئی گمان نہ تھا۔

ہر چند کہ آپ نے اجتماع میں کوئی اہتمام نہ کیا تاہم تین سو سے زاید نفوس آمادۂ رفاقت ہوئے۔ آپ قافلہ کے قصد سے نکلے تھے اور یہ گمان نہ تھا کہ کسی باقاعدہ جنگ سے بھی سابقہ پڑے گا اس لیے آپ بغیر کسی جنگی تیاری کے معمولی سی جمعیت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے بلکہ بعضوں کو تو آپ کی روانگی کا علم آپ کے کوچ کے بعد ہوا۔ رفقائے سفر میں سے ہر ایک کو یقین تھا کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے وہ قافلہ کو مغلوب کرلیں گے۔ (ابن خلدون، ابن جریر طبری وغیرہما)

مقصدِ قدوم پر مزید روشنی

اس امر کا مزید اور قطعی ثبوت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار مرکز نبوت سے محض ابوسفیان کے قافلہ کی آمد سن کر نکلے تھے، لیکن سان و گمان کے خلاف لشکر قریش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے

انما خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم یرید عیر قریش حتی جمع الله بینهم و بین عدوهم علیٰ غیر میعاد (صحیح بخاری قصہ غزوۂ بدر)

اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قافلۂ قریش کے قصد سے نکلے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اور ان کے دشمنوں میں خلاف قرار داد مڈبھیڑ کر دی۔

مدینہ منورہ سے روانگی

رمضان کے اختتام میں ہنوز آٹھ دن باقی تھے کہ آپ حضرت عمرو معروف بہ عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامت نماز

پر متعین کر کے روانہ ہوئے۔ اسلامی جمعیت تین سو پانچ نفوس پر مشتمل تھی جن میں ستتر مہاجر اور باقی انصار تھے۔ اگر اُن آٹھ صحابہ کو بھی جو دوسری خدمات مفوضہ کے باعث شریک غزا نہ ہو سکے شامل کیا جائے تو غازیوں کی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اہل حق کے پاس صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ سفر میں تین تین یا زیادہ مسلمانوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا تھا۔ ایک اونٹ میں اشرف موجودات صلی اللہ علیہ وسلم، زید بن حارثہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو آپ کے دونوں ساتھی عرض پیرا ہوتے یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیے ہم پیدل چلتے ہیں تو آپ جواب دیتے کہ تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور نہ میں حصول ثواب میں تم سے کم حاجت مند ہوں (ابن سعد وغیرہ)

نابالغوں کی واپسی

بعض نابالغ بھی چلتے وقت اسلامی جمعیت کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جیسے عبداللہ بن عمرؓ، رافع بن خدیج، براء بن عازب، زید بن ثابت، اُسید بن ظہیر اور (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی) عُمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ جب ابو عنبہ کے کوئیں پر پہنچے جو مدینہ سے ایک میل کی مسافت پر ہے تو صحابہ کرامؓ یکے بعد دیگرے آپ کے ملاحظہ سے گزارے گئے۔ آپ نے نابالغوں کو دیکھا تو سب کو لوٹا دیا۔ لیکن جب عُمیر سے مراجعت کے لیے کہا گیا تو وہ رونے لگے اس لیے شفیق دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شمول کی اجازت دے دی۔ آپ نے لوا، حضرت مُصعب بن عُمیرؓ کو دیا اور رایت حضرت علی مرتضیٰؓ کے حوالے کیا۔ یہ دونوں جھنڈے مہاجروں کے تھے۔ آپ نے انصار کا رایت حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد فرمایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے انصار کو بھی ساتھ لیا ورنہ اس سے پہلے نہ تو کسی غزوہ میں کسی انصاری کو شرف ہمرہی نصیب ہوا تھا اور نہ کسی سریّہ میں کوئی انصاری بھیجا گیا تھا۔ آپ نے قیس بن صعصعہ انصاری کو اپنے ساقہ یعنی پیچھے کے اہم دستے پر جسے دُنبالہ بھی کہتے ہیں مامور فرمایا (ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن خلدون)

قافلہ کے تجسس کے لیے دو مہاجروں کی روانگی

چونکہ سیدہ رُقیّہ سلام اللہ علیہا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت علیل تھیں، آپ مدینہ سے چلتے وقت اُن کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو ان کی تیمار داری کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب ذوالعُشیرہ کے

مقام پر پہنچے تو آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو قافلہ کے تجسس کے لیے شام روانہ فرمادیا۔ وہ حُوراء کی سرزمین میں تجبار کے مقام پر پہنچے اور کشد جُہنی کے مہمان ہوئے۔ اس نے مہمانداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی لیکن قافلہ کا حال ان سے مخفی رکھا جب قافلہ وہاں سے گزرا تو دونوں بزرگوار وہاں سے نکلے۔ کشد بھی بطور بدرقہ ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کو ذوالمروہ تک پہنچا گیا۔ اب یہ مدینۃ الرسول کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کریں لیکن چونکہ ان بزرگوں کو شام سے مرکز نبوت تک پہنچنے میں زیادہ دن لگ گئے اس لیے یہ بروقت واپس نہ پہنچ سکے اور اگر پہنچ جاتے تو بھی اس اطلاع کی اب کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کی آمد معلوم کرکے قافلہ سے تعرض کرنے کا ارادہ فسخ فرما دیا تھا (ابن سعد)

ابولبابہ رضؓ کا تقرر بحیثیت حاکم مدینہ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرکز سے کوچ کرکے بمقام روحاء پہنچے جو مدینہ سے چار دن کی مسافت پر ہے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کرکے واپس بھیج دیا۔ روحاء سے آپ نے سیدھا راستہ چھوڑ کر داہنی جانب صُفراء کا رُخ کیا۔ وہاں سے قریب پہنچ کر آپ نے بُسبَس بن عمرو جُہنی کو جو بنو ساعدہ کے حلیف تھے اور عدی بن ابی الزغباء جُہنی کو جو بنو نجار کے حلیف تھے ابوسفیان بن حرب کے قافلہ کی اطلاعات بہم پہنچانے کے لیے بدر کے چشمہ کی طرف بھیج دیا۔ اب آپ نے صفراء کو بائیں طرف چھوڑ کر اس کی داہنی سمت سے ذفران نام ایک وادی کی راہ اختیار کی۔ وہاں سے گزر کر ابھی اس کا کچھ حصہ باقی تھا کہ وہیں ایک جگہ نزول فرمالیا۔ یہاں سے بدر تھوڑے فاصلہ پر تھا (ابن خلدون و ابن جریر طبری)

بُسبَس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء نے بدر کے چشمہ پر پہنچ کر ابوسفیان کے قافلہ کی نسبت ہر طرف استفسار کیا۔ وہ دونوں تحقیق حال کے بعد ذفران پہنچے اور بارگاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ! اہل قافلہ فلاں دن فلاں وقت فلاں جگہ پہنچیں گے اور ہمیں فلاں دن اور فلاں وقت ہی چشمۂ بدر پر پہنچ کر قافلہ سے ملاقی ہونا چاہیے (ابن سعد)

بدر کا راستہ چھوڑ کر ساحل بحر کا رُخ کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معروف راستوں سے چکر لگا کر اس لیے سفر کیا تھا کہ قافلہ والوں کو خبر نہ لگے مگر حسب بیان ابن سعد ابوسفیان کو شام ہی میں اطلاع مل چکی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے

پیر قافلہ کی واپسی کے لیے چشم براہ ہیں اس لیے وہ واپسی میں ہر جگہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے اور انتہائی احتیاطیں برتتے آ رہے تھے۔ جب بدر سے پہلے پڑاؤ پر پہنچے تو جاسوسوں کو ہر طرف دوڑا دیا اور خود بدر کے چشمہ پر گئے۔ اس وقت قافلے کے لُوٹے جانے کا خطرہ انہیں سخت مہیب دیو کی شکل میں بُری طرح چشم نمائی کر رہا تھا اس لیے جو کوئی بھی ملتا اس سے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نقل و حرکت کی نسبت سوال کرتے۔ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجدی بن عمرو سے پوچھا کہ کسی دشمن کی آہٹ تو نہیں سنی؟ اس نے کہا کہ مجھے اور تو کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا البتہ دو شتر سوار اس ٹیلہ کے قریب آ کر اُترے تھے۔ انہوں نے ایک پکھال میں پانی بھرا اور چلے گئے۔

ابوسفیان کا پیغام اہلِ مکہ کے نام

اب ابوسفیان اس جگہ پر آئے جہاں بَسبَس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کے اونٹ بیٹھے تھے۔ وہاں ابوسفیان کی نظر اونٹوں کی تازہ مینگنیوں پر پڑی۔ ایک مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ کہنے لگے بخدا یہ مدینہ کا چارہ ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے۔ وہ بڑی عجلت کے ساتھ قافلہ میں پہنچے اور ایک طرف تو ضمضم بن عمرو غفاری کو نہایت تیز رفتار اونٹ دے کر اس کے ہاتھ مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ قافلہ کی سلامتی خطرہ میں ہے اس کے بچانے کے لیے فوراً پہنچ جاؤ اور ساتھ ہی جھٹ بدر کا سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحل بحر کا رُخ کیا اور کنارہ سمندر کے قریب سے دو منزلے کو منزلہ کرنا شروع کیا اور آرام کیے بغیر قافلہ کو رات دن چلاتے ہوئے مسلمانوں کی دسترس سے باہر نکل گئے (ابن جریر طبری)

سیّدِ عالمؐ کی پھوپھی کا خواب

جس روز ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو مکہ معظمہ پہنچا ہے اس سے تین راتیں پہلے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی حضرت عباس بن عبد المطلب کو بلا کر کہنے لگیں بھائی! میں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا ہے جس سے میرے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ تمہاری قوم قریش پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ میں تم سے بیان کرتی ہوں لیکن کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ حضرت عباسؓ نے پوچھا تم نے کیا دیکھا ہے؟ کہنے لگیں میں نے ایک شتر سوار کو آتے دیکھا جو ابطح کے مقام پر پہنچ کر ٹھیر گیا ہے۔ پھر اس نے نہایت بلند آواز سے پکارا ہے کہ اے گروہ قریش! تین دن کے اندر اندر اپنے قتل گاہ کی طرف چل پڑو۔ اس کے بعد وہ مسجد حرام میں آیا اور وہی صدا بلند کی ہے۔ وہاں سے چل کر اپنا اونٹ کوہِ ابوقبیس کی چوٹی پر

سے چڑھا ہے اور اسی طرح مکرر آواز دی ہے۔ پھر اس نے ایک بڑا پتھر لے کر پہاڑ پر سے نیچے کی طرف لڑھکا دیا ہے اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں رہا جہاں اس پتھر کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔

مکہ میں عاتکہ کے خواب کا چرچا

حضرت عباسؓ نے یہ وحشت ناک خواب سن کر بہن کو تاکید کی کہ اس کا کہیں تذکرہ نہ کرنا۔ حضرت عباسؓ وہاں سے اٹھ کر واپس آ رہے تھے تو راستہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہو گئی جو ان کا دوست تھا اور ہمشیر کو منع کرنے کے باوجود خود اس سے خواب کا تذکرہ کر دیا۔ ولید نے گھر جا کر یہ خواب اپنے باپ عتبہ کو سنایا۔ اس نے دوسرے لوگوں سے اس کا ذکر کیا یہاں تک کہ شہر کے ہر حصہ میں اس کی خبر پہنچی اور ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔ یہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ بت پرستی اختیار کر لینے کے باوجود اہل مکہ میں دین اسمٰعیلی کے اکثر شعار چلے آتے تھے۔ انہی اسلامی طور طریقوں میں حج اور طواف کعبہ بھی داخل تھا۔ دوسرے دن حضرت عباسؓ طواف کے لیے بیت اللہ گئے تو وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ اس نے بعض عاید قریش میں بیٹھ کر اسی خواب کا قصہ چھیڑ رکھا ہے۔

ابوجہل حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ طواف سے فارغ ہو کر ذرا ہماری بات سنتے جانا۔ حضرت عباسؓ طواف کے بعد ان کے پاس جا بیٹھے۔ ابوجہل ان سے خطاب کر کے کہنے لگا اے عبدالمطلب کی اولاد! تمہارے اندر یہ نبیہ کب سے مبعوث ہوئی ہے؟ حضرت عباسؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا وہی خواب کا قضیہ ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ عاتکہ نے دیکھا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ ابوجہل سخت برافروختہ ہے حضرت عباسؓ جو ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے کہنے لگے نہیں نہیں غلط بات ہے عاتکہ نے اس قسم کا کوئی خواب نہیں دیکھا۔ ابوجہل بولا اے آل عبدالمطلب! تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا لیکن اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دم بھرنے لگی ہیں۔ عاتکہ نے بتایا ہے کہ تین دن کے اندر نکل پڑنا ہوگا پس ہم تین دن تک انتظار کرتے ہیں۔ اگر یہ بیان سچ ہوا تو خیر ورنہ ہم ہاشمیوں کے خلاف ایک نوشتہ ضبط تحریر میں لائیں گے جس کا مضمون یہ ہوگا کہ عرب بھر میں سب سے جھوٹا گھرانا بنو ہاشم کا ہے۔ حضرت عباسؓ ابوجہل کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے خواب کی اصلیت سے انکار کرتے رہے لیکن اس کی موج خشم میں سکون نہ ہوا۔ آخر وہاں سے چلے آئے۔

حضرت عباسؓ کو ہاشمی خواتین کی ملامت

دوسرے دن جو عبدالمطلب کی کوئی خاتون

ایسی نہ تھی جس نے حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر یہ شکوہ نہ کیا ہو کہ تم نے اُس فاسق سے دب کر خواب کے وجود سے انکار کیا۔ وہ کہتی تھیں کہ وہ بدبخت پہلے تو ہاشمی مَردوں ہی کے مونھ آتا تھا، اب خواتین پر بھی برسنے لگا اور حضرت عباسؓ کو ملامت کرتیں کہ اُس وقت تمہاری غیرت اور حمیت کہاں چلی گئی تھی؟ تمہیں تو چاہیئے تھا کہ اُس کی زبان درازی کا دندان شکن جواب دیتے۔" حضرت عباسؓ دن بھر ہاشمی خواتین کے سامنے معذرت کرتے رہے کہ اچھا اب تو جو ہوا سو ہوا لیکن اگر اُس نے پھر دریدہ دہنی کی جسارت کی تو اس سے سمجھ لیا جائے گا۔" غرض حضرت عباسؓ نے اپنے کنبے کی عورتوں سے بمشکل پیچھا چھوڑایا۔

اگلے دن جب کہ عاتکہ کے خواب کو تیسرا روز تھا، حضرت عباسؓ بپھرے ہوئے اس خیال سے مسجد حرام کی طرف گئے کہ اگر ابوجہل کی طرف سے کوئی ادنیٰ سی حرکت بھی سرزد ہو تو اسے اچھی طرح گوشمال کر کے گزشتہ غلطی کی تلافی کر دیں۔ ابوجہل بھی دوسری طرف سے آتا دکھائی دیا۔ وہ ابوجہل کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھے کہ پھر عاتکہ کے خواب کا تذکرہ چھیڑ کر اس کو اشتعال دلائیں اور اگر پھر اس کی زبان بگڑتی دیکھیں تو اس کی مٹی خراب کریں۔ ابوجہل دُبلا پتلا ترش رو تیز زبان اور تیز نظر شخص تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مسجد حرام کے دروازے کی طرف لپکا۔ حضرت عباسؓ نے خیال کیا کہ یہ ملعون شاید اس خوف سے بھاگا ہے کہ کہیں میں اس کو گوشمال نہ کروں حالانکہ وہ ضمضم بن عمرو غفاری کی آواز سن کر تیز گام ہوا تھا اور حضرت عباسؓ نے ضمضم کی آواز نہیں سنی تھی۔

ضمضم کا چلّانا

جب حضرت عباسؓ نے باہر نکل کر دیکھا تو ضمضم اپنے اونٹ پر اس وحشت ناک حالت میں کھڑا تھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان قطع کر دیئے تھے اور کجاوہ کا رُخ اُلٹی طرف کر دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ رکھی تھی۔ وہ اس تباہ حالت میں نہایت بلند آواز سے چلا رہا تھا کہ اے گروہ قریش! غضب ہو گیا۔ تمہارا جو مال تجارت شام سے آ رہا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس سے تعرض کرنے والے ہیں۔ فوراً چلو اور اسے مسلمانوں کی دستبرد سے بچاؤ مگر امید نہیں کہ تم بر وقت پہنچ سکو۔ الغیاث الغیاث۔

مکّہ میں کھلبلی

اس خبر سے مکہ میں کھلبلی مچ گئی۔ ابوجہل سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اے لوگو! ہاں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے

ساتھی یہ سمجھے ہوں گے کہ قافلہ کی کوئی پشت و پناہ نہیں اور گمان کیا ہوگا کہ وہ اس قافلہ کو بھی اسی طرح بآسانی غارت کریں گے جس طرح انہوں نے ابن حضرمی کی جماعت کو لوٹ لیا تھا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ واللہ! ابھی چل کر مزاج ٹھکانے لگا دیں گے۔ غرض ضمضم کی اطلاع پر مکہ میں ہلچل مچ گئی اور آیندہ واقعہ یعنی غزوۂ بدر نے دکھا دیا کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب حرف بحرف سچا تھا (ابن جریر طبری)

ضمضم غفاری کا بیان ہے کہ جب میں ابوسفیان سے رخصت ہوکر راہیٔ مکہ ہوا تھا تو راستہ میں ایک جگہ میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اونٹ پر سوار ہوں اور تمام وادی خون سے بھری ہوئی بہ رہی ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو جان لیا کہ قریش پر کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب ضمضم نے یہ خواب بیان کیا تو بنو ہاشم اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ عاتکہ کے خواب کی تصدیق کرتا تھا۔

اہل مکہ کی روانگی بجانب بدر

مکہ کا کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جس کا سرمایہ اس قافلہ میں نہ لگا ہو۔ ہر شخص یا تو بذات خود جا رہا تھا یا کسی دوسرے کو تیاری میں مدد دے رہا تھا۔ ابوجہل کعبۂ معلیٰ کی چھت پر چڑھ کر پکارنے لگا کہ اے اہل مکہ! جلد روانہ ہوکر اپنے کاروان کی خبر لو اور اپنے اموال کو بچاؤ۔ اگر اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم سے پہلے قافلہ کو جا لیا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! کوئی شخص جانے میں کوتاہی نہ کرے۔ منادی کرا دی گئی کہ جو شخص پیچھے رہ جائے گا اس کا گھر منہدم کرکے اس کو قید کر دیا جائے گا۔ البتہ ابولہب عاید قریش کی اجازت سے مکہ میں رہ گیا۔ عاص بن ہشام بن مغیرہ کے ذمے ابولہب کا چار ہزار درہم قرض تھا اور وہ اس کی ادائی سے معذور ہوگیا تھا۔ ابولہب نے عاص کو اس رقم کے عوض میں اپنی جگہ بھیج دیا۔ الغرض قریش ہزار سے زاید تعداد میں سر دھڑ کی بازی لگا کر بڑے کر و فر، غرور و تکبر، ساز و سامان اور آلات ملاہی کے ساتھ روانہ ہوگئے (مدارج)

امیّہ بن خلف کے قتل کی پیش گوئی

مشہور عدوئے اسلام امیّہ بن خلف نہیں چاہتا تھا کہ مکہ سے قدم باہر رکھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبل از بعثت سے یہ حضرت سعد بن معاذ انصاری رئیس اوس رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد مدینہ سے مکہ معظمہ کو آئے اور امیّہ کے مکان پر ٹھیرے۔ ایک دن وہ امیّہ کے

ساتھ طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ اتنے میں ابوجہل وہاں آیا اور چلا کر امیّہ سے کہا تم ان لوگوں سے کیوں اخلاص و محبت کا سلوک کرتے ہو جنہوں نے ایسے شخص (رسول اللہ) کو پناہ دی ہے جس نے دین کو بدل ڈالا؟ حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر ابوجہل سے کہا کہ اگر تم ہمارے لیے یہاں آنے کی بندش کر دو گے تو ہم ایسی جگہ تمہارے مزاحم ہوں گے جہاں کی مزاحمت تمہارے لیے بڑی مشکلات پیدا کر دے گی۔ اس سے حضرت سعدؓ کی مراد سفر شام تھا کہ قریش مدینہ کی راہ سے وہاں بغرض تجارت جایا کرتے تھے۔ امیّہ حضرت سعدؓ سے کہنے لگا کہ ان (ابوجہل) سے سختی نہ کرو کیونکہ یہ یہاں کے سردار ہیں۔" حضرت سعدؓ نے جواب دیا میں نے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ابوجہل ہی اُمیّہ کے قتل کا باعث ہو گا۔ جب اُمیّہ نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سنی تو سخت گھبرایا کیونکہ قریش کو آپ کی پیش گوئیوں کی صداقت کا دل سے اعتراف تھا اور وہ اس بات کا آغاز بعثت سے برابر تجربہ کرتے آ رہے تھے کہ آپ کی ہر اطلاع بے کم و کاست صحیح نکلتی ہے۔

بدر جانے سے اُمیّہ کی پہلوتہی

غزوۂ بدر کی تیاری کے وقت اُمیّہ بن خلف لیت و لعل کرنے لگا۔ جب ابوجہل کو اس کے اعراض و انکار کا حال معلوم ہوا تو عُقبہ بن ابی مُعیط سے مشورہ کیا اور دونوں صلاح کر کے اس کے پاس پہنچے۔ اُمیّہ ایک معزز شیخ اور جسیم آدمی تھا۔ ابوجہل اس سے کہنے لگا ابو صفوان! مجھے تمہارے تخلّف کا حال معلوم کر کے سخت صدمہ پہنچا ہے کیونکہ تم اہل وادی کے سردار ہو۔ جب لوگوں کو معلوم ہو گا کہ تم نہیں جا رہے ہو تو دوسرے لوگ بھی جانے سے انکار کر دیں گے۔" مگر چونکہ اُمیّہ کو خوف تھا کہ مبادا حضرت سعدؓ کا بیان اس تصادم میں پورا ہو جائے، وہ حیلے حوالے کرنے لگا۔ ابوجہل بولا میں تمہارے لیے ایک سرمہ دانی لایا ہوں تاکہ عورتوں کی طرح سنگار کر کے خانہ نشین رہو۔ اگر تم مرد ہوتے تو تمہیں جانے سے انکار نہ ہوتا۔ اب عقبہ ایک آتش دان جس میں آگ اور جلانے کے مصالحے تھے اُمیّہ کے سامنے رکھ کر کہنے لگا اے ابو صفوان! تم گھر میں بیٹھے آگ جلاتے رہو کیونکہ تم عورت ہو اور عورتوں کا کام گھر میں بیٹھ کر کھانا پکانا ہے۔ اُمیّہ نے کہا اللہ تم دونوں کا اور تمہاری سرمہ دانی اور آتش دان کا بُرا کرے مجھے جانے پر مجبور نہ کرو۔" لیکن وہ طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت سے باز نہ آئے یہاں تک کہ اُمیّہ کے لیے جانے سے کوئی مفر نہ رہا۔ جب روانگی کے وقت اس کی جورو نے حضرت سعدؓ کا مقولہ یاد دلایا تو اس سے وعدہ کیا کہ جس طرح بن پڑے

میں دو تین دن کے اندر واپس آجاؤں گا۔ دوران سفر میں ہر وقت اس کی یہی کوشش رہی کہ کوئی موقع ملے تو لشکر سے علیحدہ ہو کر کھسک جائے لیکن فرار کا کوئی موقع نہ ملا اور آیندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ بدر پہنچ کر وہ میدان جانستاں میں نذرِ اجل ہو گیا (تاریخ طبری، مدارج وغیرہما)

عداسؓ کا عتبہ اور شیبہ کو جانے سے روکنا

نینوا کے عیسائی غلام عداس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر زیب قرطاس ہو چکا ہے۔ عداس ؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور شرف ایمان سے سرفراز ہوئے تھے۔

جب معرکۂ بدر پیش آیا تو اُن کے آقا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ عداس ؓ ان سے کہنے لگے کہ اللہ کے رسول سے مقابلہ کا خیال تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ اس قصد سے باز آؤ کیونکہ یہ سفر کسی طرح مُثمرِ خیر نہیں دکھائی دیتا۔

مشرکینِ عرب نے پانسوں کی جگہ تیر بنا رکھے تھے اور ان سے طرح طرح پر جوا کھیلتے تھے مثلاً دس آدمیوں نے مل کر اونٹ ذبح کیا تو ان کی تقسیم ان تیروں ہی کے ذریعہ سے ہوتی تھی کسی تیر پر آدھا، کسی پہ پاؤ اور کسی پر چھٹا حصہ وغیرہ لکھا ہوتا تھا اور کوئی تیر خالی ہوتا تھا۔ پھر پانسہ ڈال کر جو تیر جس کے نام آتا وہی حصہ اس کو ملتا اور جس کے پاس خالی تیر جاتا اس کو کچھ حصہ نہ ملتا تھا۔

جب عداس نے بالحاح تمام ان کو رسول خدا کے مقابلہ پر جانے سے منع کیا اور ان کی منت وسماجت حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے اپنی عادت مستمرہ کے بموجب تیروں کی تقسیم سے معلوم کرنا چاہا کہ وہاں جانا چاہیئے یا نہیں۔ اس جاہلی طریق عمل نے بھی ان کو جانے سے منع کیا اور انہوں نے روانگی کا ارادہ فسخ بھی کر دیا لیکن ابوجہل نے ان دونوں بھائیوں کا اُس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر انہیں چلنے پر آمادہ نہ کر لیا۔ ابوجہل بولا خدا کی قسم! ہم بدر جانے سے کسی طرح نہیں رُک سکتے۔ ہم لڑائی جیت کر وہاں تین دن تک جشن منائیں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے۔ شراب نوشی کریں گے۔ گانا سنیں گے اور خوب رنگ رلیاں منائیں گے تاکہ ہماری عظمت وشوکت کا آوازہ اطراف واکناف عرب میں منتشر ہو اور پھر ملک کا ہر طبقہ اور ہر گروہ ہم سے خائف و مرعوب رہے (مدارج)

عداس ؓ کا مکرر امتناع

جب عداس نے دیکھا کہ ابوجہل نے ان کو دوبارہ جانے پر

آمادہ کر لیا ہے تو وہ لشکر کی روانگی کے وقت ثنیۃ البیضاء میں جا کر بیٹھ گئے۔ لوگ ان کے آگے سے گزر گزر کر جا رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے آقاؤں عتبہ اور شیبہ کو جاتے دیکھا تو بڑی تیزی سے بڑھے اور ان دونوں کے پاؤں پکڑ کر بولے خدا کی قسم! جس برگزیدۂ خلق کے مقابلہ میں آپ حضرات جا رہے ہیں وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ دونوں بالیقین اپنے مقتل کو جا رہے ہیں اس لیے میری مکرر درخواست ہے کہ آپ اس سفر سے باز رہیں اور نہنگِ ہلاک کے مونھ میں نہ جائیں۔ مگر چونکہ موت ان کے سر پر منڈلا رہی تھی انہوں نے تمام ہمدردانہ التجاؤں کو ٹھکرا دیا اور چلے گئے۔ جب عاص بن شیبہ وہاں سے گزرا تو عداسؓ کو روتے پایا۔ اس نے پوچھا رونے کی کیا وجہ ہے؟ بولے میرے دونوں آقا جو اس وادی کے سردار ہیں اللہ کے رسولؐ سے لڑنے گئے ہیں اور میرے منع کرنے سے باز نہیں آئے۔ عاص نے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی خدا کے پیغمبر ہیں؟ عداسؓ نے ایک سرد آہ بھری اور کہا واللہ باللہ! وہ اللہ کے فرستادہ ہیں جو کافۂ انام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جو کوئی ان سے برسر مخالفت ہوگا اسے خسرانِ ابدی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا (اصابہ)

مشہور اعدائے دین کی ہلاکت کا رویائے صادقہ

جب لشکر قریش نے مکہ سے چل کر جحفہ کی منزل پر مقام کیا تو وہاں جہم بن صلت بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر بیٹھا آ رہا ہے اور اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے۔ اس نے کہا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف اور فلاں فلاں اشخاص قتل کر دیے گئے (اور اس نے قریش کے ان تمام سرداروں اور رئیسوں کے نام لیے جو جنگ بدر میں قتل ہونے والے تھے) اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس گھڑ چڑھے نے اپنے اونٹ کے گلے میں چھری مار دی ہے اور اسے فرودگاہ میں ہانک دیا ہے اور لشکر قریش کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ خواب کا یہ واقعہ سن کر ابوجہل آپے سے باہر ہو گیا اور بولا کہ مطلب کے خاندان میں ایک اور پیغمبر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ لیکن ذرا مقابلہ ہونے دو۔ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون مارا جاتا ہے (ابن جریر طبری)

ابوجہل کا مراجعت سے انکار

جب قریش کا قافلہ مزعومہ خطرے کے مقام سے نکل گیا تو ابوسفیان نے قیس بن امری کے ہاتھ قریش کے پا

پیغام بھیجا کہ قافلہ صحیح و سلامت نکل آیا ہے۔ تم لوگ اپنے مال و متاع کی حفاظت کے لیے نکلے تھے سو وہ بالکل محفوظ ہے۔ اب تم مکہ واپس جاؤ مگر قریش نے واپس جانے سے انکار کیا (ابن سعد) کیونکہ کاروان کی حفاظت تو محض ضمنی اور ہنگامی چیز تھی۔ قریش کا اصل مقصد تو خدا نخواستہ اسلام کا استیصال تھا۔ ابوجہل کہنے لگا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محاربہ سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتے۔ واللہ! ہم ضرور بدر جائیں گے۔ مسلمانوں کا قصہ پاک کر کے وہاں تین دن تک قیام کریں گے۔ جانور ذبح کریں گے۔ دعوتیں اڑائیں گے۔ شراب پئیں گے۔ مغنیہ عورتوں کے ناچ گانے اور نغمہ و سرود سے لذت اندوز ہوں گے اور جب عربوں کو ہمارے اس جشن کی اطلاع ہو گی تو ہمیشہ کے لیے ہم سے مرعوب ہو جائیں گے اور کسی کو ہمارے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ رہے گی (محمد بن جریر طبری) لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ تین سو پانچ بے سرو سامان آدمی ہی برسر مقابلہ ہو کر ان کے پرخچے اڑا دیں گے اور ان کے تمام منصوبے خاک نامرادی میں دفن ہو جائیں گے۔

بنو زہرہ اور بنو عدی کی واپسی

ابوجہل کی لاف زنی سن کر اخنس بن شریق ثقفی بنو زہرہ کے حلیف نے قریش سے کہا کہ اللہ نے تمہارے مال و متاع کو بچا لیا ہے اور تمہارے عزیز مخرمہ بن نوفل کو دشمن کی گرفت سے نجات دے دی ہے۔ تم انہی دونوں کی حفاظت کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ یہ دونوں مقصد پورے ہو گئے۔ اب آگے جانا بالکل بیکار ہے۔ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے جو کچھ کہا ہے اس پر اعتبار نہ کرو۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اپنے گھروں کو واپس چلو اور نامردی کی ذمہ داری چاہو تو مجھ پر عائد کر دینا چونکہ تمام بنو زہرہ اخنس بن شریق کے فرمانبردار تھے جحفہ سے مکہ کو واپس ہو گئے۔ ان میں سے ایک متنفس نے بھی بدر کا رخ نہ کیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو عدی بن کعب بھی جحفہ سے پلٹ پڑا۔ ان میں سے ایک شخص بھی آگے نہ بڑھا (ابن جریر) واپس آنے والے بنو عدی کی تعداد تو معلوم نہیں لیکن بنو زہرہ جو راستہ سے لوٹ آئے ان کی تعداد سو تھی اور بعض نے تین سو بتائی ہے (محمد بن سعد)

طالب کی مراجعت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سب سے بڑے بھائی طالب بن ابوطالب بھی دوسرے ہاشمیوں کی طرح قریش کے ساتھ آئے تھے۔ قریش کے کسی شخص سے ان کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دوران گفتگو میں وہ شخص طالب سے کہنے لگا۔ بخدا!

ہم خوب جانتے ہیں کہ تم بنو ہاشم گو ہمارے ساتھ چلے آئے ہو مگر دل سے تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو۔ یہ سن کر طالب نے بھی دوسرے لوگوں کے ہمراہ مکہ کو مراجعت کی۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ طالب بن ابوطالب مشرکوں کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ ہو لیے تھے مگر حیرت کی بات ہے کہ نہ تو وہ مکہ معظمہ پہنچے۔ نہ بدر کے قیدیوں میں ان کا پتہ چلا اور نہ مقتولین میں ان کی لاش ملی۔ خدا جانے کہاں مفقود ہو گئے۔ جحفہ سے واپسی کے بعد کبھی ان کا کوئی نشان نہ ملا۔ وہ شاعر بھی تھے (ابن جریر طبری)

قافلہ کو نظر انداز کرنے میں رسولِ برحق کی مآل اندیشی

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ذفران میں فروکش ہوئے ہیں تو اس وقت آپ کو کاروانِ قریش کا کوئی حال معلوم نہ تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد آپ کو بذریعہ وحیٔ الٰہی معلوم ہوا کہ قریش اپنے کارواں کی حفاظت کے لیے مکہ سے چل پڑے ہیں اور حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو دشمن کے دو گروہوں (قافلہ اور لشکر) میں سے ایک گروہ پر غلبہ دیا جائے گا۔ پس آپ نے اپنے جان نثاروں سے لشکر قریش کی روانگی کا ذکر کر کے صلاح پوچھی کہ قافلہ سے تعرض کیا جائے یا لشکر سے مقابلہ کریں؟ مسلمانوں کی جمعیت کم تھی اور اسلحہ کا بھی فقدان تھا اور لڑائی کے لیے کوئی بھی تیار ہو کر نہیں آیا تھا اس لیے اکثر نے یہ رائے دی کہ قافلہ کا تعاقب کرنا چاہیئے۔

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ اگر لشکر اسلام قافلہ پر غالب آ کر مالِ غنیمت سے بہرہ مند ہوتا تو پھر قریش کی فوجی قوت کے سامنے مغلوب ہو جاتا کیونکہ خدائے ذوالجلال نے دو گروہوں میں سے ایک ہی پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ایسی حالت میں جمعیتِ اسلام کو سخت نقصان پہنچنے اور ہزیمت اٹھانے کا خدشہ تھا اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل دوراندیش اس حقیقت کو بھانپ گئی تھی اس لیے آپ کا رجحان طبع یہ تھا کہ قافلہ سے تعرض کرنے کے بجائے قریش کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ جب آپ نے اپنا خیال ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ جو حقیقتِ حال سے بے خبر تھے کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے مدینہ سے چلتے وقت صرف قافلہ سے تعرض کرنے کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ قریش کے لشکر سے مقابلہ ہوگا۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ لڑائی کے لیے جا رہے ہیں تو ہم اس کے لیے تیار ہو کر اور مسلح ہو کر آتے۔ یا رسول اللہ! مناسب یہی ہے کہ آپ رزم و قتال کا خیال

چھوڑ کر کارواں کا تعاقب کیجئے (ابن جریر طبری)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ایک غلط فہمی کا دور کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں :-

عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں :-

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (۸: ۵-۷)

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔ اور اللہ کی مرضی یہ تھی کہ اپنے حکم سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے۔

یہ آیتیں اور ان کا ترجمہ درج کرنے کے بعد حضرت علامہ موصوف لکھتے ہیں :-

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے مونہہ میں جاتا ہے۔

(۲) مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے۔ ایک غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ یعنی ابوسفیان کا کاروانِ تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا (الفاروق حصہ اول صفحہ ۳۸)

روانگی کے وقت قریش کے چڑھ آنے کا کوئی گمان نہ تھا

اس کی نسبت گزارش ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کی وحی مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے نہیں ہوئی تھی بلکہ مدینہ سے روانگی کے بعد حالت

سفر میں اس کا نزول ہوا تھا (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ ص ۱۱۸) مدینہ مطہرہ سے نکلتے وقت کسی مسلمان نے لڑائی سے جی نہیں چرایا تھا بلکہ جب ان نہتوں کو حالت سفر میں معلوم ہوا کہ لشکر قریش سے مقابلہ ہوگا تو اپنی بے سروسامانی کا لحاظ کرکے ضرور وحشت زدہ ہو گئے تھے

دوسری التماس یہ ہے کہ جس وقت سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے نکلے ہیں تو اس وقت دوسرے گروہ یعنی قریش کے لشکر کا کہیں وجود نہ تھا بلکہ آپ کے مدینہ چھوڑنے کے چند روز بعد جب مکہ معظمہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ان کے کاروان سے تعرض کرنے والے ہیں تو اس وقت ابوجہل لشکر مرتب کرکے بدر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

لڑائی سے اعراض محض طبعی کراہیت کا نتیجہ تھا

آیت کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کو لڑائی سے کراہیت گو دوران کی منزل میں پہنچنے کے بعد ہوئی لیکن آیت میں مجموعۂ زمان کو شئے واحد قرار دیا گیا یا حال مقدر کہا جائے۔ اور كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ کو اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے قتل ہو جانے کے گمان پر لڑائی سے جو کراہیت تھی وہ محض طبعی تھی۔ عقلی اور اعتقادی نہیں تھی۔ اسی طرح اہتمام مشورہ کو مجازاً جدال فرما دیا گیا۔

علامہ شبلی مرحوم اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے مونھ میں جانا خیال نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اگر آنحضرتؐ قافلہ کے لوٹنے کے لیے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے مونھ میں جانا سمجھتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۲۹)

قافلہ پر قابو پانے کے لیے تین سو کی جمعیت

اس کے متعلق گزارش ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کسی اہتمام اور ساز و سامان سے نہیں نکلے تھے بلکہ دشمن کے قافلہ کے محض چالیس یا ستر شتر سوار آپ کے پیش نظر تھے۔ اس لیے وقت پر جتنے جان نثار اپنی خوشی سے نکلے آپ نے ان کو ساتھ لے لیا۔ ایک روایت میں شام سے واپس آنے والے قافلہ کے اونٹوں کی تعداد ڈھائی ہزار بتائی گئی ہے پس ڈھائی ہزار اونٹوں، پانچ لاکھ کے سامان اور چالیس یا ستر سواروں کو اتنی بعید مسافت

سے مغلوب کر کے مختلف آبادیوں میں سے ہوتے ہوئے مدینہ لانے کے لیے تین سو آدمیوں کی جمعیت کچھ بھی زیادہ نہ تھی خصوصاً اس خدشہ کی موجودگی میں کہ قافلہ کی امداد کے لیے کہیں سے کوئی کمک نہ پہنچ جائے۔

دشمن کو سزا دینے کے لیے معاشی دباؤ کی ضرورت

اصل میں علامہ شبلی مرحوم نے عیسائی معترضین کے اعتراض سے بچنے کے لیے آیت قرآنی کی بے محل آڑ لی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایک طرف تو جرم نا آشنا صحابہ پر سالہا سال تک قریش کا بے پناہ ظلم توڑنا اور پھر انہیں جلاے وطن پر مجبور کرنا اور ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جایدادیں ہتیا لینا اور پھر ان کے دار الہجرت میں بھی یہ ناپاک کوشش جاری رکھنا کہ ان فلاکت زدہ تارکینِ وطن کو کہیں پناہ نہ دے یہ سب غیر انسانی اقدامات اس قابل تھے کہ جن پر جتنی سزا ان کو دی جاتی کم تھی۔ قریش کا مزاج درست کرنے کا قرار واقعی علاج یہی تھا کہ ان کی شامی تجارت کا سلسلہ مسدود کر کے ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے۔ اس بندش و مزاحمت کو اسی صورت میں ڈاکہ سے تعبیر کر سکتے تھے جبکہ اہل مکہ بے گناہ ہوتے اور لوٹنے والے اربابِ حکومت کی بجائے عام درندہ صفت غارتگر ہوتے۔ حاکمانہ اقتدار کو ہمیشہ اس بات کا حق حاصل ہے کہ کسی دوسری برسر اقتدار جماعت کو جس نے جور و جفا کو شعار بنا رکھا ہو جانی اور مالی نقصان پہنچا کر سزا دے۔ اس اقدام کو ڈاکہ وہی قرار دے گا جس نے کسی غیر انسانی ماحول یا غول بیابانی میں پرورش پائی ہو۔

اوپر لکھا گیا تھا کہ اکثر صحابہؓ نے اپنی بے سر و سامانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ قریش کی عسکری جمعیت سے معرکہ آرا ہونے کا خیال ترک کر کے ان کے کاروان کا پیچھا کریں کیونکہ مصاف آرائی کی صورت میں وہ اپنے آپ کو اس مصرع کا مصداق پاتے تھے ؏

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بے سر و سامان صحابہ کے فتح پانے کی توقع

لیکن حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدۂ خداوندی کے پیش نظر اس حقیقت کا پورا احساس تھا کہ اگر کاروان کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر مسلمان لشکر قریش کے مقابلہ میں غیر مسلح اور بے سر و سامان ہونے کے باوجود یقیناً مظفر و منصور رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کاروان کا خیال چھوڑ کر

لشکر قریش سے رزم خواہ ہوئے تو اسلام غالب اور کفر مغلوب ہو گیا اور ہر طرف دینِ حق کی عظمت کا ڈنکہ بجنے لگا۔ یہ کامیابی کاروان سے غنیمت حاصل کرنے کی صورت میں ہرگز میسر نہ آتی بلکہ اس کے بعد لشکر قریش سے مغلوب ہو جانے میں لینے کے دینے پڑ جاتے۔ اس کی بدیہی مثال یہ ہے کہ معرکۂ بدر میں مسلمانوں نے مغلوب دشمن کے اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو پھر اُحد میں اس کا بُری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا۔

شیخینؓ اور مقدادؓ کی ولولہ انگیز تقریریں

الغرض جب اصحاب کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے اپنے غیر مسلح اور بے سروسامان ہونے کی بنا پر اسی خواہش کا اظہار کیا کہ قافلہ کا تعاقب کیا جائے تو یہ امر آپ پر شاق گزرا۔ جب جلیل القدر صحابہ کو حضورِ انورؐ کی مرضیٔ مبارک کا احساس ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے پُر زور تقریریں کر کے آپ کے رجحانِ طبع کے مطابق سب کو سپاہِ قریش کے خلاف جنگ آزما ہونے کی ترغیب دی۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی حمایت و جاں نثاری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اپنی پرجوش تقریر میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ اعاظم قریش ہیں۔ جب سے انہوں نے عزت پائی ذلت سے کبھی سابقہ نہیں پڑا اور جب سے ظلمت کفر میں پڑے نور ایمان سے روشناس نہیں ہوئے۔ یہ آپ سے یقیناً لڑیں گے۔ اس لیے ضرور ہے کہ ان کی اچھی طرح سرکوبی کی جائے۔ اس کے لیے ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ان دونوں حضرات نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جاں نثاری کا اظہار کیا اس نے یک بیک تمام جاں نثاروں کے جذبات سرفروشی و جاں سپاری میں ہیجان پیدا کر دیا (ابن جریر طبری)

ان دونوں کے بعد حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم قوم موسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا خود ہی جا کر لڑ لو۔ ہم حضور کے داہنے بائیں آگے اور پیچھے جاں نثاری کے جوہر دکھائیں گے (بخاری)

انصار کی مرضی معلوم کرنے کی خواہش

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب دوسرے حضرات اپنی رائے ظاہر کریں اور مشورہ دیں۔ اس ارشاد کا منشا انصار کی مرضی معلوم کرنا تھا کیونکہ انصار نے جب مکہ معظمہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو گا تو انصار آپ

ساتھ دیں گے اور یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کی حمایت میں شہر سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال موج زن ہوا کہ شاید انصار مدینہ میں حملہ آوروں کی مدافعت کے علا[illegible] اور حالات میں آپ کی نصرت کو ضروری نہ خیال کرتے ہوں اور سمجھتے ہوں کہ آپ کے ساتھ ہو کر کسی بیرونی دشمن کے مقابلہ میں اپنے گھروں سے باہر جانا ان کے فرائض حق میں داخل نہیں اس لیے جب آپ نے یہ فرمایا کہ اب دوسرے حضرات مشورہ دیں تو حضرت سعد بن معاذ انصاری رئیس اوس رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا کا منشا ہماری مرضی معلوم کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

سمندر میں گھوڑے ڈال دینے پر آمادگی

انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ آپ کی اطاعت و فرمان برداری کے لیے آپ سے عہد و پیمان کیے اس لیے جو بھی مرضی مبارک میں ہو وہ کیجیے ہم ہر طرح اطاعت کریں گے۔ انصار کا ایک متنفس بھی پیچھے نہ رہے گا جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ انصار کس طرح لڑائی میں ثابت قدم رہتے اور دادِ مردانگی دیتے ہیں اور عجب نہیں کہ حق تعالیٰ آپ کو ہماری بدولت ایسی مسرت عطا کرے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس آپ خدا کا نام لے کر ہماری رفاقت میں پیش قدمی فرمائیے (ابن جریر)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈال دینے کا حکم دیں گے تو بھی ہم بلا تأمل اس کی تعمیل کریں گے اور اگر برک الغماد (واقع ملک حبشہ) جیسے بعید مقامات تک سواریاں لے جانے کے لیے ارشاد ہوگا تو اس میں بھی کسی جان نثار کو عذر نہ ہوگا (صحیح مسلم)

اس پرجوش اظہارِ فدویت سے آپ اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا (صحیح بخاری باب غزوۂ بدر)

صحابہ کو بشارتِ فتح

آپ نے فرمایا کہ اب اللہ کی برکت کے ساتھ چلو اور تم کو بشارت ہو کہ تم کو یقیناً فتح ہوگی کیونکہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ قریش کے دو گروہوں میں سے ایک ضرور ہمارے ہاتھ لگے گا اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن بے دریغ قتل ہوگا (ابن جریر طبری)

قرآن حکیم (سورۂ انفال کی ساتویں آیت) میں اس واقعہ کا ان الفاظ میں اجمالی تذکرہ

ہے۔ اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کی نسبت وعدہ کیا تھا کہ اس کو مغلوب کر دگے اور تمہاری یہ خواہش تھی کہ غیر مسلح جماعت (قافلہ) تمہارے ہاتھ آئے مگر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا عملاً ثابت کر دے اور منکروں کی بیخ و بن اُکھاڑ دے۔

دفران سے روانگی

اب آپ وادیٔ دفران سے روانہ ہوئے اور بدر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوّام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو دشمن کی نقل و حرکت کا حال معلوم کرنے کے لیے بدر کے چشمہ کو بھیجا۔ یہاں انہیں قریش کے دو سقّے ملے۔ یہ ان دونوں کو ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز نفل پڑھ رہے تھے۔

سقّوں سے استفسار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت پا کر سقّوں سے پوچھا کہ اس وقت قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے ریت کے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے پیچھے۔ اس ٹیلے کا نام عقنقل تھا۔ آپ نے پوچھا لشکر کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا صحیح تعداد تو ہم نہیں جانتے البتہ بڑی تعداد میں ہیں۔ آپ نے پوچھا کتنے اونٹ روزانہ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے (ابن سعد و ابن جریر طبری)

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ عمایدِ قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ انہوں نے کہا عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، عَمرو بن ہشام (معروف بہ ابوجہل)، اُمیّہ بن خلف، نوفل بن خویلد، سُہیل بن عَمرو، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، عَمرو بن عبدوُد۔" یہ نام سن کر آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ دیکھو مکّہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں۔ (طبری)

حضرت حُبابؓ کے مشورہ کی آسمانی تائید

بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے جس جگہ ڈیرہ ڈالا وہ جگہ حضرت حُباب بن منذر بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ کی نظر میں ناموزوں تھی۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ اس مقام پر اللہ تعالیٰ

کے حکم سے فروکش ہوئے ہیں یا اپنی ذاتی رائے سے؟ اگر حکم الٰہی ہے تو کسی کو چون و چرا کی گنجایش نہیں۔ ہم اس سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور اگر یہ حضور کی ذاتی رائے ہے تو یہ جگہ پڑاؤ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہم کو پانی کے پاس اترنا چاہیئے۔ میں اس سرزمین کے کنوؤں سے واقف ہوں۔ مجھے میٹھے پانی کا ایک ایسا کنواں معلوم ہے جس کا جتنا پانی بھی نکالا جائے اس میں کمی نہیں آتی۔ مناسب یہ ہے کہ اس کنوئیں پر قبضہ کرکے اس پر ایک حوض تیار کر لیا جائے اور اس کے پیچھے جتنے کنوئیں ہیں ان کو بھی اپنے حیطۂ تصرف میں لے لیا جائے۔ اس تدبیر سے ہمارے اندر تو پانی کی قلت نہ ہوگی اور دشمن شدت تشنگی سے پریشان ہو جائے گا۔ جب حُباب رضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دے رہے تھے تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ سے فرمایا کہ حباب بن مُنذر رضہ نے جو صلاح دی ہے وہ صحیح ہے (ابن سعد)

آپ نے حضرت حباب سے فرمایا کہ تمہاری رائے صائب ہے چنانچہ آپ نے تمام صحابہ کو ساتھ لے کر اس مقام سے کوچ کیا اور حضرت حباب کی نشان دہی پر اس کنوئیں پر آئے جو قریش کے قریب تر واقع تھا۔ وہاں پڑاؤ کیا۔ آپ نے اپنے کنوئیں پر ایک حوض بنوایا اور اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ پھر صحابہ نے اس میں برتن ڈال دیے (ابن جریر، ابن سعد)

لشکرِ قریش کی تعداد اور ساز و سامان

قریش جب مکہ سے چلے ہیں تو ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کچھ کم تھی۔ ان میں سے کثیر التعداد افراد راستہ سے واپس چلے گئے تھے۔ جب وہ بدر پہنچے ہیں تو اس وقت ان کی فوج میں ساڑھے نو سو جوان، سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ ان کے تین جھنڈے تھے۔ ایک حضرت مُصعب بن عُمیر رضہ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کے ہاتھ میں تھا اور دوسرے نضر بن حارث کے ہاتھ میں۔ لشکر کا ہر جوان پوری طرح مسلح تھا اور نہ صرف تمام سوار بلکہ قریب قریب سارے پیادے بھی زرہ پوش تھے۔ مغنیہ عورتیں اور آلات طرب بھی ساتھ تھے۔ یہ لوگ راستہ میں جہاں کہیں قیام کرتے لونڈیاں اور طوائفیں گا کر داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہلِ لشکر کو خوب مشتعل کرتیں اور اہل توحید پر زبان طعن دراز کی جاتی۔ صنادید قریش میں سے ہر ایک باری باری ساری فوج کے لیے کھانا مہیا کرتا۔ ہر روز نو دس اونٹ ذبح کیے جاتے (ابن سعد)

جب قریش کا لشکر خفاف بن ایما غفاری کے پاس سے گزرا تو اس نے اپنے بیٹے

کے ہاتھ کچھ اونٹ بطور دعوت ان کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اگر چاہو تو اسلحہ اور سپاہ سے بھی مدد کروں۔ مگر قریش نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ جہاں تک عزیز داری کا حق تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ اگر ہمارا مقابلہ انسانوں سے ہے تو ہم کسی طرح دشمن کے مقابلہ میں کمزور نہیں ہیں اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ادّعا کے بموجب ہم خدا سے لڑنے جا رہے ہیں تو اللہ کے مقابلہ میں کسی کی بھی کچھ پیش نہیں جا سکتی (ابن جریر طبری)

مسلمانوں اور قریش کی فرودگاہیں

قریش بدر پہنچنے کے بعد وادی کے کنارے عقنقل ٹیلہ کے پیچھے فروکش ہوئے تھے۔ لشکر اسلام نے وادی کی دوسری طرف نزول فرمایا۔ قرآن پاک میں دونوں لشکرگاہوں کا ان الفاظ میں ذکر آیا ہے۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی۔ عُدوہ بمعنی شطِ وادی ہے اور دنیا (دُنو سے) یعنی مدینہ سے قریب ہے اور قصویٰ سے مراد مدینہ سے بعید ہے۔ پس مسلمانوں کا نزول عُدوۂ دنیا میں بجانب مدینہ تھا اور اہل شرک کا قیام عدوۂ قصویٰ میں بجانب مکہ تھا۔ جب آنحضرتؐ نے ان کو عقنقل کی طرف بڑھتے دیکھا تو مالک الملک عز اسمہٗ سے التجا کی اے خداوند! یہ قریش غرور و نخوت کے ساتھ تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے آ گئے ہیں۔ تو نے مجھ سے نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے اُسے پورا کر اور آج ہی ان کو پامال کر کے ان کے کبر و غرور کا خاتمہ کر دے (ابن جریر)

بدر میں اپنے اور پرائے کی شناخت کے لیے مہاجروں کا شعار یا بنی عبدالرحمن اور خزرج کا یا بنی عبداللہ اور اوس کا یا بنی عبیداللہ مقرر کیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں کا شعار یا منصور اَمِتْ تھا (محمد بن سعد) لفظ اَمِتْ اِماتت سے امر کا صیغہ ہے یعنی اے اللہ! دشمنوں کو مار اور ہلاک کر۔

معلوم ہو کہ مسلمانوں نے وادی کے جس رُخ پر بجانب مدینہ قیام کیا وہ ریتلی زمین تھی جس میں آدمیوں اور سواریوں کے پیر نہیں جمتے تھے۔ ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ اس سے اہل ایمان کو بڑی تکلیف کا سامنا ہوا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول باران کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ خوب بارش ہوئی۔ پھر خدائے قدیر نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی۔ اس سے چونکہ تو دل کی تشویش جاتی رہی۔ ڈھارس بندھ گئی (بیضاوی)

قریش کو کیچڑ کی تکلیف

بارش سے مسلمانوں کی طرف کی زمین جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں

ٹھیرنے لگے۔ برخلاف اس کے قریش نے نرم اور نشیب زمین میں ڈیرے لگائے تھے وہاں دلدل اور کیچڑ ہو گئی۔ ان لوگوں کو کیچڑ میں چلنے پھرنے کی بڑی تکلیف رہی (تاریخ طبری) صحابہ کرام ؓ نے جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے کہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ ان میں ایک بڑا حوض بھی تھا۔

الغرض لشکر اسلام میں پانی کی فراوانی تھی اور ان کے پانی میں اپنے بیگانے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ قریش کے لشکر میں پانی کی سخت قلت تھی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ دشمن کے کسی آدمی کو پانی پینے یا لیجانے سے نہ روکا جائے (سیرت ابن ہشام)

غیر مسلموں کا اسلامی حوض پر پانی پینے کو آنا

لڑائی شروع ہونے سے پہلے قریش کے چند آدمی جن میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام بھی اپنے گھوڑے پر سوار ساتھ تھے بڑھ کر مسلمانوں کے ساختہ حوض پہ جو نزول باران کے بعد بنایا گیا تھا، پانی پینے کے لیے چلے آئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا کہ آنے دو۔ مزاحمت نہ کرو۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی قسمت میں ایمان کی دولتِ جاوید لکھی تھی وہ تو بچ گئے۔ ان کے سوا جس کسی نے اس حوض کا پانی پیا وہ مارا گیا۔

حضرت حکیم ؓ کے بچ نکلنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اثنائے جنگ میں اکابر قریش کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اُترتے دیکھا اور یقین ہو گیا کہ نسیم فتح و ظفر مسلمانوں کے رایتِ اقبال پر چل رہی ہے تو اپنے تیز رَو گھوڑے پر جس کا نام وجیہہ تھا، میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ پھر وہ سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد مدت العمر جب کبھی انہیں کسی بات پر قسم کھاتے وقت اپنی قسم میں قوت پیدا کرنی منظور ہوتی تو کہا کرتے قسم ہے اُس خدائے قادر و توانا کی جس نے مجھے جنگ بدر کی ہلاکت آفرینی سے بچا لیا۔

(ابن [illegible]یر طبری)

حوض کے منہدم کرنے کی ناکام کوشش

اسود بن عبد الاسد مکہ معظمہ کا ایک اکھڑ اور درشت مزاج بت پرست تھا۔ وہ مسلمانوں کے اگلے حوض کو دیکھ دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتا تھا۔ آخر طیش میں آ کر اس نے مغلظ قسم کھائی اور بولا میں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ جا کر مسلمانوں کے حوض کو منہدم کر دونگا یا اپنی جان دے دوں گا"۔ جب وہ مسلح ہو کر حوض کی طرف چلا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

اس کی طرف بڑھے۔ اس نے تلوار سونت لی۔ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے تلوار کا وار کر کے اس کی ٹانگ نصف ساق سے قطع کر دی۔ وہ مونھ کے بل گر پڑا۔ اس کا خون سے لتھڑا ہوا پاؤں اس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ اب وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا حوض کی طرف بڑھا اور بزعم خود اپنی قسم پوری کرنے کے لیے اس میں گھس پڑا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دوبارہ اس کے سر پر پہنچے اور تلوار کی ضرب سے حوض ہی میں اس کو واصل جہنم کر دیا (ابن جریر طبری)

روسائے قریش کے مقاماتِ قتل کی تعیین

لڑائی شروع ہونے سے پہلے شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابِ کبار کے ساتھ میدانِ جنگ کا ایک چکر کاٹا اور مختلف مقامات دکھا دکھا کر اور زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر جگہوں کی تعیین کی اور فرمایا کہ قریش کا فلاں رئیس یہاں گرے گا۔ اس جگہ فلاں شخص مارا جائیگا اس مقام پر فلاں شخص کا لاشہ پڑا ہوگا" غرض تمام روسائے قریش کے مقتل دکھا دیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کے تباہ و ہلاک ہونے کی جو جو جگہیں متعین فرمائی تھیں واللہ! ہلاک ہونے میں کسی نے اس سے سرِمو تجاوز نہیں کیا اور وہ معرکۂ جنگ میں وہیں پڑا ہوا ملا۔ (صحیح مسلم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو صحن حرم کی بددعا کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں کہ مکہ کے ساتوں روسائے اعظم جن کے حق میں آپ نے بددعا کی تھی سب کے سب بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے (بخاری و مسلم)

رسول اکرم ؐ کے لیے عریش کی طیاری

انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ اوسی رضی اللہ عنہ نے سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لڑائی سے پہلے ایک ٹیلے پر کھجور کی شاخوں سے ایک عریش (مسقف چبوترا) تیار کرا دیا تھا تاکہ آپ اس پر بیٹھ کر رفتار جنگ کا معاینہ کریں اور احکام نافذ فرمائیں۔ عریش کی تیاری کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! عریش کے پاس حضور اقدس کے لیے اونٹ تیار کھڑے رہیں گے۔ ہم دشمن سے جنگ آزما ہوں گے۔ اگر مالک الملک نے ہم کو دشمن پر فتح و نصرت عطا فرمائی تو مقصد پورا ہوا اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ جھٹ اونٹ پر سوار ہو کر ان انصار کے پاس چلے جائیے گا جو مدینہ میں رہ گئے ہیں اور آپ کے ساتھ یہاں نہیں آئے۔ وہ بھی آپ کے ایسے ہی جان نثار ہیں

جیسے کہ ہم ہیں۔ جان نثاری و فدویت میں ہم ان سے کسی طرح فائق نہیں۔ اگر ان کو اس بات کا علم ہوتا کہ آپ کو جنگ سے بھی سابقہ پڑے گا تو وہ آپ کی رفاقت و معیت سے کبھی تخلف نہ کرتے۔ پس حق تعالیٰ اُن کے ذریعہ سے آپ کی حفاظت کرے گا۔ وہ آپ کے ساتھ اخلاص برتیں گے اور آپ کے ہمراہ اپنی جانیں لڑا دیں گے۔" آپ نے ان کو دعائے خیر دی۔ اس کے بعد آپ عریش میں اقامت فرما ہوئے۔ (ابن جریر طبری)

اِسلام کی شجاع ترین بزرگ ہستی

اب آپ کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا کیونکہ میدان جنگ میں جہاں ہر وقت دشمن کی چیرہ دستیوں کا خدشہ تھا آپ کا تنہا رہنا کسی طرح قرین دانش نہ تھا۔ اس کی نسبت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بیان ملاحظہ ہو۔ مسند بزار میں روایت کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حاضرین مجلس سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک اُمت میں سب سے بڑا شجاع کون ہے؟ انہوں نے کہا آپ ہیں۔ فرمایا میں ہمیشہ برابر کے جوڑ سے مقابلہ کرتا ہوں۔ یہ کوئی شجاعت نہیں۔ تم شجاع ترین آدمی کا نام لو۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شجاع ابوبکر صدیقؓ تھے کیونکہ غزوۂ بدر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مسقّف چبوترہ بنایا گیا تھا۔ ہم لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضورؐ کے پاس کون رہے گا جو مشرکوں کو آپ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ جان نثاروں میں سے کسی کو اس کارِ خطیر کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابوبکر صدیقؓ جھٹ شمشیر بکف بڑھے اور معاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور کسی دشمن کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دیا اور جس کسی نے آپ کا قصد کیا اس کو مار کر ہٹا دیا (تاریخ الخلفاء)

بارگاہِ ربّ العزت میں دستِ بدُعا

لڑائی سے پہلے اعداء کو اپنی کثرت تعداد اور فراوانیٔ اسلحہ کا گھمنڈ تھا اور مسلمانوں کی نظر تائید آسمانی پر تھی۔ حبیب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش قریباً ایک ہزار کیل کانٹے سے لیس اور اپنے جان نثار کلہم تین سو اور وہ بھی نہتے ہیں تو آپ نے عریش میں قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ پھیلا دیئے اور درگاہ ربّ العزت میں دعا کرنے لگے الٰہی! اپنا وہ وعدہ پورا کر جو مجھ سے کیا ہے۔ خدایا! اگر اہل توحید کی یہ مٹھی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" اس مناجات کے وقت محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ چادر

دوشِ مبارک سے گر گر پڑتی تھی۔ حضرت صدیق رضؓ ردائے اطہر کو آپ کے شانوں پر رکھتے تھے اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ بڑے رقیق القلب تھے۔ اس دردانگیز مناجات کی تاب نہ لا سکے اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر رقت آمیز لہجہ میں عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! اب بس کیجئے۔ آپ کی اتنی دعا اکتفا کرے گی۔ خدائے کردگار اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت صدیق رضؓ کی اس عرضداشت کے بعد حضورِ انور اُٹھ کھڑے ہوئے اور عالم فرح میں بڑی عجلت کے ساتھ عریش سے باہر نکل کر یہ آیتیں پڑھنے لگے:۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ (۵۴: ۴۴-۴۵)	یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اتنی بڑی جمعیت ہے کہ ضرور غالب رہے گی مگر عنقریب یہ جمعیت شکست کھائیگی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے

ایک اشکال کا حل

شُرّاح اس حدیث پر یہ اشکال لائے ہیں کہ یہ کیونکر روا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور سید الاولین والآخرین علیہ التحیۃ والسلام کو دعا میں اجتہاد والحاح سے باز رہنے کی تلقین کریں اور آپ کے رجا و یقین کو تقویت دیں حالانکہ آپ کا مقام سب سے اعلیٰ و ارفع اور آپ کا یقین تمام مخلوق کے یقین سے فائق تھا

علامہ سہیلی رحؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس وقت صدیق رضی اللہ عنہ رجا کے مقام میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوف و شہود کے مقام میں۔ آپ پر اس حقیقت کا رعب طاری تھا کہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لیے آپ کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ اگر مسلمان شکست کھا گئے تو حق تعالیٰ کی عبادت دنیا سے اٹھ جائے گی اور دعوتِ توحید کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ پس آپ کا خوف بھی عبادت میں داخل تھا اور کمال تھا نہ کہ نقص۔

اشکال مذکور کی نسبت خطابی نے لکھا ہے کہ یہ وہم نہ کرنا چاہیئے کہ اس درخواست کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشیت ربانی سے زیادہ قریب تھے۔ چونکہ آپ کی یہ مناجات اصحاب کے لیے باعث شفقت اور ان کے دلوں کی تقویت کا ذریعہ تھی، آپ نے دعا و توجہ اور الحاح و ابتہال میں اس لیے مبالغہ کیا کہ اس سے اصحاب رضؓ کے دلوں کو تقویت و تسکین ہو کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی دعا مستجاب ہے یہی وجہ ہے کہ جونہی حضرت ابوبکر رضؓ نے آپ سے التماس کی کہ اب آپ بس کیجیئے تو آپ

الحاح وابتہال سے دست بردار ہو گئے اور جان لیا کہ دعا مقبول ہوئی کیونکہ ابو بکر صدیق ؓ کے دل نے اس سے تقویت و طمانیت پائی ہے۔ لہٰذا اس دعا کے بعد آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (عنقریب ان کا گروہ شکست کھائے گا اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) غرض الحاح و مناجات کے وقت آنحضرت مقام خوف میں تھے اور خوف نماز کی تمام حالتوں میں کمال کا درجہ رکھتا ہے۔

اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ اہل حق کو ہزیمت ہوئی تو تیری عبادت دنیا سے اُٹھ جائیگی، اس کا مبنیٰ آپ کا یہ علم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اس لیے اگر آپ اور آپ کے پیرو (خاکم بدہن) دنیا سے مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی داعی ایسا نہ ہوگا جو لوگوں کو ایمان و عبادت کا راستہ دکھائے اور توحید و سنت کی دعوت دے۔

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی دعاؤں سے رحمت عالم ؐ کی دعا کا مقابلہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جنگ سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنانِ دین کے متعلق جو دعا کی اس کو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کے مقابلہ میں رکھا جائے جو انہوں نے اپنی اپنی قوم کے خلاف کیں تاکہ حضرت رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رحمت کا دھندلا سا عکس آنکھوں کے سامنے آجائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ آپ کو اخلاقی کمال کے اعتبار سے بھی تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام پر درجۂ تفوق حاصل تھا۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے ان الفاظ میں بددعا کی تھی "اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو ان کو زندہ رکھے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور سرکشے کافر ہی ہوں گے (۷۱: ۲۷) اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت دعوت کے خلاف یہ بددعا کی تھی. اے ہمارے پروردگار! ان کے مال ملیامیٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ یہ لوگ عذاب دردناک دیکھے بغیر ایمان ہی نہ لائیں (۱۰: ۸۸)

لیکن اس موقع پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلا یہ تھا کہ خداوندا! اگر اہل توحید کی مٹھی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا" نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے صاف لفظوں میں اپنی اپنی قوم کی

تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں پہنچ کر بھی دعا مانگی تو قوم کی تباہی و بربادی کی نہیں بلکہ صرف اہل توحید کے حفظ و صیانت کی۔

ہزار ملائکہ بھیجنے کا وعدۂ خداوندی

اوپر لکھا گیا تھا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم قریباً ہزار کے مقابلہ میں کل تین سو پانچ تھے۔ ان مقدسین میں وارفتگی، ولولۂ ایمانی اور حب رسولؐ نے شجاعت و جانبازی کا جو گرانمایہ جوہر پیدا کر دیا تھا اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ ساڑھے نو سو دشمنان دین کو مار مار کر خس و خاشاک کی طرح اڑا دیتے لیکن مشکل یہ تھی کہ کثیر التعداد دشمن کامل طور پر مسلح تھا اور پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا اور یہ قاطبۃً غیر مسلح تھے جو بعزم جنگ گھر سے نہیں نکلے تھے۔ ان کی بے سر و سامانی کی یہ حالت تھی کہ تین سو پانچ جانبازوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں تھیں اور ظاہر ہے کہ آٹھ تلواروں کا قریباً ہزار شمشیروں اور طرح طرح کے دوسرے اسلحہ سے کیا مقابلہ؟ اس حالت کے پیش نظر خدائے معین عز اسمہ نے اپنے فضل مخصوص سے ملائکہ بھیج کر اہل ایمان کی قلت تعداد اور بے سر و سامانی کی تلافی کر دینی چاہی چنانچہ جب خلیفۃ اللہ علی الارض عریش میں بیٹھ کر دست بدعا ہوئے تو مجیب الدعوات نے سورۂ انفال کی آیتیں نازل فرمائیں جن میں ایک یہ تھی:-

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ (۸:۹)	یہ وہ وقت تھا کہ تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) ہم لگاتار ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے۔

صحابہؓ کی تہی دستی دور کرنے کی دعا

ہجرت کے بعد چند مستثنیات کو چھوڑ کر تمام جان نثاران رسالت نادار و مفلوک الحال تھے۔ اسی لیے ان کی بہت بڑی اکثریت دشمن کے کاروان کی غنیمت سے اپنی ناداری و تہی دستی کا مداوا کرنا چاہتی تھی حالانکہ اگر وہ ایسا کرتے تو لشکر قریش کے مقابلہ میں منہزم ہو جاتے اور پھر مسلمانوں جتنا مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑتا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے لیکن خدا کے برگزیدہ رسول نے انہیں جس راستہ پر لگایا وہ ان کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا کفیل ہو گیا۔ فتح بدر کے بعد اسلامی عزت و رفعت بھی ثریا سے ہمدوش ہوئی اور تنگ دستی نے بھی کسی حد تک صحابہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

چنانچہ مروی ہے کہ جب افضل الرسل علیہ التحیہ والسلام نے اعداء کی فوج گراں کے ساز و سامان کے مقابلہ میں اپنے قلیل اور نہتے لشکر کی بے سروسامانی دیکھی تو آپ نے مجیب الدعوات کی بارگاہِ عالی میں دعا کی کہ بار خدایا! یہ ننگے ہیں انہیں کپڑا دے۔ یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا دے۔ یہ پیادے ہیں انہیں سواری دے۔" اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ فتح بدر کے بعد غازیوں میں سے کوئی فرد ایسا نہ رہا جس کے پاس ایک دو اونٹ اور کپڑے اور سامانِ خوراک نہ ہو (ابوداؤد)

ہاشمیوں اور ابوالبختری کے قتل کی ممانعت

لشکرِ قریش میں بہت سے ایسے محبانِ رسولؐ بھی تھے جن کو مجبور کر کے اور ان پر سخت دباؤ ڈال کر اپنے ساتھ لایا گیا تھا۔ ایسے لوگوں میں اور دشمنوں میں امتیاز نہ کرنا اسلامی اصولِ معدلت کے سراسر خلاف تھا۔ اسی بنا پر دنیا کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے صحابہؓ سے فرمایا مجھے بخوبی معلوم ہے کہ بنو ہاشم اور دوسرے لوگوں میں بھی بعض لوگ بادلِ ناخواستہ ہمارے مقابلہ پہ کھینچ لائے گئے ہیں۔ وہ ہم سے قطعاً لڑنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا اگر ہاشمیوں میں سے کوئی شخص تمہارے ہاتھ آئے تو اسے قتل نہ کرنا۔ ابوالبختری بن ہشام (بن حارث بن اسد) کی بھی جان نہ لینا اور بالخصوص میرے چچا عباس بن عبدالمطلب ہاتھ آئیں تو ان کی جان ستانی سے باز رہنا کیونکہ وہ سخت ناگواری کے ساتھ شریکِ جنگ ہوئے ہیں۔

حضرت ابوحذیفہؓ کو اپنے الفاظ پر پشیمانی

اس پر حضرت ابوحذیفہ صحابیؓ نے کہا یہ کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے۔ یہ کیا تفریق ہے کہ ہم اپنے باپ بیٹے بھائی اور خاندان والوں کو تو موت کے گھاٹ اتاریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں؟ بخدا! اگر میں نے عباسؓ کو پایا تو تلوار سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوحذیفہؓ کے اس قول کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ابوحفص! آپ نے ابوحذیفہ کا قول سنا؟ وہ عمِ رسول کے قتل کے درپے ہیں۔ کیا میرے چچا کا چہرہ قتل کے لائق ہے؟ حضرت عمرؓ ابوحذیفہؓ کے الفاظ کی تاب نہ لا سکے اور عالمِ غیظ میں عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔" ابوحذیفہؓ چونکہ ایک مخلص و جان نثار صحابی تھے اور یہ کلمہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا اس لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظر انداز فرما دیا۔ یہ پہلا دن تھا جبکہ آپ نے حضرت عمرؓ

کر ابوحفص کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔

اس کے بعد یہ کانٹا ہمیشہ حضرت ابوحذیفہؓ کے دل میں کھٹکا کرتا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ گستاخی کا وہ کلمہ جو غلطی سے میری زبان پر جاری ہو گیا اس سے میں ہمیشہ خوف زدہ رہا کہ نہ معلوم اس کا کیا وبال مجھ پر پڑے اور میں یقین کرتا تھا کہ صرف اللہ کی راہ میں شہادت ہی اس جرم کا کفارہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کے خلاف لڑی گئی تھی بڑی بہادری سے لڑ کر راہ خدا میں جان دی (ابن جریر طبری)

صف آرائی

حسب روایت ترمذی اسلامی لشکر کی تقسیم رات ہی سے عمل میں آ چکی تھی۔ لڑائی کے دن نماز صبح کے بعد ہی حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی آمد سے پہلے اپنے جان نثاروں کو قطاروں میں تقسیم کیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ معاینہ میں کوئی غازی ذرا بھی آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ اس کو فوراً درست کر دیتے جب صفوں کا معاینہ فرما رہے تھے تو آپ نے بنو نجار کے حلیف سواد بن غزیہ کے شکم سے چھڑی لگا کر اس کو نہایت نرمی سے چھو دیا اور فرمایا سواد! برابر رہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا ہے۔ آپ اس کا معاوضہ دیں"۔ آپ نے معاً اپنا شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لو۔ سوادؓ نے آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا۔ آپ نے پوچھا سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ دیکھتے ہیں کہ جنگ شروع ہونے والی ہے۔ ممکن ہے کہ میں اس میں کام آ جاؤں۔ میں نے چاہا کہ اخیر وقت میں میری جلد آپ کے جسم اطہر سے مَس ہو جائے۔ اس آپ نے ان کو دعائے خیر دی (ابن جریر طبری)

تعبیہ یعنی صف بندی کے بعد آپ نے اپنے جان نثاروں کو چند اہم ہدایتیں دیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ مسلمان اس صف کو نہ توڑیں اور اس وقت تک رزم و پیکار ک سلسلہ نہ شروع کریں جب تک آپ اجازت نہ دیں۔ دشمن زد سے باہر ہو تو تیر چلا ضائع نہ کریں۔ زد پر آئے تو تیر برسائیں۔ جب زیادہ نزدیک ہو تو نیزوں سے روکیں ا سب سے اخیر میں تلوار رکھنے والے تلواریں کھینچیں۔ (بخاری)

عبداللہ بن سہیل اسلامی صفوف جنگ میں

پہلے لکھا گیا تھا کہ حضرت عبداللہ سہیل بن عمرو صحابی رضی اللہ عنہ

اپنے والد اور دوسرے بُت پرست خویش و اقارب کی سختیوں سے مجبور ہو کر حبشہ کی دوسری ہجرت میں اس دارالامان کی راہ لی تھی۔ حبشہ سے واپس آئے تو والد نے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے پا بزنجیر کر کے ناقابل برداشت اذیتیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ اپنے اسلام کے اخفار پر مجبور ہو گئے۔ آخر ان کے والدین اور دوسرے اہل شرک نے یقین کر لیا کہ وہ توحید کے خیال سے دست بردار ہو کر اپنے پرانے کیش اصنام پرستی میں واپس آ گئے ہیں۔ جب بدر کے لیے تیاری ہوئی تو انہیں بھی مکہ معظمہ سے شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے لیکن کیا معلوم تھا کہ جو دل ایک دفعہ نور ایمان سے روشن ہو چکا ہے، وہ کفر کی تاریکی کو بمشکل قبول کر سکتا ہے۔ جب بدر کے میدان جنگ میں حق و باطل کے پیرو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو عبداللہ رضؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے جھٹ لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر باپ دانت پیسنے لگا اور آغاز جنگ میں انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا لیکن انہیں اپنے اخوانِ مذہب کی پشت پناہی حاصل تھی اور ہادیِ دین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلِّ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا۔ بڑی بہادری و شجاعت سے لڑتے رہے (ابن سعد)

خویش و اقارب کا باہمی تصادم

غزوۂ بدر کا ایک تاریک ترین پہلو یہ تھا کہ بعض بالکل قریبی رشتہ دار اور یگانے ایک دوسرے سے برسر مقابلہ تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تقابل ملاحظہ ہو:۔

لشکر اسلام میں	سپاہ قریش میں
(۱) حضرت امام المرسلین سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔	(۱) آپ کے نسبتی فرزند حضرت ابو العاص رضؓ (۲) آپ کے عم زاد بھائی ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب۔ (۳) آپ کے دوسرے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب۔ (۴) اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضؓ کے برادر زادہ حکیم بن حزام۔

	(۵) آپ کا پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی اُمیہ (برادر ام المومنین ام سلمہؓ)
(۲) حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب	ان کے بھائی حضرت عباسؓ بن عبد المطلب
(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضؓ	ان کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ
(۴) حضرت علی بن ابی طالب رضؓ	ان کے بھائی عقیل بن ابی طالب
(۵) حضرت عمر بن خطاب رضؓ	ان کا ماموں عاصی بن ہاشم بن مغیرہ
(۶) حضرت مُصعب بن عُمیر رضؓ	ان کا بھائی ابوعزیز بن عُمیر
(۷) حضرت ابو عُبیدہ عامر رضؓ بن عبداللہ بن جرّاح	ان کا باپ عبداللہ بن جراح
(۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ	ان کا خسر عُقبہ بن ابی مُعیط
(۹) حضرت عیاش بن ابی ربیعہ	ان کا اخیافی بھائی ابوجہل
(۱۰) حضرت عبداللہ رضؓ بن سُہیل بن عمرو	ان کے والد سہیل بن عمرو
(۱۱) حضرت ابوحذیفہ رضؓ بن عُتبہ	(۱) ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ (۲) ان کا بھائی ولید بن عتبہ (۳) ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ (۴) ان کا بھانجا حنظلہ بن ابی سفیان
(۱۲) حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان رضؓ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے تھے)	ان کا چچا عمرو بن عثمان
(۱۳) حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد	ان کا بھائی اسود بن عبدالاسد
(۱۴) حضرت عبیدہ بن حارث بن مُطّلب بن عبد مناف	ان کا چچا زاد بھائی حرث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف

اسلامی جمعیت کی تعداد معلوم کرنا

آغاز جنگ سے پہلے اعیانِ قریش نے ایک عدوے اسلام عُمیر بن وہب جمحی سے کہا کہ تم جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں آکر بتاؤ۔ اس نے اپنے گھوڑے پر سوار

اسلامی فرودگاہ کے گرد چکر لگایا اور پھر قریش کے پاس جا کر کہا کہ وہ قریباً تین سو ہیں۔ مگر ذرا ٹھیرو۔ میں یہ بھی دیکھ آؤں کہ کسی اور جگہ دشمن کی گھات یا کمک تو موجود نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وادی میں گھوڑا ڈالا بہت دور نکل گیا مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس نے واپس جا کر قریش کو اطلاع دی کہ مجھے کوئی اور جمعیت کہیں دکھائی نہیں دی۔ مگر یاد رکھو کہ گو دشمن کی تعداد قلیل ہے مگر یہ لوگ اپنے مقتدا کے دلی جان نثار ہیں اور ان پر موت سوار ہے۔ یہ یثرب کے آب کش اونٹوں کی طرح سخت جفاکش ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ جب تک ہم میں سے کوئی نہ کوئی قتل نہ ہو جائے گا، ان کا کوئی آدمی مارا جا سکے گا اور اس طرح اگر انہوں نے ہمارے بھی اسی قدر آدمی مار ڈالے جتنے ان کے قتل ہوں تو اس ذلت کے بعد زندگی میں کیا لطف رہے گا؟ خوب سوچ لو اور ہر بات کے مآل و انجام پر غور کر لو۔"

حرب و قتال سے باز رہنے کی تحریک

یہ سن کر اُم المومنین حضرت خدیجہ رض کے برادر زادہ حکیم بن حزام جو قریش کی طرف سے مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے قریش کے قائدِ اعظم عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور کہا اے ابوالولید! تم عہد حاضر میں قریش کے بزرگ اور پیشوا ہو۔ سب تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تم ایسے مشورہ پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو جس سے نیک نامی کا سہرا ہمیشہ کے لیے تمہارے سر ہو؟ اس نے کہا بتاؤ وہ کیا بات ہے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔" حکیم بن حزام نے کہا تم صرف ابن حضرمی کے خون کا بدلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لینا چاہتے ہو کیونکہ وہ تمہارا حلیف تھا۔ تم اس کے خون بہا سے درگزر کرو اور سب کو لے کر مکہ کو پلٹ جاؤ۔ عتبہ نے کہا میں اس کو منظور کرتا ہوں لیکن تم ہی اس کی کوئی راہ نکالو۔ ابن حضرمی میرا حلیف تھا اس کا قصاص لینا میرے ذمہ ہے۔ میں اس کے قصاص سے درگزر کرتا ہوں لیکن تم جا کر عمرو بن ہشام (ابوجہل) کو راضی کر لو۔ مجھے اس کے سوا کسی سے اندیشہ نہیں کہ وہ رخنہ اندازی کرے گا۔"

لڑے بغیر واپس جانے سے ابوجہل کا قطعی انکار

حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ مجھے عتبہ بن ربیعہ نے یہ پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے کہ مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے ابن عم (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ سے ہٹ جائیں۔" ابوجہل نے کہا اس پیام رسانی کے لیے عتبہ کو تمہارے سوا کوئی اور قاصد نہیں مل سکا؟ حکیم نے کہا اور میں بھی اس کے

سوا کسی دوسرے کا قاصد نہیں بن سکتا تھا"۔ اس وقت ابوجہل نے اپنی زرہ خُرجی میں سے نکال کر پھیلا رکھی تھی اور وہ جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ بولا حقیقت میں جُبن و نامردی عتبہ پر مسلط ہوگئی ہے۔ بخدا جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان قطعی فیصلہ نہ کر دے گا ہم یہاں سے ٹلنے والے نہیں۔ اور عُتبہ نے جو پیغام بھیجا ہے اس کا سبب اُس کا یہ یقین ہے کہ عنقریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیے جائیں گے۔ عتبہ کا ایک بیٹا (ابوحُذیفہ رض) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر میں ہے۔ عتبہ اس بنا پر لڑائی سے جی چراتا ہے کہ کہیں اس کا بیٹا نہ مارا جائے۔ حکیم بن حزام ناکام واپس گئے اور جب عتبہ نے سنا کہ ابوجہل نے اُسے بزدلی کا طعنہ دیا ہے تو کہنے لگا کہ اگر مقابلہ کی نوبت آئی تو ظاہر ہو جائے گا کہ بزدلی کا داغ کون اٹھاتا ہے"۔

عُتبہ کا انتباہ کہ محمدؐ سے لڑ کر کچھ حاصل نہ ہوگا

اس کے بعد عتبہ نے اپنے لشکر میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور کہا اے گروہ قریش! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کے ساتھیوں سے لڑ کر تم کو کیا حاصل ہوگا؟ اگر تم نے ان کو مار بھی لیا تو تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے اس لیے نفرت کرے گا کہ اس نے ایک دوسرے کے بھتیجے بھانجے یا عزیز قریب کو قتل کیا ہوگا۔ اس لیے تم سب واپس چلو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام عرب کو باہم نپٹنے کے لیے چھوڑ دو۔ اگر قبائل عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغلوب کر لیا تو تمہاری مراد پوری ہوئی ورنہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی کامیابی میں تمہیں بھی فائدہ پہنچے گا اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ خود مسلمانوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کرو۔ چپ چاپ مکہ واپس چلو۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ باوجود اس کے مجھے ہزار دفعہ بزدل کہہ لو لیکن میری بات مانو اور لڑائی سے باز رہو"۔

جب قریش کا لشکر پیروانِ اسلام کے سامنے صف آرا تھا تو رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کوئی شخص سُرخ اونٹ پر سوار ہو کر سپاہ قریش کے آگے پھر رہا ہے۔ آپ نے حضرت حمزہ رض کو بُلا بھیجا۔ جناب حمزہ رض لشکر قریش کے بہت قریب کھڑے تھے۔ وہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا وہ سُرخ اونٹ کا سوار جو لشکر قریش کے سامنے چکر کاٹ رہا ہے کون ہے؟ حضرت حمزہ رض نے گزارش کی یا رسول اللہ! وہ عتبہ بن ربیعہ قریش کا سپہ سالار ہے۔ قریش کو لڑائی سے دست بردار ہونے کی تلقین کرتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں بزدل نہیں ہوں

باوجود اس کے مجھے ہزار دفعہ بزدل کہہ لو لیکن لڑائی سے باز رہو۔" یہ بتا کر حضرت حمزہ ؓ اپنی جگہ واپس گئے۔ اتنے میں ابو جہل عتبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا واللہ! اگر تمہاری جگہ کوئی اور شخص ایسی بات کہتا تو میں اسے دانتوں سے کاٹ کھاتا۔ افسوس تم ہمت ہار بیٹھے ہو اور تم پر دشمن کا رعب چھا گیا ہے۔

عامر بن حضرمی کو جنگ کے لیے برانگیختہ کرنا

یہ کہہ کر ابو جہل نے جھٹ عامر بن حضرمی کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگا یہ دیکھو تمہارا حلیف سب کو مکہ واپس لے جانا چاہتا ہے حالانکہ تمہارے بھائی کے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع ہے۔ تم کھڑے ہو کر لشکر کو اپنے بھائی کا قتل یاد دلاؤ۔ عامر بن حضرمی نے صف جنگ سے آگے بڑھ کر ہائے میرا بھائی عمرو۔ ہائے میرا بھائی عمرو کا شور مچا دیا۔ قریش نے یہ واویلا سن کر اپنے سپہ سالار کے پند و نصائح کو پس پشت ڈال دیا اور آمادۂ جنگ ہو گئے۔ عتبہ نے یہ رنگ دیکھ کر پہننے کے لیے خود مانگا۔ چونکہ اس کا سر بہت بڑا تھا تمام فوج میں کوئی خود ایسا نہ ملا جو اس کے سر پہ پورا آتا۔ ناچار خود کی بجائے اس نے اپنی چادر سر پہ لپیٹ لی۔

جب دونوں حریف مقابل آ کر ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ابو جہل نے دعا مانگی "اے خدا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سب سے زیادہ قطع رحم کرنے والا شخص ہے۔ اس نے بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، جورو کو شوہر سے جدا کر دیا ہے۔ اس نے اپنے بزرگوں کا طریقہ چھوڑ کر ایک نیا دین اختراع کر لیا ہے۔ آج تو اسے ختم کر دے۔" مگر نتیجۂ جنگ نے بتا دیا کہ ابو جہل نے دراصل اپنی ہی بربادی کی دعا مانگی تھی (طبری)۔

اعداء کا کم کر کے دکھایا جانا

چونکہ لشکر اعداء کی تعداد سہ چند سے بھی زائد تھی اور قلیل التعداد و غیر مسلح مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کے قریباً ہزار جوان پوری طرح مسلح لوہے میں غرق تھے، اس لیے مسلمانوں کی بد دلی ناگزیر تھی لیکن کارساز قدرت نے عجیب عجیب طریقوں سے حق کو مظفر و منصور اور باطل کو منہزم کرنے کے سامان فراہم کیے۔ آغاز جنگ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رؤیا میں دکھایا گیا جس میں اعداء کی تعداد بہت قلیل دکھائی گئی تھی۔ صحابہ ؓ نے جب یہ خواب سنا تو ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ مزید برآں نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر پیدا کیا کہ لشکر کفر مسلمانوں کو بہت تھوڑا دکھائی دینے لگا۔ اسی طرح اعداء کو مسلمان بھی بہت تھوڑے دکھائی دیتے تھے۔

اس قلیل تعداد سے یہ غرض تھی کہ اہلِ کفر اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگنے کا قصد نہ کریں (ملاحظہ ہو قرآن پاک سورۂ انفال آیات ۴۲-۴۴)

حضرت مہجع کی مبارز طلبی

قرونِ سابقہ میں رواج تھا کہ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک ایک بہادر میدان میں نکل کر اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کرتا اور دادِ مردانگی دے کر دشمن پر غالب آتا یا مغلوب ہو کر لقمۂ شمشیر بن جاتا تھا۔ کارزارِ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے حضرت مہجع بن صالح یمنی میدان میں نکلے۔ وہ کچھ زمانہ پیشتر حضرت عمرؓ کے غلام تھے اور حضرت عمرؓ نے انہیں فی سبیل اللہ آزاد کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کہ مہجع نے رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عمرؓ کے حکم سے جہاد فی سبیل اللہ کا شرفِ اولیت حاصل کرنا چاہا یا ولولۂ جاں سپاری نے ازخود نکلنے کی تحریک کی۔ بہرحال انھوںؓ نے نکل کر مبارز طلب کیا۔ دشمن کی طرف سے ان کے مقابلہ میں قریش کا مشہور بہادر عامر بن حضرمی نکلا۔ ان میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ آخر حضرت مہجع عامر کے ہاتھ سے جرعۂ شہادت پی کر روضۂ رضوان میں چلے گئے۔ یہ شہادت فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا خون تھا جو بدر کے میدان جنگ میں گرا (ابن سعد)

لیکن ابن جریر طبری اور دوسرے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت مہجعؓ کو اچانک کسی دشمن کا تیر آ لگا تھا۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ عامر سے مقابلہ کرتے وقت کسی بدنہاد بت پرست نے ان پر تیر چلا دیا ہو گا جو ان کے لیے تیرِ قضا ثابت ہوا۔ پس ابن سعد کی یہ روایت جس میں ان کا عامر بن حضرمی کے ہاتھ سے جرعۂ شہادت پینا مذکور رہے محلِ نظر ہے۔

عتبہ کا اپنے بیٹے کو لڑائی کے لیے للکارنا

ابوجہل نے اپنے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے (ابوحذیفہؓ) کے خطرۂ قتل کے پیش نظر لڑائی سے جی چراتا ہے۔ اب عتبہ نے میدانِ وغا میں نکل کر ابوجہل کے اس بیان کو عملاً غلط ثابت کرنا چاہا اور اپنے فرزند حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو للکارا کہ صف سے نکل کر میرے مقابلہ پر آؤ۔ لیکن انہوں نے اس پکار کو قابلِ التفات نہ سمجھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ جب حضرت ابوحذیفہؓ کی ہمشیر ہند بنت عتبہ نے (جو امیر معاویہؓ کی والدہ تھیں)، بھائی کو باپ اور دوسرے اقربا کے خلاف اسلام کی تائید میں اسلامی صف جنگ میں دیکھا غصہ سے بے قابو ہو گئیں اور ان دو شعروں میں بھائی کو گالیاں دیں :-

الاحول الاثعل المشئوم طائره
ابوحذیفة شرالناس فی دین
اما شکرت ابا رباك فی صغر
حتی شببت شبابا غیر مجحون

بھینگا بڑے دانت والا جس کا طائر بخت منحوس ہے
یعنی ابو حذیفہ جو باعتبار دین و مذہب سب سے برا ہے
کیا تو اپنے والد کا شکر گزار نہیں ہے جس نے بچپن سے
تیری پرورش کی یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہشیم تھا۔ ۱۲ھ ہجری میں جنگ یمامہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ یہ بھی ان بزرگوں میں داخل ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد و مستدرک حاکم)

انصاری نوجوانوں کی واپسی

جب عتبہ کو اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو عتبہ بن ربیعہ (بن عبد شمس بن عبد مناف) اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور کہنے لگے آؤ ہمارے مقابلہ پر کون آتا ہے۔ یہ سن کر غازیان اسلام میں سے تین انصاری نوجوان مُعاذ، مُعوّذ اور عوف پسران حارث نکلے۔ (بعض نے عوف بن حارث کی جگہ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا نام لکھا ہے) لیکن مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ اسلام اور کفر کی اہم ترین اولین آویزش میں انصار کے ہاتھوں سے حرب و قتال کا آغاز ہو اس لیے آپ نے ان کے جذبۂ جان نثاری کی تعریف کرتے ہوئے ان کو واپس بلا لیا۔

اتنے میں قریش پکارنے لگے کہ محمدؐ! ہمارے مقابلہ میں ہماری قوم اور کُفو کے آدمی بھیجو۔ قریش قریش سے برسر معرکہ ہوں۔ ہمارے چچاؤں کی اولاد ہم سے جنگ آزما ہو۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا اے بنو ہاشم! اٹھو اور اس حق پر مقاتلہ کرو جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے تمہارے نبی کو مبعوث فرمایا ہے۔ یہ لوگ اپنے باطل کے ساتھ اللہ کا نور بجھانے آئے ہیں۔" اس کے بعد فرمایا حمزہ، علی اور عبیدہ جاؤ اور دین حق کی تائید میں سینہ سپر ہو جاؤ۔" حکم کی دیر تھی تینوں بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریفوں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ عتبہ نے کہا تم لوگ اپنے نام بتاؤ تاکہ ہم پہچان سکیں۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا میں حمزہ بن عبدالمطلب ہوں، میں اللہ کا اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ عتبہ نے اس کے جواب میں کہا میں اپنے حلفاء کا شیر ہوں۔ عتبہ نے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ حضرت حمزہؓ نے فرمایا یہ علیؓ بن ابی طالب اور عبیدہؓ بن حارث ہیں۔ عتبہ بولا ہاں اب ہمارے کفو اور جوڑ ہیں (ابن سعد)

ابن جریر طبری)

لڑائی میں مفاخرت کا شرعی جواز

یاد رہے کہ میدان جنگ میں مقابلۂ دشمن کے وقت فخر کرنا اور رجز پڑھ کر اپنی مردانگی و شجاعت کا اظہار کرنا کسی طرح قابلِ ملامت نہیں۔ اس سے نہ صرف مجاہد کے دل کو تقویت ہوتی ہے اور ولولۂ جانبازی پیدا ہوتا ہے بلکہ دشمن پر بھی رعب پڑتا ہے۔ اور قتال میں غازیوں کو ان مذکو باتوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے شریعت مطہرہ نے اس موقع پر سچی بڑائی اور خودستائی کو جائز رکھا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں، اسی قبیل سے تھا لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر اس مفاخرت کے دلدادہ نہ تھے کیونکہ اس میں تقرب الی اللہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہاں کبھی تکبیر یا کسی دوسرے ذکر الٰہی کے ساتھ اپنی آواز بلند کر دیتے تھے۔

حضرت عُبَیدہ رضی اللہ عنہ کے لاحق کرنے کی ضرورت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ تین مبارز خواہوں کے مقابلہ میں تین ہاشمی بھیجے جائیں لیکن مشکل یہ تھی کہ یہاں لشکر اعداء میں عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب چار ہاشمی موجود تھے، وہاں لشکر اسلام میں نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابی طا بن عبدالمطلب صرف دو ہاشمی تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت عُبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن مُطّلب بن عبد مناف کو جو ہاشم کے بھائی مُطّلب کی اولاد میں تھے شامل کر کے اس کمی کو پورا کیا۔

اور اصل یہ ہے کہ مُطّلب کی اولاد غم و شادی کی ہر تقریب میں ہمیشہ ہاشمیوں کی شریک حال رہی تھی۔ چنانچہ جب قریش نے مکہ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو جس طرح ہاشمیوں نے آپ کی حفاظت و حمایت کا عہد کیا تھا، اسی طرح بنو مُطّلب نے بھی آپ کے حفظ و دفاع کا بیڑا اٹھایا تھا۔ قریش کی طرف سے ہاشمیوں کے عام مقاطعہ کے وقت جس طرح ہاشمی تین سال تک ایک درّہ میں محصور رہ کر ہر طرح کے رنج و غم سہتے رہے، اسی طرح مُطّلبی بھی درہ میں اقامت گزیں رہ کر ہاشمیوں کے درد دکھ میں برابر شریک رہے

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض محشیوں اور شارحین حدیث نے حضرت عبید بن حارث رضی اللہ عنہ کو عبدالمطلب بن ہاشم کا پوتا اور ہاشمی قرار دیا ہے مگر یہ غلط فہمی

حضرت عُبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جو غزوۂ بدر میں شریک ہو کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، ■ حارث بن مُطّلب بن عبد مناف کے فرزند تھے اور ہاشمی نہیں بلکہ مُطّلبی تھے (ملاحظہ ہو اصابہ و تجرید اسماء الصحابہ)

عُتبہ، شَیبہ اور ولید کی ہلاکت

اب حضرت حمزہ رض عُتبہ بن ربیعہ سے معرکہ آرا ہوئے۔ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے جو بنو عبد مناف میں بلحاظ عمر سب سے بڑے تھے، شیبہ کا رُخ کیا اور حضرت علی رض ولید بن عتبہ سے دو دو ہاتھ کرنے کو بڑھے۔ حضرت حمزہ رض نے پہلے ہی وار میں عتبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علیؓ نے بھی اس کے بیٹے ولید کو آناً فاناً ٹھکانے لگا دیا۔ یہ دیکھ کر طُعَیمہ بن عدی بن نوفل جوشِ انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیرِ خدا حضرت حمزہ رض نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا۔ البتہ حضرت عُبَیدہ اور شیبہ میں دیر تک کش مکش جاری رہی یہاں تک کہ دونوں اپنی اپنی جگہ ناکارہ اور بے دم ہو گئے لیکن آخری مرتبہ شیبہ کی تلوار کا سرا حضرت عُبَیدہ کی پنڈلی کی ہڈی پر جا لگا اور ہڈی میں سے مغز بہنے لگا تاہم وہ مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت حمزہ رض اور حضرت علی رض اپنے اپنے دشمن سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے شیبہ کے قتل میں حضرت عُبَیدہ رض کی مدد کی اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عُبَیدہ رض کو میدانِ جنگ سے اُٹھا لائے (ابو داؤد، ابن جریر طبری، اصابہ)

حضرت عُبَیدہؓ کو مرگِ شہادت کی بشارت

جب جناب عبیدہ رض کو حضرت مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا مجھے مرگِ شہادت نصیب نہ ہو گی؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ تم شہید ہو۔ عبیدہ رض نے کہا کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے اور مجھے اس وقت دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں اُن سے زیادہ اُن کے اس قول کا مستحق ہوں ؎

ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن ابناءنا والحلائل	ہم رسولِ خدا کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد مارے جائیں گے اور اپنے اہل و عیال سے غافل ہو جائیں گے

حضرت عبیدہ رض جب بدر سے مراجعت کے بعد وادیٔ صُفرا میں پہنچے تو ان کی روحِ مطہر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری و اسد الغابہ)

حضرت زُبیر بن عوّام کی شجاعت

جب قریش کے چار نامور بہادر کام آ چکے تو قریش

کی طرف سے عبیدہ بن سعید بن عاص نام ایک مشرک صف سے نکلا اور پکارا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ مسلمانوں کی طرف سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیرؓ بن عوام مقابلہ کو نکلے۔ اس وقت عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا اور سارے جسم پر زرہ پہن رکھی تھی۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ کو اور تو کوئی خالی جگہ نظر نہ آئی تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا۔ وہ زمین پر گرا اور گرتے ہی خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ نیزہ اس کے سر میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکل سکا۔ پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار یہ نیزہ حضرت زبیرؓ سے لے لیا۔ عہد نبوی کے بعد یہ نیزہ خلفائے راشدین میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچا اور ان کے حادثۂ شہادت کے وقت ان کے پاس موجود تھا (صحیح بخاری)

حضرت زبیرؓ کی جاں بازی اور دلیری کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک مشرک نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارز طلب کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ٹیلے پر جا چڑھے اور اس سے لپٹ گئے۔ دونوں قلا بازیاں کھاتے ہوئے نیچے آ گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو پہلے زمین پر رکے گا وہ مقتول ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک زمین پر پہلے گر کر حضرت زبیر کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا (کنز العمال)

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی مبارز طلبی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا گھرانا ابتدا ہی سے مشرف باسلام ہو چکا تھا لیکن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس سے مستثنیٰ تھے۔ وہ بہت دنوں تک اپنے قدیم مذہب کے پیرو رہے۔ غزوۂ بدر میں وہ قریش کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ (کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے) کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ انہوں نے عالم غیظ میں خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے کی جنگ کا خوفناک منظر گوارا نہ فرمایا اس لیے حضرت صدیقؓ کو ان کے مقابلہ پر جانے کی اجازت نہ دی (مستدرک حاکم)

معلوم نہیں کہ اس کے بعد کسی دوسرے مسلمان نے عبدالرحمٰنؓ کی مبارز طلبی کا کوئی

جواب دیا یا نہیں؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کے محسن اعظم کے فرزند ہونے کی بنا پر کسی مسلمان نے ان سے رزم خواہ ہونا پسند نہ کیا ہو یا حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لشکر اسلام کو اس کی ممانعت فرمادی گئی ہو اور وہ یوں ہی بلا مقابلہ واپس چلے گئے ہوں۔ بہر حال مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کے اس طرح صاف بچ کر نکل جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ [illegible] علم خداوندی میں آیندہ چل کر سعادت ایمان سے مستسعد ہونے والے تھے۔

سعید بن عاص موت کے چنگل میں

قریش مکہ میں سعید بن عاص بھی ایک مشہور عدوے اسلام بلکہ سرخیل کفر واستبداد تھا۔ صفحات گزشتہ پر لکھا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو قبولِ اسلام کی بنا پر نہایت شدید ایذائیں دیا کرتا تھا اس لیے وہ تنگ آکر حبشہ چلے گئے تھے۔ سعید بن عاص کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن سعید نے بھی اپنی بیوی سمیت حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ سعید کی ہلاکت کے بعد اس کے تیسرے بیٹے ابان بن سعید نے بھی اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کر دی تھی۔

سعید جو برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خنجر خونخوار کا لقمہ بنا۔ حضرت سعدؓ کو اپنے مقتول کی تلوار جس کا نام ذوالکتیفہ تھا پسند آگئی۔ وہ اس کو لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اس وقت تک تقسیم غنائم کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، ارشاد ہوا کہ جہاں سے اُٹھائی ہے وہیں جاکر رکھ دو۔ حضرت سعدؓ نے واپس جاکر تلوار وہیں رکھ دی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں سورۂ انفال نازل ہوئی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو طلب فرماکر انہیں تلوار لینے کی اجازت دیدی (صحیح مسلم ومسند احمد)

ابوجہل کی ہلاکت کے لیے نبی علیہ السلام کی دُعا

جب دشمنان دین ایک ایک کرکے غارِ ہلاک میں پڑنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی! جس طرح دوسرے دشمنان دین صفحۂ ہستی سے مٹ رہے ہیں، اسی طرح ابوجہل کو بھی ہلاک کر۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیری گرفت سے بچ جائے۔ (محمد بن جریر طبری)

اب اس کی ہلاکت کی کیفیت سنیئے:۔

لشکرِ اسلام میں ابوجہل کی فتنہ پردازیوں اور عناد کوشیوں کا عام چرچا تھا اور ہر مسلمان کی یہ دلی آرزو تھی کہ کسی طرح اس دشمن خدا پہ قابو پائے اور دنیا کو اس کے خارِ وجود سے پاک

کر دے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ صفِ جنگ میں میری داہنی اور بائیں طرف دو کم عمر انصاری نوجوان (مُعاذ اور معوّذ) کھڑے تھے۔ میرے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میرے بازوؤں میں کوئی قوی لوگ ہوتے تو میرے پہلو مضبوط رہتے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ اِتنے میں اُن میں سے ایک نوجوان مجھے خطاب کر کے کہنے لگا چچا! ابو جہل کس شخص کا نام ہے؟ میں نے کہا برادر زادے! اُس سے تمہیں کیا کام ہے؟ بولا میں نے سنا ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ رسولؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ واللہ! اگر میں اُس کو پاؤں تو اُس وقت تک اس سے علیحدہ نہ ہوں جب تک ہم میں سے ایک خاک و خون میں نہ تڑپنے لگے۔ مجھے انصاری لڑکے کے اس جذبہ پر سخت حیرت ہوئی کہ ابھی لڑکا ہو کر اس کو ایسے قوی ہیکل شخص کی جان لینے کا حوصلہ ہے۔ تھوڑی دیر میں دوسرا انصاری نوجوان مجھ سے کہنے لگا کیوں حضرت! آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے پوچھا ابو جہل کو کیا کرو گے؟ کہنے لگا وہ پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کو ٹھکانے لگا دوں۔

ابو جہل کا مجروح ہونا

تھوڑی دیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ابو جہل کو دیکھا کہ صفِ جنگ میں چکر لگا رہا ہے۔ انہوں نے ان نوجوانوں سے کہا یہی وہ شخص ہے جس کو تم پوچھتے تھے۔ یہ سن کر دونوں باز کی طرح اس کی طرف جھپٹے (بخاری و مسلم)

پہلے معاذ بن حارث (ابن عفراء) پہنچے اور ابو جہل کو دیکھا کہ وہ جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑا باتیں کر رہا ہے۔ اس کے ساتھی کہہ رہے تھے کہ ابوالحکم (ابو جہل) تک کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ معاذؓ اس کی طرف جھپٹ پڑے اور حملہ کر کے تلوار کی ایک ضرب سے اس کا پاؤں نصف ساق تک قطع کر دیا۔

ابو جہل کو مُردہ سمجھ کر چھوڑنا

دوسرے نوجوان معوّذ بن عفراء نے ابو جہل کو دیکھا کہ مجروح پڑا ہے تو انہوں نے ایک وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے لیکن اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ اب معاذ اور معوذ دونوں بھائی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ابو جہل کے مارے جانے کی اطلاع دی۔ فرمایا تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا؟ ہر ایک نے کہا میں نے مارا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کے قتل میں تقدم و تاخر کے امتیاز کے ساتھ دونوں کا حصہ تھا۔ آپ نے پوچھا کیا

تم اپنی اپنی تلوار دھو چکے ہو یا ہنوز خون آلود ہیں؟ کہنے لگے ابھی دھوئی نہیں ہیں۔ آپ نے دونوں کی تلواریں دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے (بخاری و مسلم)۔ آپ نے اس سے پیشتر اعلان فرمایا تھا کہ جو مسلمان کسی دشمن کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب اسی کو ملے گا۔ اب آپ نے فرمایا کہ ابوجہل کا اسباب معاذؓ کو ملے گا (مدارج) کیونکہ مجروح کرنے اور گرانے میں انہوں نے پہل کی تھی۔

حضرت ابن مسعودؓ ابوجہل کی چھاتی پر

اب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ابوجہل کو مقتولوں میں تلاش کریں۔ انہوں نے جا کر لاشوں کی دیکھ بھال کی تو ابوجہل دم توڑ رہا تھا۔ ایک تو ابوجہل بدترین دشمن رسالت تھا۔ دوسرے اس نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بُری طرح پیٹا تھا۔ یہ اُس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کی نجس ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے اے دشمن خدا! کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ خدا نے تجھے خوب ذلیل کیا"۔ ابوجہل اس وقت بھی غرور اور حق پوشی سے باز نہ آیا۔ بولا ایک شخص کو غلطی سے اس کی اپنی قوم نے قتل کر دیا تو اس میں تمہارے لیے فخر کی کون سی بات ہے؟ اس کے بعد کہنے لگا کاش! مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا (صحیح مسلم) کسان سے مراد انصار تھے جو اہل زراعت تھے اور قریش زراعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھتے تھے (مدارج)

ابوجہل کا ناپاک سر سرورِ عالم ؐ کے قدموں میں

اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ ابوجہل نے کہا اے بھیڑوں کے چرانے والے! تو بہت اونچی جگہ چڑھا ہے۔ اچھا یہ تو بتا کہ فتح کس کی ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کی۔ اتنے میں اس کی ناپاک روح کالبد خاکی سے نکل کر اسفل السافلین کی طرف پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا نجس سر کاٹ لیا اور عریش میں لا کر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ (ابن جریر طبری) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر کو خطاب کر کے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ (ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق [illegible] خدا ہے برتر ہے جس نے اے خدا کے دشمن! تجھے ذلیل کیا) اور فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (اس امت کا فرعون مر گیا) رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کی نسبت برابر کہا کرتے تھے کہ یہ اس امت کا فرعون ہے۔

(صحیح مسلم) علماء نے لکھا ہے کہ اسلام کا یہ فرعون موسوی فرعون سے بدتر تھا کیونکہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام غرق ہونے لگا تو اس نے اپنی بے راہ روی تسلیم کر لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول برحق ہونے کا معترف ہوا لیکن ابوجہل بدبخت دم واپسیں میں بھی جبکہ خاک مذلت پر مجروح پڑا دم توڑ رہا تھا تجبر و غرور سے باز نہ آیا (مدارج النبوت)

عکرمہ کی انتقام جوئی

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی یہ بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح معاذ بن عمروؓ سے اپنے باپ کا بدلہ لیں چنانچہ ان کو اس کا موقع مل گیا۔ وہ ایک جگہ کھڑے تھے کہ عکرمہ نے پیچھے سے آکر ان کے شانے پر اس زور سے تلوار ماری کہ بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا اور ہاتھ صرف جلد کے سہارے پہلو میں لٹکا رہا۔ گو بازو لٹک رہا تھا اور خون کے فوارے چل رہے تھے تاہم حضرت معاذؓ عکرمہ پر حملہ آور ہوئے اور دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا اور شجاعت و بلند حوصلگی کا کمال دیکھو کہ چونکہ ہاتھ کے لٹکنے سے مقابلہ میں سخت زحمت پیش آ رہی تھی۔ حضرت معاذؓ نے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچا اور پہلو سے الگ کر دیا۔ یہ دیکھ کر عکرمہ مقابلہ سے جی چرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت معاذؓ نے ان کا تعاقب کیا لیکن عکرمہ بچ کر نکل گئے۔ حضرت معاذؓ اس خوفناک جراحت کے باوجود قریباً ربع صدی تک زندہ رہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں رہگزین عالم جاوداں ہوئے لیکن معوذؓ نے اسی روز جرعۂ شہادت پیا تھا۔ حضرت معاذؓ کو راہ خدا میں اپنے بازو کے جاتے رہنے کا کوئی غم نہ تھا البتہ ابوجہل کی ہلاکت و بربادی کی بڑی خوشی تھی (تاریخ ابن جریر طبری و مدارج) بعض دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ عہد عثمانی کے بعد تک زندہ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا مشرک ماموں کو قتل کرنا

شیعوں کا فرقہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عموماً اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خصوصاً عیاذاً باللہ لباس ایمان سے عاری قرار دیتا ہے حالانکہ اصحاب کرامؓ کی شیفتگیٔ اسلام اور شغف ایمان کا یہ عالم تھا کہ قرابت و خویشی کے تعلقات بھی ان کو اسلام کے معاملہ میں قطعاً متأثر نہ کر سکتے تھے۔ غزوۂ بدر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اپنے حقیقی ماموں عاصی بن ہاشم بن مغیرہ سے مڈبھیڑ ہو گئی اور حضرت عمرؓ کے خنجر خارا شگاف نے اس کو معاً واصل جہنم کر دیا (تاریخ محمد بن جریر طبری و استیعاب)

اہلِ خصومت و عناد اس سے بڑھ کر حضرت فاروق اعظمؓ کے ایمان و اسلام کا اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ مہاجرین و انصار کرام کے شغفِ ایمانی کی نسبت خود ذات رب العالمین کا کلام پاک کافی ہے جس میں جا بجا ان کی مدح و ستایش کی گئی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا نانا

اُردو کے ایک مشہور سیرت نگار نے حضرت عمرؓ کے نانا کا نام ہشام بن مغیر لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ حضرت عمرؓ کا نانا ہاشم بن مغیرہ تھا۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھا بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ لکھا ہے لیکن جس کسی نے ایسا لکھا ہے اس نے خطا کی ہے۔ اگر ایسا ہو تو حنتمہ والدۂ عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل بن ہشام کی حقیقی بہن ہوتیں، حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ ابوجہل کی عم زاد بہن تھیں۔ ہاشم بن مغیرہ اور ہشام بن مغیرہ دونوں حقیقی بھائی تھے (استیعاب)

معرکۂ بدر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حضرت عمرؓ کے خاندان بنو عدی کا کوئی متنفس مسلمانوں کے خلاف شریک کارزار نہ ہوا بلکہ اسلام کی تائید میں حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور حلفاء کے یہ بارہ نفوس معرکہ آرا ہوئے۔ زید بن خطاب، عبداللہ بن سراقہ، عمرو بن سراقہ، واقد بن عبداللہ، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر اور حضرت عمرؓ کا آزاد غلام مہجعؓ مسلمانوں میں سے جو شخص جیسے کہ پہلے لکھا گیا ہے سب سے پہلے اس معرکہ میں شہید ہوا وہ جناب فاروقؓ کا غلام تھا (سیرت ابن ہشام)

حضرت ابو عُبَیدہؓ کی دینی وارفتگی

امین الامت حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔ ان کا غیر مسلم باپ عبداللہ بن جراح قریش کی طرف سے شریک جنگ تھا۔ اس نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کی جان لینے کی کوشش کی اور برابر اس ناپاک کوشش میں سرگرم رہا حضرت ابو عُبَیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ باپ میرے اسلام کی وجہ سے میرے قتل میں اس قدر کوشاں ہے تو ادھر اُدھر بچتے پھرتے رہے لیکن یہ جدھر جاتے باپ ان کے تعاقب میں وہیں پہنچ جاتا۔ آخر جب سخت تنگ آ گئے تو دین کی وارفتگی نسبی تعلق پر غالب آ گئی اور اس کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دینی وارفتگی ایک نہایت سچا نمونہ تھا جس میں خویش و اقارب اجنبی دشمنوں کی

حیثیت رکھتے ہیں۔ خدائے مبین نے حضرت ابو عبیدہؓ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:۔ (ترجمہ) "تم اُس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے مخالفوں سے محبت رکھیں گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبہ ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ کامل الایمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضانِ غیبی سے اُن کی تائید فرمائی ہے (۵۸: ۲۲)

حضرت ابن عوفؓ کا اُمیّہ کو پناہ دینا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان کا نام عبدعمرو تھا لیکن جب وہ مشرف بایمان ہوئے تو ہادئ دین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ مکہ معظمہ میں اُمیّہ بن خلف سے ان کی بڑی دوستی تھی۔ جب امیہ حضرت عبدالرحمٰن کے قبولِ اسلام کے بعد بلد الامین میں ان سے ملا تو کہنے لگا اے عبدعمرو! کیا تم نے اپنے باپ کا رکھا ہوا نام ترک کر دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس کا اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد جب کبھی اُمیّہ انہیں عبدعمرو کہہ کر پکارتا تو وہ اسے جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک دن اُمیّہ کہنے لگا کہ میں رحمٰن کو نہیں جانتا کہ کیا ہے اور تم اپنے سابق نام پر مجھے جواب نہیں دیتے اس لیے مناسب ہے کہ اپنے لیے کوئی اور نام تجویز کرو جس سے میں تم کو مخاطب کیا کروں۔ اس کے بعد اُمیّہ نے خود ہی ان کے لیے عبدالالہ نام تجویز کر دیا وہ ہمیشہ ان کو عبدالالہ ہی کے نام سے پکارتا تھا۔

جنگ بدر کے دن حضرت عبدالرحمٰنؓ اس کے پاس سے گزرے۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے علی بن اُمیّہ کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پاس کئی زرہیں تھیں جو انہوں نے مشرک مقتولوں کے جسموں سے اتاری تھیں۔ اُمیّہ نے ان کو دیکھ کر آواز دی اے عبدعمرو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ تب اس نے کہا اے عبدالالہ! انہوں نے کہا ہاں کیا کہتے ہو؟ بولا کیا تم ہمیں پناہ دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے زرہیں پھینک دیں اور اُمیّہ اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب یہ ان کو لیے جا رہے تھے کہ حضرت بلالؓ نے اُمیّہ کو دیکھ لیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے حضرت بلالؓ مشرف باسلام ہونے سے پہلے اُمیّہ کے غلام تھے۔ یہ مکہ میں انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتا تھا تاکہ وہ تنگ آ کر اسلام ترک کر دیں۔ وہ ان کو مکہ کی کسی چٹان پر جب وہ دھوپ سے خوب تپ

چھاتی چت لٹاتا اور سینے پر ایک بڑا پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہیں چھوڑے گا تجھے یہی سزا ملتی رہے گی"۔ مگر باوجود اس شدید عذاب کے حضرت بلال رضؓ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ خدا واحد ہے۔

حضرت بلالؓ کا انصار کو پکارنا

جب حضرت بلال رضؓ کی نظر اُمَیّہ پر پڑی تو کہنے لگے کہ تو اُمَیّہ بن خلف کفر کا سرگروہ ہے۔ میں ہلاک ہو جاؤں اگر تو بچ جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے ان سے کہا کہ یہ تو میرا قیدی ہے اور تم قیدی سے بدسلوکی کرنا چاہتے ہو؟ بلال رضؓ نے مکرر کہا میں ہلاک ہو جاؤں اگر یہ دونوں باپ بیٹا بچ جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کو جناب بلال رضؓ کا یہ رویہ ناگوار ہوا اور وہ عالم ناگواری میں کہنے لگے۔ اے حبشی زادے! میں نے جو کچھ کہا تم نے وہ سنا نہیں؟ بلال رضؓ نے جناب عبدالرحمٰن رضؓ کی بات کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور تیسری مرتبہ کہا میں ہلاک ہو جاؤں اگر یہ بچ جائیں"۔ پھر بلالؓ نے زور سے چلا کر کہا اے اللہ کے انصارو! دیکھو یہ کفار کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے۔ ان کی آواز پر بہت سے انصار وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی ان کو گھیر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ ان کو بچانے لگے۔ ایک غازی نے علی پر تلوار چلائی۔ وہ گر پڑا۔ اُمَیّہ نے اس زور سے چیخ ماری کہ کسی نے کبھی نہ سنی تھی۔ اب جناب عبدالرحمٰن رضؓ نے اُمَیّہ سے کہا میں تمہاری حفاظت سے قاصر ہوں تم بھاگ جاؤ۔ اتنے میں ایک مجاہد نے تلوار کی ضرب سے اُمَیّہ کو دارالبوار پہنچا دیا (ابن جریر طبری)

دوسری روایت کے بموجب حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے اُمَیّہ سے کہا تم جھٹ زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے تاکہ انصار اس پر قابو نہ پا سکیں لیکن انصار نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اُمَیّہ کو قتل کر دیا۔ اس کشمکش میں حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی ایک ٹانگ بھی زخمی ہو گئی۔

حضرات! یہ وہی اُمَیّہ بن خلف ہے جس نے اپنی ہلاکت کی نسبت حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا ذکر سنا ہوا تھا اس لیے بدر آنے سے پہلوتہی کر رہا تھا اور ابوجہل اور عُقبہ بن ابی مُعَیط نے اس کے پاس سرمہ دانی اور آتش دان لے جا کر اس کو طعنہ دیا تھا کہ تم عورت ہو اور وہ ناچار اپنی جورو سے یہ کہہ کر چل پڑا تھا کہ جونہی کوئی موقع ہاتھ آئے گا لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس آ جاؤں گا۔

ابوالبختری کی ہلاکت

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر قریش کے جن افراد کے قتل کا امتناع فرمایا تھا ابوالبختری عاص بن ہشام (بن حارث بن اسد) بھی ان میں داخل تھا۔ یہ بڑا شریف الطبع انسان تھا۔ اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کبھی ستایا اور نہ کبھی کوئی ایسی حرکت کی جو آپ کو ناگوار خاطر ہوتی جب کمہ معظمہ میں قریش نے ہاشمیوں کو ایک درہ میں محصور کر کے تین سال تک ان کا مقاطعہ کر رکھا تھا اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادرزادہ حکیم بن حزام نے ایک مرتبہ کچھ گیہوں حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس بھیجا تھا اور ابوجہل نے اس کی مزاحمت کی تھی تو ابوالبختری نے اس کو پیٹا تھا۔ اس کے علاوہ قریش کے ظالمانہ معاہدہ کے پھاڑے جانے میں بھی ابوالبختری کا ہاتھ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر دنیا کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ قدرشناسی اپنے جان نثار ہاشمیوں کی طرح ابوالبختری کے قتل کی بھی ممانعت فرمادی تھی۔ ابوالبختری کا اصل نام عاص بن ہشام بن حارث بن اسد تھا۔ دوران قتال میں حضرت عبداللہ معروف بہ مُجذَّر بن زیاد بلوی انصاری رضؓ کا ابوالبختری سے تصادم ہوگیا۔ حضرت مجذر رضؓ کہنے لگے چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمہارے قتل کی ممانعت ہو چکی ہے اس لیے میں تم کو چھوڑتا ہوں۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق جنادہ بن مُلیحہ بھی مکہ سے آیا تھا۔ ابوالبختری نے دریافت کیا کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟ حضرت مجذر نے کہا نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے صرف تمہارے متعلق حکم دے رکھا ہے۔ ابوالبختری بولا اگر مارے جائیں گے تو میں اور یہ دونوں ایک ساتھ مارے جائیں گے کیونکہ میں اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ کر خاتونان قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے جان بچانے کے لیے اپنے دوست کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری نے یہ رجزیہ شعر پڑھا؎

لن یسلم ابنُ حُرَّۃٍ اکیله   حتی یموت او یریٰ دونه

(کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے موکل کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا اب خواہ [illegible] مرجائے کامیاب ہو) اور مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔ مجذر رضؓ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کے لیے حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! مجھے اس ذات پاک کی قسم! جس نے حضور والا کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں نے بہتیری کوشش کی کہ ابوالبختری رز و پیکار سے باز رہے اور میں اسے حضور کی خدمت میں لے آؤں لیکن اس نے لڑائی کے

سوا میری کوئی بات منظور نہ کی۔ آخر لڑا اور مارا گیا (محمد بن جریر طبری)

ابوسفیان بن حرب کا فرار

قارئین کرام نے اوپر پڑھا ہوگا کہ جب ابوسفیان بن حرب اپنا قافلہ مسلمانوں کی دستبرد سے بچا کر خطرہ کے مقام سے نکل گئے تو انہوں نے قیس بن امری کے ہاتھ اہل مکہ کو پیغام بھیجا تھا کہ قافلہ صحیح وسلامت نکل آیا ہے۔ اس لیے تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ اب تمہارے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن لشکر قریش نے جس کا سرغنہ اور روح رواں ابوجہل تھا جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ابوسفیان اس امتناع کے باوجود جب اپنے قافلہ کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے تو بڑی عجلت کے ساتھ مکہ سے نکل کر لشکر سے آملے اور غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ انجام کار بہت سے زخم کھا کر بھاگ نکلے۔ وہ منہزم ہو کر بھاگتے وقت کہہ رہے تھے کہ میں نے بدر سے زیادہ منحوس جگہ کوئی نہیں دیکھی۔ خدا کی قسم! عمرو بن ہشام (ابوجہل) بڑا نامبارک آدمی ہے (مدارج)

حضرت حمزہؓ کی شجاعت

پہلے بتایا گیا تھا کہ ازمنہ گزشتہ میں رزم وپیکار کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا تھا کہ صفِ جنگ سے ایک بہادر نکل کر کہتا تھا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ پر آئے؟ اور دوسری طرف کا شجاع نکل کر اس سے جنگ آزما ہوتا تھا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ جب منتخب ونامور بہادر اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکتے تو پھر عام مقابلہ شروع ہوتا۔ معرکۂ بدر میں بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ سطور گزشتہ میں آپ نے پڑھا ہوگا۔ یہ مبارزخواہی ختم ہوئی تو دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرات حمزہ، زبیر، عمر، علی رضی اللہ عنہم نے بالخصوص اس روز خوب داد مردانگی دی۔ اسد اللہ حضرت حمزہؓ کی دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی۔ اس لیے جدھر کا رُخ کرتے تھے صاف نظر آتے تھے۔ اس وقت ان کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے۔ اُمیّہ بن خلف نے قتل ہونے سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے پوچھا تھا کہ لشکر اسلام میں یہ کلغی لگائے کون ہے؟ اور جب اسے بتایا گیا کہ یہ حمزہؓ ہیں تو اس نے کہا کہ آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان انہی نے پہنچایا ہے (تاریخ محمد بن جریر طبری واسد الغابہ)

حضرت زبیرؓ کی شمشیر زنی

حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ یعنی اُن دس

حضرات میں داخل ہیں جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت منجانب اللہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے جن دو دشمنانِ دین کو شہر خموشاں میں پہنچایا اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ حضرت زبیرؓ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں جنگ آزما ہوتے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے اور مونہ مڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ میں شہید ہوئے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ان کے بھائی عُروہ بن زبیرؓ سے پوچھا تھا کہ تم اپنے والد زبیرؓ کی تلوار پہچان لوگے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ خلیفہ عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ کہنے لگے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے اس بیان کی تصدیق کی اور تلوار عُروہ کو دے دی۔

حضرت زبیرؓ نے غزوۂ بدر میں بہت زخم کھائے تھے۔ شانہ کا زخم اتنا گہرا تھا کہ اس مقام پر ہمیشہ کے لیے اتنا گڑھا پڑ گیا تھا کہ اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ حضرت عُروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں ہم اس میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے (بخاری باب غزوۂ بدر)

طویل سجدہ اور مُسلسل مناجات

ایک طرف تو آتش کدۂ رزم اپنی پوری شدت کے ساتھ شعلہ افگن تھا اور دوسری طرف خدا کا حبیب اپنے خالق کردگار کے سامنے سربسجدہ رہ کر عجز و نیاز اور دعا و مناجات میں مشغول تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کا بیان ہے کہ کچھ دیر تک لڑنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ جا کر معلوم کروں کہ رسول خدا کس حال میں ہیں۔ میں نے عریش میں جا کر دیکھا کہ آپ سربسجود کہہ رہے ہیں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ میں قتال کی طرف واپس آیا۔ تھوڑی دیر میں دوبارہ گیا اور آپ کو پھر بھی سربسجدہ پایا۔ پھر سہ بارہ گیا اور دیکھا کہ آپ اب بھی سجدہ میں ہیں۔ اس وقت نُصرت الٰہی مسلمانوں کے شامل حال ہوئی اور قریش نے راہِ فرار اختیار کی (ابن سعد)

شوقِ شہادت میں بعض صحابہ کی جانبازی

اسلام نے مرگِ شہادت کو اَبَدی زندگی اور سرمدی سعادت قرار دیا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ اس آبِ حیات کے لیے ہمیشہ تشنہ لب رہا کرتے تھے۔ محاربۂ بدر میں جب آتشِ جنگ پورے زور سے مشتعل تھی تو توحید کے منادِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عریش سے باہر نکلے اور اربابِ ایمان کو جانبازی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا مجھے اسی ذاتِ برتر کی قسم! کہ جس کے دستِ قدرت

میں میری جان ہے کہ جو کوئی طلب ثواب اور رضائے حق کے حصول کی خاطر اعدائے دین سے جنگ کر کے مارا جائے گا، اسے بہشت جاوداں کی کامیابی نصیب ہوگی۔ بڑھو اور دوڑو جنت کو جس کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے۔ حضرت عُمیر بن حُمام انصاری رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ تم ضرور داخل ہو گے۔ عمیرؓ بڑے شاداں و فرحاں کہنے لگے کہ اب میرے اور جنت کے درمیان بجز اس کے اور کوئی چیز حائل نہیں ہے کہ ان بت پرستوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں۔ اس کے بعد انہوں نے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر شوق شہادت جوش زن ہوا اور بولے اب اتنا وقفہ بھی جس میں کھجوریں کھا سکوں میرے لیے شاق ہے۔" یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں۔ تلوار لے کر اعداء کی صفوں میں گھس گئے اور زخم خوردہ ہو کر جاں بحق ہو گئے (صحیح مسلم و تاریخ طبری)

اس کے بعد عوف بن حارث انصاریؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! ایمان باللہ کے بعد حق تعالیٰ کو بندے کی کون سی بات پسند ہے؟ فرمایا یہ کہ زرہ پہنے بغیر دشمن سے بھڑ جائے۔ عوفؓ نے فی الفور اپنی زرہ اتار پھینکی۔ تلوار سنبھالی۔ دشمن سے لڑے اور شہید ہو گئے (محمد بن جریر طبری)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں، ان کے چھوٹے بھائی کا نام عُمیر بن ابی وقاص تھا۔ جب فدایانِ اسلام مرکزِ نبوت سے چلنے لگے تو یہ بھی لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی۔ حضرت سعدؓ سے کہنے لگے بھائی! میں بھی ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ شاید خدائے قدیر شہادت نصیب کرے لیکن اس بات کا کھٹکا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام مجھے کم عمر دیکھ کر انکار نہ فرما دیں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا اچھا تم کوشش کر کے دیکھو شاید اجازت مل جائے۔ جب جانباز یکے بعد دگرے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معاینہ کے لیے پیش ہوئے تو آپ نے عُمیرؓ کی صغر سنی کا لحاظ کر کے فرمایا تم واپس جاؤ۔ یہ سن کر وہ بے اختیار رونے لگے۔ ان کے وفورِ جوش اور اشتیاقِ جاں سپاری نے آپ کے قلب مبارک کو بہت متاثر کیا اور شرکت کی اجازت دے دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں معرکہ آرائی کے وقت اپنے دستِ مبارک سے ان کے تلوار باندھی۔ لڑائی شروع ہوئی تو اعداء کے زغہ میں گھس گئے۔ اپنے امکان بھر کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ آخر عمرو بن عبدوُدّ نام ایک مشرک کی تلوار نے چمنِ اسلام کے اس

نودمیدہ غنچہ کی تمنائے شہادت فی سبیل اللہ پوری کردی۔ (مستدرک حاکم)

مسلمانوں کا دوچند نظر آنا

اوپر لکھا گیا ہے کہ خدائے حکیم نے کافروں کی نگاہ میں مسلمان کم کرکے دکھائے تاکہ وہ مقابلہ پر کھڑے رہیں اور شروع ہی میں نہ بھاگ کھڑے ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر گتھ گئے تو خدائے قدیر کے کرشمۂ قدرت نے ان کو مسلمانوں کی تعداد اپنی جمعیت سے بھی دونی دکھائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے مرعوب ہوکر ہمت ہار دی۔ خدائے برتر اس واقعہ کے متعلق اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے (ترجمہ):-

(دینِ اسلام سے انکار رکھنے والو!) ان دو مخالف گروہوں میں تمہارے (سمجھنے کے لیے) خدا کی قدرت کی بڑی بھاری نشانی ظاہر ہوچکی ہے جو ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ ان میں سے ایک گروہ تو مسلمانوں کا تھا جو خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا منکروں کا تھا جن کو آنکھوں دیکھتے مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دوچند دکھائی دے رہا تھا اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے (۳: ۱۳)

جبریلؑ کی آمد

اب وعدۂ نصرت خداوندی کے پورا ہونے کا وقت آگیا تھا۔ یوں تو جان نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سخت بے جگری سے حملے کرکے دشمن کو تہس نہس کر رہے تھے لیکن غنیم کو آخری شکست دے کر میدانِ جنگ سے بھگانے کے لیے ملائکہ کی امداد بھی آپہنچی۔ چنانچہ مروی ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے عریش میں شاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ جھپک گئی۔ بیدار ہوئے تو فرمایا ابوبکر! لو اللہ کی مدد آپہنچی۔ یہ جبریلؑ ہیں انہوں نے اپنے گھوڑے کی لگام تھام رکھی ہے اور اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہوکر جا رہے ہیں (بخاری و ابن جریر طبری)

کنکریوں کا پھینکا جانا

اس کے بعد آپ نے عین ہنگامۂ جنگ میں کنکریوں کی ایک مٹھی اُٹھائی اور قریش کے سامنے کھڑے ہوکر فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (چہرے بگڑ گئے اور رسوا و ذلیل ہوئے) پھر کنکریوں پر دم کرکے ان کو قریش کی طرف پھینکا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اب حملہ کرو۔ اس واقعہ کی نسبت رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (یہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ فی الحقیقت اللہ نے پھینکیں) (ابن جریر طبری) یعنی یہ تاثیر آپ کی قوت سے

جو بشری ہے ظاہر نہیں ہوئی بلکہ قدرت ایزدی سے ظہور پذیر ہوئی۔ اور کوئی مشرک ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں اور ناک کے سوراخوں میں کوئی نہ کوئی سنگریزہ نہ پڑا ہو۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے راہِ فرار اختیار کی (مدارج)

ملکی امداد کے بعض عجائبات

مغربی تاریخ نگاروں کو جن کے نزدیک اس عالم مادّیات میں جو کچھ ہے صرف ظاہری اسباب کا نتیجہ ہے، اس امر پر سخت حیرت ہے کہ تین سو پیادوں نے جن کے پاس اسلحہ بھی برائے نام تھے ایک ہزار مسلح جوانوں پر جن میں سے ہر ایک لوہے میں غرق تھا اور قریب قریب ہر ایک کے پاس سواری تھی کیونکر فتح پائی؛ واقعی سخت حیرت کی بات ہے اور ہم بھی جہاں تک ظاہری اسباب کا تعلق ہے اس استعجاب میں ان کے شریک ہیں لیکن معلوم ہو کہ مادّی اسباب سے ماوراء بعض روحانی اسباب بھی ہوتے ہیں جہاں تک ظاہر بینوں کی رسائی نہیں۔ اس معرکہ میں تین سو غیر مسلح پیادوں کا قریباً ہزار مسلح سواروں پر غلبہ پانا انہی روحانی اسباب سے وابستہ ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی اور مسلمانوں کی وہ متواتر روایات جن کی صحت میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں اس حقیقت پر صراحۃً ناطق ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن نصرتِ الٰہی نے ملائکہ کو اہلِ حق کی مدد پر بھیج دیا تھا۔

اب یہاں اس نصرت بخشی کے چند نظائر درج کیے جاتے ہیں۔ ابوداؤد مازنی سے جو بدر میں شریک تھے مروی ہے کہ اس روز میں جس مشرک کا بھی تعاقب کر کے اس پر وار کرنا چاہتا میرے پہنچنے سے پہلے ہی اس کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرتا اور میں محسوس کرتا کہ اس کو کسی اور نے ہلاک کیا ہے اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر میں ہماری یہ حالت تھی کہ اگر ہم میں سے کسی نے اپنے ہتھیار سے کسی مشرک کی طرف اشارہ کر دیا تو قبل اس کے کہ ہتھیار اس تک پہنچنے پائے اس کا سر تن سے جدا ہو کر الگ گر پڑتا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنو غفار میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ جنگ بدر کے وقت تک میں ایمان سے مشرف اندوز نہیں ہوا تھا۔ اس روز میں اور میرا عم زاد بھائی ایک پہاڑ پر جہاں سے میدان کارزار صاف نظر آتا تھا اس ارادہ سے چڑھ گئے کہ جس فریق کو ہزیمت ہو گی اس کا مال لوٹیں گے۔ جب ہم پہاڑ پر محو نظارہ تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کا ایک ٹکڑا ہمارے قریب آ گیا ہے اور اس میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آ رہی ہے۔ اس اثناء میں ہم نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ حیزوم! آگے بڑھ"! اس آواز سے میرا چچیرا بھائی غش کھا کر

گر پڑا۔ اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اسی وقت طعمۂ اجل ہو گیا اور باوجودیکہ میں نے دل کو بڑا مضبوط رکھا لیکن پھر بھی مشکل جانبر ہو سکا (ابن جریر طبری)

حضرت ابن عباس رض کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر کے دن جب کوئی مومن کسی دشمن کا پیچھا کرتا تو وہ مومن اوپر کی طرف سے تازیانہ رسید کرنے کی آواز سنتا اور کسی غیر مرئی سوار کو یہ کہتے سنتا اے حیزوم (جبرئیل ع کے گھوڑے کا نام) آگے بڑھ۔ ناگاہ مسلمان مشرک کو زمین پر پڑا پاتا۔ دوسری مرتبہ کسی اور عدوے حق کی طرف دیکھتا تو اس کی ناک کو زخمی پاتا۔ تازیانہ کی ضرب کے نشان چہرے پر نمایاں ہوتے اور ضرب کی جگہ سبز و سیاہ ہوتی۔ یہ دیکھ کر ایک انصاری بزرگ حضرت سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے مشاہدات کا ذکر کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ یہ فرشتوں کی کمک ہے جو آسمان سوم سے آئی ہے (صحیح مسلم حاشیہ شرح نووی مطبوعہ نولکشور جلد ۲ ص ۹۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ملائکہ کی یہ شان تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھ رکھے تھے جن کے شملے پیچھے کی طرف تھے اور جنگ حنین میں سرخ عمامے ان کے زیب سر تھے مگر ملائکہ نے غزوۂ بدر کے سوا کسی اور معرکہ میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا اور تلوار نہیں چلائی (محمد بن جریر طبری)

قتال ملائکہ میں عامیانہ اشکال

ایک سوال یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو خدا نے یہ قدرت بخشی ہے کہ اپنے بازو کے ایک پر سے کفار کی تمام آبادیوں کو ختم کر دیں۔ ایسی حالت میں قتال کے لیے ملائکہ کے جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ اس قسم کا سوال عوام کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے جو تدبیرات الٰہی اور ترتیب اسباب اور خدائے حکیم و دانا کی نامتناہی حکمتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر ایسے لوگ یوں بھی کہنے لگیں کہ جب حق تعالیٰ قادر تھا کہ کافروں کو اپنے قہر و جلال کی تلوار سے ہلاک کر دے یا آثار کفر و ضلال کو اپنے نور ہدایت سے محو کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد و قتال کی کیا ضرورت تھی" تو کچھ بعید نہیں۔ حالانکہ مومنوں کے ثواب و نوال اور کافروں کے عقاب و نکال کا مدار اسباب پر ہے۔

قریش کی ہزیمت و فرار

قریش نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن مسلمانوں سے جو آسمانی تائید سے قوی پشت تھے کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ جب

ابوسفیان نے میدانِ جنگ کا نقشہ بگڑتا دیکھا تو بھاگ کر جان بچانے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ دوسرے سردار و رؤسا میدانِ جاں ستاں کی نذر ہوئے یا ہتھیار ڈال کر طالب امان ہوئے۔ جب لشکر قریش کے عوام نے اپنے منتخب سرداروں کی ہلاکت کے بعد بقیۃ السیف کو قید ہوتے دیکھا تو جس کسی سے ہو سکا مقابلے پر بھاگنے کو ترجیح دے کر اپنی جان بچائی۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ حضرات نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی۔ تمام اعیانِ قریش جو قبائل کے سپہ سالار اور شجاعت و جانبازی میں شہرۂ آفاق تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ قریش کے ستر آدمی مقتول اور اسی قدر اسیر ہوئے۔ ابوجہل نے ابوسفیان کے پیغام مراجعت کے جواب میں کہا تھا کہ جب تک بدر میں فتح پا کر ناچ رنگ کی مجلس گرم نہ ہو، دورِ شراب نہ چلے، اونٹ ذبح کر کے پر تکلف کھانے نہ کھلاؤں واپس نہ ہوں گا لیکن خدائے قاہر کی قدرت قرمان دیکھو کہ ابوجہل بدر پہنچا تو وہاں اسے شراب کی جگہ موت کے پیالوں کا دور اور بجائے ناچ رنگ کے نوحے اور بین اور سامانِ عیش کی جگہ کشتوں کے پشتے دکھائی دیے۔

قرآن میں فتح بدر کی پیشین گوئی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:-

سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ
(۵۴ : ۴۵)

عنقریب (ان کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلے میں) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

اس آیت میں جنگ کی پیشین گوئی دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے معلوم نہیں وہ کون سا گروہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ آخر جب جنگ بدر پیش آئی اور قریش کو شکست ہوئی تو انہوں نے حال وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ یہی آیت پڑھ رہے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء) نزول آیت کے وقت نہ جہاد ہی مشروع ہوا تھا اور نہ کوئی مسلمان قتال کے نام سے واقف تھا۔ پس یہ پیشین گوئی بھی دلائل نبوت میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

فتح روم کی پیشین گوئی کا پورا ہونا

جس روز مسلمان بدر میں قریش پر غالب آئے اسی روز رومیوں نے جو دین مسیح کے پیرو تھے آتش پرست ایرانیوں کو شکست دی۔ اس دن مسلمانوں کو فرح و شادمانی کی دو کامرانیوں سے لطف اندوز ہونا نصیب ہوا۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اس لطف اندوزی کی وجہ قارئین کرام نے کسی سابقہ فصل میں پڑھی ہوگی کہ ایران اور روم کی لڑائی میں مسلمان اہل کتاب ہونے کی وجہ عیسائی رومیوں کی فتح چاہتے تھے اور بت پرست قریش کو آتش پرست مجوس کے غلبہ کی آرزو تھی۔ اس آویزش میں ایران کو فتح ہوئی اور قریش نے مسلمانوں کے خلاف زبان طعن دراز کی کہ جس طرح آتش پرست ایرانی اہل کتاب نصاریٰ پر غالب آئے ہیں اسی طرح ہم بت پرست بھی تم قرآن والوں کو مغلوب کریں گے۔ اور قریش نے مسلمانوں کا بُری طرح مذاق اڑایا تھا۔ جب دربار رسالت میں یہ تذکرہ چھڑا تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند سال میں ایک اور لڑائی ہوگی جس میں نصاریٰ پارسیوں کو منہزم کریں گے چنانچہ فتح بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی ناگواری

جب مسلمان حصول غلبہ کے بعد منہزمین قریش کو قید کر رہے تھے تو اس وقت حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے انصار کی ایک جمیعت کے ساتھ عریش کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان گرفتاریوں سے سعدؓ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سعد! کیا قریش کی اسیری تم پر شاق گزر رہی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یارسول اللہ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خداوند عالم نے ہمیں ان بے دینوں پر غلبہ دیا تھا۔ ان دشمنانِ حق کو زندہ رکھنے سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ ہمیشہ کے لیے ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا (منہاج السنہ و تاریخ طبری)

قریش کے اکابر مقتولین

جنگ بدر میں قریب قریب وہ تمام رؤسائے قریش مسلمانوں کی خنجر خارا شگاف کا لقمہ بنے جنہوں نے حضرت فخر دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو ایذائیں دی تھیں یا آپ کے مشورۂ قتل میں شریک تھے یا جنہوں نے بارادۂ قتل آپ کے بیتِ اقدس کا محاصرہ کیا تھا۔ قریش کے ان ممتاز مقتولوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) عَمرو بن ہشام معروف بہ ابوجہل
(۲) عُتبہ بن ربیعہ
(۳) شَیبہ بن ربیعہ
(۴) ولید بن عتبہ بن ربیعہ
(۵) اُمیّہ بن خلف
(۶) علی بن اُمیّہ بن خلف
(۷) عُقبہ بن ابی مُعَیط
(۸) نضر بن حارث

(۹) ابوالبختری بن ہشام
(۱۰) سعید بن عاص بن اُمیّہ
(۱۱) عبیدہ بن سعید بن عاص
(۱۲) حنظلہ بن ابوسفیان
(۱۳) حارث بن عامر بن عبدمنات
(۱۴) طعیمہ بن عدی
(۱۵) زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد
(۱۶) نوفل بن خویلد بن اسد
(۱۷) معبد بن وہب
(۱۸) (ابوجہل کا بھائی) عاص بن ہشام بن مغیرہ
(۱۹) نبیہ بن حجاج سہمی
(۲۰) منبہ بن حجاج سہمی
(۲۱) حرث بن عامر بن نوفل
(۲۲) عمرو بن عثمان (حضرت طلحہؓ کا چچا)
(۲۳) مسعود بن ابی اُمیّہ (ام المومنین ام سلمہؓ کا بھائی)
(۲۴) ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی

(طبقات ابن سعد و سیرت ابن ہشام)

مقتولوں کی لاشیں

حصول فتح کے بعد حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان جنگ میں تین دن تک قیام فرمایا۔ نارحرب منطفی ہونے کے بعد آپ نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کرایا۔ قریش تو اپنے مُردے میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئے تھے اس لیے آپ کو حسب معمول ان کی لاشیں ٹھکانے لگانے کا بھی فکر ہوا۔ قریش کے مُردے زیادہ تھے۔ ایک ایک کا الگ گاڑنا دشوار تھا، اس لیے ایک وسیع کنواں جو غیر مستعمل پڑا تھا تلاش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام لاشیں لے جا کر اس میں ڈال دی جائیں چنانچہ لاشیں اس میں ڈال کر مٹی اور پتھروں سے ڈھک دی گئیں لیکن اُمیّہ بن خلف کی لاش کو لے جانے کے لیے اٹھانے لگے تو وہ کُرتے میں سے نکل پڑی۔ چونکہ وہ پھول جانے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی تھی کہ منتقل کی جا سکے اس لیے وہیں پیوند خاک کر دی گئی۔

حضرت ابوحذیفہؓ کو باپ کی محرومیٔ ایمان کا صدمہ

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عُتبہ بن ربیعہ کی لاش کو خاک مذلت پر اور بے گور و کفن کوئیں میں ڈالے جاتے دیکھا تو بحکم طبیعت و جبلت سخت بے چین ہوئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ابوحذیفہؓ کے چہرہ پر پڑی تو وہ بہت اداس، غمگین اور متغیر نظر آتے۔ فرمایا ابوحذیفہ! معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی یہ حالت دیکھ کر تمہارا دل بھر آیا ہے۔ انہوں نے

التماس کی یا رسول اللہ! مجھے اس بات کا رنج ہے کہ میرا باپ بڑا حلیم، معاملہ فہم، صائب الرائے، دانشمند، سخی، آداب و اخلاق ستودہ سے موصوف تھا اور مجھے پورا وثوق تھا کہ یہ اخلاق حمیدہ اسے اسلام کی طرف رہبری کریں گے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سعادت ایمان سے محروم رہ کر کفر پر مرا اور میری ساری امیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں تو مجھے اس بات پر سخت قلق ہوا" یہ سن کر آپ نے ان کی تعریف کی اور دعا سے خیر دی (محمد بن جریر طبری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عادات خیر اور اخلاق حسنہ حصول ایمان کے داعی و کفیل نہیں ہیں اور ہدایت محض فضل و عطائے الٰہی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دل برقرار اور مرکز یقین پر ثابت ہو تو طبیعت کی غیر اختیاری کراہیت قطعاً قابل اعتنا نہیں۔ اور اس حدیث کو پڑھ کر تصور کرنا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا کس درجہ یقین تھا کہ ایک شخص کا باپ اور بھائی اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو جاتے ہیں اور باپ کو جو تمام صفات حسنہ سے موصوف تھا اس کے سامنے خاک مذلت پر کھینچتے ہیں اور اس کے دیکھتے دیکھتے کنوئیں میں پھینکتے ہیں اور اس کی وجہ سے جو بقدر قلیل کراہیت و ناگواری اس کی طبیعت میں رونما ہوتی ہے اس پر اس کو عتاب کیا جاتا ہے تو وہ معذرت کرتا ہے (مدارج)

سرورِ انبیاء ﷺ کا مقتولوں سے خطاب

جب مقتولین کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا تو حسب روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور فرمایا اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس وعدہ کو جو حق تعالیٰ نے تم سے کیا تھا ٹھیک پایا؟ بیشک مجھ سے جو وعدہ رب العزت نے کیا تھا وہ پورا ہوا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ ایسے اجساد سے خطاب فرماتے ہیں جو بے روح ہیں؟ آپ نے فرمایا اب انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ مُردوں نے آپ کی بات سنی حالانکہ میں نے یہ نہیں کہا کہ انہوں نے آپ کی بات سن لی بلکہ آنحضرت ﷺ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ ان کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ (۲۷ : ۸۰)

بیشک تم مُردوں کو (اپنی بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو (خصوصاً) ایسی حالت میں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔

اس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں:۔

اسمٰعیلی کہتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رض کو فہم و ذکا، کثرت روایت اور غوامض علم پر غور و خوض میں وہ کمال حاصل تھا کہ جس سے زیادہ متصور نہیں۔ لیکن ثقہ کی روایت کو ویسی ہی نص سے جو اس کے نسخ یا تخصیص یا استحالہ پر دلالت کرتی ہو، رد کیے بغیر چارہ نہیں۔ اور اس بات میں جس سے ام المومنین رض نے انکار اور دوسروں نے اس کا اثبات کیا جمع و تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (تم مردوں کو نہیں سنا سکتے) حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نُطق گرامی کے منافی نہیں کہ "انہوں نے سن لیا ہے۔" کیونکہ اسماع (سُنانا) مُسْمِع (سنانے والے) کی طرف سے سامع کے کان میں پہنچا دینے کا نام ہے۔ پس خدائے قدیر ہی وہ ذات تھی جس نے ان کو سنا دیا اور اپنے نبی کی آواز ان کو پہنچائی۔ خواہ انہوں نے یہ آواز اپنے سر کے کانوں سے سنی یا دل کے کانوں سے اس کا ادراک کیا۔"

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مُردوں کا آپ کا کلام سننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اس لیے اس موقع پہ آیت مذکورہ سے تمسک کرنا کسی طرح موزوں نہیں۔ اور علماء لفظ مَوتیٰ یعنی مردہ اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (جو قبروں میں ہیں) کی تفسیر میں مختلف البیان ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رض نے ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جس کے باعث انہیں اس ارشاد نبوی میں تاویل کرنی پڑی۔ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ (جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو) اکثر کا یہی قول ہے۔ اور بعض نے مجازی معنیٰ مراد لیے ہیں اور مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے کفار مراد لیے ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مُردوں کے مشابہ ہیں۔ ایسی حالت میں آیت کے اندر کوئی تاویل ہی نہ رہی جس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی فرمائی تھی (فتح الباری جلد ۷، ص ۲۱۶)

بعض علماء کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اے کنوئیں والو! تم نبی کے خاندان والے ہو کر اپنے نبی کے حق میں بڑے موذی تھے۔ تم نے میری تکذیب کی مگر دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے گھر سے نکالا اور دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی دوسروں نے میری مدد کی (ابن جریر طبری)

مراجعت اور مال غنیمت کی تقسیم

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مراجعت کے وقت حکم دیا کہ دشمن کے پڑاؤ میں جو کچھ ملے اسے

ایک جگہ جمع کرو۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ آپ نے اس کو اپنے ساتھ بار کرا لیا اور اس کی نگرانی حضرت عبداللہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی۔ جب صُفراء کی گھاٹی کو عبور کر آئے تو سُرخ ریت کے اس ٹیلے پر جو گھاٹی اور نازیہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا فروکش ہوئے۔ یہاں آپ نے مال غنیمت علی السویہ سب مجاہدوں پر تقسیم فرمایا۔ تقسیم غنیمت کے بعد وہاں سے چلے۔ جب روحاء پہنچے تو مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ ان لوگوں نے آپ کو اور تمام غازیوں کو اس فتح عظیم پر مبارک باد دی۔ سلمہ بن سلامہ رضؓ نے لوگوں سے بیان کیا کہ بدر میں مشرک حملہ آوروں کی یہ حالت تھی کہ گویا قربانی کے جانور ہیں جن کو کھال کھینچ کر لٹکا دیا گیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ مسکرائے اور فرمایا برادر زادے! واقعی اہل کفر کی یہی حالت تھی۔

غیر شرکائے جنگ جنہیں غنیمت بدر سے حصہ ملا

جس کسی کو قائد لشکر کہیں قاصد، مخبر، جاسوس بنا کر بھیجے یا کسی دوسرے کام پر متعین کرے، اس کو بھی لڑنے والوں کے برابر مال غنیمت میں حصہ ملتا ہے۔ صحابہ میں سے آٹھ (تین مہاجر اور پانچ انصار) وہ حضرات تھے جو کفار سے معرکہ آرا نہ ہوئے لیکن انہیں مال غنیمت سے حصہ ملا۔ ان میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے جنہیں مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاجزادی سیدہ رُقیہ رضؓ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے تھے اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید رضؓ جن کو آپ نے قریش کے تجارتی قافلہ کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے شام کے راستہ پر بھیجا تھا۔ اسی طرح ابو لبابہ بشیر بن عبدالمنذر کو آپ مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر آئے تھے۔ عاصم بن عدی جنہیں آپ نے اہل عالیہ پر اپنا نائب بنایا تھا۔ حارث بن حاطب جن کو آپ نے روحاء سے بنو عمرو بن عوف کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجا تھا۔ حارث بن صمہ جو روحاء میں علیل ہو کر جنگ سے معذور ہو گئے تھے۔ خوات بن جبیر جو علالت کی وجہ سے ناکارہ ہو گئے تھے۔ (ابن جریر طبری)

شمشیر ذوالفقار

معلوم ہو کہ شریعت مطہرہ نے مال غنیمت میں امام یعنی حاکم اعلیٰ یا سپ کا حصہ عام شرکائے جنگ سے زیادہ نہیں رکھا۔ ہاں اس کو یہ اخت وامتیاز بخشا ہے کہ لونڈی، غلام، گھوڑا، ہتھیار یا کوئی اور چیز جسے اس کی نگاہ انتخاب کرے تقسیم سے پہلے اپنے لیے چھانٹ لے۔ آپ نے منبہ بن حجاج مقتول کی تلوار ذوالف

اپنے لیے علیحدہ کر لی۔ اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں آپ کو بھی وہی حصہ دیا گیا جو عام مجاہدین ملت کو ملا تھا۔ (ابن سعد و طبری)

فقار (بفتح الفاء) ہڈیوں کی قطار اور مہرہائے پشت کو کہتے ہیں جو کمر سے گردن تک چلے گئے ہیں چونکہ اس تلوار پر ریڑھ کی ہڈی کی قطار بنی ہوئی تھی اور اس کو بزعم خود عدیم الارتفاع بنایا گیا تھا، اس بنا پر ذوالفقار کے نام سے موسوم ہوئی۔ حضور آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار غزوۂ خندق میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو مرحمت فرما دی تھی۔

عُقبہ اور نضر بن حارث کا قتل

قریش کے ستر آدمی ہلاک اور ستر ہی قید ہوئے تھے۔ ان قیدیوں میں عُقبہ بن ابی مُعیط اور نضر بن حارث بھی داخل تھے۔ یہ دونوں جن کا تذکرہ بارہا صفحات گزشتہ پر ہو چکا ہے، بڑے خطرناک قسم کے دشمنانِ دین تھے۔ جب آپ بدر سے کوچ کر کے صُفراء میں پہنچے تو حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے فرمانِ رسالت کے ماتحت نضر بن حارث کی گردن مار دی۔ یہاں سے چل کر جب آپ عرق الظبیہ پہنچے تو آپ نے حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عُقبہ بن ابی مُعیط کو شہر خموشاں میں پہنچا دیں۔ جب حضرت عاصمؓ اس کے قتل کے لیے بڑھے تو اس نے چلا کر کہا محمدؐ! میرے بچوں کا کون کفیل ہو گا؟ آپ نے فرمایا جہنم (ابن جریر طبری)۔ جہنم سے آپ کی یہ مراد تھی کہ تم خود تو جہنم میں جاؤ پیچھے تمہاری اولاد کا جو حشر مقدر ہو گا وہ ہو کے رہے گا۔ عُقبہ نبی علیہ السلام کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا۔ اسی محروم القسمت نے ایسی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی نجس اوجھ رکھی تھی جبکہ آپ مسجد حرام میں سربسجود تھے۔

عُقبہ کی اولاد حلقۂ اسلام میں

عُقبہ کی ہلاکت کے بعد اس کی ساری اولاد حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کے ایک بیٹے ولید بن عقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے محاصل وصول کرنے کی غرض سے قبایل میں جایا کرتے تھے (سیرت ابن ہشام) ولید امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدت تک کوفہ کے حاکم رہے۔ ولید کی ہمشیر اُم کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں ان کے بھائیوں کے قبول اسلام سے پہلے نورِ توحید نے جلوہ گری کی اور وہ تن تنہا ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ چار اکابر ملت یعنی حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت زُبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے ان کے پاس پیامِ نکاح بھیجا۔ اُم کلثومؓ نے اپنے سوتیلے بھائی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے

مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بارہ میں استصواب کرو۔ انہوں نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر آپ کی صلاح پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ زید بن حارثہ کا پیغام منظور کر لو چنانچہ زیدؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ محترمہ اُمّ کلثومؓ اور حضرت عثمانؓ کی والدہ اروی بنت کریز حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اروی کی والدہ یعنی حضرت عثمانؓ کی نانی کا نام اُمّ الحکیم بیضا بنت عبدالمطلب تھا (ابن سعد)

نضر کون تھا؟

اور نضر بن حارث وہی شخص تھا جو عراق سے رستم اور اسفندیار کے قصے خرید لایا تھا۔ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھتا تو یہ بالمقابل کھڑا ہو کر رستم اور اسفندیار کے قصے شروع کر دیتا۔ نضر کی نسبت سابقہ صفحات پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ جب وہ کسی شخص کو اسلام کی طرف مائل دیکھتا تو اسے اپنی لونڈیوں کے پاس لے جاتا اور ان سے کہتا کہ ان کو گانا سناؤ اور اچھی طرح خاطر مدارات کرو۔ اور قارئین کرام نے یہ بھی پڑھا ہو گا کہ ایک مرتبہ نضر دوپہر کے وقت حجون پہاڑ کی گھاٹی میں آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش میں گیا تھا مگر نامراد رہا۔

فتح اسلام کی بشارت مدینہ منورہ میں

فتح کے دن جیسے ہی قریش کا لشکر منہزم ہو کر بدر سے بھاگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو مدینہ منورہ کی شمالی آبادی کے پاس اور حضرت زید بن حارثہؓ کو جنوبی حصہ کے پاس فتح کا مژدہ سنانے کے لیے روانہ فرما دیا تھا۔ جب حضرت زید بن حارثہؓ بشارت فتح کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے ہیں، اسی وقت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا کی تدفین سے فراغت پائی تھی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر تھیں۔ حضرت رُقیہؓ لشکر اسلام کی روانگی کے وقت علیل تھیں اور آپ حضر عثمان اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ان کی تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑ گئے مدینہ منورہ میں لوگ نتیجہ جنگ معلوم کرنے کے سخت منتظر تھے۔ جب حضرت زیدؓ قبرستا پہنچے تو ان کے اردگرد لوگوں کا بڑا ہجوم ہوا۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ جب اپنے والد حضرت زید کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ کہہ رہے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ حجاج سب قتل ہو گئے ہیں۔ میں نے پوچھا ابا جان! کیا واقعی قریش کے یہ سب نامور س قتل ہوئے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں بیٹا یہ سب مارے گئے ہیں (ابن جریر طبری)

ہزیمت قریش کی اطلاع مکہ معظمہ میں

بدر کے میدان جنگ سے قریش کے جو آدمی بھاگ گئے تھے، ان میں سب سے پہلا شخص جو مکہ معظمہ میں وارد ہوا وہ حَیسمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ جنگ کی کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا عتبہ بن ربیعہ مارا گیا۔ شیبہ بھی قتل ہوا۔ ابوجہل بھی ہلاک ہوا۔ غرض تمام اکابر قریش کے نام لیے جو میدان جاں ستاں کی نذر ہوئے تھے۔ صفوان بن اُمیّہ بن خلف جو حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لوگوں سے کہنے لگے ذرا اس سے میرے باپ اور بھائی کا حال تو دریافت کرو۔ جب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ صفوان کا باپ اُمیّہ بن خلف اور بھائی علی بن اُمیّہ بھی قتل ہو چکے ہیں (سیرت ابن ہشام)

ابُولَہَب کو محترمہ اُمّ الفضلؓ کا لٹھ مارنا

حضور سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ پہلے حضرت عبّاس رض کے مملوک تھے۔ جناب عباسؓ نے انہیں آپ کی غلامی میں دے دیا اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ لیکن جنگ بدر کے ایام میں وہ ابھی حضرت عبّاس رض ہی کے غلام تھے۔ ابورافع رض کا بیان ہے کہ ان دنوں اسلام ہمارے اہل بیت میں سرایت کر چکا تھا کیونکہ حضرت عباس رض کی زوجۂ محترمہ اُمّ الفضلؓ اسلام لا چکی تھیں۔ میں بھی حلقۂ اسلام میں داخل تھا بلکہ میرے آقا حضرت عباس رض بھی دل سے مسلمان تھے لیکن قوم کی مخالفت پسند نہ کرتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے ایمان و اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حضرت عباس رض بڑے مالدار تھے اور ان کا روپیہ قوم میں پھیلا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرمان نصیب چچا ابولہب آپ کا سخت دشمن جان تھا۔ وہ معرکۂ بدر میں خود شریک نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی طرف سے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا۔

جب نبی علیہ السلام کی فتح اور اشقیائے قریش کے مارے جانے کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو ابولہب اور دوسرے اعدائے دین سخت متحیر ہوئے۔ ابورافع رض کا بیان ہے کہ فتح اسلام کی خبر سے ہمارے دلوں کو بڑی تقویت و مسرت ہوئی۔ میں اس وقت زمزم کے ایک ملحقہ کمرہ میں تیر سازی میں مصروف تھا اور میری مالکہ محترمہ اُمّ الفضل بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ اس اثناء میں ابولہب گھسٹتا ہوا ہماری طرف آیا اور میری پیٹھ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگ کہنے لگے کہ وہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (پیغمبر علیہ السلام کے عم زاد بھائی جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے) آئے ہیں۔ ان سے لڑائی کے حالات دریافت کرنے چاہئیں۔

ابولہب نے انہیں آواز دی کہ بھتیجے! ذرا یہاں میرے پاس آنا۔ وہ آئے تو لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ابولہب بولا برادر زادے! کہو وہاں کیا گزری؟ ابوسفیان بن حارث کہنے لگے واللہ! اس کے سوا وہاں کی کوئی خبر نہیں کہ لڑائی کے وقت قریش نے مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو اس بے بسی کے ساتھ پیش کر دیا جس طرح مُردہ غسّال کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے مسلمانوں نے جس کی چاہی گردن مار دی اور جس کو چاہا قید کر لیا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ ہم سفید رنگ کے آدمی دیکھے جو زمین اور آسمان کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ ہم پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے مار مار کر ہمارے پرخچے اُڑا دیے"۔

ابورافعؓ برابر سے بول اُٹھے کہ وہ فرشتے تھے"۔ یہ سن کر ابولہب آپے سے باہر ہو گیا اور اس نابکار نے حضرت ابورافعؓ کے مونھ پر نہایت زور سے ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ ابورافع بھی سنبھل کر اس سے لپٹ گئے مگر کمزور تھے اس لیے ابولہب پر غالب نہ آ سکے۔ ابولہب نے ان کو پٹک دیا اور سینے پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا۔ حضرت اُمّ الفضلؓ پہلے تو خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں۔ آخر ان سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کے سر سے خون کا فوّارہ چھوٹ پڑا اور بڑا زخم آیا۔ محترمہ اُمّ الفضلؓ کہنے لگیں بے حیا! تو نے یہ دیکھ کر کہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اسے ذلیل کرنا چاہا تھا؟ اب ابولہب کی مجال نہ تھی کہ بھاوج کے سامنے اُف کرتا۔ دم بخود با صد ذلت و خواری وہاں سے اٹھ کر چلا گیا (ابن سعد و ابن جریر طبری)

بلد الامین میں ہزیمت قریش کا ماتم

مکہ معظمہ میں ہزیمت قریش کی خبر سے کہرام مچ گیا۔ شہر میں کوئی بڑا گھرانا ایسا نہ تھا جہاں صفِ ماتم نہ بچھی ہو۔ لیکن ابھی نوحہ و ماتم کا آغاز ہی تھا کہ ابوسفیان بن حرب نے غیرت کی وجہ سے منادی کرا دی کہ کوئی شخص اپنے مقتولوں پر نوحہ نہ کرے ورنہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہم پر ہنسی اُڑائیں گے۔ اسود بن عبد یغوث کے تین بیٹے زمعہ معروف بہ بکر، عقیل اور حارث بدر میں کام آئے تھے۔ اس کا دل اُمنڈا آتا تھا لیکن قومی عزت و وقار کا لحاظ کرتے ہوئے رونے سے احتراز کرتا تھا۔ انہی ایام میں کسی طرف سے رات کے وقت رونے کی آواز سنائی دی سمجھا کہ اب قوم نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ غلام کو دوڑایا کہ دریافت کر آئے کہ رونے کی اجازت ہو گئی تاکہ میں بھی دل کھول کر رو لوں اور اگر سب پر نہیں تو کم از کم اپنے

لختِ جگر زمعہ معروف بہ بکر پر تو کچھ نوحہ کر لوں کیونکہ میرے باطن میں آگ سلگ رہی ہے۔ لیکن غلام نے آکر بیان کیا کہ مقتولوں پر رونے کی اجازت نہیں ہوئی۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے وہ اس لیے رو رہی ہے۔ اسود نے چند شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور ایسی سوگوار ہے کہ اسے رات کو نیند نہیں آتی لیکن بکر پہ رویا نہیں جاسکتا۔ اصل یہ ہے کہ بدر میں قسمت نے وفا نہ کی۔ تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا (ابن جریر طبری)

بدر میں ابوسفیان کا ایک بیٹا حنظلہ مارا گیا تھا اور دوسرا عمرو نام قید ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود ابوسفیان لوگوں کو شماتتِ اعداء کے خوف سے رونے کی سخت بندش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس ہزیمت کے بعد قسم کھائی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے بدلہ نہ لے لوں گا' اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ نہ اُجلا لباس پہنوں گا اور نہ معاجبت نسواں کی طرف مائل ہوں گا (مدارج)

حضرات طلحہؓ و سعیدؓ کی مراجعت

پہلے لکھا گیا تھا کہ سرورِ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو کہ دونوں جلیل القدر مہاجر عشرۂ مبشرہ میں ہیں قافلے کے تجسس کے لیے شام روانہ فرمایا تھا جب یہ دونوں بزرگ مدینۃ الرسول پہنچے تو اس وقت غازیانِ ملت فاتحانہ سرور وانبساط کے ساتھ بدر سے واپس آرہے تھے۔ چونکہ وہ دونوں بھی خدمتِ ملی پہ متعین تھے، مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت میں سے ان کا حصہ تقسیم کے وقت الگ کرلیا تھا۔ جب وہ آپ سے ملاقی ہوتے تو آپ نے ان کو مال غنیمت کا حصہ عطا فرمانے کے بعد ثواب جہاد سے سعادت اندوز ہونے کی بھی بشارت دی۔ (ابن سعد)

اسیرانِ جنگ مدینہ منورہ میں

جس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجعت فرمائے مدینہ ہوئے اس کے دوسرے دن بدر کے قیدی بھی مدینۃ الرسول پہنچ گئے۔ اس وقت اُمّ المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ عفرا بنت عبید بن ثعلبہ نجاریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جن کے دو فرزند عوف اور معوذ رضی اللہ عنہما شہید ہوگئے تھے اور تیسرے فرزند معاذ رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ گیا تھا، تعزیت کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ اس وقت تک پردۂ نسواں کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اُمّ المومنین فرماتی ہیں کہ میں ابھی وہیں تھی کہ

کسی نے آکر بتایا کہ بدر کے قیدی آگئے ہیں۔ جب میں اپنے گھر آئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے (مکہ کے رئیس) سُہَیل بن عَمرو کو حجرہ کے ایک کونے میں اس حالت میں دیکھا کہ دونوں ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا اور بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا کہ اس قید سے تو مر جانا بہتر تھا۔ تم نے اپنے آپ کو کیوں حوالے کیا۔ کیوں نہ عزت کی موت مر گئے"؟ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سَودہ! کیا تم خدا اور اس کے رسولؐ کے مقابلہ میں اس کو برانگیختہ کرتی ہو؟ حضرت سودہ فرماتی ہیں میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوئی اور التماس کی یارسول اللہ! کیا عرض کروں۔ اس کو اس حالتِ زار میں دیکھ کر بے اختیار یہ کلمہ میری زبان سے نکل گیا (ابن جریر طبری وابن ہشام)

معلوم ہو کہ یہ قیدی حضرت سُہَیل بن عَمرو رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ کے دن مشرف بایمان ہوئے اُمّ المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کے دیور یعنی ان کے مرحوم شوہر حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت عباسؓ کا تکلیف سے کراہنا

جو قیدی بدر سے آئے تھے، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عبّاس بن عبدالمطلب، حضرت علیؓ کے بڑے بھائی عَقیل بن ابو طالب، آنحضرتؐ کے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر ابو العاص (رضی اللہ عنہم) بھی داخل تھے۔ یہ حضرات مکہ والوں کی طرف سے لڑنے آئے تھے اور لشکر اسلام نے انہیں قید کر لیا تھا۔ مشکیں باندھنے والے نے غلطی سے حضرت عباسؓ کی مشکیں بڑی کس کر باندھ دی تھیں اور وہ اس کی تکلیف سے رات بھر دردناک آواز کے ساتھ کراہتے رہے یہاں تک کہ حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے اور حالت بے خوابی میں کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر دریافت کیا گیا یارسول اللہ! آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟ فرمایا میرے چچا عباسؓ کے کراہنے نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔

انصار نے ان کے پاس جا کر رونے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ان کا بند بہت سخت ہے۔ انہوں نے بند نرم کر دیا اور وہ سو گئے۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد دریافت فرمایا کہ اب چچا عباسؓ کے رونے کی آواز نہیں آتی؟ انصار عرض پیرا ہوئے یارسول

ان کا بند بہت سخت تھا۔ انہیں اسی کی تکلیف تھی۔ اب اس کو ہلکا کر دیا ہے اور وہ سو گئے ہیں"۔ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں (ابن سعد)

شفیق عالم ؐ کا قیدی اقربا کی ملاقات کو تشریف لے جانا

دوسرے دن حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ میرے گھرانے کے کون کون آدمی گرفتار ہوئے ہیں؟ حضرت علی ؓ نے جاکر دیکھ بھال کی اور آکر عرض کرنے لگے کہ نوفل بن حارث، عباس اور عقیل تین ہاشمی گرفتار ہوئے ہیں"۔ یہ سن کر آپ ان سے ملنے کو تشریف لے گئے اور ان سے باتیں کرتے رہے۔ آپ نے حضرت عقیل ؓ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابوجہل قتل ہو گیا۔ عقیل ؓ بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم نہیں رہا۔ (ابن سعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقیل ؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے ایک تو قرابت کی وجہ سے۔ دوسرے اس بنا پر کہ میرے چچا ابوطالب تم کو محبوب رکھتے تھے (تہذیب الکمال)

اسیروں کے لیے پوشش کا انتظام

اسیرانِ جنگ کے کپڑے لڑائی میں پھٹ گئے تھے۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب کے لیے کپڑے مہیا کیے جائیں چنانچہ آپ نے فرداً فرداً سب کو کپڑے دلوائے (بخاری) لیکن حضرت عباس رضہ کا قد اس قدر بلند بالا تھا کہ ان کے بدن پر کسی کا پیراہن ٹھیک نہیں اترتا تھا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی نے کہ حضرت عباس ؓ کا ہم قد تھا گھر سے اپنا کرتا منگوا کر دیا۔ آنحضرت ؐ نے جو ابن اُبَی کے مرنے پر اس کے منافق ہونے کے باوجود اپنا پیراہن مبارک اس کی لاش کو پہنانے کے لیے دیا تھا تو وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ طبقات ابن سعد)

قیدیوں سے حسن سلوک کی تاکید

اب بدری اسیرانِ جنگ صحابہ کو تقسیم کر دیے گئے تاکہ اسلامی گھرانوں میں رہنے سے انہیں اسلام کی خوبیاں معلوم ہوں اور اسلامی تہذیب اور طور طریقے دیکھ کر ملت حنیفی کی طرف رغبت ہو۔ آپ نے ہر ایک کی تفویض کے وقت تاکید فرمائی کہ اس کے ساتھ مہربانہ سلوک کرنا اور آرام سے رکھنا۔ صحابۂ کرام ؓ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ قیدیوں کی تو مہمانوں کی طرح غور و پرداخت کرتے تھے اور انہیں پرتکلف کھانا کھلاتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے۔ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابوعزیز بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصاریوں

کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور کھجوریں خود اٹھا لیتے ہیں اس میں شرم محسوس کرتا اور روٹی ان کو واپس دیتا لیکن وہ اس کو چھوئے بغیر مجھی کو واپس کر دیتے۔ ایک اور قیدی کا بیان ہے کہ خدا مسلمانوں پر رحم کرے وہ اپنے اہل و عیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے گھر والوں سے پہلے ہماری آسایش کی فکر کیا کرتے تھے (ابن سعد

سُہیل بن عمرو کے دو دانت اُکھڑوا دینے کی تحریک

بدر کے قیدیوں میں سُہیل بن عمرو بھی تھے جن کی اسیری کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ یہ وہی سُہیل بن عمرو ہیں جنہوں نے اپنے دو بیٹوں ابوجندل اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کو قبول اسلام کی وجہ سے مدت مدید تک آماج مظالم بنائے رکھا تھا حضرت سُہیل جو فتح مکہ سے پہلے برابر کفر و شرک کی وادیوں میں سرگرداں رہے بہت نامور سخن گو اور نہایت فصیح اللسان مقرر تھے قبول اسلام سے پہلے ان کا معمول تھا کہ عام مجمعوں میں اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرتے اور جذبۂ نفرت پھیلاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں درخواست کی یا رسول اللہ! مناسب ہے کہ اس نابکار کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیئے تاکہ یہ اچھی طرح تقریر نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ گو میں نبی ہوں تاہم اگر میں اس کے کسی عضو کو بگاڑوں گا تو خدا اس کے بدلہ میں میرے اعضاء بھی ضرور بگاڑ دیگا اس سلسلہ روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی فرمایا ممکن ہے کہ آئ (یعنی مشرف باسلام ہونے کے بعد) یہ ایسی تقریریں کرنے لگیں جن پر تمہیں کوئی اعتراض نہ

(محمد بن جریر طبری)

قیدیوں کی نسبت صحابۂ کرام سے مشورہ

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارہ میں صحابۂ کرامؓ کی صلا پوچھی۔ سب سے پہلے حضرات شیخینؓ سے استصواب فرمایا حضر ابوبکر صدیقؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں۔ ان کو زندہ رہنے دیجیئے عجب نہیں کہ یہ توبہ کریں اور حق تعالیٰ ان کو قبول اسلام کی توفی ارزانی فرمائے۔ پس میرے خیال میں مناسب یہی ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیجیئے۔ فد کی وصولی سے آپ کے اصحاب کو اعداء کے مقابلہ میں تقویت پہنچے گی"۔ اس کے بعد حضر عمرؓ سے فرمایا کہ اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے التماس کی یا رسول ا یہ لوگ پیشوایانِ کفر ہیں۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو تکلی

دے دے کر شہر سے خارج کیا اور خدائے عزیز نے ہمیں فدیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ پس ان کی گردنیں اُڑا دیجیئے تاکہ اسلام کی ہیبت ظاہر ہو۔" پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے گزارش کی یا نبی اللہ! کوئی ایسی وادی تلاش کیجیئے جس میں بڑے گنجان درخت ہوں۔ ان تمام قیدیوں کو اس میں داخل کر کے اسے آگ لگا دیجیئے۔"

آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے بعض دل دودھ سے زیادہ نرم اور بعض دل پتھر سے زیادہ سخت بنائے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا آپ کی مثال ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام کی سی ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے) اور عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنی اُمت کے بارہ میں عرض کیا تھا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الٰہی! اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھ کو اختیار ہے کیونکہ یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو بیشک غالب اور حکمت والا ہے) اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نوح علیہ السلام کے نقش قدم پر چلے ہو جنہوں نے خدائے قدیر سے درخواست کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑ) اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کی مثال کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے التجا کی تھی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (بار الٰہا! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے)

اس کے بعد آپ نے دوسرے حضرات کی مرضی دریافت کی تو معلوم ہوا کہ قریب قریب تمام صحابہؓ اخذ فدیہ ہی کے متمنی ہیں (تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن کثیر) اب آپ کچھ کہے سنے بغیر اپنے آستانِ مبارک کو تشریف لے گئے۔

انجام فدیہ پر انتباہ

ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے باسناد صحیح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے اصحاب کو اختیار دیجیئے کہ اسیروں کے قتل اور اخذ فدیہ میں سے ایک بات پسند کر لیں لیکن اگر فدیہ لیں گے تو اس کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا کہ اگلے سال اسیروں کی تعداد کے برابر ستر آدمی مارے جائیں گے۔ آپ نے حسب ہدایت صحابہؓ کو مخیر فرمایا اور انہوں نے فدیہ ہی کو اختیار

کیا۔ (فتح الباری)

یہ تجویز محض امتحان وابتلاء تھا کہ دیکھیں ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں یا رضائے حق کو ترجیح دیتے ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بہت ارفع تھی کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں ہوائے نفس کو اختیار کرتے لیکن ان پر صورتِ حال کچھ اس طرح مختلط ہوئی کہ [illegible] صواب نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

چند دینی مصالح کی جلوہ آرائی

دوستدارانِ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جو مشورہ دیا اس میں حصولِ مال کے مقصد کے ساتھ چند دینی مصلحتیں بھی جلوہ آرا ہو گئیں جن میں سے ایک یہ بھی کہ اسیروں کے زندہ رکھنے کی صورت میں ان کو قبولِ اسلام کا موقع ملے گا۔ دوسرے اسیرانِ جنگ میں حضرات مہاجرین کے قرابت دار بھی تھے اور قرابت داری اور صلہ رحمی کا مقتضا یہ تھا کہ ان کو موت کے چنگل سے بچایا جائے۔ تیسرے وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر ستر مسلمان قتل ہوں گے تو وہ شہادت فی سبیل اللہ کا بلند مقام حاصل کریں گے۔ یہ تو اخذ فدیہ کی مصلحتیں تھیں لیکن وہ اس حقیقت سے خالی الذہن تھے کہ اسیروں کی رہائی سے مشروعیت جہاد کی غرض فوت ہو جائے گی۔ جہاد کی غرض دفع فساد ہے اور قتل کفار کی اتنی کثرت کے بغیر جس میں شوکت کفر بالکل ٹوٹ جائے دفع فساد ممکن نہیں۔ اس لیے ان کو مقصد جہاد کی تکمیل سے پہلے آزادی بخشنا دینی مفاد کے خلاف تھا۔

چنانچہ اس سے اگلے ہی سال قبول فدیہ کی خرابی ظاہر ہو گئی۔ کفار قریش نے آیندہ سال مسلمانوں پر پھر چڑھائی کر دی جس میں اکثر وہ لوگ بھی شریک تھے جو غزوۂ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوئے تھے۔ غزوۂ اُحد میں جن ستر حضرات نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا ان میں حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی داخل تھیں۔ الغرض غزوۂ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینا مناسب نہ تھا البتہ آیندہ چل کر جب ملت موحدین کی تعداد کثیر اور جمعیت مستحکم ہو گئی تو مالک الملک عز اسمہٗ نے سورۂ محمدؐ کی یہ (چوتھی) آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو اختیار دیا کہ آیندہ اسیرانِ جنگ سے فدیہ لیں یا ان کو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کریں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا

جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان کی
گردنیں مار دو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا
زور توڑ دو تو ان کو قید کر لو پھر پیچھے یا تو احسان رکھ کر

فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (۴۷ : ۴)

رہا کر دو یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے۔

اخذ فدیہ کی ناپسندیدگی کا اظہار

یہاں تک تتبع واستقرار کو دخل ہے صرف تین صحابی حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری اور حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہم ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل اُساریٰ کی رائے دی ورنہ اغلب ہے کہ باقی سب نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ اور آپ نے یہ دیکھ کر فدیہ لینے کی کوئی ممانعت من جانب اللہ وارد نہیں ہوئی صحابہ کرام رضہ کے جذبات کو مجروح نہ کرنا چاہا چونکہ آپ ان امور میں جن کی نسبت کوئی نص نہ ہوتی تھی اجتہاد فرماتے تھے اس لیے آپ نے اس موقع پر اپنے اجتہاد سے فدیہ لینے کا حکم صادر فرما دیا مگر ساتھ ہی اس کا یہ انجام جتلا کر کہ آئندہ تصادم میں ستر مسلمان جرعۂ مرگ نوش کریں گے اپنی طبعی ناپسندیدگی کا بھی اظہار فرما دیا۔

ہاشمیوں کا متوقع استثناء

اور یہ تو ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل اُساریٰ کا فیصلہ صادر فرماتے تو صرف وہی دشمنانِ دین خنجر خونخوار کے حوالے کیے جاتے جو فی الحقیقت مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے اور ہاشمی الاتمام وہ اشخاص جو جبراً وقہراً بدر لائے گئے تھے معذور رکھ کر نظر انداز کر دیے جاتے جس کی دلیل یہ ہے کہ معرکۂ بدر سے پیشتر آپ نے اپنے جان نثاروں سے فرما دیا تھا کہ میرے خاندان کے لوگ جبر و اکراہ سے لائے گئے ہیں اس لیے کوئی مسلمان ان کے درپئے قتل نہ ہو بلکہ عجب نہیں کہ آپ اُن غیر مسلموں سے بھی درگزر فرماتے جنہوں نے اسلام اور پیروانِ اسلام کی مخالفت میں کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا تھا جیسا کہ آپ نے ہاشمیوں کی طرح ایک غیر ہاشمی مشرک (ابوالبختری) کو بھی اُس کی مسالمت و رواداری کی بنا پر مستثنیٰ فرما دیا تھا۔

اور تمام ہاشمی بالعموم اور حضرت عباس رضہ بالخصوص اس رعایت کے کہاں تک مستحق تھے، اس کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس رضہ اوائلِ دعوت ہی میں ایمان لا چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے پہلے اس کو علی الاعلان ظاہر نہ کیا۔ وہ جنگ بدر سے پہلے بالقطع مسلمان تھے اور مشرکوں کی خبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ (ہجرت کر کے)

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ چلے جائیں لیکن آپ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تمہارا مکہ ہی میں اقامت گزیں رہنا زیادہ منفعت بخش ہے (مدارج) الغرض حضرت عباس ؓ بباطن مسلمان تھے گو ظاہر میں اہل شرک سے بھی خلا ملا رکھتے تھے۔

فدیہ کی مقدار

جب دربار رسالت سے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ جو قیدی فدیہ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں ان سے فدیہ لیا جائے اور جو فدیہ نہیں دے سکتے اور کتابت جانتے ہیں وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ جب وہ اچھی طرح لکھنا سیکھ لیں تو ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو نہ فدیہ دے سکتے ہیں اور نہ کتابت جانتے ہیں، ان کو یونہی احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔
(ابن سعد وغیرہ)

امام ابوداؤد محدث رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ اسیران بدر کا فدیہ چار چار سو درم مقرر کیا گیا۔ درم یا درہم ہماری چونی سے کسی قدر بڑا چاندی کا ایک سکہ تھا جس کا وزن ساڑھے تین ماشے بیان کیا جاتا ہے۔ محمد بن سعد نے فدیہ کے چار درجے بتلائے ہیں۔ ہزار، دو ہزار، تین ہزار اور چار ہزار درہم۔ ابن سعد کی دوسری روایت میں چالیس اوقیہ چاندی اسیران بدر کا فدیہ مروی ہے یہ سولہ سو درہم بنتے ہیں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ سب کا یکساں نہ تھا حسب استطاعت کم و بیش وصول کیا گیا۔ چنانچہ روایتوں میں ہے کہ حضرت عباس ؓ سے ان کے مالدار ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ رقم وصول کی گئی۔

حضرت عباس ؓ کا فدیہ چھوڑنے کی درخواست

حضرت عباس ؓ کی ننھیال مدینہ منورہ میں تھی۔ ان کی والدہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھیں اس لیے انصار نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! عباس ؓ ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں۔ لیکن آپ نے اصول مساوات کے ماتحت ان کے دولت مند ہونے کے باعث اس درخوست کو قبول نہ فرمایا (مسند احمد)
حضرت عباس ؓ مکہ معظمہ سے اپنے ساتھ اس غرض سے بیس اوقیہ سونا لائے تھے کہ واپسی کے وقت قریش کے لشکر کو کھانا کھلائیں گے۔ لیکن جب وہ گرفتار ہوئے تو ان سے وہ سونا لے کر مال غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت عباس ؓ کہنے لگے وہ بیس اوقیہ سونا میرے فدیہ میں

محسوب کر لیجیے۔ لیکن آپ نے اس استدعا کو قبول نہ کیا اور فرمایا یہ وہ سونا ہے جو آپ جنگ میں کفار کی امداد کے لیے لائے تھے۔ اب وہ مسلمانوں کی غنیمت بن گیا اس لیے وہ رقم فدیہ میں تبدیل نہیں ہو سکتی (مدارج)

حضرت عباسؓ اور نوفل ورطۂ حیرت میں

اب حضرت عباس رضؓ کہنے لگے کہ میں تو مسلمان تھا قریش نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا۔ ارشاد فرمایا آپ کے اسلام سے حق تعالیٰ زیا[illegible] واقف ہوگا۔ اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا مگر بظاہر تو آپ ہم پر چڑھ کر آئے تھے اس لیے فدیہ دے دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے اپنی ناداری و بے مائگی کا عذر کیا اور کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سخت شرم کی بات ہو گی کہ آپ کا چچا زر فدیہ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور منت سماجت کے ساتھ گدائی کرے۔ گو حضرت عباس رضؓ دل سے پہلے ہی مسلمان تھے لیکن آپ نے ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہ کی اور فرمایا ناداری کا عذر بھی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ آپ مکہ سے چلتے وقت سونے کی ایک بڑی مقدار چچی اُمّ الفضل بنت حارث کے پاس رکھ آئے تھے۔ اس وقت کوئی تیسرا آدمی آپ کے پاس نہیں تھا۔ آپ نے چچی اُمّ الفضلؓ سے کہا تھا کہ خدا جانے لڑائی کا کیا انجام ہو۔ اگر میں زندہ سلامت واپس آیا تو بہتر ورنہ چار بیٹوں میں سے فضل کو اس قدر، عبداللہ کو اس قدر، قثم کو اتنا اور عُبَیداللہ کو اتنا دینا۔ حضرت عباس رضؓ نے متعجب ہو کر پوچھا آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا مجھے وحیٔ الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ حضرت عباس رضؓ کہنے لگے خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور اُمّ الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا سو مجھے حق الیقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عباسؓ نے اپنا اور اپنے برادر زادہ عقیل بن ابی طالب کا فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی (مسند امام احمد و ابن جریر طبری)

حضرت ابوالعاصؓ کا فدیہ

بدر کے قیدیوں میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبتی فرزند یعنی آپ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بھی تھے۔ یہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے۔ ان کا شمار بھی مکہ کے ان تاجروں میں تھا جو بڑے مال دار، دیانت دار اور قابلِ اعتماد مانے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضؓ ان کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتی تھیں۔ نزول وحی کے بعد تمام پیغمبر زادیاں شرف ایمان

سے مشرف ہوئیں مگر ابوالعاص اپنے شرک پر قائم رہے۔ آغاز دعوت میں جب داعئ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کے دل میں جذبۂ عناد پرورش پانے لگا اور آپ کی ایذا رسانی کے منصوبے سوچے جانے لگے تو منجملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا گیا کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہلے ہی بے فکر کر دیا ہے۔ ان کی لڑکیاں ان کو واپس دے دی جائیں تاکہ وہ ان کی فکر میں لگ جائیں۔ اس تجویز کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے ابوالعاصؓ سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی زینبؓ کو طلاق دے دو لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

اسلام نے حضرت زینبؓ کے مشرف بایمان ہونے کے باعث ان کے شوہر سے ان کی تفریق کر دی تھی مگر چونکہ آپ مکہ معظمہ کے اندر ایک طرح کی بے بسی کی حالت میں تھے اس لیے آپ عملاً ان میں تفریق نہ کرا سکے اور وہ حسب سابق اپنے غیر مسلم شوہر کے پاس رہیں۔ غزوۂ بدر کے بعد جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجنا شروع کیا تو حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے ابوالعاص سے شادی کرتے وقت انہیں جہیز میں دیا تھا۔ خدائے رؤف نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل بہت نرم بنایا تھا۔ آپ نے وہ ہار دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؓ کی مصاحبت کا زمانہ یاد آ گیا اور آپ پر سخت رقت طاری ہوئی۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا فدیہ اس کو واپس دے دو۔ سب صحابہ بخوشی اس پر آمادہ ہوئے چنانچہ ابوالعاصؓ کو رہا کر دیا گیا۔ مگر اس موقع پر آپ نے ان سے یہ شرط کر لی یا خود ابوالعاصؓ نے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ زینبؓ کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ (رواہ احمد وابوداؤد وابن جریر)

نبوت محمدی کی ایک درخشاں دلیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو زینبؓ کے اسیر کو رہا کر دو۔ یہ بھی آپ کی نبوت کی ایک درخشاں دلیل ہے۔ بادشاہ بڑے مطلق العنان اور متحکم پن ہوتے ہیں۔ آپ بادشاہ ہوتے تو ماتحتوں سے اجازت لیے بغیر انہیں از خود رہا کر دیتے۔ ہار کو دیکھ کر آپ پر سخت رقت اس لیے طاری ہوئی کہ آپ رقیق القلب تھے اور رقت قلب اعتدال مزاج کی علامت ہے اور جس کو رقت نہیں ہوتی وہ سخت دل اور اعتدال سے خارج ہے۔ قساوت قلبی بھی صفات ذمیمہ میں داخل ہے۔

دوسرے لوگ جو مفت رہا ہوئے

انصار مدینہ زراعت پیشہ لوگ تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور مکہ معظمہ میں کسی حد تک تحریر وکتابت کا رواج پایا جاتا تھا، اس لیے اُن تعلیم یافتہ قیدیوں کو جو زرِ فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے حکم دیا گیا کہ تم میں سے ہر ایک انصار کے دس دس بچوں کو فنِ کتابت سکھا دے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعض قیدی ایسے بھی تھے جو نہ تو فنِ کتابت سے بہرہ مند تھے اور نہ انہیں زرِ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت تھی آپ نے اُن پر احسان کر کے انہیں بلا فدیہ محض اس اقرار پر بری کر دیا کہ وہ آیندہ مسلمانوں کے خلاف کبھی لڑنے نہ آئیں گے لیکن ان میں سے بعض احسان فراموش قیدی وعدہ و اقرار کو بالائے طاق رکھ کر جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف آموجود ہوئے (ابن سعد۔ مدارج)

انہی میں سے ایک محسن کش قیدی ابو عزہ عمرو جمحی مشہور شاعر تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے فقر و فاقہ اور تہی دستی کا عذر کرنے لگا۔ آپ نے اس کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ آیندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لے گا۔ مگر یہ شخص اپنے وعدے پر قائم نہ رہا۔ اس نے مدینہ منورہ سے جا کر مسلمانوں کے خلاف اپنی آتش بیانی سے تمام قبایلِ قریش میں آگ لگا دی۔ اس کے بعد وہ غزوۂ اُحد میں لشکرِ اسلام کے ہاتھ میں پھر گرفتار ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منتیں کرنے لگا کہ رہا کر کے مجھ پر احسان فرمائیے۔ میں بڑا غریب عیال دار ہوں"۔ آپ نے فرمایا مشکل یہ ہے کہ تم جا کر مکہ میں ڈینگیں مارو گے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دو دفعہ چکمہ دے آیا ہوں۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ (مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ فتح الباری)

عمرو بن ابوسفیان کی رہائی

ابوسفیان بن حرب کا بیٹا عمرو جو عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی کے بطن سے تھا وہ بھی بدر میں قید ہوا تھا۔ لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ عمرو کا فدیہ بھیج کر اسے کیوں نہیں چھوڑاتے؟ انہوں نے کہا کیا میں جان اور دولت دو چیزیں مسلمانوں کو دے دوں! انہوں نے میرے فرزند حنظلہ کو قتل کیا۔ اب ان کو فدیہ کی رقم کیوں دوں۔ عمرو مسلمانوں کے پاس قید رہے وہ اُس کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ انہی ایام میں سعد بن نعمان بن اکال انصاریؓ عمرہ کرنے مکہ گئے۔ ان کو اُس سلوک کا قطعاً کوئی وہم وگمان نہ تھا جو بعد میں ابوسفیان نے ان کے ساتھ کیا کیونکہ قریش نے معاہدہ

کیا تھا کہ وہ کسی حاجی یا عمرہ کرنے والے سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ مگر جب ابوسفیان کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کو عمرو کے عوض میں قید کر لیا جب ان کے خاندان بنو عمرو بن عوف کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ عمرو بن ابی سفیان ہمیں عنایت فرما دیں تاکہ ہم اس کے معاوضہ میں سعد بن نعمان کو رہا کرا سکیں۔ آپ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبول بخشا۔ انہوں نے عمرو کو مکہ بھیج کر سعد کو چھوڑا لیا۔ (ابن جریر طبری)

اہلِ بدر کا اعزاز

اہلِ بدر کی فضیلت میں متعدد حدیثیں مروی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ بدر کا بہت کچھ اعزاز و اکرام فرمایا کرتے تھے۔ مقاتل بن حیان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بہت سے اہلِ بدر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ اس وقت مسجد نبوی میں بہت بڑا مجمع تھا۔ درمیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے جان نثار ہالہ کی طرح ماہتابِ رسالت کے گرد جمے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لیے نو وارد اہلِ بدر کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔ آنحضرت ؐ کو سلام کرنے کے بعد انہوں نے حاضرین کو بھی سلام علیکم کہا۔ اس جداگانہ سلام کا یہ مطلب تھا کہ انہیں بیٹھنے کی جگہ دی جائے لیکن حاضرین نے ان کے لیے جگہ خالی نہ کی اور یہ حضرات ویسے ہی منتظر کھڑے رہے۔ آنحضرت ؐ پر یہ امر شاق گزرا۔ آپ نے حاضرین میں سے جو بدری نہ تھے نام لے کر کہا کہ تم جگہ خالی کر دو۔ وہ لوگ فوراً کھڑے ہو گئے اور اہلِ بدر ان کی جگہ بیٹھ گئے۔ منافقوں کو طعنہ زنی کا موقع ملا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بعض کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں مسلمانوں کی تعمیل ارشاد کی تعریف میں اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا ہونے کے حکم میں سورۂ مجادلہ کی گیارھویں آیت نازل ہوئی جس میں خدائے حکیم نے فرمایا:۔

"مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جایا کرو۔ اللہ تمہاری ہر مشکل کھول دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو تاکہ خدا ان لوگوں کے جو تم میں سے (کامل طور پر) ایمان لائے اور ان کے جن کو علم سے نوازا گیا مرتبے بلند کرے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔" (لباب النقول و ازالۃ الخفاء)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں پر لازم ہے کہ اپنے اوپر بڑوں کو ترجیح دیا کریں لیکن دَورِ حاضر میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ چھوٹے بڑوں کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دیتے اور انہوں نے توقیر کی بجائے خود غرضی اور توتا چشمی کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ یاد رہے کہ مجلس نبوی میں جگہ کی تنگی کے وقت عدم ایثار کی جو نظیر اوپر درج ہوئی وہ ایک استثنائی واقعہ ہے کیونکہ جگہ نہ خالی کرنے والوں کو حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بُعد اور دُوری گوارا نہ تھی اور بظاہر یہ وہ لوگ تھے جو قُربات میں ایثار کو ہیچ سمجھتے ہیں ورنہ صفت ایثار میں بھی کوئی شخص صحابۂ کرام کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نفوسِ قدسیہ بلا ریب مجسمۂ ایثار اور سراپا مرحمت وسخاوت تھے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ایثار اس اخلاقی وصف کا نام ہے کہ دوسرے کی منفعت کو اپنی منفعت ومصلحت پر مقدم رکھا جائے۔

روزینوں میں اصحاب بدر کا امتیاز

اصحاب بدر کا اعزاز مسلمانوں میں عہد رسالت کے بعد بھی ہر موقع پر ملحوظ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتوحات شام وعراق کے بعد لوگوں کے روزینے مقرر کرنے کا قصد فرمایا تو اُمّہات المومنین اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بعد اصحاب بدر کو سب سے مقدم رکھا۔ چنانچہ فہرستیں مرتب ہونے کے بعد حسب ذیل تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

تقسیم مراتب	تنخواہ سالانہ
اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	بارہ ہزار درہم
اُمّ المومنین جُوَیریہ رض اور اُمّ المومنین صفیہ رضی اللہ عنہما	چھ چھ ہزار درہم
دوسری اُمّہات المومنین رض	دس دس ہزار درہم
حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رض	چھ ہزار درہم
اصحاب بدر	پانچ پانچ ہزار درہم
حضرت عباس بن عبد المطلب (عمّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)	پانچ ہزار درہم
حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما	پانچ پانچ ہزار درہم
انصار میں سے جن حضرات کو غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل نہ تھا	چار چار ہزار درہم
حضرات سبقتِ اسلام میں اہل بدر کے برابر تھے	چار چار ہزار درہم

مہاجرین حبشہ اور شرکائے غزوۂ اُحد	چار چار ہزار درہم
حضرت سلمان فارسی رض	چار ہزار درہم
حضرت اُسامہ بن زید رض	چار ہزار درہم
حضرت عمر بن ابوسلمہ رض	چار ہزار درہم
حضرت عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رض	تین ہزار درہم
جن حضرات نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی	تین تین ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ کے دن مشرف بایمان ہوئے تھے	دو دو ہزار درہم
اصحاب بدر اور مہاجرین کے چھوٹے چھوٹے بچے	دو دو ہزار درہم
جن حضرات نے جنگ قادسیہ اور یرموک میں شرکت کی	دو دو ہزار درہم
مہاجرات؎	ایک ایک ہزار درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین تین سو درہم
عامۃ المسلمین بلا امتیاز مراتب	دو دو سو درہم

جن لوگوں کے نام دفتر میں مندرج ہو گئے، ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ دو سو سے چار سو درہم تک سالانہ تھی۔ نوزائیدہ بچوں کے لیے سو درہم مقرر تھے۔ پھر جوں جوں وہ بڑے ہوتے جاتے، عطا میں اضافہ ہوتا رہتا حتیٰ کہ مقدار عطا، دو سو تک پہنچ جاتی اور بالغ ہونے پر مزید اضافہ کیا جاتا۔ جو مسلمان مدینہ منورہ میں آتا اس کو آتے ہی ۲۵ دینار زر سرخ ملتے۔ اہلِ یمن کے لیے اور قبیلۂ قیس میں سے جو لوگ شام اور عراق میں تھے، ان میں سے ہر ایک کے لیے دو ہزار سے ایک ہزار اور نو سو اور پانچ سو اور تین سو کی عطائیں مقرر تھیں۔ تین سو سے کم کسی کو نہ دیا گیا (فتوح البلدان بلاذری، تاریخ طبری، کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ)

عطایا میں ترجیح کے اسباب

خلیفۂ راشد و امام عادل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فتوحات شام و عراق کے بعد محرم ۲۰ سنہ ہجری میں مسلمانوں کے لیے عطائیں مقرر کیں تو ان کی نگاہ جوہر شناس نے مخدومۂ جہان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اُمت میں سب سے زیادہ سالانہ وظیفہ کے لیے منتخب فرمایا اور اس کی

؎ دوسری روایت میں یہ ہے کہ مہاجرات کے لیے تین تین ہزار مقرر فرمائے۔

وجہ یہ بیان کی کہ وہ حبیبۂ رسول اللہ ہیں (اصابہ) سرورِ کون و مکان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّہات المومنین میں حضرت صدیقہ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور اس کی وجہ اُن کا قربِ الٰہی اور ان کے علمی و عملی کمالات تھے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے لحاف یعنی جامۂ خواب میں وحی نہیں آتی (بخاری و مسلم) اور فرمایا مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے لیکن (اُمم سابقہ میں) طبقۂ اناث میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی عورت درجۂ اکملیت و افضلیت کو نہ پہنچ سکی اور (اس اُمت میں) عائشہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت دوسرے طعاموں پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبریلؑ ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ اُمّ المومنینؓ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (بخاری و مسلم) مسروق تابعی جب کبھی حضرت عائشہؓ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صادقہ بنت صدیق اور حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ نے یوں روایت کی عمرو بن غالب کا بیان ہے کہ کوئی شخص حضرت عمار بن یاسر صحابیؓ کی موجودگی میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی شان میں بے ادبانہ کلمات زبان پر لایا تو انہوں نے فرمایا مردود! کیا تو رسول اللہؐ کی محبوبہ کو ایذا دیتا ہے؟ (ترمذی) ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ ہم اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نسا بھی مشکل علمی مسئلہ پیش آتا اور ہم اس کے لیے حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے تو ان کے پاس اس علمی مشکل کا ضرور حل پاتے (اصابہ)

زُہری تابعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اُمّ المومنین عائشہؓ کا علم جمیع اُمّہات المومنین اور تمام دوسری عورتوں کے علم کے مقابلہ میں رکھا جائے تو جناب عائشہؓ کا علم افضل و فائق ثابت ہوگا۔ مسروق تابعیؒ کہتے تھے کہ میں نے صحابۂ کرام میں سے بڑے بڑے جلیل القدر حضرات کو دیکھا کہ فرائض کے مسائل حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح تابعیؒ کہا کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ تمام لوگوں سے فقیہہ، سب سے زیادہ عالمہ، اور اصابتِ رائے میں تمام لوگوں سے فائق و برتر ہیں۔ اور عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے فقہ، طب اور شعر میں کسی کو اُمّ المومنین عائشہؓ سے بڑھ کر عالم نہیں پایا۔ اُمّ ذرّہ نے حضرت عائشہؓ کے جود و سخا کی نسبت بیان کیا کہ ان کے پاس لاکھ درم بھیجے گئے۔ انہوں نے

تمام رقم اُسی روز مساکین و اہلِ حاجات میں تقسیم کر دی۔ وہ اُس دن روزہ سے تھیں۔ میں نے التماس کی اُمّ المومنین! آپ نے اتنا بھی نہ کیا کہ افطار کے لیے ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں۔ فرمایا اگر تم نے یاد دلایا ہوتا تو منگا لیتی (اصابہ)

اُمّ المومنین جُویریہ اور اُمّ المومنین صفیہ رضی اللہ عنہما کی تنخواہیں دوسری ازواجِ طاہرات سے حسبِ بیان بلاذری اس بنا پر کم مقرر ہوئیں کہ ان دونوں کو اللہ نے اپنے رسول ؐ کو فَے میں عطا کیا تھا۔ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی وجہِ برتری یہ تھی کہ وہ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور سابقۃ الاسلام تھیں۔ باوجودیکہ حضرت عباسؓ عمِ رسول ؐ قبولِ اسلام میں بہت مؤخر تھے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نہ بدری تھے نہ اُحدی، نہ سابق الاسلام اور نہ مہاجر، تاہم ان تینوں کے لیے اہلِ بیتِ نبوت ہونے کی بنا پر اصحابِ بدر کے برابر تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

جنابِ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے نامور فرزند حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی تنخواہ حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے ایک ہزار درہم کم مقرر فرمائی۔ حضرت عبد اللہؓ عرض پیرا ہوئے امیر المومنین! آپ نے میرے لیے تین ہزار اور اُسامہؓ کے لیے چار ہزار مقرر کیے ہیں، حالانکہ میں اُن غزوات میں بھی شریک تھا، جن میں اُسامہ شریک نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُسامہ کو اس لیے زیادہ دیا کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور ان کے باپ (زید بن حارثہ) کو تجھ سے اور تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔ (فتوح البلدان)

اصحابِ بدر کی تعداد

اہلِ بدر کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے۔ ان میں سے ۳۰۵ نے رزم و پیکار میں عملی حصہ لیا اور آٹھ [illegible] حضرات تھے جو فرمانِ نبوی کے ماتحت دوسرے کارہائے مفوضہ کے باعث معرکہ آرا نہ ہو سکے۔ اور اگر قائدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تعداد ۳۱۴ ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ متفق علیہ نہیں۔ اختلافِ تعداد ملاحظہ ہو:—

ابن عباسؓ کے نزدیک (حسبِ روایت ابن جریر طبری)	۳۰۶
ابو معشر ″	۳۱۳
محمد بن عمر ″	۳۱۳
محمد بن اسحٰق ″	۳۱۴

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک (حسب روایت ابن جریر) ۳۱۳

ابوموسیٰ اشعری رض کے نزدیک (حسب روایت بزار) ۳۱۷

بہت سے صحابہ رض کے متعلق اہل سیر اور اصحاب مغازی مختلف البیان ہیں کہ شریک بدر تھے یا نہیں۔ اس بنا پر بعض کتب میں اہل بدر کے اسمار مبارکہ ۳۱۷ سے بھی بہت بڑھ گئے ہیں چنانچہ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ۳۱۳ پر پچاس ناموں کا اضافہ کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بعض ناموں کے متعلق اختلاف ہے۔ اسی طرح خود میں نے جو فہرست دی ہے اس میں ۳۵۲ نام زیب رقم ہوئے ہیں حالانکہ ان کی اصل تعداد ۳۱۳ تھی۔

اصحاب بدر کے اسمار گرامی

اب یہاں اُن نفوس قدسیہ کے اسمار گرامی درج کیے جاتے ہیں جو بدر کے میدان جنگ میں باطل کے خلاف معرکہ آرا ہو کر ابد الآباد تک آسمان عظمت پر چمکے۔ بعض سیرت نگاروں نے اہل بدر کے اسمار مبارکہ حروف معجم پر مرتب کیے ہیں۔ گو اس میں زیادہ سہولت تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ مجھے مختلف خاندانوں اور اُن کے حلفار و موالی کا امتیاز واظہار منظور تھا۔ اس کے علاوہ قرابت داروں کو ایک ساتھ رکھ کر ان کی باہمی قرابت دکھانی منظور تھی۔ جن ناموں کو بغیر کسی تشریح کے چھوڑا جائے گا میرے زعم میں ان کے بدری ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور جن حضرات کا بدری ہونا متفق علیہ نہیں ان کے ناموں کے ساتھ ان کی نسبت اہل مغازی کی رائے ظاہر کی جائے گی۔

قریشی مہاجرین اوّلین اور ان کے حلفار و موالی

(۱) سرور کونین، فخر عالم و عالمیان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف (۲) آپ کے عم محترم حمزہ بن عبد المطلب (۳) آپ کے عم زاد علی بن ابی طالب بن عبد المطلب (۴) عُبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف مطلبی (۵) اور ان کے دو بھائی طُفیل بن حارث بن مُطلب بن عبد مناف اور (۶) حُصین بن حارث بن مطلب (۷) مِسطح بن اُثاثہ بن عَبّاد بن مُطلب بن عبد مناف (۸) سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی (۹) اَنسہ حبشی مولیٰ[1] رسول اکرم صلی اللہ

---

[1] مولیٰ اس غلام کو کہتے ہیں جس کے مالک نے اُسے آزاد کر دیا ہو۔

علیہ وسلم (۱۰) ابو کبشہ مولیٰ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱) ابو مرثد کناز بن حصین بن یربوع غنوی حلیف حمزہ رض (۱۲) اور ان کے فرزند مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہم

(۱۳) حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف جنہیں مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جگر گوشہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی ملالت پر تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے حضرت ذوالنورین رض کو مال غنیمت کا پورا حصہ دیا، اور دوسروں کی برابر ثواب جہاد کی بھی بشارت دی تھی (۱۴) امیر معاویہ رض کے ماموں ابو حذیفہ ہشیم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف (۱۵) سالم بن معقل مولیٰ ابی حذیفہ بن عتبہ (۱۶) عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر اسدی جو حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ (بعض نے جحش کے باپ کا نام رئاب کے بجائے ذئاب لکھا ہے) (۱۷) اور حضرت عبداللہ کے عم زاد بھائی یزید بن رقیش بن رئاب بن یعمر اسدی رضی اللہ عنہم۔

(۱۸) عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس اسدی (۱۹) اور عکاشہ کے بھائی ابو سنان بن محصن بن حرثان اسدی (۲۰) اور ابو سنان کے فرزند سنان بن ابی سنان (۲۱) شجاع بن وہب بن ربیعہ اسدی (۲۲) اور ان کے بھائی عقبہ بن وہب (۲۳) ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ اسدی (۲۴) محرز بن نضلہ بن عبداللہ اسدی (۲۵) اربد بن حمیر (یا حمیرہ)۔ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ اربد نے حبشہ کو ہجرت کی اور بدر میں شریک ہوئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ اربد بن حمیرہ بلاشک و شبہ شریک بدر ہوئے تھے۔ (۲۶) اربد بن مخشی یا سوید بن مخشی طائی حلیف بنی عبد شمس۔ ابو معشر نے انہیں شرکائے بدر میں شمار کیا ہے لیکن ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ بدر میں نہیں بلکہ احد میں شریک تھے (۲۷) ثقعت بن عمرو بن سمیط حلیف بنی عبد شمس (۲۸) اور ان کے دو بھائی مالک بن عمرو اور (۲۹) مدلاج بن عمرو (۳۰) عتبہ بن غزوان بن جابر (۳۱) عتبہ کے مولیٰ ابو یحییٰ خباب رضی اللہ عنہم

(۳۲) زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد جو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے فرزند اور عشرۂ مبشرہ میں داخل تھے (۳۳) ابو محمد حاطب بن ابی بلتعہ۔ (۳۴) اور حضرت حاطب کے مولیٰ سعد بن خولی بن سبرہ کلبی (۳۵) خریم بن فاتک بن اخرم اسدی۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ خریم بن فاتک بدری ہیں۔ حسب بیان

ابن عبدالبر صحیح یہ ہے کہ خریم شریک بدر تھے (تجرید اسماء الصحابہ) اور امام بخاریؒ اپنی تاریخ
میں رقم طراز ہیں کہ خریم بن فاتک بدری تھے۔ اور ابن سعد نے شعبی سے ایمن بن خریم کا قول نقل کیا
ہے کہ میرا باپ اور چچا شریک بدر ہوئے۔ لیکن محمد بن عمر لکھتے ہیں کہ یہ بیانات قابل تسلیم
نہیں کیونکہ ایمن کے باپ اور چچا تو اس وقت مشرف بایمان ہوئے تھے جب بنو أسد نے
فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ ابن سعد نے اسی پر جزم کیا ہے (اصابہ) (۳۶) خریم بن
فاتک کے بھائی سبرہ بن فاتک بن اخرم اسدی۔ طبرانی نے بطریق شعبی ایمن بن خریم سے
روایت کی کہ میرا باپ اور چچا شریک بدر تھے۔ لیکن واقدی نے کہا یہ دعویٰ ناقابل التفات
ہے کیونکہ خریم اور سبرہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے (اصابہ) (۳۷) مُصعَب بن عُمَیر بن
ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصیّ (۳۸) سُوَیبط بن سعد بن حرملہ۔ رضی اللہ عنہم
(۳۹) طُلَیب بن عُمَیر بن وہب بن کثیر بن عبد بن قصی جو سید کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کے فرزند گرامی تھے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ
طُلَیب یقینی طور پر بدری ہیں لیکن موسیٰ بن عُقبہ، محمد بن اسحٰق اور ابو معشر نے ان کا نام بدریوں
کی فہرست میں درج نہیں کیا (طبقات ابن سعد) حسب زعم ابن سعد طُلَیبؓ کو بدری بتانے
میں واقدی منفرد ہیں حالانکہ ابن مندہ نے بھی ان کے بدری ہونے کا ذکر کیا ہے (اصابہ)
(۴۰) ابو محمد عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زُہرہ بن کلاب بن مرّہ
جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں (۴۱) سعد بن ابی وقاص مالک بن وُہَیب (یا اُہَیب) زُہری
جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں (۴۲) اور ان کے بھائی عُمَیر بن ابی وقاص۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن مُعاذؓ کے بھائی عمرو بن مُعاذ کو عُمَیر بن
ابی وقاص کا بھائی بنایا تھا۔ عمرو بن معاذ کا بیان ہے کہ عُمَیر لشکر میں چھپے چھپے پھرتے تھے۔
میں نے کہا بھائی! ایسا کیوں کر رہے ہو؟ بولے اس خوف سے کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مجھے کمسن دیکھ کر واپس کر دیں حالانکہ شرکت غزا میری عزیز ترین خواہش ہے۔
کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ درجۂ شہادت نصیب کرے۔ آخر جب آنحضرتؐ نے انہیں دیکھا
تو فرمایا کہ تم واپس جاؤ۔ یہ حکم سن کر عُمَیر رونے لگے۔ آخر آپ نے چلنے کی اجازت دے دی۔
اور عمرو بن عبدِ وُدّ نام ایک مشرک کے ہاتھ سے قتل ہو کر جام شہادت پی لیا۔ رضی اللہ
عنہم۔

(۴۳) ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہُذلی ابن اُم عبد (۴۴) مقداد
بن عمرو بن ثعلبہ کندی (۴۵) خباب بن اَرَت (۴۶) مسعود بن ربیع (یا ربیعہ) بن عمرو قاری
(۴۷) عُمیر بن عبد عَمرو معروف بہ ذوالشمالین (۴۸) افضل البشر بعد الانبیا خلیفۂ رسول اللہ
امیر المومنین عبداللہ معروف بہ ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد
بن تیم بن مُرّہ (۴۹) اور ان کے مولیٰ بلال بن رباح (۵۰) اور ان کے دوسرے مولیٰ عامر بن
فُہیرہ (۵۱) صُہیب بن سنان رومی جو عبداللہ بن جُدعان تیمی کے مولیٰ تھے (۵۲) طلحہ بن
عُبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ۔
(۵۳) ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم جو سرور دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطلب کے فرزند اور اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی
کے پہلے شوہر تھے (۵۴) عثمان بن عثمان معروف بہ شَمّاس (۵۵) ارقم بن ابی الارقم عبد مناف
بن اسد بن عبداللہ مخزومی ۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا بدری ہونا مسلم ہے ۔ علامہ ابن کثیر
رحمہ اللہ نے ان کے والد ابوالارقم عبد مناف کو بھی بدری لکھا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے ۔ ان کے
والد صحابہ میں داخل ہیں لیکن بدری نہیں تھے (۵۶) عمار بن یاسر عنسی (۵۷) مُعتّب بن
عوف بن عامر خُزاعی حلیف بنی مخزوم رضی اللہ عنہم
(۵۸) فاروق اعظم امیر المومنین ابو حفص عمر بن خطاب بن نُفَیل بن عبدالعزیٰ خلیفہ
راشد ثانی (۵۹) ان کے بڑے بھائی ابو عبدالرحمٰن زید بن خطّاب جو حضرت فاروق اعظم رضی سے
پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے (۶۰) سعید بن زید بن عمرو بن نُفَیل جو حضرت عمر رضی کے بہنوئی
اور عم زاد بھائی تھے اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں (۶۱) عمرو بن سُراقہ بن مُعتمِر قرشی عدوی ۔
(۶۲) اور ان کے بھائی عبداللہ بن سُراقہ ۔ ابن اسحٰق، زبیر اور خلیفہ نے کہا کہ عبداللہ بن سُراقہ
معرکۂ بدر میں شریک تھے لیکن ابن عُقبہ، ابن سعد اور ابو معشر کے نزدیک انہوں نے بدر میں
شرکت نہیں کی (اصابہ) موسیٰ بن عُقبہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن
سُراقہ بدری تھے (تجرید اسماء الصحابہ) (۶۳) عامر بن ربیعہ بن مالک عَنزی جو خطّاب بن نُفَیل
کے حلیف تھے رضی اللہ عنہم
(۶۴) عاقل بن بُکَیر بن عبد یالیل (۶۵) اور ان کے تین بھائی (۶۶) خالد بن بُکَیر
(۶۷) ایاس بن بُکَیر (۶۸) اور عامر بن بُکَیر جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے (۶۹) واقد

بن عبداللہ بن عبد مناف تمیمی حنظلی (۷۰) خولی بن ابی خولی عمرو بن زُبیر بن خیثمہ جُعفی حلیف بنی عدیؓ (۷۱) اور ان کے بھائی مالک بن ابی خولی جُعفی۔ لیکن ابن اسحٰق کے سوا کسی نے مالک بن ابی خولی کو بدری نہیں بتایا (۷۲) مہجع بن صالح مولیٰ عمر بن خطاب (۷۳) خُنیس بن حُذافہ بن قیس سہمی جو حضرت حَفصہؓ بنت عُمرؓ بن خطاب کے پہلے شوہر تھے۔ جب انہوں نے غزوہ اُحد میں جُرعۂ شہادت نوش فرمایا تو محترمہ حفصہؓ حریم نبوت میں داخل ہو کر اُمّہات المومنین کے پاک زمرہ میں داخل ہوئیں رضی اللہ عنہم۔ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں اور علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ خُنیس بن حُذافہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ خُنیسؓ غزوۂ اُحد میں زخمی ہوئے اور ان کا یہی زخم جان لیوا ثابت ہوا۔

(۷۴) عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حُذافہ بن جُمح اور ان کے دو بھائی (۷۵) عبداللہ بن مظعون اور (۷۶) قُدامہ بن مظعون (۷۷) اور ان کے فرزند سائب بن عثمان بن مظعون (۷۸) مَعمر بن حارث بن مَعمر بن حبیب بن وہب جُمحی (۷۹) ابو سبرہ بن ابی رُہم بن عبدالعزیٰ جو حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی کے اخیافی بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ سیّد الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ (۸۰) عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ (۸۱) حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد وُدّ جو سُہیل بن عمرو کے بھائی تھے (۸۲) اور ان کے برادر زادہ عبداللہ بن سُہیل بن عمرو (۸۳) عُمیر بن عوف جو سُہیل بن عمرو کے مولیٰ تھے۔ موسیٰ بن عُقبہ، ابو معشر اور محمد بن عمرؓ نے ان کا نام عُمیر بن عوف اور امام بخاری اور اُموی اور محمد بن اسحٰق نے عمرو بن عوف لکھا ہے (۸۴) وَہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث عامری۔ موسیٰ بن عُقبہ، ابو معشر اور محمد بن عمر کی روایت میں وَہب شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحٰق نے ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کیا (ابن سعد) (۸۵) ابو سعید سعد بن خَولہ یمنی مولیٰ بنی عامر بن لُوَیّ۔ ابو معشر نے ان کو سعد بن خَولی لکھا ہے۔ رضی اللہ عنہم

(۸۶) ابو عُبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اُہیب بن ضَبّہ بن حارث بن فہر جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔ موسیٰ بن عُقبہ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عامر بن حارث فہری بھی شریک بدر تھے (تاریخ ابن کثیرؒ) لیکن مجھے اس نام کے کسی بدری یا صحابی کا علم نہیں ہو سکا۔ (۸۷) سُہیل بن بیضاء۔ بیضاء ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام وَہب ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک

بن ضبیہ تھا (۸۸) اور سُہیلؓ کے بھائی صفوان بن وہب (۸۹) معمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال فہری (۹۰) ابوسعید عیاض بن زُہیر بن ابی شداد فہری۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے بجائے عیاض بن غنم (بفتح المعجمہ وسکون النون) فہری لکھا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے۔ عیاض بن غنم بن زُہیر فاتح جزیرہ[*] حضرت ابوسعید عیاض بن زُہیر بدری رضؓ کے برادر زادہ تھے اور بدری نہیں تھے (ملاحظہ ہو تجرید اسماء الصحابہ جلد اوّل ص ۴۶۲) (۹۱) ابونافع عمرو بن حارث بن زُہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال فہری۔ ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۹۲) مالک بن ابی خولی بن عمرو جعفی حلیف بنو عدی۔ ابن اسحٰق نے ان کو بھی بدریوں میں شامل کیا ہے (اصابہ) رضی اللہ عنہم۔

اب ذیل میں انصار کرام کے نام نامی درج کیے جاتے ہیں۔ پہلے اوس کے اسماء گرامی سپرد قرطاس ہوں گے اور پھر خزرج کے۔

بنو اوس اور اُن کے حُلفاء وموالی

(۱) سعد بن معاذ بن نعمان بن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل (۲) اور ان کے بھائی عمرو بن معاذ (۳) اور ان دونوں کے برادر زادہ حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان (۴) حارث بن انس بن رافع بن امرئ القیس بن زید۔ محمد بن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (۵) سعد بن زید بن مالک بن عبد بن کعب بن عبد الاشہل (۶) سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زُغبہ بن زعوراء بن عبد الاشہل (۷) اور سلمہ کے عم زاد عباد بن بشر بن وقش بن زُغبہ (۸) اور دوسرے چچا کے بیٹے سلمہ بن ثابت بن وقش بن زُغبہ (۹) رافع بن یزید بن کرز بن سکن بن زعوراء اشہلی (۱۰) عمار بن زیاد اشہلی رضی اللہ عنہم

(۱۱) ظُہیر بن رافع بن عدی اوسی (۱۲) اور ان کے بھائی مُظہر بن رافع بن عدی۔ امام بخاریؒ نے ظہیر اور مُظہر کو بدریوں میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ زُہری نے سالم بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رافع بن خدیج رضؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ذکر کیا تھا کہ میرے دونوں چچا (ظُہیر اور مُظہرؓ) شریک بدر تھے (صحیح بخاری) لیکن دمیاطی نے ان دونوں کے بدری ہونے سے انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دونوں بھائی غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ دمیاطی کے خیال کا مبنیٰ ابن سعد کا بیان ہے مگر جن دو شخصوں نے

---

[*] جزیرہ اس سرزمین کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے۔ ۱۲

ان کے شہود کی گواہی دی ہے، وہ نفی کرنے والے سے زیادہ قابلِ اعتماد ہیں (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۵) لیکن مشکل یہ ہے کہ تجرید اسماء الصحابہ میں بھی (جس کے مؤلف امام ذہبیؒ یا ابن اثیر جزریؒ ہیں) ان دونوں کو اُحُدی ہی قرار دیا گیا ہے (۱۳) سالم بن عوف بن عمرو حلیف بنی عبدالاشہل۔ ابن اسحٰق نے مغازی میں ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے۔ (۱۴) محمد بن مُسلمہ بن خالد بن عدیؓ حارثی (۱۵) سَلمہ بن اسلم بن حُریش حارثی (۱۶) عبداللہ بن سہل بن رافع اشہلی (۱۷) حارث بن خزمہ بن عدی بن ابی غنم (۱۸) ابوالہیثم مالک بن تیہان (۱۹) اور ان کے بھائی عُبید بن تیہان (۲۰) ابو عبس عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو بن زید (۲۱) مسعود بن عبدسعد بن عامر بن عدی بن جشم حارثی رضی اللہ عنہم

(۲۲) ابو بُردہ ہانی بن نیار بن عمرو بلوی حلیف انصار جو حضرت برار بن عازب بدری رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے (۲۳) قتادہ بن نُعمان بن زید بن عامر (۲۴) ابو نعمان عُبید بن اوس بن مالک ظفری (۲۵) نصر بن حارث بن عبد رزاح۔ بعض نے ان کا نام نضر (بالضاد) لکھا ہے۔ (۲۶) عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک قضاعی (۲۷) مُعتّب بن عُبید بن ایاس بلوی قضاعی (۲۸) مُبشّر بن عبدالمُنذر بن زنبیر (۲۹) اور ان کے دو بھائی رفاعہ بن عبدالمُنذر (۳۰) اور ابو لُبابہ بشیر بن عبدالمُنذر (۳۱) ابو زید سعد بن عُبید بن نعمان بن قیس (۳۲) عُویم بن ساعدہ (۳۳) ثعلبہ بن حاطب بن عمرو (۳۴) اور ان کے بھائی حارث بن حاطب بن عمرو (۳۵) رافع بن عنجدہ۔ عنجدہ ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام عبدالحارث تھا۔ رافع بن عنجدہ کو رافع بن عنترہ بھی لکھا گیا ہے۔ (۳۶) عُبید بن ابی عُبید (۳۷) عاصم بن ثابت بن ابی اَفلح (۳۸) مُعتّب بن قشیر (یا مُعتّب بن بُشیر) بن مُلیل بن زید (۳۹) ابو مُلیل بن ازعر ضبعی (۴۰) اور ان کے برادر زادہ عُمیر (یا عمرو) بن معبد بن ازعر ضبعی رضی اللہ عنہم

(۴۱) اُنیس بن قتادہ بن ربیعہ۔ بعض نے ان کا نام اَنس لکھا ہے (۴۲) سالم بن عُمیر بن ثابت۔ علامہ ابن کثیرؒ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے کلفہ بن ثعلبہ کو بھی بدریوں میں شمار کیا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ کلفہ بن ثعلبہ نہ کوئی صحابی تھا اور نہ بدری بلکہ حضرت سالم بن عُمیرؓ کا غیر مسلم دادا تھا جو ظہورِ اسلام سے پہلے طعمۂ اجل ہو چکا تھا (۴۳) معن بن عدی بن جد بن عُجلان (۴۴) اور ان کے بھائی عاصم بن عدی (۴۵) ثابت بن اَقرم بن ثعلبہ (۴۶) زید بن اسلم بن ثعلبہ (۴۷) عبداللہ بن سَلمہ بن مالک بن عدی عجلانی (۴۸) ربعی بن رافع بن حارث بلوی۔

(۴۹) جَبر بن عتیک بن حارث بن قیس بن ہَیشہ۔ بعض اہل مغازی کا بیان ہے کہ جبر بن عتیک کے دادا حارث بن قیس بن ہَیشہ بھی شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کو اس سے بشدت انکار ہے (ابن سعد) (۵۰) مالک بن نُمیلہ۔ نُمیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ باپ کا نام ثابت بن مُزَینہ تھا (۵۱) نعمان بن عصر بن ربیع بن حارث بلوی۔ بعض نے ان کے دادا کا نام ربیع کے بجائے عُبید بتایا ہے۔ رضی اللہ عنہم

([illegible]۲) مُرارہ بن ربیع اور (۵۳) ہلال بن اُمیہ واقفی۔ زُہری نے کعب بن مالک سے روایت کی ہے کہ یہ دونوں بدر میں شریک تھے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۹) مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ اُن تین بزرگوں میں سے دو ہیں جو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے اور بہت دن تک زیرِ عتاب رہنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ ابن الکلبی نے بھی ان کو بدری بتایا ہے۔ لیکن اہلِ مغازی نے ان کا بدری ہونا تسلیم نہیں کیا۔ ان میں سے بعض کا قول ہے کہ ان کو بدری گمان کرنے میں زُہری کو غلط فہمی ہوئی ہے (تجرید اسماء الصحابہ) شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔ امام بخاریؒ کو معلوم تھا کہ بعض لوگوں کو مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ کے بدری ہونے سے انکار ہے اور اس بارہ میں زُہری کو وہم اور غلط فہمی کا شکار بتاتے ہیں۔ اس لیے امام بخاریؒ نے اس انکار کی تردید میں کعب بن مالک صحابی کا قول نقل کیا کیونکہ زُہری نے جس بزرگ سے حدیث اخذ کی [illegible] بعد والے لوگوں کی نسبت جو شریک بدر نہیں تھے اس بات سے زیادہ واقف تھا کہ کون کون حضرات بدر میں حاضر تھے اور دمیاطی وغیرہ بعض متاخرین کا یہ کہنا کہ کسی نے مُرارہ اور ہلال (رضی اللہ عنہما) کا بدری ہونا بیان نہیں کیا سو یہ قول مردود ہے کیونکہ بخاریؒ نے اس پر جزم کیا ہے اور ایک جماعت نے بخاری کی متابعت کی ہے۔ اس جیسی صحیح حدیث کے خلاف جو مرارہ اور ہلالؓ کی حاضری کی مُثبت ہے، محمد بن سعد کا بیان بھی حجت نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہشام بن کلبی نے جو ابن سعد کے شیوخ میں ہیں ذکر کیا ہے کہ مُرارہ بن ربیع شریک بدر تھے (فتح الباری)

صحیح متفق علیہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ اہلِ بدر کے تمام گناہ اور مسامحات معاف کر دیے گئے۔ علامہ ابن قیمؒ نے الہدیٰ میں حضرت مرارہؓ اور حضرت ہلالؓ کے بدری نہ ہونے پر ایک دلچسپ استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں شریک بدر ہوتے تو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے پر مورد عتاب نہ ہوتے اور اُن کا تسامح اسی طرح

نظر انداز کر دیا جاتا، جس طرح حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شدید غلطی محض ان کے بدری ہونے کے صدقہ میں نظر انداز کر دی گئی تھی"۔ حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی ؒ ابن قیم ؒ کے اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ نص کی موجودگی میں قیاس آرائی ہے اور دونوں حالتوں میں فرق و امتیاز کرنا ممکن ہے (فتح الباری)

(۵۴) سہل بن حُنَیف بن واہب (۵۵) زیاد بن عَمرو (یا زیاد بن بشیر) قبیلہ بنو ساعدہؓ میں سے یا ان کے مولیٰ تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کو اور ان کے بھائی (۵۶) ضمرہ بن عَمرو کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۵۷) عَمرو بن عَوف انصاری بدری جنہیں ابن اسحٰق نے اس نام سے موسوم کیا ہے اور صحیح بخاری میں مِسوَر کی حدیث میں ان کا تذکرہ ہے لیکن موسیٰ بن عُقبہ، ابو معشر اور واقدی نے اُنہیں عُمَیر بن عوف کے نام سے یاد کیا ہے (تجرید اسماء الصحابہ) (۵۸) مُنذر بن محمد بن عُقبہ جحجبی (۵۹) ابو عُقیل عبدالرحمٰن اراشی اُنیفی بن عبداللہ بن ثعلبہ (۶۰) عبداللہ بن جُبَیر بن نعمان بن اُمیّہ (۶۱) اور ان کے بھائی خَوّات بن جُبَیر (۶۲) اور ان دونوں کے چچا حارث بن نعمان بن اُمیّہ (۶۳) ابو ضَیّاح نعمان بن ثابت بن نعمان بن اُمیّہ (۶۴) نعمان بن ابی خَذمہ (یا جذمہ یا خُزمہ یا خیثمہ علیٰ اختلاف الروایات) بن نعمان بن ابی حُذیفہ (۶۵) ابو حَنّہ مالک بن عَمرو بن ثابت بن کُلفہ۔ محمد بن عمر نے اسی طرح لکھا ہے اور محمد بن اسحٰق اور ابو معشر نے ابو حَبّہ (بالباء الموحدۃ) بتایا ہے لیکن محمد بن عمر کہتے ہیں کہ کوئی ایسا صحابی شریک بدر نہیں ہوا جس کی کنیت ابو حَبّہ ہو (طبقات ابن سعد)

(۶۶) سالم بن عُمَیر بن ثابت بن نعمان (۶۷) عاصم بن قیس بن ثابت بن نعمان (۶۸) خُبَیب بن عدی ...... بن مالکؓ جنہیں کفار مکہ نے باندھ کر قتل کیا تھا (۶۹) سعد بن خَیثمہ بن حارث بن مالک جو غزوۂ بدر میں مرگ شہادت سے سرفراز ہوئے (۷۰) مُنذر بن قُدامہ بن حارث بن مالک۔ امام ابن کثیر ؒ نے ان کو خزرجی بتایا ہے لیکن دوسروں نے انہیں اَوسی قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے (۷۱) مُنذر کے بھائی مالک بن قُدامہ بن حارث (۷۲) حارث بن عَرفجہ بن حارث بن مالک بن کعب۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے انہیں بدری بتایا ہے اور ابن اسحٰق نے انہیں بدریوں کی فہرست میں داخل نہیں کیا۔ لیکن ابو عمر اور ابن فتحون نے اس بارہ میں ابن اسحٰق کو ہدفِ اعتراض بنایا ہے (اصابہ) (۷۳) ابو عیسیٰ انصاری حارثی مدنی۔ ابو عُمر نے انہیں ابو احمد حاکم کی متابعت میں بدری لکھا ہے اور ابو احمد نے بخاری سے نقل کیا ہے (اصابہ)

(۴۷) حارث بن نعمان بن امرئ القیس بن بُرک۔ موسیٰ بن عقبہ، ابن عمارہ، ابو معشر، واقدی، ابو الاسود اور ابن کلبی نے ان کو شرکاے بدر میں شمار کیا ہے۔ البتہ ابن اسحٰق نے بدریوں میں ان کا ذکر نہیں کیا (اصابہ)

خزرجی شرکاے بدر مع حلفاء و موالی

(۱) ابو ایوب خالد بن زید بن کُلَیب بن ثعلبہ نجاری (۲) ثابت بن خالد بن نعمان بن خنسار نجاری (۳) عُمارہ بن حزم بن زید (۴) سُراقہ بن کعب بن عمرو (۵) حارثہ بن نعمان بن نفع (یا نفیع یا نقع) بن زید (۶) سُلیم بن قیس بن فہد (۷) سُہَیل بن رافع بن ابی عمرو (۸) مسعود بن اوس بن زید (۹) اور ان کے بھائی ابو خُزیمہ بن اوس بن زید۔ بعض نے ان کے دادا کا نام زید کے بجائے اصرم لکھا ہے (۱۰) رافع بن حارث بن سواد (۱۱) مُعاذ بن حارث بن رفاعہ نجاری (۱۲) اور ان کے دو بھائی مُعوّذ بن حارث (۱۳) اور عوف بن حارث نجاری۔ یہ تینوں بھائی بنو عفراء کے نام سے مشہور ہیں جو ان کی والدہ تھیں (۱۴) نعمان بن عمرو بن رفاعہ (۱۵) عامر بن مُخلَّد بن حارث بن سواد بن مالک (۱۶) عبداللہ بن قیس بن خلدہ بن حارث بن سواد بن مالک رضی اللہ عنہم

(۱۷) عمرو بن قیس بن زید بن سواد نجاری۔ واقدی، ابو معشر، محمد بن عمر اور عبداللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے انہیں بدریوں میں داخل کیا ہے لیکن ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ نے ان کے بدری ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا (طبقات ابن سعد) علامہ ابن کثیرؒ نے ایک اور نام عمرو بن قیس بن مالک بن عدی بن خنسار بھی بدریوں کی فہرست میں درج کیا ہے لیکن مجھ پر ان کا بدری یا صحابی ہونا ظاہر نہیں ہوا۔ عمرو بن قیس بن مالک بن کعب بن عبدالاشہل نجاری نام کے ایک صحابی تھے لیکن اہل بدر میں داخل نہیں (۱۸) اور عمرو بن قیس بن زید کے فرزند قیس بن عمرو بن قیس بن زید نجاری۔ ابن کلبی، ابو معشر، واقدی، محمد بن عمر اور عبداللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے انہیں اہل بدر میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق ان کے بدری ہونے یا نہ ہونے کی طرف سے ساکت ہیں (طبقات ابن سعد)

(۱۹) عمرو بن قیس بن حزن بن عدی خزرجی ابو خارجہ۔ بغوی نے انہیں صحابہ میں اور ابن اسحٰق نے بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۲۰) ثابت بن عمرو بن زید بن عدی۔ موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر، محمد بن عمر اور عبداللہ بن محمد بن عمارہ انصاری کے نزدیک شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحٰق نے بدریوں کی جو فہرست مرتّب کی اس میں ان کا نام مندرج نہیں (طبقات

ابن سعد) (۲۱) عدیّ بن بسّان ابی الزّغباء بن سُبَیع بن ثعلبہ (۲۲) ودیعہ بن عمرو بن جراد جُہنی حلیف بنو نجار (۲۳) عِصمہ یا عُصَیمہ اشجعی۔ موسیٰ بن عُقبہ اور ابن اسحٰق نے انہیں بدریوں میں ذکر کیا ہے (اصابہ) (۲۴) ابو الحمراء مولیٰ حارث بن رفاعہ بن حارث (۲۵) سیّد القرّاء اُبَیّ بن کعب بن قیس بن عُبَید (۲۶) اَنس بن مُعاذ بن اَنس بن قیس بن عُبَید نجّاری (۲۷) اَوس بن ثابت بن مُنذِر نجّاری (۲۸) اور ان کے بھائی ابو شیخ اُبَیّ بن ثابت بن مُنذِر رضی اللہ عنہم۔

(۲۹) ابو طلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام نجّاری (۳۰) ثعلبہ بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول۔ علامہ ابن کثیرؒ نے تاریخ البدایہ والنہایہ میں کسی بزرگ ثعلبہ بن عمرو بن عُبَید بن مالک نجّاری کو بھی اہلِ بدر میں داخل کیا ہے۔ لیکن راقم الحروف کو اس نام کے کسی بدری بلکہ کسی صحابی کا علم نہیں ہو سکا (۳۱) سُہیل بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک (۳۲) حارث بن نعمان بن اُساف نجّاری۔ عدوی نے ان کو شرکاء بدر میں داخل کیا ہے (تجرید اسماء الصحابہ) امام ابن کثیرؒ نے اہلِ بدر میں حارث بن نعمان بن اُمیّہ انصاری کا نام بھی درج کیا ہے لیکن مجھے اس نام کے کسی بدری بلکہ صحابی تک کا نشان نہیں مل سکا (۳۳) حارثہ بن سُراقہ بن حارث بن عدیّ بن مالک (۳۴) ابو حکیم عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدیّ (۳۵) مُحرز بن عامر بن مالک بن عدیّ (۳۶) سُلیط بن قیس بن عمرو بن عُبَید (۳۷) ابو سلیط اُسیرہ بن عمرو بن قیس بن مالک بن عدیّ (۳۸) عامر بن اُمیّہ بن زید بن حسحاس نجّاری (۳۹) ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک بن عدی رضی اللہ عنہم۔

(۴۰) قیس بن سَکَن بن قیس بن زَعورا بن حرام (۴۱) ابو الاعور کعب بن حارث بن ظالم بن عَبس بن حرام بن جُندب (۴۲) حرام بن مِلحان مالک بن خالد بن زید بن حرام بن جُندب (۴۳) اور ان کے بھائی سُلَیم بن ملحان مالک بن خالد بن زید (۴۴) عُبَید بن ثعلبہ نجّاری۔

(۴۵) سواد بن غُزیّہ بن وہب بن بَلیّ بن عمرو (۴۶) عبداللہ بن عامر بلوی حلیف بنی ساعدہ۔ ابن اسحٰق نے ان کو بدری بتایا ہے (تجرید اسماء الصحابہ) ابو عمرؒ نے بھی ان کے بدری ہونے کا ذکر کیا ہے (اصابہ) (۴۷) قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول (۴۸) عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول (۴۹) ابو داؤد عُمیر بن عامر بن مالک بن خنساء بن مبذول مازنی۔ بعض نے عُمیر کو عمرو کے نام سے بھی موسوم کیا ہے (۵۰) سُراقہ بن عمرو بن

عطیہ بن خنساء بن مبذول نجاری (۵۱) قیس بن مُخلّد بن ثعلبہ بن صخر بن حبیب رضی اللہ عنہم (۵۲) عُصَیمہ جو بنو مازن بن نجّار کے حلیف تھے (طبقات ابن سعد) (۵۳) عصمہ بن حُصَین بن وَبَرہ بن خالد بن عجلان خزرجی۔ موسیٰ بن عُقبہ نے ابن شہاب سے ان کا بدری ہونا نقل کیا ہے اور ابن عُمارہ اور واقدی نے ابن عُقبہ کی متابعت کی ہے۔ اسی طرح ابوالاسود وغیرہ نے عُروہ سے ان کے شریک بدر ہونے کی روایت کی ہے۔ لیکن ابن اسحٰق اور ابو معشر نے اس کا ذکر نہیں کیا (اصابہ) (۵۴) نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبد الاشہل (۵۵) اور ان کے بھائی ضحّاک بن عبد عمرو نجّاری (۵۶) عمرو بن قیس بن زید نجاری رضی اللہ عنہم۔

(۵۷) عُقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بن اسیرہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ بدری تھے یا نہیں؟ امام بخاری ؒ نے ان کے بدری ہونے پر جزم کیا ہے اور متعدد حدیثوں سے جو صحیح بخاری میں مروی ہیں اس پر استدلال فرمایا ہے ان میں سے بعض حدیثوں میں ان کے بدری ہونے کی تصریح ہے۔ اسی طرح قتیبہ بن سلام اور مسلم نے کُنیٰ میں کہا ہے کہ وہ بدری تھے اور ابن البرقی کا بیان ہے کہ ابن اسحٰق نے ان کے شریک بدر ہونے کا ذکر نہیں کیا اور پھر متعدد روایتوں سے ان کے شریک بدر ہونے کا ثبوت دیا۔ اور طبرانی کا قول ہے کہ اہلِ کوفہ تو ان کے بدری ہونے کے قائل ہیں لیکن اہلِ مدینہ ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کرتے اور ابن سعد واقدی سے ناقل ہیں کہ ہمارے رفقاء میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بدر میں موجود نہیں تھے (اصابہ) علامہ ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو مسعود بدر میں حاضر تھے لیکن کثیر التعداد اصحاب مغازی کے نزدیک یہ چیز محلِ بحث ہے اس لیے انہوں نے ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کیا (البدایہ والنہایہ) ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت ان کے بدری ہونے کی قائل ہے لیکن یہ صحیح نہیں (تجرید اسماء الصحابہ)

(۵۸) جابر بن خالد بن مسعود بن عبد الاشہل نجاری (۵۹) کعب بن زید بن قیس بن مالک بن کعب بن عبد الاشہل (۶۰) سُلَیم بن حارث بن ثعلبہ بن کعب بن عبد الاشہل (۶۱) بُجَیر بن ابی بُجَیر حلیف بنو نجّار (۶۲) سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زُہَیر بن مالک بن امرئ القیس (۶۳) خارجہ بن زید بن ابی زُہَیر بن مالک بن امرئ القیس (۶۴) عبداللہ بن رَوَاحہ (۶۵) خلّاد بن سُوَید (۶۶) بشیر بن سعد بن ثعلبہ جو حضرت نعمان بن بشیر صحابی ؓ کے والدِ محترم تھے (۶۷) اور ان کے بھائی سماک بن سعد بن ثعلبہ (۶۸) سُبَیع بن قیس بن عَبسہ۔

(۶۹) اور ان کے بھائی عَبّاد بن قیس بن عبسہ (۷۰) یزید بن حارث بن قیس (۷۱) خُبَیب بن اُساف (یا یساف)، بن عُتبہ بن عمرو (۷۲) سفیان بن نسر بن زید (۷۳) عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبداللہ (۷۴) حُرَیث بن زید بن ثعلبہ (۷۵) تمیم بن یعار بن قیس (۷۶) عبداللہ بن عُمَیر بن حارثہ بن ثعلبہ بن خَلّاس (۷۷) عبداللہ بن ربیع بن قیس (۷۸) عبداللہ بن عَبس یا عُبَیس (۷۹) عبداللہ بن عُرفُطہ بن عدی رضی اللہ عنہم۔

(۸۰) عبداللہ بن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ (۸۱) اوس بن خولی بن عبداللہ بن حارث (۸۲) زید بن ودیعہ (۸۳) رفاعہ بن عمرو بن زید (۸۴) عُقبہ بن وہب بن کلدہ غطفانی (۸۵) معبد بن عُبادہ بن قشعر بن فدم (۸۶) عامر بن سلمہ بن عامر بن عبداللہ بلوی (۸۷) عاصم بن بُکَیر مزنی حلیفِ انصار۔ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا کہ عاصم بن بُکیر بدری تھے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ ان کی حاضری محلِ بحث ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ متعدد افراد نے موسیٰ بن عقبہ کی موافقت کی ہے جن میں سے آخری مؤید ابو جعفر طبری ہیں (اصابہ)

(۸۸) عُبادہ بن صامت بن قیس بن اَصرم (۸۹) اور ان کے بھائی اَوس بن صامت بن قیس بن اَصرم (۹۰) نُعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دَعد (۹۱) مالک بن دُخشُم (یا دُخشُن) بن مرضخہ بن غنم رضی اللہ عنہم۔

(۹۲) نوفل بن عبداللہ بن نَضلہ بن مالک بن عجلان (۹۳) عتبان بن مالک بن عمرو بن عجلان (۹۴) مُلَیل بن وَبَرہ بن خالد بن عجلان (۹۵) ثابت بن ہزال بن عمرو بن قریوس (۹۶) ربیع بن ایاس بن عمرو (۹۷) اور ان کے بھائی وَدَفہ (بالفاء) بعض نے ورقہ اور دوسروں نے ودقہ بھی لکھا ہے۔ بن ایاس بن عمرو (۹۸) عبداللہ بن زیاد بلوی معروف بہ مُجَذَّر۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجذر رض کو مہاجر لکھا ہے لیکن وہ قطعاً و یقیناً انصاری خزرجی تھے۔ (۹۹) عَبدہ بن خشخاش قضاعی۔ عبدہ کے نام میں اختلاف ہے۔ انہیں عَبّاد، عُبادہ اور عبیدہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ (۱۰۰) بحّاث (یا بحاب) بن ثعلبہ بن خزمہ حلیفِ انصار (۱۰۱) اور ان کے بھائی عبداللہ بن ثعلبہ بن خزمہ (۱۰۲) عُتبہ بن ربیعہ بن خالد بہرانی (۱۰۳) عمرو بن ایاس بن زید بن جشم رضی اللہ عنہم

(۱۰۴) مُنذر بن عمرو بن خُنَیس بن لوذان ساعدی (۱۰۵) ابو دُجانہ سماک بن خرشہ بن لوذان ساعدی (۱۰۶) ابو اُسَید مالک بن ربیعہ ساعدی (۱۰۷) مالک بن مسعود ساعدی رضی اللہ عنہم (۱۰۸) عبد رب بن حق بن اوس (۱۰۹) زیاد بن کعب بن عمرو بن عدی۔

(۱۱۰) ضمرہ بن عمرو بن عمرو بن کعب جہنی (۱۱۱) بسبس بن عمرو بن ثعلبہ جہنی (۱۱۲) کعب بن جماز۔
کعب کے والد کے نام میں سخت اضطراب ہے۔ ابن سعد نے جمّاز لکھا ہے۔ حمار، حمان،
جمار اور جماز نام بھی بتائے گئے ہیں۔ ابن ہشام نے انہیں کعب بن عبشان بتایا ہے۔
ایک مصنف کعب بن مالک بن ثعلبہ بن جماز لکھتے ہیں اور اُموی نے کعب بن ثعلبہ بن جا
بن عنم غسّانی حلیف بنو خزرج بن ساعدہ بتایا ہے (۱۱۳) عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ
سلمی جو حضرت جابر انصاری رضؓ کے والدِ محترم تھے (۱۱۴) خراش بن صمّہ بن عمرو غنمی (۱۱۵)
اور ان کے مولیٰ تمیم رضی اللہ عنہم۔

(۱۱۶) عُمیر بن حرام بن عمرو بن جمُوح بن زید بن حرام۔ محمد بن عُمر واقدی، ابن الکلبی،
ابن عائذ اور عبداللہ بن محمد بن عُمارہ انصاری نے انہیں بدری بتایا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ،
محمد بن اسحٰق اور ابو معشر نے بدریوں میں ان کا ذکر نہیں کیا (۱۱۷) عُمیر بن حُمام بن جموح بن
زید بن حرام۔ آغازِ جنگ میں جب مشرکینِ مکہ نے لشکرِ اسلام پر حملہ کرنا چاہا تو خدا کے برگزیدہ
رسول ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف خطاب کر کے فرمایا تھا کہ آگے بڑھو اور وہ جنت لو جس کا عرض
آسمان اور زمین کے برابر ہے۔" حضرت عُمیر بن حُمام عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا میں
بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ تم ضرور اس میں داخل ہو گے۔ اس کے بعد
انہوں نے کھجوریں نکال کر کھانی شروع کیں۔ پھر شوقِ شہادت نے جوش مارا اور بولے
کہ میرے لیے اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں شاق ہے۔" یہ کہہ کر کھجوریں پھینک
دیں اور رزم خواہ ہو کر شہید ہو گئے (صحیح مسلم) (۱۱۸) اور عُمیر رضؓ کے عم زاد مُعاذ بن عمرو بن جموح
بن زید بن حرام (۱۱۹) اور مُعاذ کے بھائی مُعوّذ بن عمرو بن جموح۔ موسیٰ بن عُقبہ، ابو معشر اور محمد بن
عمر کی روایت میں مُعوّذ شریکِ بدر تھے لیکن محمد بن اسحٰق نے اپنی فہرست بدریین میں ان کا نام
نہیں لیا (۱۲۰) اور مُعاذ اور معوّذ کے بھائی خلّاد بن عمرو بن جموح (۱۲۱) اور ان تینوں کے
چچازاد بھائی حُباب بن مُنذِر بن جموح رضی اللہ عنہم

(۱۲۲) عُقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام۔ امام بخاریؒ اور بعض دوسرے حضرات نے
ایک صحابی عُقبہ بن عمرو ابو مسعود انصاری رضؓ کو بھی بدری لکھا ہے لیکن امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں
(تجرید اسماء الصحابہ) (۱۲۳) ثابت بن ثعلبہ بن زید (۱۲۴) عُمیر بن حارث بن ثعلبہ (۱۲۵) حبیب بن
اسود مولیٰ بنو حرام (۱۲۶) بشر بن براء بن مَعرُور (۱۲۷) عبداللہ بن جد بن قیس سلمی رضی اللہ عنہم

ان کا باپ ابو وہب جَد بن قیس مشہور منافق تھا (۱۲۸) سنان بن صَیفی بن صخر بن خنسار (۱۲۹) اور ان کے چچازاد بھائی عُتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنسار (۱۳۰) طُفیل بن مالک بن خنسار (۱۳۱) اور ان کے عم زاد طُفیل بن نعمان بن خنسار (۱۳۲) عبداللہ بن عبد مناف بن نعمان (۱۳۳) جابر بن عبداللہ بن رِئاب بن نعمان سلمی (۱۳۴) خُلَید بن قیس بن نعمان سلمی (۱۳۵) یزید بن مُنذِر بن سَرح۔ (۱۳۶) اور ان کے بھائی مَعقل بن مُنذِر سلمی (۱۳۷) عبداللہ بن نعمان بن بُلذمہ بن خُناس رضی اللہ عنہم

(۱۳۸) جَبّار بن صخر بن اُمیّہ بن خنسار۔ علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں جبارؓ اور ان کے والد صخر بن اُمیّہ دونوں کو الگ الگ بدری لکھا ہے۔ حالانکہ صخر بن اُمیّہ نہ بدری تھے اور نہ صحابی بلکہ راقم الحروف کو تو ان کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے تک کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا (۱۳۹) ضحاک بن حارثہ بن زید سُلَمی (۱۴۰) سواد بن رُزن بن زید بن ثعلبہ۔ محمد بن عمر اور عبداللہ بن محمد بن عُمارہ انصاری نے ان کا نام اور نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کو سواد بن رُزن بن ثعلبہ لکھا ہے۔ ابن الکلبی اور ابو حاتم نے ان کو سواد بن زید بن ثعلبہ، واقدی وغیرہ نے سواد بن رزین بن زید بن ثعلبہ اور ابن اسحٰق اور ابو معشر نے سواد بن زُریق بن ثعلبہ بتایا ہے۔ لیکن ابن سعد زُریق کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ لکھنے والوں کی تصحیف یعنی لغزشِ تحریر ہے۔

(۱۴۱) حارثہ بن حُمَیِّر حلیف بنو سَلِمہ۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد بن عمر نے ان کو حمزہ بن حُمَیِّر اور محمد بن اسحاق نے خارجہ بن حُمَیِّر اور موسیٰ بن عُقبہ نے حارثہ بن حُمَیِّر بتایا لیکن علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں حارثہ نام کو اصح فرمایا ہے۔ اہل اثر ان کے والد کے نام میں بھی مختلف البیان ہیں۔ بعض نے خُمَیِّرہ بالمعجمہ مصغراً اور طبری نے بالمہملہ مصغر مثقل بلاہا، لکھا ہے اور ابو موسیٰ نے ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ بالجیم والزار ہے (اصابہ) اور موسیٰ بن عقبہ نے جاریہ لکھا ہے (تجرید اسماء الصحابہ) (۱۴۲) اور ان کے بھائی عبداللہ بن حُمَیِّر حلیف انصار (۱۴۳) نعمان بن سنان مولیٰ بنی عُبَید بن عدیؓ (۱۴۴) قُطبہ بن عامر بن حدیدہ (۱۴۵) اور ان کے بھائی یزید بن عامر بن حدیدہ (۱۴۶) اور ان دونوں کے عم زاد بھائی سُلیم بن عمرو بن حدیدہ رضی اللہ عنہم۔

(۱۴۷) ثعلبہ بن عَنَمہ بن عدی بن سنان بن نابیٔ (۱۴۸) عبس بن عامر بن عدی بن سنان بن نابیٔ (۱۴۹) ابو الیَسَر کعب بن عمرو بن عبّاد (۵۰) سہل بن قیس بن ابی کعب (۱۵۱) عنترہ مولیٰ

شُلَیم بن عمرو بن حَدِیدہ (۱۵۲) معبد بن قیس بن صَیفی بن مُحَخّر بن حرام (۱۵۳) اور ان کے بھائی عبداللہ بن قیس (۱۵۴) عمرو بن طلق بن زید بن اُمَیّہ (۱۵۵) معاذ بن جَبَل بن عمرو بن اوس (۱۵۶) قیس بن مِحصَن بن خالد بن مُخَلَّد بن عامر بن زُرَیق (۱۵۷) اور ان کے دو چچازاد بھائی ابو خالد حارث بن قیس بن خالد بن مُخَلَّد (۱۵۸) اور جُبَیر بن ایاس بن خالد بن مُخَلَّد (۱۵۹) ابو عُبَادہ (یا ابو عُبَیدہ) سعد بن عثمان بن خَلدہ بن مُخَلَّد زُرَقی (۱۶۰) اور ان کے بھائی عُقبہ بن عثمان بن خلدہ بن مُخَلَّد (۱۶۱) ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مخلد (۱۶۲) مسعود بن خَلدہ بن عامر بن مخلد (۱۶۳) عُبّاد بن قیس بن عامر بن خالد بن عامر بن زُرَیق (۱۶۴) اسعد بن یزید بن فاکہ بن زید بن خَلدہ بن عامر (۱۶۵) فاکہ بن بشر (یا نسر) بن فاکہ بن زید بن خلدہ (۱۶۶) معاذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ بن عامر بن زُرَیق۔ معاذ کے والد ماعص، ناعص اور ماعق کے ناموں سے بھی یاد کیے گئے ہیں (۱۶۷) اور معاذ کے بھائی عائذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ زرقی (۱۶۸) اور ان دونوں کے عم زاد مسعود بن سعد بن قیس بن خلدہ زرقی (۱۶۹) رفاعہ بن رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زُرَیق (۱۷۰) اور ان کے بھائی خَلّاد بن رافع بن مالک بن عجلان (۱۷۱) عُبَید بن زید بن عامر بن عجلان رضی اللہ عنہم۔

(۱۷۲) زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بیاضی (۱۷۳) خلیفہ بن عدی بن عمرو بن مالک بیاضی (۱۷۴) فروہ بن عمرو بن وَذْفَہ بن عُبَید بن عامر بیاضی۔ وَذْفَہ کو ودقہ اور ودفہ بھی لکھا گیا ہے (۱۷۵) خالد بن قیس بن مالک بن عجلان بن عامر بیاضی (۱۷۶) رُخَیلہ بن ثعلبہ بن خالد بیاضی۔ رُخیلہ کو رجلیہ (بالجیم) اور رحیلہ (بحاء المہملہ) بھی لکھا گیا ہے لیکن صحیح بالخاء ہے (۱۷۷) ہلال بن معلّٰی بن لوذان بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ جو بنو جُشَم بن خزرج میں سے تھے۔ ابن اسحٰق اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۱۷۸) رافع بن معلّٰی بن لوذان۔ (۱۷۹) زید بن مُزَیّن بن قیس بن عدی حارثی۔ واقدی نے ان کا نام یزید لکھا ہے (تجرید اسماء الصحابہ)

(۱۸۰) عَطیّہ بن نویرہ بن عامر زُرقی۔ ابن الکلبی نے انہیں بدریوں میں داخل کیا ہے (اصابہ) (۱۸۱) سعد بن سہل یا سعید بن سُہَیل انصاری (تجرید اسماء اصحابہ) (۱۸۲) غنام بن اوس بن غنام خزرجی بیاضی۔ ابن الکلبی اور واقدی نے ان کا بدری ہونا بیان کیا ہے (۱۸۳) ابو خمیصہ (یا ابو حمیصہ یا ابو خمیصہ) معبد بن عباد بن قشیر بن قدم۔ ان کے نام اور کنیت میں

بڑا اضطراب ہے۔ بعض نے ان کو معبد بن عبادہ بن قیس لکھا ہے۔ واقدی اور ابن ہشام نے ان کے دادا کا نام قشعر بتایا ہے (۱۸۴) یزید بن اخنس بن جبیب بن جُجرہ (بضم الجیم) ابو معن سلمی۔ امام سُہیلی ؒ نے ان کو بدری بتایا ہے لیکن ابن اسحٰق اور اکثر اہل مغازی اس تذکرہ سے خاموش ہیں۔ (۱۸۵) مالک بن اُمیّہ سلمی۔ ابو عمرؒ نے ان کو بدری بتایا ہے۔ (۱۸۶) حارث بن صِمّہ بن عمرو بن عتیک رضی اللہ عنہم

شہدائے بدر کے اسماء گرامی

سیرت اور مغازی کی کتابوں میں غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے صحابۂ کرام کی تعداد چودہ بتائی گئی ہے۔ ان میں تین مہاجر اور چھ انصار وہ ہیں جن کی شہادت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تین مہاجر جن کے مقتول فی سبیل اللہ ہونے پر سب متفق ہیں یہ ہیں:- (۱) عبیدہ بن حارث بن مُطّلب بن عبد مناف قرشی مُطّلبی (۲) مِہجع بن صالح جو حضرت عمر فاروق ؓ کے مولیٰ تھے (۳) عُمیر بن ابی وقّاص جو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے کم سن بھائی تھے رضی اللہ عنہم

اور چھ انصاری شہدا یہ تھے:- (۱) حارث (یا حارثہ) بن سُراقہ جو حضرت اُنس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی رُبیّع کے فرزند تھے۔ پانی پیتے وقت ایک مشرک جبان بن عرقہ کا تیر ان کے حلق میں آلگا تھا (۲) مُعوّذ بن عفراء۔ عفراء ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام حارث بن رفاعہ نجّاری تھا۔ معوذ رضی اللہ عنہ عوف بن حارث اور معاذ بن حارث کے بھائی تھے (۳) یزید بن حارث بن قیس خزرجی (۴) عُمیر بن حُمام (۵) رافع بن معلّٰی (۶) سعد بن خیثمہ بن حارث اَوسی رضی اللہ عنہم

غزوۂ بدر میں مندرجۂ ذیل مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم کا مقتول ہونا مختلف فیہ ہے:-

(۱) صفوان بن بیضاء جو سہل اور سُہیل کے بھائی تھے۔ بیضاء ان کی والدہ تھیں۔ باپ وہب بن ربیعہ بن ہلال قرشی فہری تھا (۲) عاقل بن بُکیر بن عبد یالیل حلیف بنی عدی جو سابقین اوّلین میں سے تھے (۳) عُمیر بن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی معروف بہ ذوالشمالین (۴) عوف بن حارث انصاری جو عوف بن عَفراء کے نام سے مشہور ہیں۔ معاذ اور معوذ کے بھائی (۵) مبشر بن عبدالمنذر اَوسی جو اپنے بھائیوں ابو لبابہ اور رفاعہ کے ہمراہ شریک بدر ہوئے تھے (۶) عُمارہ بن زیاد اشہلی (۷) ہلال بن معلّٰی بن لوذان خزرجی۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں درجۂ شہادت

سے مشرف ہوئے تھے (طبقات ابن سعد) ابن اسحٰق اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ہلال بن معلّیٰ کا بدر میں مقتول ہونا نقل کیا ہے (اصابہ)

شیخ عبدالحق مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ یہ توہم نہ کرنا چاہیئے کہ اتنے مسلمانوں کا مارا جانا فتح و نصرت کے وعدۂ خداوندی کے خلاف تھا کیونکہ حق تعالیٰ نے دینِ متین کے اعلاء و سربلندی اور اعداء کی خواری و نگونساری کا وعدہ فرمایا تھا جو بدرجۂ اتم پورا ہوگیا۔ اگر خدائے حکیم کی حکمت پر وہی نے بعض حضرات کو فضیلتِ شہادت سے بہرہ مند فرمایا تو یہ اسی طرح مقصود کے خلاف نہیں جس طرح بعض کفار کا باقی رکھنا اور سب کو ہلاک و برباد نہ کرنا مقتضائے حکمت کے منافی نہ تھا۔

فصل ۲۵۸ حضرت نوفلؓ بن حارث ہاشمی کی سعادتِ ایمانی

حضرت نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی اُن ہاشمیوں میں جو مشرف بایمان ہوئے سب سے مُسن تھے۔ ان کے قبول اسلام کا یہ واقعہ ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار کیے گئے۔ سرورِ کائنات علیہ التحیہ والسلام نے ان سے فرمایا نوفل! فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ بولے میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں۔ فرمایا جدہ والے نیزے فدیہ میں دے سکتے ہو؟ یہ سن کر وہ حیرت زدہ ہوئے کہ آپ کو ان نیزوں کا کیونکر علم ہوا؟

اس اطلاع پر جناب نوفل رضؓ کو یقین ہوگیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے رسول ہیں جنہیں رب قدیر غیبی اطلاعوں سے نوازتا ہے۔ چنانچہ حضور انور کی رسالت کا اقرار کیا اور نیزے منگوا کر فدیہ میں پیش کر دیے۔ اس کے بعد مندرجۂ ذیل اشعار میں اپنے اسلام کا اظہار کیا ؎

الیکم الیکم انني لستُ منکم	دور ہو دور ہو میں تمہاری جماعت میں داخل نہیں
تبرأتُ من دین الشیوخ الاکابر	میں قریش کے شیوخ اور اکابر کے دین سے بیزار ہوں
شهدتُ علی ان النبی محمدٌ	میں نے شہادت دی ہے کہ محمدؐ نبی ہیں

اتیٰ بالهدیٰ من ربه والبصائر	اور وہ منجانب اللہ ہدایت اور بصیرت لے کر آئے ہیں
ان رسول الله یدعو الی التقیٰ	رسول اللہ تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں
وان رسول الله لیس بشاعر	اور آپ شاعر نہیں ہیں
علیٰ ذلک احییٰ ثم ابعث موقناً	میں اسلام ہی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر قبر کے اندر موت کی
واثوی علیه میتاً فی المقابر	حالت میں سوؤں گا اور پھر اسی پر قیامت کے روز اٹھوں گا

مشرف باسلام ہونے کے بعد مکہ معظمہ واپس آئے۔ کچھ مدت کے بعد ہجرت کے عزم سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی ربیعہ بن حارث بھی جو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال بڑے تھے ہمراہ تھے۔ ابواء پہنچ کر حضرت ربیعہ رض نے مکہ لوٹ جانے کا قصد کیا۔ نوفلؓ نے فرمایا اس شرک کدہ کو کہاں واپس جاتے ہو جہاں کے باشندے رسولِ خداؐ سے رزم خواہ ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا نے اپنے رسول کو سرفرازی بخشی ہے اور آپ کے پیروؤں کی کثرت ہو رہی ہے۔ بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ چلو۔ غرض یہ قافلہ ہجرت کر کے بخیر و عافیت مدینہ پہنچا (ابن سعد)

چونکہ حضرت نوفل رض نادار تھے، آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کی خبرگیری فرمایا کرتے تھے۔ نکاح کی خواہش ہوئی تو نکاح کرا دیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان [illegible] تھا۔ آپ نے ابورافع کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھوائی اور اس کے بدلے تیس صاع جو حاصل کر کے عطا فرمائے (مستدرک حاکم)

فصل ۲۵۹۔ جگر پارۂ رسولؐ سیّدہ رقیہؓ کی رحلت

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحیِ الٰہی سے مؤید ہوئے تھے تو اس وقت آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ کی عمر کلہم دس سال کی تھی (اصابہ) جب سیّدہ زینب نے عرصۂ بلوغ میں قدم رکھا تو آپ نے انہیں ام المومنین خدیجہ رض کے خواہرزادہ ابوالعاص رض سے بیاہ دیا۔ چونکہ چچا ابولہب سے رشتہ داری کے عام مراسم سے کہیں بڑھ کر مودّت کے روابط قائم تھے آپ نے اپنی منجھلی صاحبزادیاں رقیہؓ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی نابالغی ہی کی حالت میں ابولہب کے لڑکوں سے بیاہ دیں اور پھر جب سورۂ لہب کے نزول پر وہ آپ کا علانیہ دشمن ہو گیا تو اس نے

دونوں شہزادیوں کو طلاق دلوادی جیسا کہ اس سے پیشتر بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔ اس وقت بھی دونوں بچیاں نابالغہ ہی تھیں جب رقیہ رض عمر بلوغ کو پہنچیں تو آپ نے انہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا جب حضرت عثمان رض نے مکہ کے ستم کدہ سے دار الامان حبشہ کو ہجرت فرمائی تو سیدہ رقیہ رض بھی ساتھ تھیں۔ چند ماہ بعد جب تمام مہاجرین کرام نے جو پہلی ہجرت میں حبشہ گئے تھے ایک غلط اطلاع کی بنا پر مکہ معظمہ کو مراجعت کی تو حضرت عثمان رض بھی سیدہ کو ساتھ لے کر رجعت فرمائے مکہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رض اور جناب رقیہ رض نے حبشہ کو دوبارہ ہجرت کی۔ وہاں کئی سال رہنے کے بعد مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ سیدہ رقیہ قریباً دس سال تک حضرت عثمان رض کے مشکوئے معلیٰ میں رہیں۔ آخر مرض چیچک میں مبتلا ہوئیں۔ انہی ایام میں غزوۂ بدر پیش آیا اور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رض کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ چھوڑ کر مع خدام وحشم بدر تشریف لے گئے۔ (اصابہ)

آپ ابھی بدر سے مراجعت فرمانہ ہوئے تھے کہ حضرت رقیہ رض کی روح مطہر نے ہجرت کے ۱۷ مہینے بعد داعی حق کو لبیک کہہ دیا۔ حضرت عثمان رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر سیدہ کو سپرد خاک کر دیا۔ جب انہیں دفن کر رہے تھے تو حضرت عثمان رض نے تکبیر کی آواز سنی اور اسامہ بن زید رض سے فرمایا کہ دیکھو یہ کیسی آواز ہے؟ اتنے میں دیکھا کہ اسامہ رض کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرور انبیاء کی اونٹنی جدعا پر آ رہے ہیں۔ انہوں نے آکر فتح کی بشارت دی (اصابہ)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مراجعت فرمانے کے بعد بیٹی کی قبر پر تشریف لائے۔ اتنے میں سیدۃ النساء فاطمہ رض بھی وہاں پہنچ گئیں۔ فاطمہ رض قبر کے کنارے رسول اللہ ؐ کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے

(ابن سعد)

ابن عباس رض سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رقیہ رض کے انتقال پر فرمایا کہ رقیہ کو ہمارے سلف عثمان بن مظعون رض کے ساتھ ملحق کر دو"۔ یہ سن کر عورتیں رقیہ پر رونے لگیں۔ حضرت عمر رض جو بڑے قاہر اور غیور حامیٔ شریعت تھے، کوڑا لیے ہوئے آئے اور رونے والی خواتین کو کوڑے پیٹنے شروع کیے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عمر! ان کو چھوڑ دو اور رونے دو۔ پھر عورتوں سے فرمایا کہ روؤ مگر شیطانی آواز نہ نکالو۔ جو گریہ

دل اور آنکھوں سے ہو وہ منجانب اللہ ہے اور رحمت ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو [redacted] شیطان کی طرف سے ہے (ابن سعد)

سیدہ رُقیّہ طاہرہ رض کے بطن مبارک سے حضرت عثمان بن عفّان رض کا ایک فرزند متولّد ہوا جو عبداللہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کی وجہ سے حضرت عثمان رض کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہوئی۔ بہت چھوٹی عمر میں مُرغ نے عبداللہ کی آنکھ میں چونچ مار دی اور وہ اسی کے صدمہ سے دارالخلد کو چلے گئے (اصابہ)

حضرت عثمان بن مظعونؓ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا مکہ کے سب سے پہلے مہاجر تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ پیشوائے اُمّت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی مفارقت کا بڑا صدمہ تھا۔ رحلت کے بعد آپ نے تین دفعہ جُھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر اشک بار ہوئے کہ آنسوؤں سے حضرت ابن مظعون کے رخسارے تر ہو گئے (ابن سعد) پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ابوالسائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن اس سے ذرا بھی ملوث نہ ہوا (اسدالغابہ)

اس وقت تک مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا کوئی جداگانہ قبرستان نہیں تھا۔ حضرت ابن مظعون رض کی رحلت پر آپ نے مقام بقیع کو گورِ غریباں قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابن مظعون رض سب سے پہلے صحابی تھے جو اس گنج شائگاں میں سپردِ خاک ہوئے۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا (ابن سعد)

سیدہ اُمِّ کلثوم سے مناکحت

جناب رُقیّہ رض رحلت گزینِ عالمِ جاوداں ہوئیں تو حضرت عثمان بن عفّان کے لیے شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ شفقت پھر وسیع تھا۔ حضورِ انور نے سیدہ ام کلثوم رض کو ان کے عقد میں دے دیا۔ چونکہ آپ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رض کے عقد میں آئیں [redacted] ذوالنورین کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ کہتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں حضرت ذوالنورین رض کے سوا کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں آئی ہوں۔ سیدہ اُمِّ کلثوم رض نے شعبان ۹ سنہ ہجری میں انتقال فرمایا اور ان سے حضرت عثمان رض کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اُمِّ کلثوم کی وفات پر فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو ان کو بھی یکے

بعد دگرے عثمان غنیؓ سے بیاہتا جاتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ کی رحلت پر میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اشکبار دیکھا۔ حضرات علی مرتضیٰ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا (طبقات ابن سعد)

فصل ۲۶۰- ابولہب کی ذلّت آفریں ہلاکت

جنگ بدر میں قریب قریب وہ تمام روسائے قریش مسلمانوں کی خنجر خارا شگاف کا لقمہ بنے جنہوں نے حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو ایذائیں دی تھیں یا جنہوں نے ہجرت سے پہلے بارادہ قتل کاشانۂ نبوی کا رات بھر محاصرہ کیے رکھا تھا۔ ان بدترین دشمنوں میں سے جو نعمت ایمان سے محروم رہے صرف ایک ابولہب ہلاکت سے محفوظ رہا کیونکہ وہ جنگ بدر میں شریک ہی نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی طرف سے حضرت عمر فاروق کے ماموں عاص بن ہاشم بن مغیرہ کو مسلمانوں سے رزم خواہ ہونے کے لیے بھیج دیا تھا۔

مرض عدسہ میں گرفتار

گو عاص بن ہاشم جنگ بدر کی نذر ہو کر ابولہب کا فدیہ بن گیا تاہم غضب خداوندی نے خود ابولہب کا بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ جس روز بدر میں قریش کے منہزم ہونے کی خبر مکہ معظمہ پہنچی ہے، اس کے بعد ابولہب نے بمشکل سات دن قید حیات میں کاٹے۔ ان ایام میں وہ شب و روز غم ہزیمت میں اس طرح گھلتا رہا جس طرح بن کی آتش میں لکڑی ہر وقت سلگتی رہتی ہے۔ آٹھویں دن اسے طاعون کی قسم کا ایک مہلک پھوڑا نکل آیا جسے اہل عرب عدسہ کہتے ہیں۔ عامۃ الناس اس مرض سے بھی اسی طرح پرہیز کرتے ہیں جس طرح طا سے بچتے ہیں۔

ابولہب کی متعفن لاش

جب ابولہب ہلاک ہو گیا تو دو تین دن تک اس کی لاش اسی بے گور و کفن پڑی رہی یہاں تک کہ جب مکان سخت متعفن اور تمام محلے میں بدبو پھیلنے لگی تو لوگوں نے آ کر ابولہب کے بیٹوں سے کہا تمہیں شرم نہیں آ تمہارے باپ کی لاش پڑی سڑ رہی ہے اور بدبو کے مارے دماغ پھٹا جاتا ہے لیکن تمہیں کفن دفن کا کچھ خیال نہیں ہے۔ وہ بولے ہم اس لیے لاش کے قریب نہیں جاتے کہ مبادا ہم بھی عدسہ میں مبتلا ہو جائیں۔" لوگوں نے کہا اچھا اگر یہ خطرہ ہے تو چلو اس کام میں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں۔

غرض ابو لہب کے بیٹے اور محلّہ والے اس مکان میں گئے جہاں اس کی لاش سڑ گل رہی تھی لیکن شدت تعفّن کی وجہ سے کسی کو ہاتھ لگانے اور غسل دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ دور ہی سے اس پر چند لوٹے پانی پھینک دیا گیا۔ لوگ سخت نفرت اور کراہیت کے ساتھ لاش اُٹھا لے چلے اور شہر سے باہر کسی منہدم دیوار کے پاس پھینک کر اور پتھروں سے ڈھک کر چلے آئے۔ (ابن جریر طبری)

غرض ابو جہل وغیرہ کی طرح ابو لہب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ لسان الٰہی نے سورۂ تبّت میں اسی حرمان نصیب راندۂ درگاہ کے خُسران ابدی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی بیوی اروی بنت حرب جو ابوسفیان بن حرب کی حقیقی بہن اور اُمّ جمیل کی کنیت سے مشہور تھی پہلے ہی زندگی کی رُسوائی سے نجات پا چکی تھی۔ سورۂ لہب کی حمالۃ الحطب یہی فتنہ گر عورت ہے۔

عُتبہ اور مُعتّب کا رُوپوش ہونا

ابولہب کی اولاد چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بیٹے عُقبہ اور عُتَیبہ تو نعمت ایمان سے محروم رہے اور دو فرزند عُتبہ اور مُعتب مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی بہن دُرّہ بھی شرف ایمان سے بہرہ اندوز ہوئیں۔ فتح مکہ کے ایام میں عتبہ اور مُعَتّب مکہ معظمہ میں موجود تھے۔ تطہیر کعبہ کے بعد فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کے دونوں بھتیجے عتبہ اور معتب پسران ابولہب کہیں دکھائی نہیں دیے۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! وہ دونوں بھی دوسرے اشتہاری مجرموں کی طرح کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ فرمایا جائیے انہیں کہیں سے تلاش کرائیے۔ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کہا چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔ یہ دونوں چچا کے ساتھ بارگاہِ معظّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عم زادوں کے قبولِ اسلام پر وفورِ فرح وانبساط

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کے حال پر بڑی شفقت فرمائی۔ انہوں نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے دونوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور بیعت لی۔ اس کے بعد آپ دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے انہیں باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان لائے اور لوگوں سے فرمایا "یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیے ہیں"۔ مراجعت کے وقت رُخ انور وفورِ فرح وانبساط سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اس غیر معمولی بشاشت کا کیا سبب ہے؟ فرمایا

میں نے اپنے اِن دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا اور اُس نے اپنی رحمت سے مجھے مرحمت فرمائے ہیں۔ یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے۔ عُتبہ اور معتب غزوہ حُنین میں آنحضرت کے ساتھ تھے۔ عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت میں مکہ معظمہ میں وفات پائی (اصابہ بحوالہ طبرانی و ابن سعد)

فصل ۲۶۱۔ ہزیمت بدر کی انتقام جوئی

جنگ بدر میں ابوسفیان بن حرب کا بیٹا حنظلہ مارا گیا تھا۔ اس کو حضرت زید بن حارثہؓ نے قتل کیا تھا۔ جب ابوسفیان بدر کے میدان جنگ سے بھاگ کر مکہ پہنچے تو قسم کھائی کہ جب تک جنگ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بدلہ نہ لے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا اور نہ خلوت کرے گا۔ آخر قسم پوری کرنے کے لیے قریش کے دو سو سوار لے کر مدینہ مطہرہ کی طرف روانہ ہوئے اور ایک مقام پر جس کو صدر قناۃ کہتے ہیں جا کر اُترے۔ یہ مقام جو دامن کوہ میں واقع ہے، دار الہجرت سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ سواروں کو وہیں چھوڑ کر ابوسفیان خود رات کے وقت حیی بن اخطب یہودی کے مکان پر گئے اور دستک دی لیکن معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ حیی نے دروازہ نہ کھولا۔ یہاں سے ابوسفیان بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی کے پاس گئے۔ سلام نے ابوسفیان کی خوب آؤ بھگت کی اور بڑی خاطر مدارات سے پیش آیا۔ بڑی رات تک (خدانخواستہ) خانہ براندازیٔ اسلام کے مشورے ہوتے رہے۔ پھر ابوسفیان اپنے سواروں کے پاس پہنچے اور صبح کے وقت چند سواروں کو ترکتاز کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ ایک مقام پر پہنچے جس کو عریض کہتے ہیں۔ یہاں سے مدینہ منورہ تین میل دور رہ جاتا ہے۔ اس جگہ ایک انصاری کے کھیت اور کھجوروں کے درخت تھے۔ انہوں نے ان میں آگ لگا دی۔ انصاری اور ان کا ساتھی سو رہے تھے۔ ان دونوں کو سوتے میں شہید کر دیا اور وہاں سے بھاگ کر ابوسفیان سے جا ملے۔ جب ہادیٔ دین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ مدینہ منورہ میں حضرت بشیر بن عبد المنذر ابو لبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے بہ نفس نفیس دو سو بہادروں کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے۔ موضع قرقرۃ الکدر تک تلاش کرتے ہوئے آئے مگر ابوسفیان آپ کی آمد کی خبر سن کر

ایسے نوک دم بھاگے تھے کہ ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ابوسفیان عالمِ اضطراب میں بھاگتے وقت اپنا زادِ راہ جو ستوؤں کی چند بوریاں تھیں چھوڑ گئے۔ اسی واسطے اہلِ سِیَر اس یورش کو غزوۂ سویق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ پانچ دن کے بعد اپنے مستقرِ سعادت کو مراجعت فرما ہوئے (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۶۲۔ بادۂ حق سے حضرت ابانؓ بن سعید کی مخموری

حضرت ابان بن سعید بن عاص بن اُمیّہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبدمناف پہ جاکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ شرفِ اسلام سے پہلے یہ بھی دوسرے اہلِ خاندان کی طرح داعیٔ اسلام اور پیروانِ اسلام کے خطرناک دشمن تھے۔ جب ان کے بھائی خالد بن سعید اور عمرو بن سعید رضی اللہ عنہما اسلام کے سرچشمۂ سعادت سے سیراب ہوئے تو ابان نے ایک نظم میں اپنے دلی رنج کا اظہار کیا تھا۔ ان کی نظم کا ایک شعر یہ ہے ؎

اَلَا لَیْتَ میتاً بالظُّرَیْبَۃ شاھد
لما یفتری فی الدین عمرو وخالد

کاش ظُرَیبہ میں موت کی نیند سونے والا (باپ)
دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی کی ہے

حضرت عمرو بن سعیدؓ نے اس نظم کا جواب نظم ہی میں دیا جس کا آخری شعر یہ تھا ؎

فدع عنك میتاً قد مضی بسبیله | واقبل علی الحق الذی ھو اظھر

(اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق و صدق کی طرف آؤ جس کی سچائی بالکل ظاہر اور عیاں ہے)

ابان بن سعید غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوئے تھے۔ کچھ مدت کے بعد بغرضِ تجارت شام گئے۔ وہاں یکا نام ایک راہب سے مل کر کہنے لگے کہ میں مکہ کا باشندہ قبیلۂ قریش میں سے ہوں۔ ہمارے قبیلہ کا ایک شخص فرستادۂ خدا ہونے کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھے بھی موسیٰ اور عیسیٰ کی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے۔ راہب نے نام پوچھا تو انہوں نے محمدؐ اور احمدؐ دو نام بتائے۔ راہب نے نام سننے کے بعد صُحُفِ آسمانی

کے رُو سے نبیٔ آخر الزمان کا سن اور نسب اور دوسری علامتیں بتائیں۔ ابان نے کہا اُس میں تو یہ تمام علامتیں موجود ہیں۔

یہ سن کر راہب بولا اگر یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ وہ بزرگ بہت جلد تمام عرب پر غلبہ و اقتدار حاصل کرے گا اور اُس کا دین دنیا پر چھا جائے گا۔" ابان نے دریافت کیا کہ مجھے جو اُس کے مخالفوں میں ہوں، اب کیا کرنا چاہیئے؟ راہب نے کہا کہ دُنیوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں اس لیے مناسب ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھو اور واپس جا کر اُس نبیٔ برحق پر ایمان لاؤ۔ اور میری طرف سے اُس برگزیدہ ہستی تک میرا سلام پہنچاؤ۔" ابان شام سے واپس ہوئے تو سابقہ رنگ بدل چکا تھا اور داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں موج زن تھی (اسد الغابہ)

کچھ دنوں تک جاہلیت کی عصبیت اور ہم چشموں کی ناراضی کا خیال قبول حق سے مانع رہا۔ آخر زیادہ دن تک جذبۂ حق کو مغلوب نہ رکھ سکے چنانچہ مدینۃ الرسول جا کر مشرف بایمان ہوئے اور شمع نبوت کی دید سے آنکھیں روشن کیں۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ ان کے تمام جرائم پر خط عفو کھینچ دیا بلکہ کچھ دنوں کے بعد ان کو بحرین کے برّی اور بحری دونوں حصوں کا حاکم بھی مقرر فرما دیا (استیعاب)

فصل ۲۶۳۔ سیّدہ زینبؓ بنت النبیؐ کی ہجرت

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی سیّدہ زینبؓ کی شادی اُمّ المومنین خدیجہؓ کے بھانجے ابو العاصؓ سے ہوئی تھی۔ ابو العاصؓ کئی سال تک اپنے سابقہ عقائد پر مصر رہے اور اسلام قبول نہ کیا، اس لیے ان سے سیّدہ کی مفارقت ضروری تھی لیکن چونکہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں تفریق پر قدرت نہ تھی، وہ بدستور اپنے غیر مسلم شوہر کے پاس رہیں اور آپ سیّدہ کو مکہ ہی میں چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔

اُمّ المومنین کا ہار ابو العاص کے فدیہ میں

غزوۂ بدر میں ابو العاصؓ قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے گئے تھے۔ آخر یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ جب اہل مکہ نے اپنے اسیروں کی رہائی کے لیے زر فدیہ مدینہ روانہ کیا تو

سیدہ زینبؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کو ابو العاصؓ کی مخلصی کے لیے کچھ مال دے کر مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ اس مال فدیہ میں ایک ہار بھی تھا جو اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ نے اپنی دختر ارجمند سیدہ زینبؓ کی کدخدائی میں انہیں دیا تھا۔ خداوند عالم نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بڑا نرم بنایا تھا۔ جب آپ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؓ کی مصاحبت کا خوشگوار زمانہ یاد آگیا۔ آپ پر رقت طاری ہوئی اور زار و قطار رونے لگے۔ سیدہ زینبؓ آپ سے بہت دنوں سے جدا تھیں، اس لیے ان کے بُلا بھیجنے کے لیے باتفاق صحابہؓ یہ تجویز قرار پائی کہ کچھ لیے بغیر ابو العاصؓ کو رہا کر دیا جائے اور ان کا فدیہ یہی قرار دیا جائے کہ وہ مکہ مکرمہ واپس جا کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں (ابو داؤد، ابن سعد)

حضرت زیدؓ اور ایک انصاری کا مکہ بھیجا جانا

آپ نے ابو العاصؓ کو بلا بھیجا اور ان کا زرِ فدیہ اور ہار واپس دے کر فرمایا "تمہیں اس شرط پر بلا فدیہ رہا کیا جاتا ہے کہ تم مکہ پہنچ کر زینبؓ کو میرے پاس بھیج دو۔" انہوں نے اس شرط کو قبول کیا۔ آپ نے ابو العاصؓ کے ہمراہ اپنے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ بن اسلم اوسی انصاریؓ کو اس غرض سے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کہ سیدہ زینبؓ کو ساتھ لے آئیں اور دونوں کو ہدایت کر دی کہ تم لوگ مکہ نہ جانا بلکہ شہر سے باہر وادیٔ ناجج کے مقام پر ان کی آمد کا انتظار کرنا (ابو داؤد) ابو العاصؓ نے وعدہ کے مطابق مکہ معظمہ پہنچ کر سیدہ زینبؓ کو ہودج میں بٹھایا اور اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ ان کو وادیٔ ناجج تک پہنچا آؤ۔ کنانہ اپنی کمان اور ترکش سنبھال کر دن کے وقت اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے روانہ ہوا۔

ابوسفیان اور دُوسرے اعدا سیدہؓ کے تعاقب میں

جب قریش کو سیدہ زینبؓ کے جانے کا حال معلوم ہوا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور فوراً تعاقب کی تیاری کی۔ ابوسفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی جستجو کو نکلے۔ اس جماعت میں ایک شخص ہبّار بن اسود بھی تھا جس کے دل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ باوجودیکہ یہ شخص اُمّ المومنین خدیجہؓ کے عم زاد بھائی کا بیٹا تھا اور اس رشتہ سے سیدہ زینبؓ کا بھائی لگتا تھا، لیکن سرورِ انبیاءؐ کی عداوت کے باعث ان سے بھی عناد رکھتا تھا۔ فساق کی اس جماعت نے سیدہ کا تعاقب کیا اور مقام ذی طویٰ میں دونوں

کو جا گھیرا۔

سیدہ کا مجروح ہونا

ہبار نے پہلے تو ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور جب سیدہ گر پڑیں تو نیزہ سے ان پر حملہ آور ہوا۔ وہ عفیفہ بُری طرح زخمی ہو کر پتھر کی ایک چٹان پر گر پڑیں۔ سیدہ اس وقت حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ اس جفاکاری پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالا اور کہا یاد رکھو کہ اب جو کوئی ہمارے قریب آئیگا وہ میرے تیروں کا نشانہ بنے گا۔ یہ سن کر تمام اوباش پیچھے ہٹ گئے۔ اب ابوسفیان بن حرب اور بعض دوسرے اجلۂ قریش آگے بڑھے۔ ابوسفیان نے کنانہ سے کہا عزیز من! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ تیر الگ رکھو اور بات کرنے دو تو کہوں"! کنانہ نے کہا اچھا آؤ اور کہو۔

سیدہ کی مکہ کو واپسی

ابوسفیان اس کے بالکل قریب جا پہنچے اور کہا یہ تم نے کوئی دانائی کا کام نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو علانیہ تمام لوگوں کے سامنے لیے جا رہے ہو۔ لوگ ہمیں بزدلی کا طعنہ دیں گے کہ قریش ہزیمت بدر کی وجہ سے اس ذلّت و خواری کو پہنچ گئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو بھی روک نہیں سکتے۔ ہمیں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیٹی کے روکنے میں کوئی فائدہ نہیں لیکن ہماری عزت اس میں ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو اور جب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو واپس لے آئے اور یہ چرچہ موقوف ہو جائے تو تم کسی دوسرے وقت میں چوری چھپے اس کو لے جانا" کنانہ نے اس کو منظور کیا اور سیدہ زینبؓ کو مکہ واپس لے آیا۔

رازداری کے ساتھ دوبارہ روانگی

چند روز کے بعد کنانہ انہیں رازداری کے ساتھ لے کر پھر روانہ ہوا اور وادیٔ یاجج میں حضرت زید بن حارثہ اور سلمہ بن اسلم انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ کر کے واپس آیا۔ حضرت زینبؓ نیزے کی ضرب سے مدت تک علیل رہیں۔ اس اثنا میں کبھی کسی قدر افاقہ ہو جاتا اور کبھی پھر بیمار پڑ جاتیں یہاں تک کہ اپنے شوہر حضرت ابوالعاص رضؓ کے قبول اسلام کے بعد اسی صدمہ سے مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئیں (طبری، ابن ہشام، الروض الانف، زرقانی علی المواہب)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبار بن اسود سے جو آپ کی صاحبزادی کا حقیقی قاتل تھا عفو و درگزر فرمانے کے بعد جو کریمانہ سلوک کیا، اس کی تفصیل ان شاء اللہ الکریم کتاب شمائل کبریٰ

میں احباب کی نظر سے گزرے گی۔ حسب روایت اُم المومنین صدیقہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کی رحلت پر فرمایا وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری وجہ سے ستائی گئی۔ (زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم)

غیر محرم کے ساتھ عورت کا سفر کرنا

حضرت سیدہ کے سفر ہجرت سے دل میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ عورت کا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے انہیں دو ایسے صاحبوں کے ہمراہ کیوں منگوا بھیجا جو اُن کے محرم نہ تھے؟ اس کی نسبت گزارش ہے کہ اس وقت تک عورت غیر محرم سے پردہ کرنے کی مامور نہ تھی اور اسے غیر محرم کے ساتھ ہنوز سفر کرنے کی بھی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اور اگر پردہ اور سفر نہ کرنے کا حکم نازل ہو چکا ہوتا تو بھی عورت اپنے زرخرید غلام سے نہ تو پردہ کرنے کی مامور ہے اور نہ اسے اس کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ حضرت زیدؓ پہلے تو محض زرخرید غلام تھے لیکن اس کے بعد مقتدائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس باپ اور بیٹے کے تعلق کو دوسروں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت زید وہ بیٹا تھے جنہوں نے اپنے حقیقی باپ کے ساتھ وطن جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان سب امور سے قطع نظر اُمت کو اپنے پیغمبر سے جو والہانہ محبت و عقیدت ہوتی ہے اس پر ہزار محرم اور لاکھوں قرابت دار قربان کیے جا سکتے ہیں۔

فصل ۲۶۴ - مخفی راز کے انکشاف پر عازمِ قتل عدو کی حیرت اور اُس کے باطن میں نورِ توحید کی جلوہ گری

قریش کے جن افراد کو اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں خاص شغف و انہماک تھا ان میں عُمیر بن وہب بن خلف جمحی بھی داخل تھے۔ بدر میں قریش کی ذلت آفرین ہزیمت کے بعد عُمیر حجر کے مقام میں اپنے دوست صفوان بن اُمیہ بن خلف بن وہب جمحی کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ سرغنل مشرکین صفوان کہنے لگے خدا کی قسم! اب زندگی بے لطف ہو گئی۔ عُمیر بولے ہاں دوست سچ کہتے ہو میں تو بدر میں شکست

کمانے کے بعد اپنی زندگی سے سخت بیزار ہوں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ اس کے بعد عُمیر نے کہا کاش! میں بار قرض کے نیچے دبا نہ ہوتا اور اہل وعیال کا خیال نہ ہوتا تو میں یثرب پہنچتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نقش وجود صفحہ ہستی سے محو کر کے قریش کو ہمیشہ کے لیے اس خرخشہ سے نجات دلا دیتا۔"

صفوان نے کہا بھائی! اس وقت دنیا میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قتل سے بڑھ کر کوئی اہم و ضروری کام نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اس کام کو انجام دے کر قوم کا کلیجہ ٹھنڈا کر دو۔ میں تمہیں بار قرض سے سبکدوش کرنے اور تمہارے اہل وعیال کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔" عُمیر تو یہ چاہتے ہی تھے۔ ان کا ساغرِ دل خوشی سے چھلک گیا اور صفوان کا بہت کچھ شکریہ ادا کرنے کے بعد سامانِ سفر مہیا کر دینے کی درخواست کی۔ صفوان نے ضروری سامان فراہم کیا اور زہر میں بجھی ہوئی ایک تلوار ان کے حوالے کی۔ عُمیر نے یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں تک میرا حالِ سفر مخفی رکھنا مدینۃ الرسول کا راستہ لیا۔

جب شہر میں پہنچے تو حضرت فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور معاً یقین ہو گیا کہ ضرور کسی فاسد ارادہ سے یہاں آیا ہے۔ اچانک عُمیر کے سر پر پہنچے اور بڑی پھرتی سے ان کی تلوار کا قبضہ ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے ان کا گلا دبا لیا اور پوچھا تجھے دشمنِ خدا! مکہ سے یہاں کس غرض سے آیا ہے؟ عُمیر نے حیلہ سازی سے کام نکالنا چاہا مگر جناب فاروق رض کو ان کی کسی بات کا یقین نہ آیا اور اسی طرح ٹینٹوا دبائے سرکارِ رسالت میں لے آئے۔ ان دونوں کو اس ہیئت میں دیکھ کر شفیقِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! انہیں چھوڑ دیجیئے۔" جب انہوں نے چھوڑ دیا تو فرمایا عُمیر! میرے قریب آ جاؤ۔ جب وہ آپ کے پاس گئے تو پوچھا کہ کس ارادہ سے یہاں آئے؟ کہنے لگے اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ قید میں ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ پھر یہ تلوار کیسی گلے میں آویزاں ہے؟ عُمیر نے کہا آتے وقت گلے اُتارنا بھول گیا تھا اس لیے یہ لٹکی رہ گئی۔ مگر ان تلواروں نے بدر میں آپ کا کیا بگاڑ لیا؟ فرمایا اسی واسطے تم نے اور صَفوان بن اُمیّہ نے حِجر میں میرے قتل کی سازش کی؟ اور صفوان نے تم قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا اور تمہارے اہل وعیال کا خرچ اپنے ذمے لیا؟ عُمیر پتے کی بات سُن کر سناٹے میں آ گئے اور سخت حیرت کے ساتھ آپ کی طرف دیکھنے لگے کہ ان کو اس مخفی

کی کیونکر اطلاع ہوئی؟

آخر بے اختیار ہو کر اسی زبان سے جس سے آپ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے بولے محمدؐ! واقعی آپ خدا کے فرستادہ ہیں۔ ہم آسمانی خبروں کے متعلق آپ کو ہمیشہ جھٹلاتے رہے لیکن اب اس اطلاع کے متعلق میں بالکل لاجواب ہوں کیونکہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔" یہ کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کے فرزند کو آزاد کر دو۔ چنانچہ اس کو بلا فدیہ رہا کر دیا گیا۔

ادھر مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیّہ سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے اور قریش سے کہتے پھرتے تھے کہ میں تمہیں عنقریب ایک ایسا مژدہ سناؤں گا کہ اس کے بعد ہزیمت بدر کا غم بھول جاؤ گے اور ہر آنے والے سے پوچھتے کہ یثرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟ ایک دن خلاف توقع سنا کہ جس شخص کو شکار کے لیے بھیجا تھا وہ خود شکار ہو گیا۔ اس خبر سے بہت پیچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ مدت العمر عُمیر سے ہم کلام نہ ہوں گا اور نہ اس کی کسی طرح مدد کروں گا۔" تمام قریش عُمیر کے اسلام پر اظہارِ ملامت اور طعن و تشنیع کرتے رہے۔ اس اثناء میں عُمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر کے بارگاہِ نبوت میں التماس کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں مکہ جا کر اشاعت اسلام کا فرض ادا کروں۔ عجب نہیں کہ خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آپ نے اجازت دی۔ حضرت عُمیرؓ نے مکہ پہنچ کر بڑی سرگرمی سے دعوت و تبلیغ شروع کی اور ان کی کوششوں سے متعدد افراد نورِ ایمان سے مستعد ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری و اصابہ)۔

عُمیرؓ کے مشرف بایمان ہونے کے بعد مسبب الاسباب عز اسمہٗ نے ان کے لیے بارِ قرض سے سبکدوشی اور فراخ دستی کی بھی ایک ایسی سبیل پیدا کر دی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ حضرت عُمیرؓ کے باپ نے مرنے سے پہلے بہت سا زر و مال بغرض حفاظت ایک جگہ دفن کر دیا تھا لیکن نہ تو کسی کو اس کی جگہ بتائی تھی اور نہ مرتے وقت وصیت کرنے کا موقع ملا تھا۔ مکہ معظمہ واپس آنے کے بعد حضرت عُمیرؓ نے عالم رؤیا میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ فلاں جگہ کھود کر اپنے باپ کا دفینہ نکال لو۔ انہوں نے بیدار ہو کر اس جگہ کو کھودا جہاں انہیں دس ہزار درم اور سونے کے ٹکڑے ملے۔ انہوں نے اپنا قرض ادا کیا اور آسودہ حال ہو گئے۔

چونکہ یہ واقعہ اس گھرانے کے قبول اسلام کے فوراً بعد رونما ہوا، حضرت عُمیر کی ایک کمسن بچی کہنے لگی ابا جان! ہمارا یہ رب تو بہت اچھا ہے۔ یہ ہُبَل اور عُزّیٰ معبودوں سے تو کہیں

بہتر ہے۔ ابھی ہم نے چند ہی روز اس کی پرستش کی تھی کہ ہم کو اتنی بڑی دولت بخش دی ہے۔ ہُبل اور عُزّیٰ نے تو ساری عمر کچھ بھی نہ دیا تھا (کتاب الرّوح علامہ ابن قیمؒ)

سچ ہے جو خدا کا ہو جائے خدا خود اس کا میر ساماں بن جاتا ہے ◆

صفوانؓ کی سعادتِ ایمانی

اب صفوان بن اُمیّہ کا حال سنو۔ وہ فتح مکہ کے دن دوسرے اشتہاری مجرموں کی طرح کہیں روپوش ہو گئے۔ عُمیرؓ نے آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی جاں بخشی کی استدعا کی۔ آپ نے اس درخواست کو شرفِ قبول بخشا اور عمیرؓ انہیں تلاش کر کے شہر لائے۔ صفوانؓ بھی مکہ کے ان غیر مسلموں میں داخل تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ سے حُنین جاتے وقت لشکرِ اسلام کی رفاقت و ہمرہی اختیار کی تھی۔ فتح و ظفر کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو صفوانؓ حضرت امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم المثال داد و دہش سے متاثر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (اصابہ وغیرہ)

خاتمۃ الکتاب

یہ فقیرِ بے استطاعت اُس کریم کردگار کی نُصرت بخشی کا شکر گزار ہے جس نے اس ناچیز کو تدوینِ کتاب کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اس فقیر کا اصل وطن تحصیل وزیرآباد (ضلع گجرانوالہ) میں دلاور نام ایک گاؤں ہے لیکن اب کئی سال سے لاہور میں قیام ہے۔ افسوس کہ اس نامۂ سیاہ نے عالمِ شباب میں اس کتاب کی ترتیب و تالیف کا عزم نہ کیا اور موجودہ وقت میں کہ عمر ستر سال سے متجاوز ہے اور قویٰ بتقاضائے سن دن بدن مضمحل ہو رہے ہیں، راقم التحریر اپنے اندر اس کتاب کے اتمام کی قدرت و صلاحیت نہیں پاتا۔ ہاں زندگی نے مہلت دی اور حالات ساز گار ہوئے تو دو دوسری زیرِ تالیف کتابوں (”شمائل کبریٰ“ اور ”سیرت ذوالنّورینؓ“) کی تکمیل کا قصد ہے۔ واللہ الموفق لحصول المرام۔ اخیر میں اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ان اوراق میں جہاں کہیں سہو و خطا پائیں، اصلاح، تصحیح فرما دیں۔ واسأل اللہ العظیم ان یجعل ذٰلک خالصًا لوجھہ الکریم موجبًا للفوز بجنّات النعیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیّدنا محمّدٍ واٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین ◆

ابوالقاسم رفیق دلاوری
انارکلی۔ لاہور

۱۳ صفر ۱۳۷۱ھ
۱۴ نومبر ۱۹۵۱ء

کتبہٗ احقر العباد محمد یوسف کاتب ساکن حضرت کیلیانوالہ۔ ضلع۔ گجرانوالہ

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلوا علیہم آیتہ و یزکیہم
وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

سیرت کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور انبیا سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

جسمیں ہاشمیوں کا عام مقاطعہ، حبشہ کیطرف دوسری ہجرت، آپکو زر، زن اور حکومت کا پیشکش حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا قبول اسلام، ابوطالب اور ام المومنین خدیجہؓ کا سفر آخرۃ مجلس ایذا رسانی کا قیام، معراج، تبلیغی دورے، اہل یثرب کی بیعت اسلام، معجزہ شق القمر، صحابہ کرام کی ہجرت، آپ کی ہجرت مقدسہ، قبا میں ورود، مدینہ منورہ میں داخلہ، مہاجرین و انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام، حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام، مسجد نبوی کی تعمیر، منافقوں کا ظہور، یہود سے معاہدہ صلح، یہودی قوم کے اعراض و انکار کے اسباب سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شادی، تحویل قبلہ اور فرضیت رمضان، مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت، غزوہ بدر، سیدہ رقیہؓ کی رحلت، قریش بدر کی انتقام جوئی اور دوسرے اہم واقعات درج ہیں

مرتبہ
مولانا ابوالقاسم رفیق مدظلہ دلاوری مصنف ائمہ تلبیس، سیرت ذوالنورین، سیدہ فاطمہ، شمائل کبریٰ
رئیس قادیاں وغیرہ

ناشر: مکتبہ صدیقیہ بیرون لوہاری دروازہ ملتان شہر
باراول
تعداد ۱۲۵۰
قیمت RS. 4/8/-